www.KitaboSunnat.com
عقائد و ایمانیات کے جملہ مباحث عام فہم اسلوب میں
اصلاح عقائد
انسانی زندگی کی کامیابی اور راہنمائی کے زریں اصول
مؤلف
ڈاکٹر حافظ مبشر حسین لاہوری

صحح عقیدتک من الکتاب والسنۃ الصحیحۃ

عقائد و ایمانیات کے جملہ مباحث عام فہم اسلوب میں

اصلاح عقائد

انسانی زندگی کی کامیابی اور راہنمائی کے زریں اصول

مؤلف

ڈاکٹر حافظ مبشر حسین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام کتاب	:	اصلاحِ عقائد
مؤلف	:	ڈاکٹر حافظ مبشر حسین
اشاعت	:	2015ء
صفحات	:	472
تعداد	:	1100
قیمت	:	375/-
مطبع	:	کلاسک پرنٹرس، دہلی

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاءاللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

باب ۵

جنات وشیاطین کا بیان

حرف آغاز

ایک مؤمن کے لیے دنیوی زندگی میں سب سے قیمتی چیز اس کا 'ایمان' ہے۔ ایمان کا معنی ہے ماننا اور تسلیم کرنا۔ اسلامی اصطلاح میں چند مخصوص چیزوں کو ماننا 'ایمان' کہلاتا ہے۔ وہ چیزیں کیا ہیں؟ اس بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

''(ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ، اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان لاؤ، اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، آخرت کے دن (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے) پر ایمان لاؤ اور تقدیر کے اچھا یا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان لاؤ''۔[1]

اس حدیث میں چھ چیزوں کو ماننے کو ایمان قرار دیا گیا ہے اور یہی چھ چیزیں ارکان ایمان بھی کہلاتی ہیں یعنی:

۱۔ اللہ پر ایمان،

۲۔ اس کے فرشتوں پر ایمان،

۳۔ اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان،

۴۔ اس کے رسولوں پر ایمان،

۵۔ آخرت کے دن پر ایمان (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان)،

۶۔ اور تقدیر کے اچھا یا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان۔

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام، ح۸۔ ومثلہ فی البخاری، ح۵۰۔

مذکورہ بالا چھ چیزوں کو صدق دل سے ماننا اور تسلیم کرنا 'ایمان مجمل' کہلاتا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کے لیے اجمالاً ان چھ چیزوں کو ماننا ضروری ہے، اسی طرح ان چھ چیزوں سے متعلقہ کچھ اہم اور بنیادی تفصیلات سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ مگر یہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ عامۃ الناس کو ان ضروری تفصیلات سے پوری طرح واقفیت نہیں ہوتی جس کے نتیجے میں عوام میں ایسے اعمال اور مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں کہ ان کے ایمان اور اسلام میں شک ہونے لگتا ہے۔ ایسی صورت میں اہل علم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی زبان اور قلم کے ذریعے لوگوں کو ایماں اور اسلامی عقائد سے روشناس کرائیں۔ اسی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے راقم الحروف نے آج سے چند سال قبل 'سلسلہ اصلاحِ عقائد' کے نام سے ایک کتابی سلسلہ شروع کیا اور اس سلسلہ کے تحت دس کتابیں شائع کیں جن میں سے چھ کتابوں کا تعلق ایمان کے مذکورہ بالا چھ ارکان سے ہے اور چار کتابیں عقائد و ایمانیات ہی سے متعلقہ کچھ ضمنی مگر ضروری تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ ان کتابوں میں نہایت عام فہم اردو اسلوب اختیار کیا گیا اور ہر بات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کی نصوص کی تشریح و تفہیم کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کے ان ممتاز علماء و فقہاء کے اقوال و فرمودات سے راہنمائی لی گئی ہے جنہیں اپنے علم و تقویٰ کی وجہ سے ہمیشہ امت کا اعتماد حاصل رہا ہے۔ ان کتابوں میں ایک خوبی یہ بھی دیکھنے کو ملے گی کہ کہیں کسی اختلافی بحث میں اخلاق سے گری ہوئی کوئی بات جو کسی کی دل آزاری کی وجہ بنے، قلم کی نوک پر نہیں آنے دی گئی۔ اول تا آخر خلوص اور اصلاح کا جذبہ پوری طرح کارفرما رہا ہے۔

زیر نظر کتاب ہمارے 'سلسلہ اصلاحِ عقائد' کی انہی دس کتابوں کا ایک جامع اختصار ہے اور اسے ان دوستوں کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے جن کا اصرار تھا کہ اصلاحِ عقائد کی دس کتابوں کو ایک ہی جلد میں اختصار کے ساتھ شائع کیا جائے تاکہ اسے لوگوں کے عقائد کی اصلاح کے لیے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جا سکے اور مختصر ہونے کی وجہ سے لوگوں کے لیے اسے خریدنا اور اہتمام سے پڑھنا بھی آسان ہو۔

اللہ ہماری ان کوششوں کو قبول فرمائے اور انہی عقائد پر ہمارا خاتمہ ہو جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، آمین یا رب العالمین!

(مبشر حسین)

مقدمہ

ایمان اور کفر و شرک

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اور ان نعمتوں کو اگر انسان گننا چاہے تو یہ اس کے لیے ناممکن ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ [سورة ابراهيم: ٣٤]

''اگر تم اللہ کے احسان (نعمتیں) گننا چاہو تو تم انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔ یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ان نعمتوں کی یاددہانی مختلف انداز میں کرائی ہے تاکہ لوگ اللہ کے شکرگزار اور عبادت گزار بن سکیں اور انہی نعمتوں میں سے دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے احسان جتاتے ہوئے یاددہانی کرائی ہے۔ ان میں سے ایک ایمان کی نعمت ہے اور دوسری نبی کریم ﷺ کی رسالت و نبوت کی نعمت ہے۔ ایمان کی نعمت کو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اپنا احسان قرار دیا جب کچھ نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر آپ ﷺ پر احسان جتاتے ہوئے کہا کہ ہم نے آپ کا دین قبول کر لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم احسان نہ جتاؤ، بلکہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اللہ نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی ہے۔ قرآن مجید کی وہ آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ واقعہ مذکور ہے:

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾

''وہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔ تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی

راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعویٰ ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔ کہہ دیجئے! کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو، اللہ تو ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے، بخوبی آگاہ ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔ یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اسے اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے''۔ [الحجرات ۱۴۔۱۸]

جہاں تک نبی کریم ﷺ کی رسالت ونبوت کی نعمت کا تعلق ہے، تو اس احسان کے بارے میں سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ [سورة آل عمران: ١٦٤]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

'ایمان' اور صحیح عقیدہ ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ 'ایمان' اور صحیح عقیدہ ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اگر انسان کو سارے جہاں کی نعمتیں اور دولتیں حاصل ہو جائیں مگر وہ ایمان کی نعمت و دولت سے محروم رہے تو وہ پھر بھی بدنصیب ہے اور اگر کسی کو ایمان کی نعمت مل جائے اور ایمان کی محبت اور لذت اس کے دل و دماغ اور جسم و جان میں سرایت کر جائے تو پھر اس کے لیے دنیا کی باقی ساری دولتیں اور آسائشیں اس ایمانی دولت کے سامنے ہیچ ہیں اور اگر دنیا میں اسے ایمان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی بھی دینا پڑے تو وہ ایمان کو بچانے کے لیے اس سے نہ گریز کرے گا اور نہ کبھی متزلزل ہوگا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ ایمان کے ساتھ ہی وہ اُخروی اعتبار سے کامیاب ہو سکتا اور ہمیشہ کے لیے جنت کا مستحق بن سکتا ہے۔

ایمان اور اسلام کیا ہے

قرآن وسنت میں ایمان اور اسلام دونوں اصطلاحات بہت زیادہ استعمال ہوئی ہیں۔ کبھی دونوں کا ایک ہی مفہوم اور پس منظر ہوتا ہے اور کبھی کچھ فرق ہوتا ہے، اس لیے اہل علم میں اس بات میں اختلاف پیدا ہوا کہ ان دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماءِ اہل سنت کے ہاں دو آراء پائی جاتی ہیں:

۱۔ ایک یہ ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے یعنی یہ کہ ایمان کہہ کر ہم جو کچھ مراد لیتے ہیں، اسلام سے

بھی وہی کچھ مراد ہوتا ہے۔

۲۔اس سلسلہ میں دوسری رائے جو زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر یہ دونوں لفظ اکٹھے استعمال ہوں تو پھر ان دونوں کے معنی میں فرق ہوتا ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ان سے ایک ہی مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جب ایمان اور اسلام علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو پھر ایمان سے مراد وہ عقائد (معتقدات) ہوتے ہیں جن کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے اور اسلام سے مراد وہ ظاہری اعمال ہوتے ہیں جن کا تعلق انسان کے اعضاء و جوارح کے ساتھ ہوتا ہے جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ۔ اکثر اہل سنت کا یہی موقف ہے اور اس کی قرآن و سنت سے کئی ایک دلیلیں اہل علم نے بیان کی ہیں جن میں سے ایک دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [سورة الحجرات: ١٤]

''وہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔ تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

اس آیت میں اعراب (دیہاتی لوگوں) کے لیے ان کا 'اسلام' تو تسلیم کیا گیا ہے مگر ایمان کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ابھی تمہارے دلوں میں پوری طرح گھر نہیں کر سکا۔ گویا ایمان کا درجہ اسلام سے زیادہ بڑا ہے۔

اسی طرح بعض احادیث میں ایمان اور اسلام میں واضح طور پر فرق بیان ہوا ہے، مثلاً ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ..... قَالَ يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَتُقِيمَ الصَّلٰوةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ...... قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے...... اس نے کہا: اے محمد! مجھے بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اللہ کے گھر کا حج کرو، اگر تم اس کی استطاعت (طاقت) رکھتے ہو۔ پھر اس نے کہا کہ آپ ﷺ مجھے بتائیں کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ پر ایمان

لاؤ، اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ، اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان لاؤ، اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، آخرت کے دن پر ایمان لاؤ، اور تقدیر کے اچھا یا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان لاؤ''۔

اس حدیث سے اس سوال کا جواب بھی مل گیا کہ ایمان کیا ہے اور اسلام کیا ہے۔

ارکان ایمان

گزشتہ حدیث میں چھ چیزوں پر ایمان لانے کو 'ایمان' قرار دیا گیا ہے یعنی:

۱۔اللہ پر ایمان'

۲۔اس کے فرشتوں پر ایمان'

۳۔اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان،

۴۔اس کے رسولوں پر ایمان،

۵۔آخرت کے دن پر ایمان (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان)،

۶۔اور تقدیر کے اچھا یا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان۔

ان چھ چیزوں کو ارکانِ ایمان بھی کہا جاتا ہے۔ان میں سے کسی رکن کا انکار کرنے یا اس میں شک کرنے سے انسان کفر کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔البتہ ان کی تفصیلات و جزئیات میں تاویل اور اجتہاد وغیرہ کی بنیاد پر اختلاف رائے سے کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا، جیسا کہ آگے بحث آئے گی۔

ان چھ چیزوں میں سے پہلی پانچ چیزوں کو قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں ارکانِ ایمان کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے:

(۱)...... ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ [البقرة : ۱۷۷]

''ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ (قرآن اور سابقہ صحائف و کتبِ سماویہ) پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو''۔

(۲)...... ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ [سورة النساء : ۱۳۶]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب (قرآن) پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس (قرآن) سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہے، ایمان لاؤ۔ جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا''۔

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام، ح۸۔ ومثله فی البخاری، ح۵۰۔

ان پانچ چیزوں کے ارکان ایمان ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں، البتہ تقدیر کے بارے میں بعض اہل علم شبہ میں پڑے ہیں کہ اسے بھی ان پانچ ارکان کی طرح ایک رکن کی حیثیت حاصل ہے یا نہیں۔ حق بات یہی ہے کہ اسے بھی ایمان کے رکن کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا ثبوت صرف حدیث ہی سے نہیں ہوتا بلکہ قرآن مجید میں بھی ایسی آیات موجود ہیں جن میں تقدیر پر ایمان لانے کے بارے میں صاف ذکر ملتا ہے اور ایمان بالقدر کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...... ﴿ مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ﴾ [سورة الحديد: ۲۲، ۲۳]

''کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہاری جانوں کو پہنچتی ہے، وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی کتاب میں (یعنی تقدیر میں لکھی ہوئی) ہے۔ یہ بات بلاشبہ اللہ کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے ہے تاکہ جو تمہیں نہ مل سکے اس پر تم غم نہ کرو اور جو اللہ تمہیں دے اس پر فخر نہ کرو''۔

(۲)...... ﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ [سورة القمر: ۴۹]

''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے''۔

(۳)...... ﴿ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴾ [سورة الاحزاب: ۳۸]

''اور اللہ تعالیٰ کے (سب) کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں''۔

ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا (یعنی استثناء کرنا)

کیا انسان اس طرح کہہ سکتا ہے کہ ''میں مومن ہوں'' یا اس کے ساتھ ''ان شاء اللہ'' بھی کہنا چاہیے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے جیسا کہ ابن ابی العزؒ بیان فرماتے ہیں:

''اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور تین مختلف آراء ہیں۔ ایک ان لوگوں کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو فرض قرار دیتے ہیں اور ایک ان کی رائے ہے جو ان شاء اللہ کہنے کو حرام کہتے ہیں اور تیسری رائے ان لوگوں کی ہے جو بعض حالات میں ان شاء اللہ کہنے کو جائز کہتے ہیں اور بعض حالات میں ناجائز کہتے ہیں اور یہی رائے سب سے صحیح ہے۔......

اگر کوئی شخص اپنے ایمان کی اصل اور بنیاد میں شک کرتے ہوئے کہے کہ ''میں مومن ہوں، ان شاء اللہ''، تو پھر اس طرح کہنا درست نہیں [اس لیے کہ مومن کو اپنے ایمان میں شک نہیں ہونا چاہیے] اور اگر کوئی مومن یہ سمجھے کہ میں بھی ان مومنوں کی طرح ہوں جن کی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود تعریف کی ہے تو پھر ایسی صورت میں اسے ان شاء اللہ بھی کہنا چاہیے''۔ [۱]

۱۔ شرح العقيدة الطحاوية، ص ۳۵۱، ۳۵۳

کفر کسے کہتے ہیں؟

کفر کا لفظ عربی میں کسی چیز کو چھپانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کاشت کار (کسان) کے لیے بھی لغوی طور پر 'کافر' کا لفظ بولا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ بیج کو جب کھیت میں ڈالتا ہے تو اسے کھیت کی مٹی میں چھپا دیتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ﴾ [سورة الحديد: ٢٠]

''اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے''۔

اسلامی اصطلاح میں کفر کا لفظ ایمان کے بالمقابل (یعنی متضاد کے طور پر) استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ کافر اسے کہتے ہیں جو دین حق کو دل و جان سے تسلیم کرنے اور اس کا اقرار کرنے کی بجائے اسے چھپاتا ہے۔ اور نتیجہ کے اعتبار سے کسی چیز کو چھپانا ایسے ہی ہے کہ جیسے اس کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اس لیے لفظ کفر کا معنی 'انکار' بھی کیا جاتا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ بیان فرماتے ہیں کہ

''لغوی طور پر کفر کا معنی ہے: ستر الشيء۔ بعض ماہرین لغت کے بقول رات اور کسان کے لیے بطور اسم تو نہیں البتہ بطور صفت لفظ 'کافر' بولا جاتا ہے، اس لیے کہ رات تمام لوگوں کو (اپنے اندھیرے میں) چھپا لیتی ہے اور کسان بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ کفرانِ نعمت یعنی کسی نعمت کے کفر سے مراد یہ ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا نہ کر کے اسے چھپایا جائے۔ سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت یا شریعت یا نبوت کا انکار کیا جائے۔ جب کسی نعمت کو چھپایا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے اس نعمت کا انکار کرنا ہی سمجھا جاتا ہے، اس لیے کفر کا لفظ انکار کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ﴾ یعنی ''اس کا سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو''...... کفر ایمان کی ضد ہے''۔[1]

اصطلاحی طور پر 'کفر' کی جتنی بھی تعریفات اہل علم سے منقول ہیں، ان سب کا اگر خلاصہ یا ایسا مشترک نکتہ بیان کیا جائے کہ جس پر کسی کا اختلاف نہ ہو، تو وہ یہی ہے کہ ''کفر ایمان کی ضد ہے''۔ ابو ہلال عسکری اپنی کتاب **فروق اللغوية** میں بیان فرماتے ہیں کہ

''کفر کا لفظ کئی ایک گناہوں پر بولا جاتا ہے جن میں شرک باللہ، نبوت کا انکار، اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرنا وغیرہ شامل ہے اور یہ آخری چیز ایک لحاظ سے نبوت ہی کا انکار ہے''۔[2]

نیز فرماتے ہیں[3]:

''کفر اور شرک میں فرق یہ ہے کہ کفر بہت سی صورتوں کے لیے بولا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا ہے اور یہ ایسی خصلتیں ہیں جن میں سے ہر خصلت ایمان کی ضد ہے، کیونکہ بندہ جب کفر کی ایک خصلت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ ایمان

١۔ مفردات القرآن، للراغب الاصفهانيؒ، ص٤٣٤۔

٢،٣۔ فروق اللغويه، لابي هلال العسكري، ص١٨٩، ص١٩١۔

کی ایک خصلت کو ضائع کر بیٹھتا ہے۔اور شرک بھی کفر کی ایک خصلت ہے اور شرک یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ یا اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنایا جائے۔شرک کے اشتقاقات میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے، پھر کثرت استعمال اور بہت بڑا گناہ ہونے کی وجہ سے ہر کفر کو شرک کہا جانے لگا۔کفر کی اصل (لغوی معنی) ناشکری ہے اور اس کا متضاد لفظ شکر گزاری ہے۔اور کفر باللہ کا متضاد 'ایمان' ہے۔ایمان کو ضائع کرنے والے کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حقوق کو ضائع کرتا ہے اور اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری جو اس پر فرض تھی، اس کی پروا نہیں کرتا تو گویا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔شرک کا اصل متضاد ہے 'اخلاص'، لیکن جب شرک کا لفظ ہر کفر کے لیے استعمال ہونے لگا تو پھر 'ایمان' اس کا متضاد بن گیا''۔[(۱)]

کفر کی اقسام: کفر اکبر اور کفر اصغر

اہل علم نے کفر کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے یعنی کفر اکبر اور کفر اصغر۔کفر اکبر سے مراد کفر کی وہ صورت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس لیے اس صورت کو مخرج من الملة کفر بھی کہتے ہیں اور اسے ناقضِ ایمان (یعنی ایمان کو توڑ دینے والا) بھی کہتے ہیں۔اس میں شرک، اعتقادی نفاق، دین سے استہزاء، نبی کریم ﷺ سے طنز و تشنیع وغیرہ شامل ہیں۔اعاذنا الله منها اجمعين!

اور دوسری قسم وہ ہے جو دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں کرتی مگر اس کا مرتکب گنہگار کہلاتا ہے۔اس میں قتل، لڑائی جھگڑا، خیانت، گالی گلوچ اور اس جیسے کئی ایک گناہ شامل ہیں۔جن احادیث میں ان گناہوں پر کفر یا نفاق کا لفظ بولا گیا ہے، ان میں کفر اور نفاق سے کفر اصغر اور نفاق اصغر ہی مراد لیا گیا ہے۔

نوعیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی اقسام

نوعیت کے لحاظ سے کفر اکبر کی عام طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔وہ جو اعتقاد (عقیدہ) سے تعلق رکھتی ہیں۔اس قسم کو اعتقادی مکفرات یا اعتقادی نواقض کہتے ہیں۔

۲۔وہ جو قول سے تعلق رکھتی ہیں۔اس قسم کو قولی مکفرات یا قولی نواقض کہتے ہیں۔

۳۔اور وہ جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔اس قسم کو عملی مکفرات یا عملی نواقض کہتے ہیں۔

اب ذیل میں ان کی کچھ تفصیل ملاحظہ کریں۔

کفر اعتقادی (اعتقادی نواقض/اعتقادی مکفرات) کی بنیادی صورتیں

(ا)۔اللہ کے بارے میں کفر اعتقادی کی بنیادی صورتیں یہ ہیں کہ

۱۔اللہ کا وجود ہی تسلیم نہ کیا جائے۔

۲۔یا وجودِ باری تعالیٰ تسلیم تو کیا جائے مگر اس طرح اور ان صفات و افعال کے ساتھ نہیں جیسے اور جس طرح قرآن مجید

میں بیان کیا گیا ہے۔ گویا اللہ کی صفات وافعال کا انکار کفر ہے۔

۳۔ یا اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے۔ یہ شرک خواہ اس کی ذات میں ہو، صفات میں ہو یا عبادات میں۔

(۲)۔نبیوں اور رسولوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ

ا۔اُن سچے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی بھی نبی ورسول کی نبوت ورسالت کو دل سے تسلیم نہ کیا جائے کہ جن کی نبوت و رسالت قطعی دلائل سے ثابت ہے، مثلاً جس طرح یہودی اور عیسائی حضرت محمد ﷺ کی نبوت ورسالت کو تسلیم نہیں کرتے۔

۲۔ یا اللہ کی طرف سے جس پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری نبیوں اور رسولوں کو سونپی گئی اور انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے وہ پیغام اپنی امتوں کے سامنے پیش کیا، اس پیغام کے برحق اور من جانب اللہ ہونے کا کلی یا جزوی طور پر انکار کرنا، جیسا کہ ان کے دور میں کافر لوگ کیا کرتے تھے۔

۳۔ یا نبی کریم ﷺ کے قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے آخری نبی ہونے کا انکار کرنا۔ یا نئے نبی کی ضرورت اور امکان کا عقیدہ رکھنا یا نبی کریم ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کو نبی ورسول سمجھنا۔

۴۔اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ سے دل میں بغض رکھنا یا آپ کی پسند سے نفرت کرنا بھی کفر اعتقادی میں شامل ہے۔

(۳)۔اللہ کی منزل کردہ کتابوں کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ

ا۔جن کتابوں کے بارے میں قرآن وسنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے منزل شدہ ہیں، انہیں سرے سے منزل شدہ تسلیم نہ کرنا۔

۲۔ یا ان میں سے جن میں تحریف کا ثبوت خود قرآن نے دیا ہے، انہیں تحریف سے پاک سمجھنا۔

۳۔ یا قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی اور آسمانی کتاب اور صحیفے کو ترجیح دینا۔

۴۔ یا قرآن مجید کی ایک آیت یا بعض آیات کا انکار کرنا، یا قرآن مجید کو ناقص اور محرف شدہ کتاب سمجھنا یا قرآن کے کسی حکم یا خبر پر ایمان نہ رکھنا۔

۵۔ یا قرآن کی کسی حکم کے بارے میں دل میں کراہت اور بغض رکھنا۔

(۴)۔قرآن وسنت کے بیان کردہ غیبی حقائق کے بارے میں کفر اعتقادی یہ ہے کہ انسان ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو دل سے تسلیم نہ کرے جسے قرآن وسنت میں بڑے واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً ملائکہ (فرشتوں)، یا جنات وشیاطین کے وجود کو تسلیم نہ کرے۔ یا آخرت اور جنت وجہنم وغیرہ سے متعلقہ امور میں سے کسی بدیہی (یقینی اور واضح طور پر ثابت شدہ) چیز کو تسلیم نہ کرے۔ یا تقدیر کے اسلامی عقیدے کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرے۔ ان چیزوں کا انکار اس لیے کفر ہے کہ یہ قرآن وسنت کے قطعی دلائل (نصوص) کو تسلیم کرنے سے انکار کے مساوی ہے!

(۵)۔احکامِ شریعت کے حوالے سے کفر اعتقادی یہ ہے کہ

ا۔انسان شریعت کے واجبات اور فرائض کو واجبات وفرائض تسلیم نہ کرے مثلاً ارکان اسلام جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج سب کو یا ان میں سے کسی بھی ایک چیز کو ضروری نہ سمجھے۔اسی طرح اسلامی شریعت میں جس چیز کو واضح طور پر حلال کہا گیا ہے،اسے وہ حلال نہ مانے اور جسے قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے،اسے حرام ماننے سے انکار کرے۔

۲۔اپنے یا کسی اور کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ اسے دین وشریعت پر عمل اور نبی کریمؐ کی اطاعت کی ضرورت نہیں ہے۔

(۶)۔نفاقِ اکبر(یعنی اعتقادی نفاق) بھی کفر اعتقادی ہے اور نفاقِ اکبر یا اعتقادی نفاق سے مراد یہ ہے کہ

انسان کے دل میں ایمان نہ ہو بلکہ کفر ہو مگر ظاہری اعمال واقوال سے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرے۔نفاق کا تعلق اگرچہ باطن کے ساتھ ہے،تاہم بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے ظہور سے کسی کے نفاق کا شبہ ہوتا ہے،اسی لیے ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر بھی کہا جاتا ہے،مثلاً جیسے:

ا۔دین اسلام پر طنز وتشنیع کرنا۔

۲۔نبی کریم ﷺ یا آپ کی حدیث وسنت کے ساتھ طنزیہ انداز اختیار کرنا مگر مبہم طریقے سے۔

۳۔مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنا اور مسلمانوں کی بجائے کافروں سے دوستی رکھنا۔

۴۔کافروں اور غیر مسلموں کے کفر میں بلاوجہ شک وشبہ کرنا۔

ان چیزوں کو نفاق کے مظاہر اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں منافقین انہی چیزوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔

(۷)۔دین کی کسی بھی ثابت شدہ اور قطعی ویقینی بات میں شک کرنا بھی کفر ہے، خواہ اس بات کا تعلق عقائد (ارکان ایمان) سے ہو یا ارکان اسلام سے یا دیگر شرعی احکام سے۔شک سے ایمان مشکوک ہو جاتا ہے،کیونکہ ایمان کہتے ہی اس حالت کو ہیں جس میں اتنا یقین پایا جائے کہ کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔

(۸)۔بہت سے اہل علم نے کافر کے کفر میں شک کرنے کو بھی اعتقادی مکفرات میں شمار کیا ہے۔

کفر اعتقادی اگر ثابت اور ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے مرتکب کے ساتھ قانونی طور پر وہی سلوک کیا جائے گا جو مرتد ہو جانے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔البتہ ان پر کفر وارتداد کا حکم لگانے سے پہلے ان پر حجت قائم کی جائے گی، پھر ان سے توبہ کا مطالبہ بھی کیا جائے گا اور اگر یہ اپنے کفر پر مصر رہیں تو بالآخر انہیں قتل کی سزا دی جائے گی اور اس سزا کا اختیار ایک بااختیار اسلامی حکومت کو ہے،کوئی فرد یا جماعت اپنے طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی مجاز نہیں ہے۔اور اگر کفر اعتقادی ثابت اور ظاہر نہ ہو تو پھر یہ نفاق کی طرح ہے اور اللہ کے ہاں ایسا شخص ضرور جہنم کا مستحق ہے،البتہ ایک اسلامی حکومت میں اسے وہ تمام حقوق

حاصل ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں، اس لیے کہ شریعت میں ظاہر کا اعتبار کرنے پر زور دیا گیا ہے، باطن کا نہیں۔

یہ نکتہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اصل چیز اعتقادی کفر ہی ہے۔قولی اور عملی طور پر کفر کا اظہار بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب دل میں کفر موجود ہو۔ اگر دل میں کفر نہ ہو تو پھر قول و فعل سے کفر کا ظہور عام طور پر یا تو غلطی سے ہوتا ہے، یا تاویل سے یا جہالت سے یا ایسے ہی کسی اور عذر سے۔

قولی مکفرات رقولی نواقض کی بنیادی صورتیں

(۱)۔کفر قولی سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ سطور میں جن اعتقادی مکفرات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی بھی کفریہ عقیدہ کے بارے میں صاف اعتراف کر لے کہ میں یہی عقیدہ رکھتا ہوں مثلاً کوئی صاف یہ اقرار کرتا ہو کہ میں کسی رب کو نہیں مانتا، یا کسی نبی اور رسول (نبوت و رسالت) کے عقیدہ کو نہیں مانتا، یا کسی شریعت اور دین کی ضرورت نہیں سمجھتا تو ایسی تمام صورتوں میں وہ کفر قولی کا مرتکب قرار پاتا ہے، خواہ ایسا وہ تکبر و عناد کی وجہ سے کہے یا کسی اور وجہ سے۔

(۲)۔اگر کوئی شخص اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو گالی دیتا ہے تو وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب قرار پاتا ہے اور یہ بھی قولی مکفرات کی ایک صورت ہے۔

(۳)۔اللہ یا رسول یا قرآن یا دین کو واضح طور پر گالی دیئے بغیر طنز و تشنیع اور استہزا کرنا بھی قولی مکفرات کی ایک صورت ہے۔

عملی مکفرات رعملی نواقض کی بنیادی صورتیں

(۱)۔عملی مکفرات سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ سطور میں جن اعتقادی مکفرات (یعنی کفریہ عقائد) کو بیان کیا گیا ہے، کوئی عاقل و بالغ شخص بغیر کسی جبر، دباؤ، تاویل، غلط فہمی اور لاعلمی کے ان میں سے کسی چیز کا اپنے فعل و عمل سے ارتکاب اور اظہار کرے۔ مثلاً شرکیہ عقیدہ کفر ہے، اسی طرح عملی طور پر شرک کرنا بھی کفر کہلاتا ہے۔اسی طرح قرآن و سنت، شریعت، نبی کریم ﷺ اور اسلامی شعائر کے ساتھ دل میں بغض اور نفرت رکھنا کفر ہے، اور اپنے عمل سے یعنی طنز و تشنیع وغیرہ کے ذریعے اس کا اظہار کرنا عملی کفر ہے۔اسی طرح اپنے عمل سے اگر کوئی شخص دین کا مذاق اڑائے تو وہ کفر کا مرتکب ہے۔

(۲)۔عملی نواقض (یا عملی مکفرات) میں بعض اعمال اور افعال وہ ہیں جن کے کرنے سے کفر لازم آتا ہے، ان میں شرک، دین و شریعت اور قرآن و سنت کی توہین، نبی کریم ﷺ کو ایذا دہی وغیرہ جیسے اعمال شامل ہیں۔

(۳)۔عملی نواقض (یا عملی مکفرات) میں بعض وہ عمل شامل ہیں جن کے چھوڑنے سے کفر لازم آتا ہے، ان کی حد بندی میں اہل علم کے ہاں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔البتہ ایک چیز جس پر اہل علم کا تقریباً اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین

وشریعت پر عمل کرتا ہی نہیں تو یہ ایسا کفر ہے جس کی موجودگی میں کلمے کا کوئی فائدہ نہیں۔اسے دین سے 'کلی اعراض' بھی کہا جاتا ہے۔

(۴)۔اگر کوئی شخص کلی طور پر دین وشریعت پر عمل نہیں چھوڑتا مگر جزوی طور پر سستی اور کوتاہی وغیرہ کے پیش نظر ارکانِ اربعہ (یعنی نماز، روزہ، زکاۃ، حج) کو چھوڑتا ہے اوران کا زبان سے انکار بھی نہیں کرتا، تو کیا وہ بھی کفرِ اکبر کا مرتکب قرار پائے گا یا نہیں، اس مسئلہ میں علماءِ اہل سنت کا اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک یہ کفرِ اکبر ہے اور بعض کے نزدیک یہ کفرِ اکبر نہیں ہے۔

(۵)۔دین وشریعت کے مطابق فیصلہ اور حکم وقانون نافذ نہ کرنا بعض صورتوں میں کفر ہے اور بعض میں کفر نہیں ہے۔جن صورتوں میں اسے کفر قرار دیا جاسکتا ہے، ان میں سے ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اللہ کے حکم کو غیر ضروری اور غیر مفید سمجھے اوراس کے مقابلہ میں کسی بھی دنیوی قانون اور نظام کو اس سے بہتر سمجھے۔اوراس کے پیچھے جو مرضی سوچ کارفرما ہو، خواہ یہ سوچ کارفرما ہو کہ قرآن وسنت کے مقابلہ میں کوئی دنیوی قانون اس سے زیادہ بہتر اور انسانی مفادات کا زیادہ محافظ ہے، یا یہ کہ حالات کی مناسبت سے اس میں زیادہ فوائد ہیں، وغیرہ وغیرہ۔یا اس کے نزدیک حکم اللہ (شریعت کا قانون) اور غیر حکم اللہ (خلافِ شریعت قانون) دونوں مساوی ہوں یعنی دونوں کو وہ قانونی حیثیت دینے کے لیے تیار ہو، بعض قوانین واحکام شریعت سے لے لے اور بعض دیگر انسانی دساتیر سے۔اوراس طرح دونوں کو ایک دوسرے میں مکس اور خلط ملط کرلے۔یا غیر اللہ کے حکم کو بہتر تو نہ سمجھتا ہو مگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ بعض مسائل میں غیر اللہ کے حکم کو قانونی درجہ دیا جا سکتا ہے خواہ وہ قرآن وسنت کے صریح منافی ہی کیوں نہ ہوں۔یہ سب کفرِ اکبر کی صورتیں ہیں جب کہ اس کے علاوہ باقی صورتوں کو کفرِ اکبر قرار نہیں دیا جائے گا جن میں خواہشاتِ نفس کے ہاتھوں مجبور ہوکر، یا کسی مادی غرض کی خاطر، یا کسی کی دوستی یا دشمنی کے پیش نظر یا ایسی ہی کسی اور وجہ سے شریعت کے خلاف فیصلہ، قانون یا حکم نافذ کیا جائے اوراسے اپنی غلطی بھی تسلیم کیا جارہا ہو تو یہ فسق اور ظلم وغیرہ کی صورتیں ہیں۔

ضوابطِ تکفیر

۱۔کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔اس لیے کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں سخت احتیاط کرنی چاہیے۔خود اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھانے اور دوسروں پر تکفیر کے فتوے جاری کرنے کی بجائے اسے امت کے جید اور کبار علماء کے سپرد کردینا چاہیے۔

۲۔اسلام میں ظاہری حالت کو اصل قرار دیا گیا ہے اور دوسروں کے بارے میں ان کی ظاہری حالت کے مطابق بات کرنے اور ظاہری حالت ہی کو معتبر سمجھنے اور حسن ظن رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔اسلام میں اصل اور ظاہری چیز اسلام ہے، کفر نہیں۔

جو شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس کے دل میں کفر ہے، تو ہم اس پر شک نہیں کریں گے اور نہ ہی اس کے کافر ہونے کا حکم لگائیں گے بلکہ اس کی ظاہری حالت کے مطابق اسے مسلمان ہی کہیں گے اور اس کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک ہی کیا جائے گا اور ایک اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کلمہ پڑھ لینے کے بعد وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو ایک مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں۔

۳۔ اگر کسی شخص سے کفر کا اظہار ہو تو اس کی فوراً یہ کہہ کر تکفیر نہیں کر دی جائے گی کہ اس سے کفر ظاہر ہوا ہے، بلکہ اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھتے ہوئے کہ یہ مسلمان ہے، اللہ کو، نبی کو، اور قرآن کو ماننے والا ہے، یہ خیال کیا جائے گا کہ اس سے غلطی سے یا جہالت سے یا تاویل وغیرہ کی وجہ سے کفر کا اظہار ہوا ہوگا۔ یعنی اس کے کفر پر ہمیں ابھی شک ہے، یقین نہیں جب کہ اس کے اسلام لانے اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے پر ہمیں (اس کفر ظاہر ہونے سے) پہلے سے یقین ہے، شک نہیں ہے۔ لہٰذا جہاں یقین اور شک کا ٹکراؤ ہو تو وہاں یقین کو شک پر ترجیح دی جائے گی۔

۴۔ مسئلہ تکفیر کی نزاکت اور اس سلسلہ میں احتیاط کے پیش نظر علماء اسلام نے ہمیشہ کچھ چیزوں کو تکفیر میں رکاوٹ اور مانع قرار دیا ہے اور ان میں سے کسی ایک کی بھی موجودگی میں کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ یہ موانع بنیادی طور پر چار ہیں یعنی:

۱۔ جہالت اور لاعلمی

۲۔ خطا اور غلطی

۳۔ تاویل

۴۔ جبر و اکراہ کی حالت۔

لہٰذا تکفیر کے مسئلہ میں ان چاروں چیزوں کو رکاوٹ قرار دیا جائے گا، اگر کوئی شخص ان چار حالتوں میں سے کسی حالت کے ساتھ صریح کفر کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے۔

۵۔ عمل کفر اور کافر میں فرق کیا جائے گا۔ یعنی اگر کوئی شخص عمل کفر کا مرتکب ہو تو ضروری نہیں کہ اس عمل کی وجہ سے وہ کافر بھی ہو چکا ہو۔ مثلاً ایک شخص دین کے کسی ایسے یقینی اور قطعی حکم کی صاف خلاف ورزی کرتا ہے جس کی خلاف ورزی متفقہ طور پر کفر ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بندہ اس عمل کی وجہ سے کافر ہو گیا ہے یا اس پر کافر کا فتویٰ لگا دیا جائے گا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ عمل جہالت کی وجہ سے کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی تاویل کی بنیاد پر ایسا کر رہا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غلطی کی وجہ سے اس سے کفریہ عمل سرزد ہوا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اکراہ اور جبر کی وجہ سے وہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہو۔ اور ان چاروں صورتوں یعنی جہالت، تاویل، غلطی اور اکراہ میں کسی شخص پر کفریہ کام کے ارتکاب کے باوجود کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اسی لیے بہت سے اہل علم یہ بات بیان کرتے ہیں کہ عمل کفر اور کافر میں فرق ہوتا ہے۔ بعض لوگ

اس نکتے کو سمجھ نہیں پاتے اور نتیجتاً وہ ہر ایسے شخص کو فوراً کافر کہہ دیتے ہیں جس سے کسی کفریہ قول یا فعل کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ رویہ سراسر غلط ہے۔

۶۔ تکفیر شخصی (تکفیر معین) میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور جب تک نفس مسئلہ کا اور کفر کے مرتکب کی صورت حال کا پوری طرح علم نہ ہو جائے اور یہ واضح طور پر معلوم نہ کر لیا جائے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے کفر کا مرتکب نہیں ہوا تو تب تک اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ کسی ایسے سبب کے ساتھ کفر کا مرتکب ہوا ہے جس کا اعتبار ممکن ہے تو ایسی صورت میں اسے کافر قرار دینا اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔

۷۔ تکفیر کے سلسلہ میں یہ بھی غلط رویہ ہے کہ ہر شخص اپنے علم کی بنیاد پر تکفیر کی ذمہ داری سنبھال لے اور جسے اپنے محدود اور انفرادی علم کی بنیاد پر وہ کافر سمجھے، اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنا شروع کر دے۔ حالانکہ دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور لوگوں پر کفر کے حکم اور فتوے لگانا کوئی ایسی معمولی اور آسان بات نہیں ہے۔ اگر کسی شخص یا گروہ کی تکفیر کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو اس کی تکفیر کے لیے اہل علم کو اجتماعی و مشاورتی انداز میں مسئلہ کی تمام صورتوں کا گہرائی سے جائزہ لے کر تکفیر یا عدم تکفیر کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیے۔ ورنہ جلد بازی اور انفرادی آراء کے اظہار سے معاشرے میں انتشار اور بدامنی کی کیفیت پیدا ہوگی۔

۸۔ کسی شخص پر کافر کا حکم لگانے کا مطلب یہ نہیں کہ جو چاہے اس کے ساتھ لڑائی شروع کر دے یا اسے قتل کر دے۔ بلکہ اگر کوئی شخص کافر قرار پاتا ہے تو اسے مرتد کہا جاتا ہے اور اس سے حاکم وقت توبہ کا مطالبہ کرے گا اور اسے مہلت بھی دے گا۔ لیکن اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو حکومت وقت ہی یہ اختیار رکھتی ہے کہ اسے قتل کی سزا دے۔ حکومت کے علاوہ کسی اور شخص یا گروہ کے لیے قانون ہاتھ میں لینا اور ایسے شخص کو قتل کرنا جس کے کفر کا حکم اور فتویٰ اگرچہ علماء کی اجتماعیت کی طرف سے دیا جا چکا ہو، درست نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص انفرادی طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خوارج (عہد صحابہ میں ظاہر ہونے والا ایک گمراہ فرقہ) کی سنت پر عمل کرتا ہے جو ایک تو ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے تھے اور دوسرا یہ کہ جہاں موقع پاتے، ایسے مسلمانوں کو قتل بھی کرتے جنہیں وہ کافر سمجھتے تھے۔

......☆......

باب ۱

اللہ پر ایمان

فصل ا

اسلام کا تصورِ الٰہ (تعارف ذات باری تعالیٰ)

ہر دین و مذہب میں الٰہ (خدا) کے بارے، میں کوئی نہ کوئی تصور ضرور موجود رہا ہے۔قرآن مجید کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نبی و رسول مبعوث کیے جنھوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس تصور حقیقی سے آشنا کروانے کا پورا پورا موقع فراہم کیا جو خود اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں کروانا چاہتے ہیں۔اور دنیا میں کوئی گروہ اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس کی طرف انبیاء و رسل، الٰہی تعلیمات لے کر نہ پہنچے ہوں۔اللہ تعالیٰ نے اس بات کی شہادت اپنی کتاب میں اس طرح دی ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا ﴾[سورة النحل: ٣٦]

''تحقیق ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے۔''

﴿ وَمَا مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾[سورة فاطر: ٢٤]

''اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی کہ جس میں کوئی ڈر سنانے والا (پیغمبر) نہ گزرا ہو۔''

یہ الگ بات ہے کہ انبیا کی قوموں اور ملتوں میں سے کسی نے انبیا و رسل کی تعلیمات کو تسلیم کیا اور کسی نے نہیں، کسی نے ان تعلیمات کو تسلیم کرنے کے بعد جلد ہی اپنے حسبِ منشا اس میں تبدیلی پیدا کر لی اور کسی نے دیر سے ایسا کیا۔جبکہ بہت تھوڑے لوگ ایسے بھی ہوئے جنھوں نے ان تعلیمات کو اصلی شکل میں ہمیشہ زندہ رکھا۔

اس وقت دنیا میں آباد قوموں میں سے مسلمانوں کے علاوہ صرف یہودی اور عیسائی دو ہی ایسے گروہ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید یہ شہادت دیتا ہے کہ ان کی طرف انبیا و رسل اور آسمانی صحائف بھیجے گئے۔ظاہر ہے آسمان سے آنے والے تمام الٰہی صحائف اور خدائی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک ہی تصور ہونا چاہیے اور تھا بھی ایسے ہی۔مگر یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف میں از خود تبدیلیاں کر لیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا تصورِ الٰہ وہ نہ رہا جو آخری محفوظ الہامی کتاب یعنی قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

نزولِ قرآن سے بہت پہلے ان یہود و نصاریٰ کا تصورِ الٰہ چونکہ بدل چکا تھا اس لیے قرآنِ مجید نے ان کے اس محرفانہ تصورِ الٰہ پر تنقید کی۔اس کے علاوہ قرآن کے مخاطب چونکہ مشرکینِ مکہ بھی تھے اور ان کا تصورِ الٰہ بھی وہ نہ تھا جو فی الواقع اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اس لیے ان کے تصورِ الٰہ پر بھی قرآن مجید میں تنقید کی گئی۔علاوہ ازیں یہ آخری آسمانی کتاب چونکہ اب رہتی دنیا تک اللہ تعالیٰ کے تعارف، اس کی بتائی ہوئی تعلیمات اور اُخروی نجات کا واحد معیار تھی اس لیے اس میں نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا تصور و تعارف پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا بلکہ غلط تصورات کی بھی اچھی طرح نفی فرما دی۔اس لیے اب مذاہبِ عالم کے تصورِ الٰہ کو قرآن کے بیان کردہ تصورِ الٰہ کے ساتھ ہی پرکھا اور حق و باطل میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

اسلام نے الٰہ اور معبود کا جو تصور پیش کیا ہے اسے جاننے کا واحد ذریعہ وحیِ الٰہی ہے جو قرآن و حدیث کی شکل میں ہمارے پاس

موجود ہے۔قران وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ الہٰ وہی ہوسکتا ہے جو خالق ہو مخلوق نہ ہو، قادرِ مطلق ہو محتاج نہ ہو، غنی ہو فقیر نہ ہو، مالک الملک ہو غلام نہ ہو، مختارِ کل ہو بے بس نہ ہو، ساری کائنات اس کے قبضہ میں ہو اور کوئی چیز اس کے تصرف سے باہر نہ ہو۔ ہر خوبی اس میں موجود ہو اور اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ یکتا، تنہا اور اکیلا ہو، اس کے خلق، امر، علم، تصرف، قدرت، افعال اور صفات میں نہ کوئی اس کا شریک ہو اور نہ معاون، بلکہ وہ اپنے افعال وصفات میں کسی شریک کی شراکت اور معاون کی معاونت کا محتاج نہ ہو۔ وہ جبار وقہار بھی ہو اور رحمان ورحیم بھی۔ وہ غیور بھی ہو اور حلیم بھی۔ وہ ہر وقت اپنی مخلوق پر نظر رکھنے والا بھی ہو اور قدرت رکھنے والا بھی۔ اپنی مخلوق پر ہر طرح کا انعام کرنے والا بھی ہو اور بوقت ضرورت انہیں عذاب دینے کا اختیار رکھنے والا بھی۔ وہ آنِ واحد میں ساری کائنات کو تباہ وبرباد کرنے کی قدرت رکھنے والا بھی ہو اور لفظ کُنْ (ہو جا) کہہ کر پھر سے وجود بخشنے کی طاقت رکھنے والا بھی! یہ تمام خوبیاں اگر کسی میں ہوسکتی ہیں تو وہ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔

تعارفِ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی ذات اور ہاتھ، پاؤں، آنکھوں اور چہرے وغیرہ کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کا جسم، چہرہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اس طرح نہیں جس طرح اس کی مخلوق کے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾[سورۃالشوریٰ:۱۱]

''اس کے مثل کوئی نہیں۔''

اس آیت کے پیش نظر اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ مخلوق کے جسم واعضا کی ہیئت وترکیب اور کارکردگی وغیرہ تو ہم جانتے ہیں مگر خالق کے وجود واعضا کی کنہ وحقیقت سے ہم واقف نہیں کیونکہ یہ چیزیں وحی کی رہنمائی کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں اور وحی کے ذریعے ہمیں اللہ کے وجود (اور ہاتھ پاؤں وغیرہ) کے بارے میں تو بتایا گیا ہے مگر ان کی کنہ وحقیقت ہمیں نہ بتائی گئی اور نہ ہی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار انسانوں کو کروایا۔ اس لیے ہم اتنی باتوں پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں جتنی قرآن وحدیث میں ہمیں بتادی گئی ہیں اور جس طرح بتائی گئی ہیں اسی طرح سے ہم انہیں تسلیم کرتے ہیں اور جو کچھ ہمیں بتایا نہیں گیا بلکہ ہم سے مخفی رکھا گیا ہے، اس کے بارے میں ہم رائے زنی نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تذکرہ اس طرح سے کیا ہے:

۱ ......﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴾[سورۃآل عمران: ۲۸]

''اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

۲ ......﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾[سورۃالانعام:۵٦]

''تمہارے رب نے رحم کرنا اپنی ذات پر مقرر کر لیا ہے۔''

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غصے کے مقابلہ میں اس کی رحمت زیادہ وسیع ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق

کائنات سے فارغ ہوا تو اس نے عرش پر لکھ دیا:

((إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي))[1]

''بے شک میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔''

۳......﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾[سورة الرحمٰن: ۲۶،۲۷]

''زمین پر جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے اور صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت وعزت والی ہے، باقی رہ جائے گی۔''

اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک کا تذکرہ

۱......﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾[سورة البقرة: ۱۱۵]

''اور مشرق ومغرب کا مالک صرف ایک اللہ ہے، پس تم جدھر کو منہ کرو اُدھر ہی اللہ کا منہ (چہرہ) ہے۔''

۲......﴿فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ﴾ [سورة الروم: ۳۸]

''پس قرابت دار کو، مسکین کو، مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق دیجیے۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کا چہرہ (دیکھنا) چاہتے ہیں۔''

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار قیامت کے روز ہوگا اور وہ بھی صرف اہل ایمان کو۔

اللہ تعالیٰ کے مبارک ہاتھوں کا تذکرہ

۱......﴿قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾[سورة آل عمران: ۷۳]

''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے فضل سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

۲......﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾

''اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ انہی (یہودیوں) کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان (یہودیوں) کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے''۔ [سورة المآئدة: ۶۴]

۳......﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[سورة الملك: ۱]

''بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

۴ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، حدیث: ۷۴۰۴۔

''اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات دن کی سخاوت اس سے کچھ بھی کم نہیں کرتی۔'' آپ ﷺ نے (مزید) فرمایا: ''کیا تمہیں علم ہے کہ جب سے اس نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں تب سے اس نے جتنا خرچ کیا ہے، اس (خرچ) نے بھی اس میں کوئی کمی پیدا نہیں کی جو اس کے ہاتھ میں ہے۔''(۱)

۵...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَقْبِضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْاَرْضَ وَتَكُوْنُ السَّمٰوٰتُ بِيَمِيْنِهٖ يَقُوْلُ : اَنَا الْمَلِكُ))

''قیامت کے دن زمین اس (اللہ تعالیٰ) کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا۔ پھر وہ کہے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔''(۲)

۶...... حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''ایک یہودی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمدؐ! کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر اٹھا لے گا اور زمین کو بھی ایک انگلی پر اور تمام پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور تمام درختوں کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر اور پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں؟ (یہ بات اس نے بڑے تعجب سے کہی) اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مسکرا دیئے حتی کہ آپ کے دانت دکھائی دینے لگے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾[سورۃ الانعام :۹۱]

''اور انہوں نے اللہ کی ویسی قدر نہ کی جیسی اس کا حق تھا۔''

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ (اس یہودی کی باتوں پر) اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنس پڑے۔(۳)

اللہ تعالیٰ کی بابرکت آنکھوں کا تذکرہ

۱...... ﴿ فَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا ﴾[سورۃ المؤمنون:۲۷]

''پھر ہم نے اُس (نوح علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔''

۲...... ﴿ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴾

''اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر (کیونکہ) وہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے ہیں۔''[سورۃ ھود:۳۷]

۳...... ﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴾[سورۃ الطور:۴۸،۴۹]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید والرد علی الجھمیۃ وغیرھم، ح۷۴۱۱۔

۲۔ صحیح بخاری، ایضاً، ح۷۴۱۲۔

۳۔ صحیح بخاری، ایضاً، ح۷۱۱۴۔

''تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے، بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو اٹھے اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر، اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ''۔

٤ ...... ﴿ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴾

''اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کرلیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔'' [سورة القمر:١٣، ١٤]

اللہ تعالیٰ کے پاؤں مبارک کا تذکرہ

١...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یُلْقٰی فِی النَّارِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ حَتّٰی یَضَعَ قَدَمَهٗ فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ)) (١)

''جہنم کو بھر دیا جائے گا اور وہ کہے گی: 'اور کچھ لاؤ' حتی کہ اللہ اس میں اپنا پاؤں مبارک رکھ دیں گے تو وہ کہے گی: بس! بس!''

٢...... حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت اور دوزخ نے آپس میں بحث کی، دوزخ نے کہا کہ میں متکبروں اور ظالموں کے لیے خاص کی گئی ہوں۔ جنت نے کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم رتبہ والے لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے کہا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں، رحم کروں گا اور دوزخ سے کہا کہ تو عذاب ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں عذاب دوں گا۔ چنانچہ جنت اور دوزخ دونوں بھر جائیں گی۔ دوزخ تو اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں مبارک اس پر نہ رکھ دیں گے اور پھر وہ کہے گی کہ بس بس، چنانچہ وہ بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ بعض دوسرے حصے پر چڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا اور جنت (کو بھرنے) کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا۔'' (٢)

اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

١ ...... ﴿ یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ﴾ [سورة القلم:٤٢، ٤٣]

''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور لوگ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو وہ (کافر و مشرک سجدہ) نہ کرسکیں گے۔ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھا رہی ہوگی حالانکہ یہ سجدے کے لیے (دنیا میں اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جب کہ یہ صحیح سالم تھے۔''

١۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: وتقول هل من مزید، ح٤٨٤٨، ٤٨٤٩۔ مسلم، ح٢٨٤٨، ٢٨٤٦۔

٢۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: وتقول هل من مزید، ح٤٨٥٠۔

۲ .....حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:
''ہمارا پروردگار قیامت کے دن اپنی پنڈلی کھول دے گا، اس وقت تمام مومن مرد اور مومنہ عورتیں اس کے لیے سجدہ ریز ہوجائیں گی۔ صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں شہرت اور ناموری کے لیے سجدہ کرتے تھے۔ جب وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ بن جائے گی۔'' (اور سجدہ کے لیے جھکنا ان کے لیے ناممکن ہوکر رہ جائے گا)[۱]

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سب سے پہلے) اللہ تعالیٰ ہی تھا اور اللہ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا۔[۲]
یہی بات سورۂ ہود میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾[هود:۷]

''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا۔''

اب اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہیں اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں ہے۔ قرآن وحدیث سے اس کے چند دلائل ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱ ...... ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴾ [سورة الملك :۱۶، ۱۷]

''کیا تم اس بات سے بے خوف ہوگئے کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے۔ یا آیا تم اس بات سے نڈر ہوگئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہیں۔ درج ذیل حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

۲...... حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) ارشاد فرمایا:

((اَلَا تَأْمَنُوْنِيْ وَاَنَا اَمِيْنُ مَنْ فِي السَّمَآءِ يَأْتِيْنِيْ خَبَرُ السَّمَآءِ صَبَاحًا وَّمَسَآءً))

''تم مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتے حالانکہ اس اللہ نے مجھ پر اعتبار کیا ہے جو آسمان پر ہے اور اس آسمان والے کی وحی صبح وشام میرے پاس آتی ہے۔''[۳]

۳...... ﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ﴾[سورة فاطر: ۱۰]

'' تمام تر پاکیزہ کلمات اسی کی طرف (اوپر) چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو وہ (اپنی طرف) بلند کرتا ہے۔''

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: **یوم یکشف عن ساق**، ح۴۹۱۹۔ صحیح مسلم، ح۱۸۳۔
۲۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب: و کان عرشه علی الماء، ح۷۴۱۸۔ صحیح مسلم، کتاب القدر۔
۳۔ بخاری: کتاب المغازی :باب بعث علی بن ابی طالب ......، ح۴۳۵۱۔ مسلم، ۱۰۶۴۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ کلمات کے اوپر چڑھنے کا معنی یہ ہے کہ فرشتے لوگوں کے نیک اعمال کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس آسمانوں پر چڑھتے ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

۴......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں کی تمہارے پاس آمد و رفت مسلسل جاری رہتی ہے اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (رات اور دن کے فرشتوں کا) اکٹھ ہوتا ہے۔ پھر تمہارے پاس رات بھر رہنے والے فرشتے جب اوپر (آسمان پر) چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جو (ان فرشتوں کی نسبت) اپنے بندوں کے متعلق زیادہ جانتے ہیں، ان فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ میرے بندوں کو تم کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب ان کے پاس گئے تھے، تب بھی وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔''[۱]

۵......حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''میری ایک باندی تھی جو اُحد پہاڑ اور جوانیہ مقام کی طرف میری بکریاں چرانے۔ لے جایا کرتی تھی۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا ہے۔ میں بھی اولادِ آدم سے ہوں اور مجھے بھی اسی طرح افسوس لاحق ہوتا ہے جس طرح دوسروں کو ہوتا ہے لیکن میں نے اتنا ہی کیا کہ اس باندی کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا پھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا (اور یہ بات آپ کو بیان کی) تو آپ پر میرا یہ عمل بڑا گراں گزرا چنانچہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اس باندی کو (اس تھپڑ کے بدلے) آزاد نہ کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میں اس باندی کو لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اَیْنَ اللّٰہ ؟ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا ''آسمان پر۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا: ''آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اسے آزاد کردو یہ مومنہ ہے۔''[۲]

۶......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلرّٰحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ))[۳]

''رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے۔ تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

اس حدیث کا ترجمہ برصغیر کے مشہور شاعر علامہ حالیؒ نے اس طرح کیا ہے:

ؔ کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

۱۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العصر، ح۵۵۵۔ صحیح مسلم، ح۶۳۶۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ......، ح۵۳۷۔ سنن ابوداؤد، ح۹۳۰۔

۳۔ صحیح سنن ترمذی للالبانیؒ، ح۱۵۶۹۔

اللہ تعالیٰ کے قرب و معیت کا مسئلہ

گزشتہ سطور میں قرآن وحدیث کے جو دلائل بیان کیے گئے ہیں ان سے پوری صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہیں، اس کائنات میں ہر جگہ اور ہر چیز میں حلول کیے ہوئے نہیں ہیں جیسا کہ وحدۃ الوجود اور حلول کا عقیدہ رکھنے والوں کا خیال ہے۔ البتہ قرآن مجید کی بعض آیات میں بیان ہوا ہے کہ

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں۔'' [دیکھئے: سورۃ محمد۔ آیت ۳۵]

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں'' [سورۃ ق۔ ۱٦]

اس طرح کی آیات سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر اور آسمانوں کے اوپر ہیں تو ہر انسان کے ساتھ ہونے اور اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہونے کا کیا مطلب؟

جمہور ائمہ سلف ان آیات کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر انسان کے ساتھ ہونے اور شہ رگ سے بھی قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے علم وقدرت کے لحاظ سے ہر ایک کے ساتھ ہے۔ ماضی قریب میں بعض عرب علمانے علمائے سلف کے اس نقطۂ نظر کو بھی 'تاویل' قرار دے دیا اور کہا کہ...... ''اللہ تعالیٰ جس طرح عرش پر ہیں، اسی طرح ہر انسان کے ساتھ ہیں۔ البتہ عرش پر ہونے کی کیفیت جس طرح بیان نہیں کی جاسکتی اسی طرح ہر انسان کے ساتھ ہونے کی کیفیت بھی بیان نہیں کرنی چاہیے۔'' ......

اس سے اگرچہ حلول واتحاد کے نظریہ کا شبہ ہوتا ہے مگر جن عرب علمانے یہ موقف اختیار کیا وہ حلول واتحاد جیسے نظریات کو سخت گمراہ کن نظریات قرار دیتے ہیں۔ ان کے برعکس عرب علما کی بڑی تعداد جن میں شیخ ابن بازؒ سرفہرست ہیں، کا نقطۂ نظر وہی ہے جو جمہور ائمہ سلف کا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات تو عرش پر مستوی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت اور سمع وبصر کے لحاظ سے ہر انسان کے ساتھ ہے۔

اس مسئلہ میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر بڑا متوازن ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ ہم اپنے الفاظ میں درج کررہے ہیں۔ امام موصوفؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اپنے رسول کی زبان سے اپنی ذات کے بارے میں یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ بلند وبالا اور عرش پر مستوی ہے...... اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں قرب ومعیت کا وصف بھی بیان کیا ہے۔ یہ معیت دو طرح کی ہے؛ ایک معیت عامہ اور دوسری معیت خاصہ...... [معیت عامہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے ساری مخلوق کے ساتھ ہے اور ان کے تمام حرکات وسکنات اور افعال واعمال سے مطلع ہے جب کہ معیت خاصہ کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی نصرت وتائید کے لحاظ سے اپنے انبیاء واَولیاء اور نیک بندوں کا خصوصی دھیان رکھتا ہے اور بوقت ضرورت آسمانوں کے اوپر ہی سے ان کی مدد فرماتا ہے......] (۱)

معیت باری تعالیٰ کے بارے میں لوگوں کی چار اقسام ہیں۔ایک قسم تو فرقہ جھمیہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی نفی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو نہ کائنات کے اندر مانتے ہیں نہ اس سے خارج، نہ اوپر مانتے ہیں اور نہ نیچے......

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ان میں فرقہ نجاریہ اور فرقہ جھمیہ کے صوفیا وزہاد اور عام لوگ شامل ہیں۔ان سب کے بقول کائنات میں دکھائی دینے والی ہر چیز ذات باری تعالیٰ ہے جس طرح کہ وحدت الوجود اور حلول واتحاد کے قائلین کا نظریہ ہے۔یہ لوگ 'قرب و معیت' سے متعلقہ نصوص (آیات واحادیث) کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے 'علو و استواء' سے متعلقہ نصوص میں تاویلیں کرتے ہیں۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بھی ہے اور ہر جگہ پر بھی موجود ہے۔ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم نصوص کا اقرار کرتے ہوئے ایسا کہتے ہیں اور ان نصوص کے ظاہری معنیٰ کو چھوڑ نہیں سکتے۔اس قسم میں بہت سے گروہ شامل ہیں......اس نقطہ نظر کے حامل اگرچہ پہلے دونوں گروہوں کے مقابلہ میں نصوص کے زیادہ قریب ہیں مگر اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ یہ نقطہ نظر بھی غلط ہے اور کتاب وسنت کے منافی اور علمائے سلف کے اجماع کے خلاف ہے۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جن میں اس امت کے سلف صالحین اور بڑے بڑے ائمہ کرام شامل ہیں۔یہ لوگ قرآن وسنت میں مذکور چیزوں کو بغیر کسی تحریف کے تسلیم کرتے ہیں۔ان لوگوں نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے۔وہ اپنی مخلوق سے جدا اور مخلوق اس سے الگ ہے۔اس کے ساتھ وہ اپنے علم کے اعتبار سے بالعموم تمام بندوں کے ساتھ ہے اور اپنی نصرت وتائید کے اعتبار سے بالخصوص اپنے انبیاء ورسل اور اولیا کے ساتھ ہے''۔ (۲)

کیا اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے؟

انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں ایک رائے تو یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔یہ رائے معتزلہ کی ہے جب کہ دوسری طرف ایک رائے ان کے برعکس یہ ہے کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی دیدار الٰہی ممکن ہے اور اس کے لیے سخت محنت اور ریاضت وعبادت کی ضرورت ہے۔یہ بعض غالی صوفیا کی رائے ہے۔

اس سلسلہ میں اگر قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو ان دونوں گروہوں کا نقطہ نظر صریح طور پر غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن وحدیث کی رو سے آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا مگر دنیا میں حالت بیداری میں کسی انسانی آنکھ کے لیے دیدار الٰہی ممکن نہیں کیونکہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ یہ بتا دیا گیا ہے کہ

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾[سورة الانعام:۱۰۳]

''اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے''۔

اور خود نبی اکرم ﷺ نے بھی غیر مبہم انداز میں یہ فرما دیا کہ

۱۔ مجموع الفتاوی، ج۵ص۱۴۳۔۲۹۵تا۲۹۹۔

۲۔ مجموع الفتاوی، ج۵ص۱۴۰تا۱۴۳۔

((تَعْلَمُوْا اَنَّهُ لَنْ يَرٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ حَتّٰى يَمُوْتَ))[1]

''یہ بات یاد رکھنا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے (یعنی دنیوی زندگی میں) اللہ تعالیٰ کو ہرگز نہیں دیکھ پائے گا۔''

اب اس کے باوجود اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دنیوی زندگی میں انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے اور گزشتہ قرآنی آیت اور صحیح حدیث نبوی اس غلط فہمی کی تردید کرتی ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے اس غلط فہمی کا بھی ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیا کہ انبیاء کے لیے بھی دنیوی زندگی میں انسانی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لینا ممکن نہیں۔ یہ واقعہ قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [سورة الاعراف: ١٤٣]

''اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو (حضرت موسیٰ نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس (پہاڑ) پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس پہاڑ کے پرخچے اُڑا دیے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، بے شک آپ کی ذات منزہ ہے، میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلاتے اور بغیر دیدار کروائے براہِ راست ان سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور اسی شوق کے اظہار کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کروانے کا مطالبہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کروانے کے مطالبہ کا صاف انکار کر دینے کی بجائے ایسا انداز اختیار کیا جس سے پیغمبر نے جلد ہی حقیقت کو پا لیا کہ میرا یہ سوال مناسبِ حال نہ تھا اور ہوش و حواس بحال ہونے کے بعد وہ خود ہی اللہ سے معافی کے طلبگار ہوئے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی نبی اور رسول کے لیے اس دنیاوی زندگی میں دیدارِ الٰہی ممکن نہیں ہے تو کسی غیر نبی کے لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟!

آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

اس دنیوی زندگی میں تو اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں مگر مرنے کے بعد روزِ آخرت اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے ممکن ہو جائے گا اور یہ دیدارِ الٰہی اہلِ ایمان کے لیے سب سے بڑی نعمت اور سعادت ہوگی۔ اس سلسلہ میں بے شمار آیات اور صحیح احادیث موجود ہیں، بغرض اختصار چند ایک کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر ابن صیاد، ح۹۵۔۷۳۵۶۔

۱ ......﴿ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾[سورة القيامة : ۲۲،۲۳]

''اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔''

غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے مشرف نہیں فرمائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۲ ......﴿ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ﴾[سورة المطففين ـ ۱۵،۱۶]

''ہرگز نہیں! یہ لوگ اس دن اپنے رب کے (دیدار) سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔ پھر یہ لوگ یقینی طور پر جہنم میں جھونکے جائیں گے۔''

۳...... ((عن ابی هريرةؓ قال : قال أناسٌ يارسولَ الله هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ: هَلْ تُضَارُّونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ ؟ قَالُوا : لَا يَارَسُولَ الله، قَالَ: هَلْ تُضَارُّونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ؟ قَالُوا: لَا يَارَسُولَ الله، قَالَ: فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ))[۱]

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا قیامت کے روز ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا سورج کو دیکھنے میں اس وقت تمہیں کوئی مشکل ہوتی ہے جب اس کے آگے بادل نہ ہوں؟ لوگوں نے کہا: نہیں اللہ کے رسول، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: اگر آسمان ابر آلود نہ ہو تو تمہیں چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کو بھی اسی طرح (بغیر کسی دشواری کے) قیامت کے روز دیکھو گے۔''

بعض روایات میں ہے کہ ''صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم میں سے ہر (مسلمان) شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب دوپہر کو سورج نکلا ہو اور بادل نہ ہوں تو کیا ہر شخص اسے نہیں دیکھتا؟ لوگوں نے کہا دیکھتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور اپنے رب کا دیدار کرو گے اور اس کے دیدار میں تمہیں کوئی مشقت نہ ہوگی جس طرح سورج دیکھنے میں تمہیں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔''[۲]

۱۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب الصراط جسر جهنم، ح۶۵۷۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب معرفة طريق الرؤية، ح۱۸۲۔

۲۔ کتاب السنة، لابن ابی عاصم، بذیل حدیث ۴۴۵۔ محدث ناصر الدین البانیؒ نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں چند گمراہانہ نظریات!

۱)......عقیدہ وحدۃ الوجود [یعنی ہر چیز اللہ ہے معاذاللہ]

جس طرح بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اسی طرح بعض لوگوں نے ان کے برعکس ہر نظر آنے والی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کا حصہ قرار دے لیا اور کہا کہ جس طرح پانی بخارات میں تبدیل ہو یا برف کی شکل اختیار کرے، دونوں صورتوں میں اس کا وجود باقی رہتا ہے اور مناسب درجہ حرارت پر وہ دوبارہ پانی کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے یا جس طرح سورج کی روشنی کرنوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کائنات میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئی ہے۔ کوئی الگ ذات باری تعالیٰ نہیں ہے......معاذاللہ!

اس نظریے کو وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔ فارسی زبان میں اس کے لیے ''ہمہ اُو اَست''۔ [یعنی سب کچھ وہی (اللہ) ہے] کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق غلاظت کے ڈھیر اور پھولوں کے باغ، کافر و مشرک اور مومن و مسلم، پاکیزہ چیزیں اور نجاستیں سبھی کچھ برابر ہیں کیونکہ اس نظریے کی رو سے یہ سبھی چیزیں خدا ہیں......نعوذباللہ!

۲)......عقیدہ وحدۃ الشہود [یعنی سب کچھ اللہ کا 'پرتو' (سایہ) ہے]

وحدت الوجود میں تو اللہ تعالیٰ کی مستقل ذات کو تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ سب موجودات کو اللہ قرار دیا جاتا ہے مگر وحدت الشہود میں یہ خیال کارفرما ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل ذات موجود ہے جب کہ کائنات اس اللہ کا سایہ، پرتو اور عکس ہے۔ وحدۃ الشہود کے قائل اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ جس طرح شیشے یا پانی میں کسی چیز کا عکس دیکھا جاتا ہے اسی طرح کائنات اللہ کا عکس ہے اور جس طرح کسی چیز اور اس کے عکس کا باہمی تعلق ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اور کائنات کا باہمی تعلق ہے۔ وحدت الشہود کو فارسی میں 'ہمہ از اُوست' سے پکارا جاتا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ''جو کچھ بھی ہے سب اسی (خدا) کی طرف سے ہے۔''

اگر اس سے مراد یہ لیا جائے کہ موجودات کا خالق اللہ ہی ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں مگر وحدت الشہود کے قائل اس سے یہ مراد نہیں لیتے بلکہ وحدت الشہود کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ ''سب کچھ اللہ کا عکس (پرتو) ہے''۔ گویا وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کوئی بڑا فرق نہیں اور اگر کچھ فرق ہے بھی تو ان کے نتائج قریب قریب ایک ہی ہیں جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

۳)......عقیدہ حلول و اتحاد [یعنی اللہ تعالیٰ انسان کی ذات میں اتر آتے ہیں معاذاللہ]

ذات باری تعالیٰ کے حوالے سے ایک نظریہ اور عقیدہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی انسان کے جسم میں اتر آتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ اور اس انسان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا (معاذاللہ) اسے 'حلول' یا 'اتحاد' کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں نظریات کو اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ...... ''انسان عبادت و ریاضت کے ذریعے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اسے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کی نگاہوں سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے کائنات

کی مختلف چیزیں مختلف صورتوں میں بالعموم نظر آتی ہیں۔(اسے **وحدۃ الوجود کا درجہ کہا جاتا ہے**) **پھر اگر وہ عبادت وریاضت** میں مزید ترقی کرتا چلا جائے تو اس کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جا ملتی ہے۔اور اس طرح وہ انسان اور اللہ تعالیٰ ایک ہی ذات بن جاتے ہیں۔اس درجہ کو فنا فی اللہ کہا جاتا ہے۔اور پھر اگر وہ مزید عبادت وریاضت میں ترقی کر لے اور اس کا نفس دنیوی خواہشات سے یکسر پاک صاف ہو جائے تو خود اللہ تعالیٰ کی ذات انسان کی ذات میں داخل ہو جاتی ہے۔اسے "حلول" یا "اتحاد" کہا جاتا ہے۔''

ان نظریات کی حقیقت کیا ہے اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے ان کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔آئندہ سطور میں ہم اس کی کچھ وضاحت پیش کر رہے ہیں۔

عقیدہ حلول واتحاد

ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات آسمانوں سے اوپر عرش پر ہے اور اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں انسانوں کو اپنا دیدار نہیں کرواتے حتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پڑنے والی معمولی سی تجلی کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔اس لیے یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ اللہ تعالیٰ اپنا عرش چھوڑ کر کسی انسان کے جسم میں داخل ہو جائیں یا کسی انسانی شکل میں نمودار ہو کر دنیا کا رُخ اختیار کر لیں بلکہ یہود ونصاریٰ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں دنیا میں نمودار ہوئے،ان کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی اور ان کے اس نظریے کو کفر سے تعبیر فرمایا،چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾[سورۃ المائدۃ :۷۳]

''بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔''

ہندومت ایک قدیم مذہب ہے اس میں بھی حلول کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ہندوؤں کے ہاں یہ 'عقیدہ اَوتار' کہلاتا ہے۔اس کے مطابق ہندوؤں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی خاص مقصد کے تحت انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آ جاتے ہیں اور جس شخص کی شکل اللہ اختیار کرتا ہے،اسے اللہ کا 'اوتار' کہا جاتا ہے۔ہندوؤں کے بقول دس مرتبہ اللہ تعالیٰ انسانی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔(**معاذاللہ**)

مسلمانوں میں عقیدۂ حلول کی داغ بیل ڈالنے والا عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی تھا جس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور خدائی صفات کا مظہر قرار دیتا تھا۔اس نے جلد ہی اپنے معتقدین کی ایک جماعت بھی تیار کر لی۔ایک دن اس کے کچھ عقیدت مند علی الاعلان بازار میں کھڑے ہو کر اپنے نظریے کا پرچار کر رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر نے ان کی باتیں سن لیں۔انہوں نے فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جا کر اطلاع دی کہ کچھ لوگ آپ کو خدا کہہ رہے ہیں اور آپ میں خدائی صفات مانتے ہیں۔آپ نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں تم کیا نظریات رکھتے ہو؟انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے رب اور خالق ورازق ہیں۔آپ نے کہا:تم پر افسوس ہے میں

تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں اور تمہاری طرح کھانے پینے کا محتاج بھی ہوں۔ اگر میں اللہ کی اطاعت کروں گا تو مجھے اجر ملے گا اور اگر اس کی نافرمانی کروں گا تو وہ مجھے بھی سزا دے گا لہٰذا تم بھی اس خدا سے ڈرو اور اپنے خیالات سے تائب ہو جاؤ۔ یہ کہہ کر آپ نے ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ مگر وہ پھر بھی اپنے نظریات پر قائم رہے حتی کہ تین مرتبہ انہیں سمجھانے کے باوجود جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ باز نہیں آتے تو انہوں نے ان لوگوں کو آگ میں جلا دیا۔ ان میں سے جو لوگ بچ گئے وہ اپنے نظریات میں اور پختہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ آگ کا عذاب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں چونکہ خدائی صفات ہیں، اس لیے انہوں نے آگ کا عذاب دیا ہے۔ (۱)

یہ نظریات مخفی طور پر پھیلتے رہے حتی کہ مسلمانوں میں بعض صوفیا اس سے زیادہ متاثر ہوئے مثلاً حسین بن منصور حلاج (م۔ ۳۰۹ھ) عبدالکریم (م۔ ۸۲۰ھ) وغیرہ ایسے صوفی ہو گزرے ہیں جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں اللہ تعالیٰ نے حلول کر لیا ہے۔ نعوذ باللہ!

عقیدۂ حلول کے اثرات آج بھی بعض مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً ''حقیقتِ وحدت الوجود'' کے مصنف عبدالحکیم انصاری اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۶۰، ۶۱ پر اس طرح کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ

''ہمارے ایک چشتیہ خاندان کے پیر بھائی تھے جو صوفی جی کے نام سے مشہور تھے۔ وہ صاحبِ اجازت تھے اور ان کے بہت سے مرید بھی تھے۔ ایک دن میرے پاس آئے تو ہم مل کر چائے پینے لگے۔ چائے پیتے پیتے صوفی جی کے چہرے پر کیفیت کے آثار نمایاں ہوئے، چہرہ سرخ ہو گیا، آنکھوں میں لال لال ڈورے اُبھر آئے۔ پھر کچھ نشہ کی سی حالت طاری ہوئی۔ یکا یک صوفی جی نے سر اٹھایا اور کہنے لگے: ''بھائی جان! میں خدا ہوں۔'' اس پر میں نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے صوفی جی سے کہا: ''آپ خدا ہیں، تو اسے جوڑ دیجیے۔'' صوفی جی نے دونوں ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو ملا کر ان پر توجہ فرمائی لیکن کیا بننا تھا۔ ساتھ ہی ان کی وہ کیفیت بھی غائب ہو گئی جس کی وجہ سے وہ خدائی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اس پر صوفی جی کہنے لگے: ''پھر یہ آخر سب کچھ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا: ''کیا؟'' وہ بولے کہ ''یہی وحدت الوجود! میرے خیال میں تو یہ سب ایک کیفیت ہے حقیقت نہیں ہے'' میں نے کہا: ''واقعی آپ نے پتہ کی بات کہی، وحدت الوجود ایک بہت بڑی کیفیت ہے، حقیقت نہیں ہے۔'' صوفی جی نے کہا: ''تو کیا حضرت ابن عربی جیسے عظیم الشان بزرگ نے بھی غلطی کی ہے۔'' میں نے کہا: ''ابن عربی نبی تو نہیں تھے، ولی ہی تھے اور اولیاء سے غلطی ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن میرے خیال میں حق یہ ہے کہ انہوں نے غلطی نہیں کی بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی جیسی کہ ابھی آپ کو اپنے بارے میں ہو گئی تھی فرق صرف اتنا ہے کہ آپ کی کیفیت صرف چند لمحوں کے لیے تھی اس لیے غلط فہمی بھی چند لمحے رہی، لیکن ابن عربی چونکہ اپنے سلوک کے اختتام پر آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے اس لیے ان کی غلط فہمی دور نہ ہوئی۔'' (۲)

---

(۱) [فتح الباری شرح صحیح بخاری (ج۱۲ ص ۲۳۸) بحوالہ: شریعت و طریقت از عبدالرحمن کیلانیؒ (ص ۶۷، ۶۸)]

(۲) [بحوالہ: شریعت و طریقت (ص: ۹۴)]

عقیدہ وحدت الوجود

یہ نظریہ کہ...... ''خدا کوئی ایک ذات نہیں بلکہ جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے''...... وحدت الوجود کہلاتا ہے۔قرآن وحدیث میں دور دور تک اس نظریے کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام وتابعین عظام کے زمانوں میں اس کا کوئی وجود ملتا ہے۔البتہ عباسی دور میں جب یونانی، ہندی اور دیگر کتابوں کے ترجمے عربی میں کیے گئے تو ان میں یہ نظریہ موجود تھا۔چنانچہ پھر مسلمان بھی آہستہ آہستہ اس نظریے سے متاثر ہونے لگے حتی کہ ساتویں صدی ہجری میں ابن عربی جیسے مشہور صوفی نے کتابیں لکھ کر اس نظریے کو باقاعدہ شکل دی اور اسے اسلامی بنانے کے لیے قرآن وحدیث میں تاویلات کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ابن عربی کے بعد وحدت الوجود کا عقیدہ اتنا مقبول ہوا کہ اسے نہ ماننے والوں پر کفر وشرک کے فتوے لگنا شروع ہو گئے حتی کہ جب بلاد عرب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ہندوستان میں شیخ مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی) کی وحدت الوجود کے خلاف علمی کوششیں شروع ہوئیں تو تب جا کر وحدت الوجود کا سیلاب تھما اور اسے صریح کفریہ وشرکیہ عقیدہ سمجھا جانے لگا۔

وحدت الوجود ایسا نظریہ ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ...... ''مخلوق اور خالق میں کوئی فرق نہیں......معبود اور عابد میں کوئی امتیاز نہیں......کفر اور ایمان میں کوئی اختلاف نہیں......نجاست اور طہارت میں کوئی تضاد نہیں......علم اور جہالت میں کوئی تعارض نہیں......زندگی اور موت میں کوئی تناقض نہیں......!''

ظاہر ہے کہ اگر ان باتوں کو تسلیم کر لیا جائے تو قرآن وحدیث کی (معاذاللہ) دھجیاں بکھر جائیں گی کیونکہ قرآن وحدیث میں خالق اور مخلوق کا، رازق اور مرزوق کا، عابد اور معبود کا فرق بیان کیا گیا ہے اور ایمان وتوحید اور کفر وشرک کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا گیا ہے۔اہل جنت اور اہل جہنم میں حد فاصل قائم کی گئی ہے۔نجاست وطہارت، حلال وحرام اور علم وجہالت میں بُعد واضح کیا گیا ہے۔اور اگر قرآن وحدیث کی تعلیمات کو تسلیم کیا جائے تو وحدت الوجود کے لیے قبولیت کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ جاتا۔اس لیے وحدت الوجود قرآن وحدیث کے صریح منافی اور ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔

وحدت الشہود

یہ نظریہ کہ...... ''کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا سایہ ہے وجود نہیں بلکہ وجود ان سے جدا ہے''...... یہ وحدت الشہود کہلاتا ہے۔اس میں وحدت الوجود کے برعکس یہ تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مستقل ذات ہے جو اس کی مخلوق سے جدا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ مخلوق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا پرتو (سایہ) ہے۔یہ نظریہ بھی بڑے بڑے صوفیا میں مشہور ومقبول رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی کئی ایک قباحتیں ہیں مثلاً:

۱)......اول تو اس نظریہ کی تائید قرآن وحدیث سے نہیں ملتی۔

۲)......صحابہ کرام اور تابعین عظام بلکہ پورے خیر القرون میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔اگر یہ ایسا ہی ضروری اسلامی عقیدہ تھا تو اس کی مثال کم از کم ائمہ سلف سے ضرور ملنی چاہیے تھی۔

۳)......کسی چیز کا سایہ ہمیشہ اپنی اصل سے قائم رہتا ہے۔ اگر اصل میں اتار چڑھاؤ، کمی بیشی یا کسی اور طرح کی تبدیلی واقع ہو تو سایہ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔ کائنات کو اگر اللہ کا سایہ تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ کائنات میں ہونے والی تبدیلیاں دراصل اللہ تعالیٰ کے وجود میں ہونے والی تبدیلیوں کا اشارہ ہے۔ یعنی کائنات میں اشیاء کا فنا و زوال سے دوچار ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ (معاذ اللّٰہ) اللہ تعالیٰ میں نقص واقع ہو رہا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا [اور حقیقت بھی یہی ہے] تو پھر لازمًا یہ ماننا ہوگا کہ کائنات اللہ کا سایہ و پرتو نہیں ہے۔

۴)......قرآن وحدیث کے بیان کے مطابق کائنات اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کے حکم سے ایک روز یہ ساری کی ساری فنا ہو جائے گی جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو کوئی فنا نہیں۔

۵)......سایہ اور وجود میں جو مضبوط تعلق ہوتا ہے، اگر کائنات کو خدا کا سایہ قرار دے دیا جائے تو وہی تعلق اللہ اور کائنات کے درمیان بھی ماننا پڑے گا اور اس طرح وحدت الشہود بھی قریب قریب وہی صورت اختیار کر لے گا جو وحدت الوجود کی ہے۔ اور جب وحدت الوجود غیر اسلامی عقیدہ ہے تو پھر وحدت الشہود کو بھی اسلامی عقیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

فصل ۲

ایمان باللہ کی حقیقت اور لوازمات

اللہ تعالیٰ نے ہم سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اس لیے ہم اللہ کی مخلوق اور اللہ ہمارے خالق ہیں۔ خالق ہی نہیں بلکہ ہمارے حقیقی رازق و مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ جسے جتنا چاہیں مال و دولت، دنیوی وسائل اور انعام و اکرام سے نواز دیں، جسے چاہیں ان نعمتوں سے محروم کر دیں اور تنگی و مصیبت میں مبتلا کر دیں۔ جسے چاہیں صحت، طاقت اور خوشحالی سے نواز دیں اور جسے چاہیں مرض اور وبا میں مبتلا کر دیں۔ جس طرح ہماری موت و حیات اس اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی طرح ہماری تقدیر بھی اسی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ وہی مختارِ کل ہے، وہی قادرِ مطلق ہے، وہی مشکل کشا ہے، وہی حاجت روا ہے، وہی بگڑی بنانے والا ہے، وہی مشکل سنوارنے والا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، اسی کے پاس سارے خزانے ہیں، اسی کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں، اسی کے اشارے سے بارشیں برستی ہیں، اور اسی کے امر سے شمس و قمر طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔

اس کے حکم کو کوئی بدل نہیں سکتا، اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کے تصرف میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا، اس کے قہر و غضب کا کوئی سامنا نہیں کر سکتا، اس کے رحم و کرم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، اس کے انعامات کا کوئی شکر ادا نہیں کر سکتا، اس کی عبادت کا کوئی حق ادا نہیں کر سکتا۔ وہ پکڑنے پر آئے تو کوئی چھڑا نہیں سکتا، وہ مارنے پر آئے تو کوئی بچا نہیں سکتا، وہ غرقِ آب کرنے پر آئے تو کوئی نکال نہیں سکتا، وہ عذاب دینے پر آئے تو کوئی ٹال نہیں سکتا، وہ سزا دینے پر آئے تو کوئی روک نہیں سکتا۔

اس کی رحمت کا دریا بے کنار ہے، اس کے عفو کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اس کی بخشش ہر دم جاری ہے، وہ اپنے فرمانبرداروں کو پسند کرتا ہے اور نافرمانوں سے ناراض ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اللہ کو سمجھا نہیں، اس کے بارے میں جانا نہیں، اس کی کتاب کو پڑھا نہیں، اس کی کتاب قرآن مجید میں شاید ہمارے جیسے ناشکروں اور اپنے خالق سے بے رخی اختیار کرنے والوں ہی کے بارے میں یہ کہا گیا ہے:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾[سورۃ الزمر:٦٧]

''انہوں نے اللہ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی۔ ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بناتے ہیں۔''

اللہ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم کریں کہ وہی ہمارا خالق، مالک اور رازق ہے۔ آئندہ سطور میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں۔

۱)......سب کچھ ایک اللہ نے پیدا کیا ہے:

﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾[سورة الزمر:٦٢]

''اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا محافظ ہے۔''

﴿ اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴾[سورة الفرقان:٣٧]

''آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی اللہ کے لیے ہے اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا حصہ دار ہے، اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا۔ ان لوگوں نے اللہ کے سوا جو اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان ونفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت وحیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے مالک ہیں۔''

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴾

''آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے۔''[سورۃ الشوریٰ:۴۹]

﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾

''یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے پس تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔''[سورۃ الانعام:۱۰۲]

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾[سورة ابراهيم: ٣٢،٣٤]

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں۔ اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں، اسی نے تمہارے لیے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں، اور رات دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اسی نے تمہیں منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔''

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ

يَمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[النور:٤٥]

''تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ تعالیٰ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں بعض دو پاؤں پر چلتے اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں،اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾[سورۃ النحل:٥]

''اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور وہ تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔''

۲)......ہم انسانوں کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[البقرة:٢١]

''لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔''

﴿وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ﴾[سورۃ الشعراء:١٨٤]

''اس اللہ کا خوف کھاؤ جس نے خود تمہیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔''

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾

''یقیناً ہم نے انسان کو خشک مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی تھی، پیدا فرمایا ہے اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ سے پیدا کیا۔''[سورۃ الحجر:۲۶،۲۷]

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾[سورۃ الحجرات:١٣]

''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔''

﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾[سورۃ مریم:٦٧]

''کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔''

﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾[سورۃ یٰس:٧٧]

''کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکا یک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا۔''

﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ﴾[سورۃ عبس ١٨،١٩]

''اللہ کی مار انسان پر! یہ کیسا ناشکرا ہے،اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟ (اسے) ایک نطفہ سے (پیدا کیا) پھر اندازہ پر رکھا اس کو۔''

﴿يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾[سورۃ الانفطار:٦تا٨]

''اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ جس (رب) نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا، پھر (درست اور) برابر بنایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔''

﴿ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾[سورۃ الملك: ٢٣، ٢٤]

''کہہ دیجئے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو، کہہ دیجئے کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

﴿ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴾

''جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی، جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی، اسی نے تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت تھوڑا احسان مانتے ہو۔'' [سورۃ السجدۃ: ٧، ٩]

٣)...... ہمارا رازق اور داتا بھی اللہ ہے

﴿ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴾[سورۃ الذاریات: ٥٨]

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کا روزی رساں، توانائی والا اور زور آور ہے۔''

﴿ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ﴾[سورۃ الروم: ٤٠]

''اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر روزی دی پھر مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا۔''

﴿ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾[سورۃ المؤمن: ٦٤]

''اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، پس بہت ہی برکتوں والا ہے وہ سارے جہان کا پرورش کرنے والا۔''

٤)...... تمام جانداروں کا رزق اسی اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے

﴿ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ﴾[سورۃ ھود: ٦]

''زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے بھی جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ کے ذمہ ہیں۔''

﴿ وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾[سورۃ العنکبوت: ٦٠]

''اور بہت ہی جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے، وہ بڑا ہی سننے اور جاننے والا ہے۔''

۵)......انسانوں کو بھی اللہ ہی روزی دینے والا ہے

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ﴾[سورة الاسراء:۳۱]

''مفلسی کے ڈر سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالو، ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔''

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللّٰهُ ﴾[سورة سبا:۲۴]

''پوچھئے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ (خود) جواب دیجئے کہ اللہ تعالیٰ!''۔

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ [سورة الطلاق-۲،۳]

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا۔''

۶)......وہ جسے جتنا چاہے رزق عطا کرے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں!

﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ﴾[سورة العنکبوت:۶۲]

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ۔''

﴿ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ﴾[سورة النحل:۷۰]

''اللہ تعالیٰ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں زیادتی دے رکھی ہے۔''

﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ﴾[سورة الزخرف:۳۲]

''ہم نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے۔''

﴿ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ وَأَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ أَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴾[سورة الحجر:۲۰،۲۲]

''اور اسی میں ہم نے تمہاری روزیاں بنا دی ہیں اور (ان کی بھی) جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ اندازے سے اتارتے ہیں، اور ہم بھیجتے ہیں بوجھل ہوائیں پھر آسمان سے پانی برسا کر وہ (پانی) تمہیں پلاتے ہیں اور تم اس کے ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔''

۷)......سارے خزانے اللہ نے صرف اپنے پاس رکھے ہیں، لہٰذا اسی سے مانگو!

﴿ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ [سورة العنكبوت:۱۷]

''تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو، سنو! جن جن کی تم اللہ کے سوا پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تو تمہاری روزی کے مالک نہیں پس تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

۸)......کائنات کا مدبر و منتظم صرف ایک اللہ ہے

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ﴾[سورة الملك :۱]

''بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

﴿ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ﴾[سورة الشورٰى:۱۲]

''آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور (جس کی چاہے) تنگ کر دے۔''

۹)......غیب کا علم بھی صرف اللہ کے پاس ہے

﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾[الانعام:۵۹]

''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانا زمین کے تاریک حصوں میں نہیں اور نہ کوئی خشک اور تر چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں (اللہ کے پاس) ہے۔''

﴿ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ [سورة الاعراف:۱۸۸]

''آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں''۔

۱۰)......قادر مطلق بھی صرف اللہ ہے

﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴾[سورة النساء:۱۳۲،۱۳۳]

''اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کافی کارساز ہے، اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو! وہ تم سب کو مٹا دے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔''

۱۱)......مختارِ کل اور مالک الملک (شہنشاہ) بھی صرف اللہ ہے

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[سورۃ آل عمران:۲۶،۲۷]

''آپ کہہ دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہاتھ ہی میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے''۔

۱۲)......حاکم اعلیٰ بھی اللہ ہے، اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا!

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾[سورۃ فاطر:۴۴]

''اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اسے ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے''

۱۳)......نفع اور نقصان بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس کے حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا!

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾[سورۃ یونس:۱۰۷]

''اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کر دے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔''

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ''(اے محمدؐ!) آپ اپنے رشتہ داروں کو (اللہ تعالیٰ کے عذاب اور یوم قیامت سے) ڈراؤ''......تو آپؐ نے (اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے ان سے) فرمایا:

اے قریش کے لوگو! اپنے آپ کو بچالو! اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے عبد مناف کے بیٹو! اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے محمد کی بیٹی فاطمہ!

(اب دنیا میں) میرے مال سے جو چاہو مانگ لو (لیکن قیامت کے روز) اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہ آ سکوں گا۔''(۱)

۱۴)......زندگی اور موت بھی اللہ کے کنٹرول میں ہے، اس کا فیصلہ کوئی نہیں بدل سکتا!

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

''تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' [سورۃ البقرۃ:۲۸]

﴿ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴾[سورۃ النجم:٤٤]

''اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔''

﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِيْ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ ﴾[سورۃ الحجر:۲۳]

''ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (بالآخر) وارث ہیں۔''

﴿ هُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ فَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾[المؤمن:٦٨]

''وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مار ڈالتا ہے، پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ 'ہو جا' پس وہ ہو جاتا ہے۔''

﴿ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَارَيْبَ فِيْهِ ﴾[الجاثية:٢٦]

''آپ کہہ دیجیے اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔''

۱۵)......اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَّاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾[سورۃ البقرۃ:٢٦٠]

''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا، تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا چار پرندے لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔''

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالى: وانذر عشيرتك الاقربين۔

﴿ اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾[سورۃ البقرۃ:۲۵۹]

''یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے لیے اسے مار دیا، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ تو سو سال تک ایسے رہا ہے، پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں۔ تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو وہ کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

۱۶)...... صحت اور شفا بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے

﴿ اَلَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَالَّذِىْ يُمِيْتُنِىْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ وَالَّذِىْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِىْ خَطِيْٓئَتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴾[الشعراء:۷۸،۸۲]

''جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے اور وہی مجھے مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا اور جس سے میری امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا۔''

۱۷)...... اولاد دینا یا نہ دینا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴾[سورۃ الشوریٰ:۴۹،۵۰]

''آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹا بھی اور بیٹیاں بھی۔ اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔''

۱۸)...... قسمت کا مالک بھی صرف اللہ ہے

﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴾[الاحزاب:۳۸]

''اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے (تقدیر) پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔''

۱۹)......اچھے کام کی توفیق بھی اللہ ہی دیتا ہے

﴿ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ﴾

''میرا ارادہ تو اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔'' [سورۃ ھود:۸۸]

۲۰)......ہدایت دینا بھی صرف اللہ کے اختیار میں ہے

﴿ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴾

''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت پانے والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔'' [سورۃ القصص:۵٦]

مشرکین مکہ اور موجودہ کلمہ گو مسلمان......!

آئندہ سطور میں مشرکین مکہ کے حوالے سے بعض وہ اعمال ذکر کیے جا رہے ہیں جن کے ارتکاب کی وجہ سے انہیں مشرک کہا گیا۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے کئی ایک مسلمان بھی آج انہی جیسے کاموں کا ارتکاب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حقائق کو سنجیدگی سے پڑھیے اور سوچیے کہ کہیں ہم بھی معاذ اللہ ان لوگوں کی صف میں تو شامل نہیں......!

مشرکین مکہ بھی اللہ کو خالق، مالک اور رازق تسلیم کرتے تھے

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾

''اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ، تو کہہ دیجیے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں''۔ [سورۃ لقمان:۲۵]

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ....وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴾[سورۃ العنکبوت:٦١،٦٣]

''اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج و چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ، پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں......اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے، آپ کہہ دیجیے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے، بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔''

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ

بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾[سورة الزمر:۳۸]

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے، توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔''

﴿قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾[سورة المؤمنون: ۸۳،۸۹]

''پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ یہ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجیے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ دریافت کیجیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو؟ یہ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟ حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بے شک جھوٹے ہیں''۔

﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ﴾[سورة یونس:۳۱،۳۲]

''آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ (جواباً) یہی کہیں گے کہ ''اللہ''! تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے! سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا حقیقی رب ہے پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا سوائے گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟''

پھر انہیں کافر ومشرک کیوں کہا گیا؟

اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک اور رازق و داتا تسلیم کرنے کے باوجود مشرکینِ مکہ کو کافر ومشرک اس لیے کہا گیا کہ وہ یا تو اسلام کی بعض بنیادی تعلیمات (عقیدۂ آخرت، عقیدۂ رسالت، ایمان بالقرآن وغیرہ) سے انکار کرتے تھے اور یہ ان کا کفر تھا اور یا وہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اور حقوق میں دوسروں کو بھی کسی نہ کسی پہلو سے شریک بناتے تھے مثلاً وہ اپنے بنائے ہوئے

بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تصرف کی قوت اور مافوق الاسباب اختیارات عطا کر رکھے ہیں۔

بطورِ مثال صحیح مسلم کی درج ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے: ((لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ ......اِلَّا شَرِیْكًا ھُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَامَلَكَ))(1)

''اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، البتہ ایک شریک ہے اور وہ (شریک) بھی تیرے لیے (تابع) ہے۔ تو ہی اس کا مالک ہے اور اس کے اختیارات کا بھی تو ہی مالک ہے۔''

یعنی مشرکین مکہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جبکہ بزرگوں کی شبیہ پر بنائے ہوئے ان بتوں کے اختیارات عطائی [اللہ کے عطا کردہ] ہیں، انہی عقائد کی وجہ سے اللہ نے انہیں مشرک قرار دیا۔

مشرکین مکہ جن شرکیہ امور کا ارتکاب کرتے تھے، افسوس کہ آج کے بعض کلمہ گو مسلمان بھی جہالت، لاعلمی اور دنیوی مفادات کے پیش نظر ان کے مرتکب بنے ہوئے ہیں۔ توحید و شرک چونکہ بنیادی و اعتقادی مسائل سے ہے اور اسی پر ہر انسان کی نجات کا دارومدار ہے اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مشرکین مکہ کے ان دیگر اعمال کو بھی قرآن مجید کی روشنی میں واضح کر دیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے 'شرک' قرار دیا ہے اور اس کے باوجود اگر کوئی شخص کلمہ توحید کا زبان سے اقرار کرنے کے بعد مشرکین مکہ کے انہی شرکیہ اعمال کا مرتکب ٹھہرتا ہے تو اسے خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اس کے کلمہ توحید کا اسے کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں......؟!

غیر اللہ کی عبادت (تعظیم و محبت اور خوف کی وجہ سے)

مشرکینِ مکہ کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ وہ فرشتوں، جنوں اور بعض نیک لوگوں مثلاً نبیوں اور ولیوں وغیرہ کی عبادت کیا کرتے تھے، فرشتوں اور نیک لوگوں کی عبادت یا تو ان سے محبت کی وجہ سے کی جاتی یا اس لیے کی جاتی کہ یہ اللہ سے ہماری سفارش کر کے ہمیں بچا لیں گے۔ مشرکین مکہ کا یہ تصور انہی کی زبانی قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴾[یونس ۱۸]

''اور یہ لوگ اللہ (واحد) کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں! وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔''

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب التلبیة، ح ۱۱۸۵۔

اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ مشرکین مکہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کو مخلوقات کا رب اور کائنات کا خالق و مالک سمجھتے تھے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ تک رسائی اور تقرب کا ذریعہ (وسیلہ) اور اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ اور وہ ایسا کیوں سمجھتے تھے؟ اس کی وجہ یا تو ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کائنات میں تصرف کے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور یا پھر اس کی دوسری وجہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے بغیر ہماری دعائیں اور درخواستیں اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوسکتیں، اور انہیں راضی کیے بغیر ہم اللہ کو راضی نہیں کر سکتے۔ جب کہ جنات کی عبادت ان کے خوف کی وجہ سے کی جاتی تھی کیونکہ مشرکین مکہ جنات سے ڈرتے تھے اور انہیں راضی کرنے کے لیے ان کی پناہ مانگتے، ان کے لیے قربانی دیتے اور اسی طرح کے بعض اور ایسے اعمال بجالاتے جو عبادت میں شامل ہیں۔

مشرکین صرف بتوں ہی کی عبادت نہیں کرتے تھے......!

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ صرف بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ نبیوں، ولیوں، فرشتوں، جنوں وغیرہ جیسی ذوی روح ہستیوں کی بھی وہ عبادت کرتے تھے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے تھے تو وہ بھی محض اس لیے نہیں کرتے تھے کہ یہ قیمتی پتھر اور نفیس لکڑی کے بت ہیں بلکہ اس لیے کرتے تھے کہ یہ عظیم لوگوں کی شبیہیں ہیں اور ان کے آگے رکوع وسجدہ یا ان کے لیے نذر و نیاز دینے کا مقصد بھی یہ نہیں ہوتا تھا کہ ہم پتھروں اور بے جان چیزوں کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں بلکہ ان اعمال کو اس نیت سے بجالایا جاتا تھا کہ جن عظیم لوگوں کے یہ بت بنائے گئے ہیں ان کی روحیں ہم سے خوش ہوجائیں گی اور وہ روحیں ہماری دنیوی و اُخروی مشکلات کو آسان کردیں گی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور نہ تمہیں جواب دے سکتے ہیں بلکہ وہ تو تمہارے ان اعمال ہی سے بے خبر ہیں اور قیامت کے روز وہ تمہارے ان کاموں سے برأت و بیزاری کا اظہار کریں گے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ أَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ ﴾[سورة الفرقان: ١٧،١٩]

''اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں، اور جنہیں اللہ کے سوا یہ پوجتے رہے، انہیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں یہ زیب نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے۔ بات یہ ہے کہ تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت بھلا بیٹھے، یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ (سنو! جن کی تم عبادت کرتے ہو) وہ تمہاری ان باتوں کی تکذیب کریں گے، جو تم (ان کے بارے میں) کہتے ہو۔''

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے بعض نیک بندوں کو مافوق الاسباب اختیارات دے رکھے ہیں......!

دنیا میں ہم جو کام بھی کرتے ہیں، اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی مادی سبب موجود ہوتا ہے مثلاً سخت سردی، یا سخت گرمی یا ناقص غذا کی وجہ سے بیمار ہونا، زہر کھا کر ہلاک ہونا، بیج ڈال کر فصل اگانا، اونچی جگہ سے گرنے سے چوٹ لگنا، چھری چاقو یا بندوق سے زخمی یا قتل کرنا۔ اللہ کے علاوہ کوئی اور مخلوق ان مادی اسباب کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی۔ اسے درج ذیل مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجیے:

سخت بھوک لگی ہو تو اسے دور کرنے کے لیے 'کھانا' (خوراک) ایک مادی سبب ہے، کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ کھانے کے بغیر ہی وہ اپنی یا کسی اور کی بھوک دور کر سکتا ہے۔ اس لیے کسی بھوکے کی ہم تب ہی مدد کر سکتے ہیں جب ہمارے پاس کھانا موجود ہو اور ہم وہ کھانا بھوکے شخص کو پیش کر دیں، یا ہمارے پاس نقد رقم ہو اور خوراک خریدنے کے لیے وہ رقم ہم اسے دے دیں۔ مدد کی یہ تمام صورتیں مَاتَحْتَ الْاَسْبَابُ کے دائرہ میں داخل ہیں، کیونکہ یہ مدد جس سَبَبُ سے ممکن ہے وہ سبب ہماری دسترس میں ہے اور اگر وہ سَبَبُ ہماری دسترس میں نہ ہو تو پھر ایسے معاملے کو مَافَوْق الْاَسْبَابُ قرار دیا جائے گا۔ اور کوئی شخص ظاہری اَسباب کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا، اگر کوئی یہ کہے کہ وہ خود یا اس کا کوئی بزرگ ظاہری اَسباب کے بغیر بھی [یعنی مافوق الاسباب معاملات میں بھی] عمل دخل رکھتا ہے تو وہ جھوٹا ہے، اور اگر وہ جھوٹا نہیں تو اسے کسی جگہ بند کر کے یہ کہا جائے کہ وہ اپنی زندگی کے چند دن بغیر کھائے پیے یہاں گزارے۔ آپ دیکھیں گے کہ یا تو وہ بھوک پیاس سے مر جائے گا یا چند ہی گھنٹوں بعد روٹی پانی کے لیے بلکنا شروع کر دے گا۔ جس کی اپنی ہی یہ حالت ہو وہ مافوق الاسباب معاملات میں کسی اور کی خاک مدد کرے گا۔

لیکن اس کے باوجود بعض لوگ اپنے بتوں اور بعض اپنے نبیوں، ولیوں اور بزرگوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مافوق الاسباب معاملات میں بھی اختیارات رکھتے ہیں اور بعض تو یہاں تک سمجھتے ہیں کہ فوت ہونے کے بعد بھی یہ بزرگ مدد کے لیے موجود رہتے ہیں، کچھ یہی عقیدہ مشرکین مکہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو مافوق الاسباب اختیارات سے نواز رکھا ہے۔ نیک لوگ چاہیں تو اپنے ماننے والوں کو مشکلات سے نجات، مصائب پر مدد، اولاد اور کاروبار میں نفع اور زندگی میں خیر پہنچا سکتے ہیں اور اگر وہ چاہیں تو اپنے نافرمانوں کو عذاب اور نقصان سے بھی دوچار کر سکتے ہیں۔ مشرکینِ مکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ نیک لوگ خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ، وہ ہر لمحہ اور ہر جگہ جس کی چاہیں مدد کے لیے آ سکتے ہیں اور اگر انہیں جنگلوں، صحراؤں، ریگستانوں، دریاؤں اور سمندروں میں اپنی مشکلات و مصائب دور کرنے کے لیے پکارا جائے تو وہ پکارنے والے کی پکار سنتے اور اس کی مدد کی پوری طاقت و اختیار بھی رکھتے ہیں۔

مشرکینِ مکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ ان سارے اختیارات کا اصل مالک تو اللہ ہی ہے مگر مشکلات میں اللہ کے ان نیک بندوں کو پکارنے کا خود اللہ ہی نے حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ باقی سب کو چھوٹا سمجھتے تھے اور زیادہ سخت مشکلات

میں ان چھوٹے معبودوں اور نیک بندوں کو پکارنے کی بجائے سب سے بڑے معبود یعنی اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کر دیتے تھے۔

قرآن مجید نے مشرکین کے ان تمام عقائد ونظریات کی صاف صاف تردید فرمائی اور یہ واضح کر دیا کہ ما فوق الاسباب اختیارات سارے کے سارے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ نیک لوگ تو اپنی زندگی میں مافوق الاسباب اختیار نہیں رکھتے تھے پھر مرنے کے بعد انہیں یہ اختیار کیسے حاصل ہو گئے؟

بلکہ قرآن مجید نے اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا کہ یہ نیک لوگ تو خود مشکلات کا شکار ہوتے رہے ہیں اور اپنے مشکل وقت میں یہ خود بھی اللہ تعالیٰ کو پکارا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی یہی کہا کرتے تھے کہ تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں صرف اسی کو پکارو، اسی سے دعا وفریاد کرو، اسی کے لیے نذ ونیاز دو اور اسی کے لیے رکوع وسجدہ کرو۔ آیئے! ان سب باتوں کا مطالعہ قرآن مجید کی روشنی میں کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ کے عقائد کی تردید

﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ [سورۃ الرعد:١٦]

''ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہو اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے اس کے سوا ایسے لوگوں کو کارساز بنالیا ہے جو خود اپنے لیے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟ کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تاریکیاں اور روشنی یکساں ہوتی ہے؟ اور اگر ایسا نہیں تو کیا ان کے مقرر کردہ شریکوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب ہے۔''

﴿ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ [سورۃ المائدۃ:٧٦]

''ان سے کہو کیا تم اللہ کے علاوہ ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے نہ نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ ہی نفع کا۔ حالانکہ یہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔''

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾ [سورۃ الاعراف۔١٩٧]

''وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں۔''

﴿ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾

''کیا ایسے لوگوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد پر قادر ہیں۔'' [سورۃ الاعراف:١٩١، ١٩٢]

﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا

هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴾[سورۃ الرعد:۱۴]

''اسی کو پکارنا برحق ہے اور وہ لوگ جو اس کے علاوہ کو پکارتے ہیں وہ ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں۔'

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾[سورۃ النحل: ۲۰، ۲۱]

''اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا۔''

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴾

''ان سے کہو کہ پکارو ان لوگوں کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ (کچھ) گمان کرتے ہو، پس وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔''[سورۃ الاسراء :۵۶]

﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴾[سورۃ الفرقان:۳]

''اور لوگوں نے اللہ کے علاوہ ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں اور نہ زندہ کر سکتے ہیں، نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں۔''

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴾[سورۃ سبا:۲۲]

''ان سے کہو پکارو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو! وہ نہ آسمانوں میں سے کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں اور ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔''

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴾

''اور وہ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں وزمین میں سے کچھ بھی رزق نہیں دے سکتے اور نہ ہی انہیں اس کام کی استطاعت ہے۔''[سورۃ النحل:۷۳]

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴾

''اور وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں نہیں سن

سکتے اور اگر سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبر دینے والے (اللہ) کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔'' [سورۃ فاطر:۱۳،۱۴]

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ [سورۃ الاحقاف:٤ تا٦]

''اے نبی (ﷺ!) ان سے کہو: کبھی تم نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی ہے کہ وہ ہستیاں ہیں کیا، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کر رکھا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کتاب یا علم کا بقیہ (ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ، اگر تم سچے ہو! آخر اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکتی ہوں بلکہ وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ ہستیاں پکارنے والوں کی دشمن بن جائیں گی اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گی۔''

مشرکین مکہ سخت تنگی میں صرف اللہ کو پکارتے تھے!

یہ عجیب بات ہے کہ مشرکین مکہ عام حالات میں تو اپنے بتوں وغیرہ کو اپنی مدد کے لیے پکارتے مگر جب کسی شدید مشکل میں گرفتار ہوتے تو اس وقت سارے بتوں اور معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو پکارنا شروع کر دیتے اور اس سوچ کے ساتھ اللہ کو پکارتے کہ اب اللہ کے علاوہ اور کوئی اس مشکل سے بچا نہیں سکتا...... ! ان کی اس حالت کا نقشہ قرآن مجید میں اس طرح کھینچا گیا ہے:

﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴾ [الانعام:٤٠،٤١]

''ان سے کہو: ذرا غور کر کے بتاؤ اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت آ جاتی ہے یا آخری گھڑی آ پہنچتی ہے تو کیا اس وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ بولو اگر تم سچے ہو! اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو، پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم سے ٹال دیتا ہے ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔''

﴿ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴾ [سورۃ الانعام:٦٣،٦٤]

''اے نبی (ﷺ!) ان سے پوچھو صحرا، اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے نجات دیتا ہے؟ کون ہے

جس سے تم (مصیبت و مشکل میں) گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے اس نے ہم کو بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے؟ کہو اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہو!''

﴿ وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ ٱلْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّٰكِرِينَ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ﴾

''لوگوں کا حال یہ ہے کہ مصیبت کے بعد جب ہم ان کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو فوراً ہی وہ ہماری نشانیوں کے معاملہ میں چالبازیاں شروع کر دیتے ہیں۔ ان سے کہو اللہ اپنی تدبیر میں تم سے زیادہ تیز ہے، اس کے فرشتے تمہاری سب مکاریوں کو قلم بند کر لیتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے، چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر باد موافق پر فرحاں و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکا یک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے ہیں اس وقت سب اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لیے کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس طوفان سے نجات دی تو ہم شکر گزار بندے بن جائیں گے مگر جب اللہ نجات دیتا ہے تو پھر وہی حق سے منحرف ہو کر بغاوت کرنے لگتے ہیں۔'' [سورۃ یونس:۲۱، ۲۳]

﴿ فَإِذَا رَكِبُوا فِى ٱلْفُلْكِ دَعَوُا ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ فَلَمَّا نَجَّىٰهُمْ إِلَى ٱلْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴾

''جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے عبادت کو خالص کر کے اسے پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکا یک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔'' [سورۃ العنکبوت:۶۵]

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کا واقعہ

جب مکہ فتح ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے کفار مکہ کی عام معافی کا اعلان فرما دیا مگر چند ایک خطرناک مجرموں کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ جہاں کہیں بھی نظر آئیں انہیں قتل کر دیا جائے خواہ یہ بیت اللہ کے غلاف ہی میں کیوں نہ لپٹے ہوں!'' انہی میں سے ایک ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا۔ عکرمہ نے اپنی جان بچانے کے لیے حبشہ کا رخ کیا اور سمندر پار کرنے کے لیے ایک کشتی پر سوار ہو گیا۔ اتفاق سے سمندر میں طوفان آ گیا اور قریب تھا کہ کشتی ڈوب جاتی، چنانچہ تمام کشتی والوں نے ایک دوسرے سے کہا:

((أَخْلِصُوا فَإِنَّ آلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِي عَنْكُمْ هٰهُنَا شَيْئًا))

''اب نجات کے لیے صرف ایک اللہ کو پکارو کیونکہ تمہارے دوسرے معبود یہاں کچھ کام نہیں دے سکتے''!

یہ سن کر عکرمہ نے کہا:

((وَاللّٰهِ لَئِن لَّمْ يُنْجِنِيْ مِنَ الْبَحْرِ اِلَّا الْاِخْلَاصُ لَا يُنْجِيْنِيْ فِي الْبَرِّ غَيْرُهُ))

''اللہ کی قسم! اگر اس سمندر میں صرف ایک اللہ کو پکارنے سے نجات مل سکتی ہے تو پھر خشکی پر بھی ایک اللہ کے علاوہ اور کوئی نجات نہیں دے سکتا۔''

اس کے بعد عکرمہ نے کہا:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّ لَكَ عَلَيَّ عَهْدًا اِنْ اَنْتَ عَافَيْتَنِيْ مِمَّا اَنَا فِيْهِ اَنْ آتِيَ مُحَمَّدًا حَتّٰى اَضَعَ يَدِيْ فِيْ يَدِهٖ فَلَاَجِدَنَّهٗ عَفُوًّا كَرِيْمًا فَجَاءَ فَاَسْلَمَ))[1]

''یا اللہ! میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں اگر تو نے مجھے اس طوفان سے نجات دے دی تو میں محمد ﷺ کے پاس جا کر اسلام قبول کرلوں گا اور مجھے امید ہے کہ محمد ﷺ ضرور عفو ودرگزر فرمائیں گے۔ چنانچہ پھر عکرمہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور مسلمان ہو گئے۔''

اس واقعہ کی روشنی میں ان کلمہ گو مسلمانوں کو بھی اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہیے جو رزق تو اللہ کا دیا کھاتے ہیں، نماز اور بندگی بھی اسی کے لیے کرتے ہیں، مگر اپنی مشکلات میں اللہ سمیع وبصیر کو پکارنا بھول جاتے ہیں، یا پھر اللہ کو پکارتے تو ضرور ہیں مگر جلد ہی تھک ہار کر بزرگوں اور ولیوں کو بھی پکارنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ہماری نہیں بلکہ ان کی زیادہ سنتا ہے، لہٰذا ہم ان تک اپنی فریاد پہنچا دیتے ہیں اور یہ بزرگ اپنی قبروں ہی میں بیٹھے اللہ تک ہماری فریاد پہنچا دیں گے، محض فریاد ہی نہیں، بلکہ اسے پورا بھی کروا دیں گے۔ شیطان کی طرف سے پیدا کردہ اسی غلط فہمی میں وہ ان بزرگوں کے لیے ایسے اعمال بجالاتے ہیں جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لائق نہیں۔ چنانچہ یہی غلط فہمی بہت سے کلمۂ توحید کا اقرار کرنے والوں کو بھی شرک میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اللہ ہمیں مرتے دم تک شرک سے محفوظ رکھے، آمین!

......☆......

۱۔ سنن نسائی، کتاب المحاربة، باب الحکم فی المرتد، ح۴۰۷۲۔ نیز دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: بذیل سورۃ العنکبوت آیت ۶۵۔

فصل ۳

اللہ کی عبادت

اللہ اور انسان کا ایک باہمی تعلق عبد اور معبود کا ہے یعنی انسان عبد (بندہ، غلام) ہے اور اللہ اس کا مالک (معبود) ہے۔ انسان عبد (غلام) ہونے کے بعد اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ اللہ کی غلامی (عبادت) کرے اور غلامی کرنا ہی اس کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو انسان کے خالق و مالک اور رازق و داتا ہیں، وہی یہ حق رکھتے ہیں کہ تمام انسان اس کی عبادت کریں، اسی کا حکم مانیں، اسی کے آگے سر جھکائیں، اسی سے دعا و فریاد کریں، اسی سے مدد طلب کریں، اسی کے لیے نذر و نیاز دیں، جس طرح غلام کا کام اپنے آقا کی اطاعت ہے اسی طرح انسان کا کام اپنے خالق و مالک کی عبادت ہے کیونکہ انسان کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی عبادت کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ﴾[سورة الذٰريات:٥٦]

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو چونکہ اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔ اور جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔''[سورة البقرة :٢١، ٢٢]

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان، جنات اور فرشتے تینوں طرح کی مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے فرق صرف یہ ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم عدولی کا اختیار نہیں دیا اس لیے وہ ہر آن اللہ کی عبادت و اطاعت میں مصروف رہتے ہیں اور کسی لمحہ بھی اللہ کی نافرمانی و حکم عدولی کا ارتکاب نہیں کرتے۔

جبکہ جنات اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی میں اس حد تک اختیار دیا ہے کہ وہ چاہیں تو نیکی و بھلائی کی راہ اختیار کریں اور چاہیں تو بدی اور گناہ کا راستہ چن لیں۔ مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی انہیں متنبہ کر دیا ہے کہ اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کریں گے تو روز محشر انہیں اس کا اچھا صلہ یعنی جنت دی جائے گی اور اگر وہ بدی کی راہ اختیار کریں گے تو اس کی بری جزا کے طور پر انہیں جہنم کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

عبادت کیا ہے؟

یہ بات تو قرآن مجید کی روشنی میں واضح ہوگئی کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اگر کوئی شخص انسان کا مقصد تخلیق عبادت خداوندی کے سوا کچھ اور بیان کرتا ہے تو اس کی بات بے شک وشبہہ قرآن مجید کی صریح تعلیمات کے خلاف ٹھہرے گی۔ باقی رہی یہ بات کہ 'عبادت' کیا ہے تو اس کی تفصیلات ہم آئندہ سطور میں بیان کرتے ہیں:

عبادت...... عربی زبان کا لفظ ہے جس کی اصل [مادہ] **عبد** (یعنی ع۔ب۔د) ہے۔ عبادت کا معنی ہے انتہا درجہ کی عاجزی، انکساری، تابعداری وفرمانبرداری اور غلامی، جبکہ عبد کا معنی ہے بندہ اور غلام۔ بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس لیے اسے عابد اور اللہ کو معبود کہا جاتا ہے، اسی طرح ایک لفظ **عبودیت** ہے، اس کا معنی ومفہوم بھی قریب قریب وہی ہے جو لفظِ عبادت کا ہے۔ امام راغب اصفہانی اپنی شہرہ آفاق کتاب **مفردات القرآن** میں رقم طراز ہیں کہ

> ''**العبودیة** کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا مگر **العبادة** کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ معنوی اعتبار سے **العبادة** کا لفظ **العبودیة** سے زیادہ بلیغ ہے لہٰذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہوسکتی ہے جو بے حد صاحب افضال وانعام ہو اور ایسی ذات صرف ذات الٰہی ہے اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ ﴾ (۱۷۔۲۳) ''کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''[۱]

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی یہ ہے کہ بندہ (عبد/انسان) اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حقیقی آقا و مالک تسلیم کرتے ہوئے اس کی اس طرح غلامی وفرمانبرداری کرے جس طرح کہ اس کی غلامی وفرمانبرداری کرنے کا حق ہے۔ یہ حق کیسے ادا کیا جاسکتا ہے یا اس حق کی ادائیگی کے کیا لوازمات ہوسکتے ہیں اس کے لیے عہد نبویؐ کے عرب معاشرہ کے آقا وغلام کے تعلق کو سامنے لایا جائے تو اس بات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس دور میں غلام یہ سمجھا کرتا تھا کہ میرا آقا چونکہ میری زندگی، موت، رزق، رہائش اور دیگر وسائل وضروریات کا مالک ہے، چاہے تو مجھے اچھے طریقے سے رکھے، اور چاہے تو ظلم کرے یا بیچ ڈالے، اس لیے مجھے اپنے آقا ہی کو خوش رکھنا ہے، اسی کی فرمانبرداری کرنا ہے، جب تک اس کے پاس میری قسمت ہے تب تک اسی کا وفادار رہنا ہے، ہر آن اسی کی خدمت بجالانا ہے اور اس کی مرضی ومنشا کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا، حد درجہ اس کا ادب واحترام کرنا ہے اور اس کی تعظیم وتقدیس کے منافی نہ کوئی قدم اٹھانا ہے نہ زبان سے کوئی ایسی بات کہنی ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات برداشت کرنا ہے جو میرے آقا کی عظمت کو مجروح کرے۔

اس پس منظر میں جب ہم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا ہے تو اس سے عبادت وبندگی کا یہی مفہوم سامنے آتا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ ہی کے سپرد کیا جائے، اسی کا حکم واجب الاتباع

۱۔ ''مفردات القرآن'' (اردو ترجمہ) ج۲، ص ۶۶۲، ۶۶۳۔

سمجھا جائے اور ہر حکم پر اس کے حکم کو ترجیح دی جائے۔ نہ اس کی حکم عدولی کی جائے اور نہ اس کی نافرمانی کو برداشت کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں اوقات میں میرے لیے نماز (رکوع وسجود) ادا کرو تو نماز ادا کی جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں ایام میں میرے لیے روزے رکھو تو ان ایام میں روزے رکھے جائیں۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاح حالات میں میرے دشمنوں کے خلاف جہاد کرو تو جہاد کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ سچ بولو جھوٹ نہ بولو، انصاف کرو بے انصافی نہ کرو، پورا تولو کمی نہ کرو، عدل کرو ظلم نہ کرو، نیکی کرو بدی نہ کرو...... تو اس کا حکم سمجھتے ہوئے ایسا ہی کیا جائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے امر وحکم، اس کے ادب واحترام اور اس کے مقام ومرتبہ کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا جائے یہی اس کی عبادت ہے۔

گویا عبادت صرف چند ظاہری اعمال ہی کا نام نہیں اور نہ ہی عبادت کا یہ مطلب ہے کہ دن کے بعض لمحے، زندگی کے بعض گوشے اور معاملات کے بعض حصے اللہ کے حکم کے پابند یا عادی بنا لیے جائیں بلکہ عبادت کا دائرہ پوری زندگی کو محیط ہے اور انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو۔

ہمارا چلنا پھرنا، ہمارا کھانا پینا، ہمارا سونا جاگنا، ہمارا گفتگو کرنا، ہمارا تجارت کرنا اور روزی کمانا، لوگوں سے ملنا جلنا، محبت کرنا یا نفرت رکھنا یہ سب کچھ اللہ کی عبادت ہو سکتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام کی روشنی میں انہیں بجالایا جائے اور یہ سب کچھ اللہ کی بغاوت وسرکشی کے دفتر میں لکھا جا سکتا ہے جبکہ انہیں اس کے حکم سے بے پرواہ ہو کر کیا جائے۔

انسان کی زندگی کا اصل مقصد تو یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے حکم کا پابند یعنی اللہ ہی کو اپنا معبود سمجھتے ہوئے اس کا عابد (عبادت گزار) بن جائے اور اس کی عبادت واطاعت سے کسی لمحہ بھی غافل نہ رہے۔ جو انسان اس راہ میں کامیاب ہو جاتا ہے اور خواہش نفس، مال ودولت، جھوٹی انانیت، ریاکاری وشہرت، قوم وبرادری کی محبت وغیرہ جیسی رکاوٹوں کو عبور کر لیتا ہے وہی شخص فی الحقیقت مسلمان ہے ورنہ کسی گورے یا کالے کا زبان سے کلمہ پڑھ لینا اور اسلامی نام رکھ لینا قطعاً اس بات کی دلیل نہیں کہ اس نے اپنا مقصد تخلیق پا لیا ہے اور اب وہ قیامت کے روز جنت کا مستحق بن کر اٹھے گا!

عبادت کیسے کی جائے؟

یہ دو باتیں تو واضح ہو چکیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور عبادت اللہ کی کامل اطاعت وفرمانبرداری کا نام ہے، اب ہم یہ واضح کریں گے کہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری (یعنی عبادت) کیسے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام وفرامین سے مطلع کرنے کے لیے انسانوں ہی میں سے کچھ پاکباز ہستیوں کا انتخاب کیا جنہیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے اور ان کے پاس کبھی براہ راست اور کبھی بالواسطہ، کبھی فرشتے کے ذریعے اور کبھی بغیر فرشتے کے اپنا پیغام بھیجا جسے 'وحی' کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔ ان تمام انبیاء ورسل کی یہی دعوت رہی کہ لوگو! صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ تمہارا خالق و

مالک وہی رب ہے اس لیے عبادت واطاعت کا حق بھی اسی کے لیے ہے۔انبیاء ورسل کی یہ بنیادی اور اصولی دعوت ہر دور میں اور ہر قوم میں برابر جاری رہی جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ﴾[سورة النحل :٣٦]

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جس نے یہ دعوت دی کہ لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں (طاغوت) سے بچو۔پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔''

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾[الانبیاء: ٢٥]

''تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔''

اور اسی کو اللہ نے اپنا قانون بنا کر دنیا میں جاری کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ﴾[سورة الاسراء:٢٣]

''تمہارا رب یہ حکم کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت واطاعت سے متعلقہ جو احکام انبیا ورسل پر اتارے ہیں انہیں 'شــریعــت' کہا جاتا ہے اور اس شریعت کی پابندی 'عبـادت ' ہے جبکہ یہ ایمان ویقین کہ ہمارا معبود حقیقی، حاکم مطلق اور آقا وفرمانروا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کے آگے ہم نے سرخم تسلیم کرنا ہے، 'دین ' کہلاتا ہے۔اس لحاظ سے دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور تمام انبیا ورسل اسی کی طرف دعوت دینے کے لیے آئے اور اپنے مخاطبین کو یہ کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت وفرمانبرداری کرو، اس کے سوا عبادت واطاعت کا اور کوئی مجاز نہیں۔انبیاء کی یہ دعوت دعوتِ دین کہلاتی ہے اور اسے قبول کرنا ایمان کہلاتا ہے۔

اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کیسے کی جائے اس کے لیے انبیا ورسل اللہ کے حکم (وحی) سے ایک لائحہ عمل (قانون) دیا کرتے تھے تاکہ اس کے مطابق زندگی گزاری جائے۔اسی لائحہ عمل اور قانون کا نام شریعت ہے جبکہ اس قانون (شریعت) پر عمل پیرا ہونے کا نام عبادت ہے۔یہ قانون (شریعت) حالات کی مناسبت سے انبیا کو دیا جاتا اور حالات کی مناسبت ہی سے اللہ تعالیٰ اس میں تبدیلیاں بھی فرماتے۔مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں ان کی اولاد کا (یعنی بہن بھائیوں) کا آپس میں نکاح اللہ نے جائز ٹھہرایا تھا مگر بعد کی شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے بہن بھائی کا نکاح حرام ٹھہرا دیا۔اسی طرح بعض شریعتوں میں دو حقیقی بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کرنا جائز تھا مگر محمدی شریعت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔گویا جب سے یہ کائنات بنی ہے تب سے اس میں حالات کی مناسبت سے شریعتوں میں تبدیلی اور ترمیم وتنسیخ کا عمل جاری رہا، حتی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث فرما دیا تو آپ کو دی جانے والی شریعت (یعنی اسلام) کو قیامت تک کے لیے ناقابل تنسیخ حیثیت دے دی۔

اب محمدی شریعت ہی واحد معیارِ نجات ہے جو قرآن و حدیث کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمادی ہے۔ اب اسی شریعت پر عمل کرنا عبادت ہے اور اس سے انحراف بغاوت ہے۔

اصل توحید توحیدِ عبادت ہے

اللہ تعالیٰ کو خالق و رازق تسلیم کرنا، کائنات کا مدبر و منتظم اور مالک حقیقی مان لینا بھی توحید میں داخل ہے جسے عام اصطلاح میں توحیدِ ربوبیت یا توحیدِ ذات کہا جاتا ہے مگر اصل توحید توحیدِ عبادت ہے جسے توحیدِ الوهیت بھی کہا جاتا ہے یعنی ایک اللہ ہی کی کامل اطاعت وفرمانبرداری کی جائے، اس کے آگے رکوع وسجدہ کیا جائے اور اسی کے لیے نذر و نیاز دی جائے، اسی کے حکم و قانون کو بالاتر تسلیم کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں نہ کسی اور کی عبادت و پرستش کی جائے اور نہ کسی اور کا حکم اور قانون اپنایا جائے۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق اور مالک تسلیم کرنے کے باوجود عبادت و اطاعت کسی اور کی کرے تو اس کی توحید کامل نہیں بلکہ مشرکین مکہ جو اللہ کو خالق، رازق اور کائنات کا مالکِ حقیقی تسلیم کرتے تھے، انہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کافر و مشرک ہی قرار دیا کیونکہ عبادت و اطاعت میں وہ ایک اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے تھے۔ عبادت و پرستش کے لیے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے سینکڑوں بت تراش رکھے تھے جبکہ اطاعت وفرمانبرداری کے لیے بھی وہ حضرت محمد ﷺ کا قانون (اسلامی شریعت) اپنانے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے جب تک توحید عبادت میں انسان کامل نہ ہو اور یہ ثابت نہ کردے کہ اس کا جینا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے، تب تک اس کی نجاتِ اُخروی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ آئندہ صفحات میں ہم توحیدِ عبادت سے متعلقہ چند اہم باتوں کی تفصیل ذکر کریں گے۔

توحیدِ عبادت کی بنیادی صورتیں

توحیدِ عبادت یہ ہے کہ زبان، مال اور جسم وجان سے تعلق رکھنے والی تمام عبادات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالائی جائیں۔ چونکہ عبادت کی بنیادی طور پر تین ہی قسمیں ہیں یعنی زبانی، مالی اور جانی۔ اس لیے آئندہ سطور میں ان کی تفصیلات ذکر کی جائیں گی البتہ اس سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ عبادت کی ان تین قسموں کی بنیاد صحیح بخاری و مسلم کی درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (حالتِ تشہد) میں یہ پڑھا کرو:

﴿ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ [1]

۱۔ بخاری، ح۸۳۱۔۸۳۵۔ مسلم، ح۴۰۲۔

''قولی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔اے نبیؐ! آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی اس کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ اور ہم پر بھی اور اللہ کے دوسرے نیک بندوں پر بھی سلامتی نازل ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

اس حدیث میں تینوں طرح کی عبادت کو اللہ کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔آئندہ سطور میں ہم زبانی، مالی اور جسمانی، ان تینوں طرح کی عبادات کی مختلف صورتیں بالتفصیل بیان کریں گے۔ان شاء اللہ!

عبادت کی پہلی صورت....... زبانی عبادتیں

اس میں دعا، پکار، ندا، فریاد، استغاثہ (مدد مانگنا) استعاذہ (پناہ مانگنا) رضا طلب کرنا، اور ذکر و حمد وغیرہ شامل ہیں۔

ا)......مدد کے لیے ایک اللہ ہی سے دعا و فریاد کی جائے

کسی نعمت کے حصول، تنگی اور مصیبت سے نجات اور مشکل میں مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارنا 'دعا' کہلاتا ہے خواہ آہستہ پکارا جائے یا اونچا، تنہائی میں پکارا جائے یا لوگوں کے سامنے۔

دعا اور پکار میں دراصل یہ تصور شامل ہوتا ہے کہ جس ذات کو پکارا جا رہا ہے، وہ پکارنے والے کی حالت سے نہ صرف یہ کہ پوری طرح واقف ہے بلکہ اس کی حاجت پوری کرنے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا ایسی ذات ہے جو ہر وقت اور ہر حالت میں اپنی مخلوق کی پکار کو سنتی، ان کے دلوں کے ارمان کو جانتی اور ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اس لیے وہی ذات یہ حق رکھتی ہے کہ تنگی و مصیبت میں اسے ہی پکارا جائے، اسی کے در پر جھولی پھیلائی جائے، اسی سے فریاد کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے۔اسی لیے دعا کو عبادت کہا گیا بلکہ انسان محتاج، کمزور اور ضعیف ہونے کی وجہ سے ہر لحہ کسی نہ کسی تنگی و مصیبت کا شکار اور ہر آن کسی نہ کسی نعمت کا طلبگار رہتا ہے اور اس کے لیے اسے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلانے اور اس سے مانگنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے مانگنے، اسے پکارنے اور اس سے دعا کرنے کو عبادت کی روح اور مغز قرار دیا گیا۔ حدیث نبوی ہے:

((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) ''دعا عبادت کا مغز ہے''[۱]۔ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ بھی بیان ہوئے ہیں:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) ''دعا ہی (اصل) عبادت ہے۔''[۲]

بعض احادیث میں تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ ((مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ)) [۳]

۱۔ ترمذی، کتاب الدعوات، باب منه الدعاء مخ العبادة، ح۳۳۷۱۔ اس کی سند میں اگرچہ ضعف ہے مگر ترمذی ہی کی آگے ذکر کردہ دوسری صحیح روایت اس مفہوم میں کفایت کر جاتی ہے۔

۲۔ ترمذی، ایضاً، ح۳۳۷۲۔

۳۔ ترمذی، ایضاً، ح۳۳۷۳۔

''جو شخص اللہ سے دعا نہ کرے اللہ اس پر غصہ کرتے ہیں۔''

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو، اسی کو پکارو، اسی سے دعا اور فریاد کرو جبکہ اس کے بالمقابل پورے قرآن میں کہیں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں کہ جس میں کہا گیا ہو کہ اپنی مشکلات میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو بھی پکار لیا کرو بلکہ عہد نبویؐ میں جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کو اس نیت سے پکارتے تھے کہ وہ ہماری سننے اور مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، انہیں کافر و مشرک قرار دیا گیا اور ان کے اس عقیدے کی عقلی و منطقی طریقے سے بھی پرزور تردید کی گئی۔

آئندہ سطور میں ہم چند ایسی آیات کا انتخاب پیش کر رہے ہیں جن میں صرف اور صرف اللہ کو پکارنے کا صاف صاف ذکر بلکہ حکم موجود ہے اور غیر اللہ کو پکارنے کی صاف صاف ممانعت مذکور ہے:

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾[سورة الاعراف:٥٥]

''تم لوگ اپنے پرودگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔''

﴿ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾[سورة الجن :١٨]

''اور بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔''

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾

''(اے نبیؐ!) ان سے کہو: کبھی تم نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی ہے کہ وہ ہستیاں ہیں کیا، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کر رکھا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کتاب یا علم کا بقیہ (تمہارے ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ، اگر تم سچے ہو! آخر اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکتی ہوں بلکہ وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ ہستیاں پکارنے والوں کی دشمن بن جائیں گی اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گی۔''[سورۃ الاحقاف:۴،۵،۶]

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾[سورة النحل : ٢٠،٢١]

''اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔''

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾[الاعراف:١٩٧]

''وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں۔''

تمام انبیاء ورسل اور اولیائے کرام اپنی مشکلات میں اللہ ہی کو پکارا کرتے تھے اور یہ ایمان رکھتے تھے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی ذات مافوق الاسباب اختیارات نہیں رکھتی، اس لیے اس نیت وعقیدہ کے ساتھ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارنا شرک ہے۔

مزید وضاحت کے لیے ہم ذیل میں چند انبیا کی وہ دعائیں اور فریادیں ذکر کررہے ہیں جو انہوں نے مشکل کے وقت اللہ کے حضور کی تھیں اور اللہ ہی نے ان کی مشکل دور فرمائی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا

جب حضرت آدم وحوا کو ایک غلطی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکال دیا تو انہوں نے براہِ راست اللہ سے معافی طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگی تھی:

﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾[سورۃ الاعراف:٢٣]

''دونوں نے کہا: اے رب ہمارے! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا ہے اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی لغزش کو معاف فرمادیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا

حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کی سرکشی ونافرمانی سے تنگ آ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب یہ اللہ کی طرف نہیں لوٹیں گے تو ان سے نجات کے لیے آپ علیہ السلام نے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کی:

﴿ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾ [سورة نوح :٢٦، ٢٧]

''اور (حضرت) نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ! اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کریں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔''

چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ کی کافر ومشرک قوم کو پانی کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کافر ومشرک لوگوں سے رحم کی اپیل کرنے کی بجائے اللہ کے حضور درخواست کی اور کہا:

((حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ)) ''مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''(۱)
چنانچہ اللہ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا

حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے زندہ سلامت اپنے پیٹ میں نگل لیا تو اس وقت انہوں نے کسی نبی، ولی، پیر، فقیر وغیرہ کو پکارنے کی بجائے سیدھا اللہ رب العزت کو پکارا اور یہ دعا مانگی:

﴿ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَن لَّآاِلٰهَ اِلَّآاَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [سورة الانبياء:۸۷]
''بالآخر اندھیروں کے اندر سے وہ پکار اٹھا کہ الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں سے ہوگیا ہوں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾[سورة الانبياء:۸۸]
''چنانچہ ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے ہم نے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اس طرح بچالیا کرتے ہیں۔''

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی کے بارے میں فرمایا کہ

﴿ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾[الصّٰفّٰت:۱۴۳،۱۴۴]
''اگر وہ (یونس علیہ السلام اللہ کی) تسبیح بیان نہ کرتے تو قیامت تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔''

چنانچہ اللہ کے حضور فریاد کرنے سے مچھلی نے اللہ ہی کے حکم سے حضرت یونس علیہ السلام کو باہر خشکی پر پھینک دیا اور اس طرح آپ کی جان بخشی ہوئی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا

حضرت ایوب علیہ السلام ایک عرصہ تک شدید بیماریوں میں مبتلا رہے اور صبر کرتے رہے حتیٰ کہ جب انہوں نے پکارا تو اللہ ہی کو پکارا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴾[سورة صٓ :۴۱]
''جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج و دکھ پہنچایا ہے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ صحت و عافیت بخش دی۔

۱۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: ان الذين قال لهم الناس...... ح ۴۵۶۴۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی جدائی میں کئی سالوں تک تڑپتے رہے حتی کہ رورو کر بینائی بھی ضائع ہوگئی اور اپنے اس غم کو دور کرنے کے لیے جب بھی آپ پکارتے تو ایک اللہ ہی کو پکارتے اور کہتے:

﴿ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾[سورة يوسف:٨٦]

''میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔''

بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے بیٹے سے ملا دیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھاپے کی عمر کو جا پہنچے مگر اللہ کے حکم سے ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی مگر جب انہوں نے اولاد کے لیے فریاد کی تو اسی اللہ کے دربار میں جھولی پھیلائی اور یہ دعا مانگی:

﴿ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِیًّا وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ﴾[سورة مريم :٣تا٥]

''جب کہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے، میری بیوی بھی بانجھ ہے، پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ یَحْیٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ﴾[سورة مريم :٧]

''اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں بنایا''

۲)......صرف اللہ ہی سے پناہ طلب کی جائے:

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے حکم و اذن کے بغیر کچھ نہیں ہوتا کسی شخص کو اگر وہ اپنی پناہ میں لے لے تو ساری کائنات مل کر بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کسی کو اگر وہ نقصان پہنچانا چاہے تو ساری کائنات مل کر بھی اس سے نقصان کو دور نہیں کر سکتی اس لیے مخلوق کے شر سے اسی ذات واحد کی پناہ مانگی جائے، خود اللہ نے اپنے انبیاء و رسل کو یہ تعلیم دی کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کریں مثلاً قرآن مجید کی آخری دو سورتوں (الفلق والناس) میں نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پناہ مانگنے کے لیے یہ دعا سکھائی:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ [سورة الفلق]

''آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے کہ جب اس کا اندھیرا پھیل جائے اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کے شر سے بھی اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے''۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ [سورة الناس]

''آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں، لوگوں کے مالک کی اور لوگوں کے معبود کی پناہ میں (آتا ہوں) وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔''

۳)......اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے صرف اللہ کا ذکر کیا جائے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴾[الاحزاب: ٤١، ٤٢]

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو اور صبح وشام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔''

۴)......صرف اللہ کی قسم کھائی جائے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے باپ کی قسم کھائی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اِنَّ اللّٰهَ یَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفاً فَلْیَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِیَصْمُتْ))

''خبردار! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ جو شخص قسم کھانا چاہے اسے چاہیے کہ اللہ کی قسم کھائے یا پھر خاموش رہے۔''(۱)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے لَاتْ یا عُزّٰی بت کی قسم کھائی، وہ (توبہ کرتے ہوئے) لاالہ الااللّٰہ کہہ لے۔''(۲)

۵)......توبہ وانابت:

انسان کو چاہیے کہ گناہوں کے سرزد ہو جانے کے بعد اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کرے کیونکہ وہی ذات گناہوں کو معاف کرنے والی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ ﴾[سورة الزمر: ٥٤]

''تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اسی کے لیے فرمانبردار بن جاؤ۔''

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب لاتحلفوا بآبائکم، ح ٦٦٤٦۔

۲۔ صحیح بخاری، ایضاً، باب لایحلف باللات والعزی، ح ٦٦٥٠۔

۶)......توکل واعتماد:

انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سہارا سمجھے اور اسی پر حقیقی توکل کرے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾[سورة المائدة :۲۳]

''اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو۔''

﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾[سورة الطلاق:۳]

''جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔''

عبادت کی دوسری صورت...... جسمانی عبادتیں

زبان چونکہ جسم کا حصہ ہے اس لیے زبان سے کی جانے والی عبادتیں بھی جسمانی عبادتوں میں شامل ہیں۔اسی طرح دل بھی جسم کا حصہ ہے اور اس سے متعلقہ عبادتیں بھی جسمانی عبادتوں میں شامل ہیں۔ زبانی عبادتوں کو چونکہ ہم گزشتہ سطور میں ذکر کر چکے ہیں اس لیے اب یہاں قلب وجسم سے متعلقہ عبادتوں کو بیان کیا جائے گا۔

دل سے متعلقہ عبادتیں

اس میں وہ عبادات شامل ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے دل کے ساتھ ہے مثلاً ایمان ویقین، محبت وخشیت، رجا ورغبت، توکل وانابت وغیرہ۔آئندہ سطور میں ان کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں:

۱)......ایمان ویقین:

انسان کو چاہیے کہ وہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک اور رب ہونے پر ایمان رکھے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسولوں، آسمانی کتابوں، فرشتوں، تقدیر اور یومِ آخرت پر بھی کامل یقین رکھے۔ان چھ چیزوں پر یقین اَرْکَانُ بِالْإِيْمَان کہلاتا ہے۔ایمان کے ان اَرکان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''[سورة النسآء:۱۳۶]

۲)......محبت وخشیت:

انسان کو چاہیے کہ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے رکھے اور سب سے زیادہ ڈر بھی اسے اللہ ہی کا ہونا چاہیے، حتیٰ کہ

دوسروں کے ساتھ دوستی اور دشمنی کی بنیاد بھی اس کے نزدیک اللہ کی رضامندی اور ناراضگی ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾[سورة البقرة :١٦٥]

''اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔'' نیز ارشاد باری ہے:

﴿ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ﴾[المائدة:٤٤] ''تم لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو۔''

۳)......رجا اور رغبت:

انسان کو چاہیے کہ وہ ہر طرح کی خیر و بھلائی کی امید اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرے کیونکہ تمام بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾[سورة آل عمران:٢٦، ٢٧]

''آپ کہہ دیجئے: اے میرے معبود! اے تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہاتھ ہی میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے۔ تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے۔''

جسم و بدن سے متعلقہ عبادتیں

اس میں نماز و قیام، رکوع و سجود، طواف و اعتکاف، حج و روزہ وغیرہ شامل ہے، ان کی تفصیل آئندہ سطور میں بیان کی جارہی ہے۔

۱)......نماز اور قیام صرف اللہ کے لیے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾[سورة الانعام: ١٦٢]

''(اے نبیؐ!) آپ فرما دیجیے کہ یقیناً میری نماز، اور میری ساری عبادت (اور قربانی) اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔''

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾[سورة البقرة :٢٣٨]

''نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے ہوا کرو۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ))

''جو آدمی یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے تصویر کی طرح (بے حس و حرکت اور باادب ہو کر) کھڑے ہوں تو وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔''[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ آپؐ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ(قال)وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ))

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کے رسول سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا اور جب وہ آپ کو (تشریف لاتے) دیکھ لیتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قیام کو ناپسند کرتے ہیں۔''[2]

معلوم ہوا کہ کسی کے لیے باادب ہو کر قیام کرنا اس کی حد درجہ تعظیم ہے اور حد درجہ تعظیم کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی رکھتے ہیں۔ اگرچہ بعض روایات سے قیام کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے مگر وہ اس وقت ہے جب قیام تعظیمی نہ ہو بلکہ قیام استقبالی ہو اور اس میں کھڑے ہونے والے کی حقارت نہ ہو اور نہ ہی دوسرا شخص بطورِ تکبر اس کو پسند کر رہا ہو۔

واضح رہے کہ بعض لوگ 'محفلِ میلاد' منعقد کرتے ہیں تو آخر میں کچھ دیر کے لیے اس خیال سے ازراہِ تعظیم کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہاں تشریف لے آئے ہیں۔ حالانکہ اول تو اللہ کے رسولؐ عالمِ برزخ میں ہیں اور عالمِ برزخ کا ہمارے اس عالمِ حیات سے کوئی تعلق نہیں اور دوسری بات یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ تعظیم کے لیے کھڑا ہوا جائے اور جب صحابہ کرامؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپؐ کے لیے تعظیماً کھڑا نہیں ہوا کرتے تھے تو ہمارے لیے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ ہم ایک فرضی تصور کے ساتھ آپؐ کے لیے کھڑے ہوں......؟!

۲)......رکوع و سجود صرف اللہ کے لیے:

کسی کے آگے جھکنا رکوع کہلاتا ہے اور ماتھا زمین پر ٹیک کر بچھ جانا سجدہ کہلاتا ہے۔ رکوع اور سجدہ یا تو کسی کی تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے یا پھر اس کی پرستش کی نیت سے۔ جہاں تک عبادت و پرستش کے لیے رکوع و سجود کا تعلق ہے تو یہ اللہ کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں۔ جبکہ تعظیم اور ادب و احترام کے لیے اللہ کے علاوہ کسی کے آگے رکوع و سجود بعض شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا تھا مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ان کے بھائیوں اور والدین کا سجدہ کرنا ان کی شریعت میں جائز تھا مگر محمدی شریعت میں تعظیمی رکوع و سجود سے بھی منع فرما دیا گیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ [سورة الحج:۷۷]

''اے ایمان والو! رکوع و سجود کرتے رہو اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ''

۱۔ ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی کراهية قيام الرجل للرجل، ح۲۷۵۵۔ ابوداؤد، ح۵۲۲۹۔

۲۔ ترمذی، ایضاً، ح۲۷۵۴۔

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَاتَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾[سورۃ حمٓ السجدۃ:۳۷]

''دن اور رات، اور سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اس کی عبادت کرنی ہے تو۔''

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ (یمن کے شہر) آیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے بادشاہ مَرْزُبَان کے لیے سجدہ کرتے تھے میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (ان حاکموں اور بادشاہوں کے مقابلہ میں) سجدہ کے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ جب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حیرہ شہر میں گیا تو وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ مرزبان کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ آپؐ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارا گزر میری قبر پر ہو تو کیا میری قبر پر بھی تم سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا نہیں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَلَا تَفْعَلُوا لَوْكُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ))(۱)

''پھر مجھے بھی سجدہ نہ کرو اور اگر میں کسی کو یہ حکم دینا چاہتا کہ وہ (اللہ کے سوا) کسی اور کے لیے سجدہ کرے تو پھر میں عورتوں کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں، اس حق کے بدلہ میں جو اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے جھکنا اور سجدہ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں، اگر تعظیم کی نیت سے ایسا کیا جائے تو یہ کبیرہ گناہ ہے اور اگر عبادت و پرستش کی نیت سے کیا جائے تو پھر یہ شرکِ اکبر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات کو پسند نہ کیا کہ انسان اپنے جیسے انسان یا مخلوق کے لیے سجدہ ریز ہو بلکہ اپنے لیے بھی کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہ دی۔اب یہ تو ہے قرآن وسنت کی صاف شفاف اور موحدانہ تعلیم مگر افسوس ان کلمہ گو اور نام کے مسلمانوں پر جن کی جبیں غیر اللہ کے آگے جھکتی ہے اور اس سے زیادہ افسوس ہے ان نام نہاد علماء پر جو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کے سجدہ کرنے یا حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ان کے بھائیوں کے سجدہ کرنے کو اس بات کے ثبوت اور دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ جائز ہے حالانکہ اگر پہلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز بھی تھا تو آخری صاحب شریعت اور خاتم النبیینؐ نے اس کو منسوخ فرما دیا۔لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ضد کرے تو اس کے لیے سوائے دعا اور اس کے اس رویہ پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے......!

قبروں پر سجدہ ریزی کی حرمت:

ذیل میں چند صحیح احادیث ذکر کی جا رہی ہیں جن میں قبروں پر سجدہ کرنے کی صاف ممانعت مذکور ہے:

۱۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المراۃ، ح ۲۱۴۰۔

۱)...... حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل یہ ارشاد فرمایا:
''لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلی اُمتوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ (مسجدیں) بنالیا تھا۔ خبردار! تم قبروں پر مسجدیں مت بنانا، میں تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں۔''(۱)

۲)...... حضرت اُم حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''یقیناً ان (یہود و نصاریٰ) میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں تصاویر آویزاں کرتے، یہی لوگ روزِ قیامت اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق شمار ہوں گے۔''(۲)

۳)...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا:
''بلا شبہ بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت قائم ہوگی اور وہ ایسے لوگ ہوں گے جو قبروں کو سجدہ گاہیں (یعنی مسجدیں) بنالیں گے''۔(۳)

۴)...... ایک اور حدیثِ نبویؐ ہے کہ
((لَاتَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا إِلَيْهَا))
''قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھو۔''(۱)

۳)...... طواف واعتکاف بھی صرف اللہ کے لیے:

اجر وثواب کی نیت سے کسی خاص مقام کے گرد چکر لگانا طـــواف اور اسی نیت سے کسی خاص مقام پر مخصوص مدت کے لیے بیٹھنا اعتـــکـاف کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بابرکت گھر بیت اللہ کے گرد چکر لگانا یعنی طواف کرنا حج وعمرہ کی عبادات میں شامل ہے اور یہی ایک گھر ہے جس کا طواف عبادت ہے اس کے علاوہ کسی اور گھر، مقام یا جگہ کا طواف غیر اللہ کی عبادت میں شمار ہوگا۔ بیت اللہ کے طواف کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿ وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴾
''اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔'' [سورۃ البقرۃ:۱۲۵]

۱۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور۔۔۔ ح ٥٣٢۔ یہاں حدیث میں مسجد کا لفظ آیا ہے اور لغت کی رو سے مسجد اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سجدہ کیا جاتا ہے، خواہ وہ جگہ قبرستان ہو یا نماز پڑھنے کی مخصوص عمارت (مسجد)۔ اس حدیث میں لفظ مسجد کے دونوں ہی معنی مراد لیے گئے ہیں، جیسا کہ اگلی حدیثیں بھی اس کی وضاحت کررہی ہیں، اس لیے اس ممانعت کے حکم میں عموم پایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قبروں پر نہ تو سجدہ کرنا جائز ہے اور نہ ہی قبر پر مسجد بنانا جائز ہے، حتی کہ اگر پہلے سے مسجد بنی ہو تو وہاں بعد میں قبر بنانا بھی جائز نہیں۔

۲۔ بخاری، کتاب الصلاة، ح ٤٣٤۔ مسلم، ح ٥٢٨۔

۳۔ احمد، ج ۱ ص ٤٠٥۔ ابن حبان، ح ٢٣١٦۔ ابو یعلیٰ، ح ٥٣١٦۔

٤۔ مسلم، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر، ح ٩٧٢۔ ابوداؤد، ١/٧١۔ نسائی، ١/١٢٤۔ ترمذی، ١/١٥٤۔

مشرکینِ مکہ بیت اللہ کا طواف بھی کیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ اپنے بعض بتوں کے آستانوں کا طواف بھی کیا کرتے تھے۔طواف چونکہ ایک عبادت ہے اس لیے مشرکین مکہ کا اپنے بتوں کے لیے طواف واضح طور پر شرکیہ عمل تھا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے بالآخر ختم فرمادیا اور قیامت کے قریب اس شرک کے دوبارہ شروع ہو جانے کے بارے میں یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ

﴿ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَضْطَرِبَ اَلَيَاتُ نِسَآءِ دَوْسٍ عَلٰى ذِى الْخَلَصَةِ: وَذُو الْخَلَصَةِ : طَاغِيَةُ دَوْسٍ الَّتِىْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَهَا فِى الْجَاهِلِيَّةِ ﴾[1]

''قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ دوس قبیلے کی عورتوں کے سرین ذُو الْخَلَصَه پر حرکت کریں گے''۔ [یعنی عورتیں اس بت کے گرد طواف کریں گی] ذُو الْخَلَصَه دوس قبیلے کا بت تھا جس کی اہل عرب دورِ جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔''

طواف تو صرف بیت اللہ کا کیا جاسکتا ہے جبکہ اعتکاف کسی بھی مسجد میں اور کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ اللہ کے لیے ہو کیونکہ اعتکاف بھی ایک عبادت ہے اور عبادت کا حقدار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔لیکن یاد رہے کہ مسجد چھوڑ کر کھلے میدانوں میں اعتکاف کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں!

۴)...... حج اور روزہ بھی صرف اللہ کے لیے:

حج اور روزہ بھی چونکہ عبادت ہیں اس لیے یہ حق بھی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کہ اسی کے لیے روزہ رکھا جائے اور اسی کے لیے اس کے گھر (بیت اللہ، کعبہ) کا حج کیا جائے۔اگر کوئی شخص اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے روزہ رکھے یا بھوک برداشت کرے یا کسی اور کے لیے حج کرے تو اس کا یہ عمل یقیناً شرک ہوگا۔

عبادت کی تیسری صورت...... مالی عبادتیں

اس میں نذر و نیاز، صدقہ وخیرات اور قربانی وغیرہ شامل ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

نذر و نیاز صرف اللہ کے لیے:

'نذر' بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے، اردو میں اس کا ترجمہ 'منت' اور فارسی میں 'نیاز' کیا جاتا ہے۔یہ دراصل عبادت کی وہ قسم ہے جسے کوئی شخص اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ ارادہ کرلے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا یا میری فلاں مراد پوری ہوگئی تو میں اس کے بدلہ میں اتنے نوافل ادا کروں گا، یا میری فلاں مشکل حل ہوگئی تو میں اتنا صدقہ کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔نذر و نیاز میں اگرچہ ہر طرح کی عبادت شامل ہوتی ہے مگر عام طور پر اسے مالی عبادت کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ مولانا وحید الزمان قاسمی[2] رقم طراز ہیں کہ

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب تغیر الزمان حتی تعبد الاوثان، ح۷۱۱۶۔ صحیح مسلم، ح۲۹۰۶۔

۲۔ القاموس الوحید، ص۱۶۳۔

''نذر، منت وہ صدقہ یا عبادت وغیرہ جسے اللہ کے لئے اپنے اوپر لازم کیا جائے اور اپنے مقصد کی تکمیل پر اسے ادا اور پورا کیا جائے۔''

معلوم ہوا کہ نذر و نیاز، منت اور چڑھاوا عبادت ہے اور عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس سے خود ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز دے یا غیر اللہ کے لیے منت مانے تو وہ شرک کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ اس کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کفار مکہ جو غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز دیتے تھے ان کے اس فعل کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا ﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے اس میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر لیا اور بزعمِ خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔'' [سورۃ الانعام:١٣٦]

﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴾[سورة المائدة :١٠٣]

''اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو لیکن جو لوگ کافر ہیں، وہ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔''

واضح رہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، اور حام وغیرہ ان مخصوص جانوروں کے نام ہیں جنہیں مشرکین مکہ غیر اللہ کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو سخت ناپسند کیا۔ غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز دینا کتنا بڑا گناہ ہے اس کا اندازہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور دوسرا مکھی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، وہ کیسے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں دو آدمی تھے جو ایک جگہ سے گزرے اور وہاں لوگوں نے ایک بت رکھا ہوا تھا۔ جب تک اس کا چڑھاوا نہ چڑھایا جاتا تب تک کوئی شخص وہاں سے گزر نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں نے ان دو میں سے ایک سے کہا کہ اس بت کے لیے کچھ نذر و نیاز پیش کرو۔ اس نے کہا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، ان لوگوں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ نذر و نیاز تو دینا پڑے گی خواہ ایک مکھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے مکھی کا چڑھاوا چڑھایا اور وہاں سے گزر گیا یہ تو (اپنے اس فعل کی وجہ سے) جہنم میں گیا۔

ان لوگوں نے دوسرے آدمی سے بھی کہا کہ نذرانہ پیش کرو۔ اس نے کہا میں اللہ کے سوا کسی کے لیے کوئی نذرانہ نہیں دے سکتا تو لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور وہ جنت میں جا پہنچا۔''(١)

١۔ حلیة الاولیاء، لابی نعیم، ج ١ ص ٢٠٣۔ کتاب الزھد، لاحمد بن حنبل، ص ١٥۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر غیر اللہ کے لیے ایک مکھی کا چڑھاوا جہنم میں لے جا سکتا ہے تو ان لوگوں کا کیا بنے گا جو غیر اللہ کے لیے بکرے، چھترے اور دیگوں کی دیگیں چڑھا دیتے ہیں، اور الٹا اسے کارِ خیر بھی سمجھتے ہیں!......اللہ ہم سب کو عقیدۂ توحید کی سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

ہر طرح کی قربانی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے

قربانی بھی ایک عبادت ہے اس لیے اگر اللہ کے علاوہ کسی اور خوش کرنے کے لیے جانور ذبح کیا جائے تو وہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾[سورۃ الکوثر:۲]

''اپنے رب کے لیے آپ نماز پڑھیے اور (اسی کے لیے) قربانی کیجیے۔''

جو حلال جانور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ذبح کیا جائے وہ جانور بھی پھر حلال نہیں رہتا بلکہ حرام ہو جاتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾[سورۃ المائدۃ:۳]

''تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔ اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو کسی اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اسے (اگر مرنے سے پہلے) تم ذبح کر ڈالو تو وہ حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو (وہ بھی حرام ہے)۔''

نیز ارشاد باری ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ ﴾ [سورۃ الانعام :۱۲۱]

''اور وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے یہ بیان فرمایا کہ:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ وَلَعَنَ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ))(۱)

''اللہ تعالیٰ نے چار بندوں پر لعنت فرمائی ہے:

۱)......ایک وہ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے جانور ذبح کرے۔

۱۔ مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللہ، ح۱۹۷۸۔

۲)......دوسرا وہ جو (اپنی جگہ بڑھانے کے لیے) زمین کی حد یں تبدیل کرے۔

۳)......تیسرا وہ جو اپنے والدین پر لعنت کرے۔

۴)......چوتھا وہ جو کسی بدعتی شخص کو جگہ دے۔''

اسی طرح درج ذیل واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کی مشابہت سے بچنے کے لیے کسی شرکیہ مقام پر اللہ کے نام پر بھی جانور ذبح کرنا جائز نہیں:

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس ایک صحابی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے 'بوانہ' نامی مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی ہے (کیا میں اسے پورا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

((هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟))

''کیا دورِ جاہلیت میں وہاں کسی بت کی پوجا تو نہیں ہوا کرتی تھی؟''

اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

((هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟))

''کیا وہاں مشرکین کے تہواروں (میلوں) میں سے کوئی تہوار تو منعقد نہیں ہوا کرتا تھا؟''

اس نے کہا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''پھر اپنی نذر پوری کرو کیونکہ جو نذر اللہ کی نافرمانی پر مشتمل ہو، اسے پورا کرنا جائز نہیں۔''[1]

......☆......

۱۔ سنن ابوداؤد، ح۳۳۱۳۔

فصل ۴

ہم سب اللہ کے محتاج ہیں

انسان فقیر اور محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غنی اور قادر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بعزيز ﴾[سورة فاطر: ۱۵ تا ۱۷]

''اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔''

انسان کو قدم قدم پر اللہ کی مدد کی ضرورت ہے اور انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور پہلو ایسا نہیں جہاں اللہ کی ضرورت نہ پڑے حتی کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی جو صحیح معنوں میں انسانِ کامل تھے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کے اتنے طلبگار رہتے تھے کہ اللہ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِي اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ))

''اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں پس تو ایک لمحے کے لیے بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر۔ اور تو میرے تمام معاملات کی اصلاح فرما دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''[1]

انسان بیمار ہو، تنگدست ہو، پریشان ہو، مشکل کا شکار ہو یا رزق، مال، اولاد اور دیگر دنیوی ضروریات کا طلبگار ہو..... ہر حالت میں صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جو اس کی مدد کر سکتی ہے اور وہ اللہ جل جلالہ کی ذات بابرکات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے، وہی اسے نعمتوں سے نوازتا اور مصیبتوں کے ساتھ آزماتا ہے۔ وہ چاہے تو انسان کو کبھی مشکل کا شکار نہ ہونے دے اور اگر وہ چاہے تو انسان کو زندگی بھر امن اور چین نصیب نہ ہونے دے۔

معاذ اللہ! وہ ظالم نہیں مگر انسان جب اس کی بغاوت ونافرمانی اور ظلم وسرکشی کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ اسے اپنی قدرت وطاقت سے متنبہ کرنے اور اپنے عذاب سے مطلع کرنے کے لیے دنیا میں بھی اپنی پکڑ کی تھوری سی جھلک دکھا دیتا ہے تاکہ انسان یہ سمجھ لے کہ اس کا مالک حقیقی وہی ہے اور اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

الحمدللہ! وہ سراپا عدل ہے، اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ اپنے ایمان والوں کو مزید ثواب سے نوازنے کے لیے ان کی آزمائش کرتا اور انہیں دنیوی مصائب سے دوچار بھی کرتا ہے تاکہ ان کا ایمان ویقین پختہ ہو، ان کی استقامت وثابت قدی

۱۔ ابوداؤد، ح ۵۰۹۰۔ موارد الظمان، ح ۲۳۷۰۔

میں اور مضبوطی آئے، وہ پلٹ پلٹ کر اللہ ہی کی طرف رجوع کریں، اسی سے دعا و مناجات کریں، اسی سے التجا و درخواست کریں، اسی کے آگے جھکیں، اسی سے معافی مانگیں، اس کے آگے جھولی پھیلائیں، اسی کی رضا طلب کریں، اسی کا حکم مانیں، اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔

تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور انعام و احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنا کر اشرف المخلوقات کا شرف بخشا، عقل و شعور سے نوازا، اور ساری کائنات کو ہماری خدمت اور ضرورت کے لیے بنایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾[سورة البقره:٢٩]

''وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے۔''

اللہ چاہتا تو ہمیں انسان کی بجائے حیوان بنا سکتا تھا اور اگر واقعی وہ ہمیں گائے، بھینس، بکری، مکھی، بلی، کتے، چوہے وغیرہ کی شکل میں پیدا فرما دیتا تو کس کی مجال تھی کہ وہ جانور بننے سے انکار کرتا......!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر ہمارے مطالبہ کے انسان بنا دیا جو اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ پھر اس نے ہمیں بغیر مانگے ہاتھ، پاؤں، عقل، شعور، آنکھیں اور دیگر نعمتوں سے نوازا۔ ماں کے پیٹ میں رزق کا بندوبست کر دیا۔ دنیا میں جینے کے لیے وسائل سے نوازا، کمائی کے لیے صلاحیتیں عطا کیں، ترقی کے لیے مواقع فراہم کیے، دنیا جہاں کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس کی توفیق اور عنایت کے بغیر ہمیں مل گئی ہو۔ اور پھر اس نے نعمتیں بھی اتنی عطا کر دیں کہ ان کا نہ شمار ہے اور نہ حد و حساب۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَااِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾

''اسی نے تمہیں منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔'' [سورۃ ابراہیم:٣٤]

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ [سورةالقصص:٧٢تا٧٥]

''پوچھیے کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے، جس میں تم آرام حاصل کرو کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی نے تو تمہارے لیے اپنے فضل و کرم سے دن رات مقرر کر دیے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو، یہ اس لیے کہ تم شکر ادا کرو۔ اور جس دن انہیں پکار کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرے شریک خیال کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟۔ اور ہم

ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے کہ اپنی دلیلیں پیش کرو پس اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے اور جو کچھ وہ جھوٹ بناتے تھے سب ان کے پاس سے کھو جائے گا۔''

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال و دولت، اولاد اور کاروبار وغیرہ میں ترقی و اضافہ، اس کی عزت و شہرت اور نیک نامی صرف اس کی ذہانت، محنت علم اور کوشش کا نتیجہ ہے تو وہ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہے کیونکہ جس عقل و ذہانت، علم و شعور اور محنت و کوشش کے بل بوتے پر اس نے دنیا میں کچھ حاصل کیا وہ عقل و ذہانت اور علم و شعور آخر اسے کس نے عطا کیا تھا......؟ جس محنت و کوشش کا وہ نام لیتا ہے، اس کی توفیق کس نے اسے دی تھی......؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو کیا اس سے عقل و ذہانت چھین نہیں سکتے تھے......؟ کیا اسے معذور و محتاج بنا کر محنت و کوشش سے روک نہیں سکتے تھے......؟

بلکہ ایسے لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بیسیوں مثالیں پیدا کر دیں۔ کسی کو انتہا درجہ کی عقل و ذہانت دے کر پھر چھین لی اور وقت کے عقلا پھر احمق و پاگل کہلائے۔ کسی کو مال و دولت دے کر پھر کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا۔ کسی کو شہرت و نیک نامی دے کر پھر رسوائے زمانہ بنا دیا۔ کسی کو تاجِ شاہی سے نواز کر پھر تختہ دار پر کھینچا اور رہتی دنیا تک نمونہ عبرت بنا دیا......!

اگر انسان اللہ کی توفیق و عنایت اور فضل و کرم کا انکار کرتا اور صرف اپنی ذہانت، محنت، تجربہ اور کوشش پر گھمنڈ کرتا ہے تو پھر وہ بتائے کہ 'ابوحکم' جیسے 'ابوجہل' کیسے بن گئے؟ فرعون و ہامان جیسے اپنی بادشاہیاں کیوں نہ بچا سکے؟ قارون جیسے اپنے خزانوں کے ساتھ کیوں زمین میں دھنسا دیئے گئے......؟

آئندہ سطور میں بطورِ عبرت قارون نامی ایک مالدار متکبر و مغرور شخص کا واقعہ قرآن کی زبانی نقل کیا جاتا ہے:

﴿ إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ [سورة القصص: آيات ٧٦ تا ٨٤]

''قارون تھا تو قوم موسیٰ سے، لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا۔ہم نے اسے (اس قدر) خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ بہ مشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے، ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترامت! اللہ تعالیٰ اترانے (تکبر کرنے) والوں سے محبت نہیں رکھتا۔اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی سلوک کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔قارون نے کہا یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے، اور گنہگاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔پس قارون پوری آزمائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا، تو زندگانی دنیا کے متوالے کہنے لگے کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور مطابق سنت عمل کریں یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر وسہار والے ہوں۔(آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو مندیاں کر رہے تھے، وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟ آخرت کا یہ (بھلا) گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔پرہیز گاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا، تو ایسے بداعمالی کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔''

سب سے بڑی نعمت ایمان واسلام کی نعمت ہے

قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ [سورة آل عمران: ۱۸۵]

''پس جو شخص آگ (جہنم) سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تحقیق وہ کامیاب ہو گیا۔''

جہنم سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کی بنیاد ایمان واسلام ہے، جس انسان کو ایمان واسلام کی یہ دولت مل گئی اس کو سب کچھ مل گیا اور جو اس دولت سے محروم رہا، اسے دنیا جہاں کی ساری نعمتیں میسر آ جائیں وہ پھر بھی خسارے میں ہے۔ایمان و اسلام کی دولت سے نوازنا اور کسی کے بس کی بات نہیں حتی کی حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی آپ ؐ کے چچا ابوطالب ایمان

لے آئیں مگر وہ آخری دم تک ایمان نہ لائے اور عَلٰی مِلَّةِ عَبْدِالْمُطَّلب کہہ کرفوت ہوئے چنانچہ حضور ﷺ کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾[سورۃالقصص:٥٦]

''یقیناً آپ جس سے محبت کریں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں کچھ لوگ اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ پر احسان جتلانے لگے کہ دیکھو ہم نے بھی تمہارا دین قبول کرلیا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے ارشادفرمایا:

﴿ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰاكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ﴾[سورۃالحجرات:١٧]

''وہ اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر یہ احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگرتم راست گو ہو۔''

انعامات کے ساتھ آزمائش بھی یقینی ہے

جس طرح ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات بے حدوحساب ہیں اسی طرح ہر انسان پر اللہ کی طرف سے آزمائش اور مصائب ومشکلات بھی آتی ہیں،خواہ انسان مسلمان ہو یا کافر۔دین دار ہو یا بے دین۔ مالدار ہو یا غریب۔فرق صرف یہ ہے کہ کسی پر تھوڑی مصیبت آتی ہے کسی پر زیادہ،کسی کو مال ودولت کے سلسلہ میں پریشانی آتی ہے کسی کو اولاد کے سلسلہ میں،کسی کو جسمانی وطبی حوالے سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کسی کو عزت وعصمت کے حوالے سے۔

گویا آزمائش ومصائب کی نوعیت تو مختلف ہوسکتی ہے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کو زندگی بھر کوئی مصیبت،تنگی،پریشانی اور آزمائش کا سامنا ہی نہ کرنا پڑے،کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾[سورۃالبقرۃ:١٥٥،١٥٧]

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے،دشمن کے ڈر سے،بھوک پیاس سے مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ان پر ان کے رب کی رحمتیں اور نوازشیں ہیں اور یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں''

مصائب ومشکلات کیوں آتی ہیں....؟

یہ بات تو قرآن مجید نے واضح کردی کہ ہر انسان مصائب ومشکلات کا شکار ہوتا ہے تاہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ

مصیبتیں اور مشکلات کیوں آتی ہیں؟

قرآن وسنت سے اس کا جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصائب ومشکلات کی دو وجوہات ہیں:

۱)......ایک تو یہ ہے کہ ہر انسان کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ ایسا کرتے ہیں اور اس کی تقدیر میں لکھ دیتے ہیں کہ اسے فلاں فلاں مصائب سے دوچار کر کے آزمایا جائے گا جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی گزشتہ بالا آیت ۱۵۵ سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح درج ذیل آیات میں بھی یہی بات کچھ اور انداز میں دہرائی گئی ہے:

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴾[سورۃ العنکبوت:۲،۳]

''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ''ہم ایمان لائے ہیں'' ہم انہیں بغیر آزمائے [امتحان لیے] یوں ہی چھوڑ دیں گے؟ ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا تھا، یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ ہر انسان کے دین وایمان کی آزمائش ہوتی ہے اور اسی آزمائش وامتحان کے لیے اسے مختلف مصائب ومشکلات اور پریشانیوں سے دوچار کیا جاتا ہے۔

۲)......مصائب ومشکلات نازل ہونے کی دوسری صورت خود انسان کے برے اعمال ہیں۔ برے اعمال کی اصل سزا تو مرنے کے بعد ہی ملے گی کیونکہ دنیا دارالجزا نہیں ہے مگر بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ لوگوں کے برے کرتوت (گناہ وجرائم) کی وجہ سے انہیں اس دنیا میں بھی تھوڑی بہت سزا دے دیتے ہیں اور یہ سزا مصائب ومشکلات وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱)......﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾

''خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے تاکہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ اللہ چکھا دے۔ (بہت) ممکن ہے کہ وہ (بداعمالیوں سے) باز آجائیں۔'' [سورۃ الروم:۴۱]

۲)......﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾[الشوریٰ:۳۰]

''تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ (اللہ) تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما لیتا ہے۔''

یعنی بہت تھوڑی برائیاں اور گناہ ایسے ہیں جن کی معمولی سزا دنیا میں دی جاتی ہے اور اکثر وبیشتر گناہوں سے اللہ تعالیٰ دنیا میں درگزر فرماتے ہیں ورنہ تمام گناہوں پر اگر اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں پکڑ فرمانا شروع کر دیں تو اللہ کی سزا اتنی سخت ہے کہ اس کے نتیجہ میں اس دنیا سے انسان وجنات ہی نہیں، چرند وپرند اور دیگر مخلوقات کا بھی نام ونشان مٹ جائے، اس حقیقت کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿ لَوْيُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَاتَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾[سورة فاطر:٤٥]

''اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال (کرتوتوں) پر فوراً پکڑ شروع فرما دیں تو زمین پر کوئی چلنے والا باقی نہ رہے۔''

یعنی زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے۔ یہی بات سورۂ نحل میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿ وَلَوْيُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَاتَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾[سورة النحل :٦١]

''اگر لوگوں کے گناہ (ظلم ومعصیت) پر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا لیکن اللہ تو انہیں ایک وقتِ مقرر تک مہلت دیتا ہے، جب ان کا وہ وقت آ جاتا ہے تو پھر وہ ایک ساعت (گھڑی) نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

یاد رہے کہ اس دنیا میں انبیاء سمیت بڑے بڑے نیک لوگ بھی مشکلات کا شکار ہوتے رہے ہیں اور ان انبیاء واولیاء کا مصائب ومشکلات میں مبتلا ہونے کی وجہ ان کے گناہ یا ان کے ایمان کی آزمائش نہ تھی بلکہ اس سے ایمان والوں کو یہ سبق سکھانا مقصود تھا کہ مصائب ومشکلات میں جو رویہ اور طرزِ عمل انبیاء ورسل نے اختیار کیا، وہی تمہیں بھی اختیار کرنا چاہیے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ انبیاء ورُسل نے مشکلات کے موقع پر ایک طرف صبر وثبات کا مظاہرہ کیا اور دوسری طرف اللہ کے حضور دستِ سوال بلند کیا۔ گزشتہ فصل میں ہم نے بعض برگزیدہ پیغمبروں کی دعائیں اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے درج کی تھیں۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب: انسان اور گناہ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

مصائب ومشکلات سے نجات کی راہیں ...!

یہ بات تو طے ہے کہ ہر انسان کو اپنی زندگی میں گوناگوں مصائب، ومشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے گا قطع نظر اس سے کہ وہ غریب ہے یا امیر۔ نیک ہے یا بد، بوڑھا ہے یا جوان، مرد ہے یا عورت...... کیونکہ ہر انسان کی مشکلات اور پریشانیاں اس کے حالات، مزاج اور ماحول کی مناسبت سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ بات قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں ہم پڑھ چکے ہیں، اب یہاں ہمیں اس پہلو پر غور کرنا ہے کہ مصائب ومشکلات اور پریشانیوں اور آزمائشوں سے نجات کیسے ممکن ہے؟

[۱]...... برے اعمال سے توبہ کرنا

گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بعض مصائب ومشکلات انسان کے برے اعمال کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں، اس لیے لامحالہ بدی، برائی اور گناہ کے کاموں سے ہمیں اجتناب کرنا ہوگا۔ جو گناہ ہو چکے ان پر ندامت کا اظہار، اللہ سے معافی اور سچی توبہ کرنا ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے گناہوں سے بچنے اور برائیوں سے دور رہنے کی حتی المقدور کوشش کرنا ہوگی۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً ہماری پریشانیوں اور مشکلات کا ایک بڑا حصہ ختم ہو جائے گا۔

برائی ، بدی اور گناہ:

ہر وہ کام جس سے اللہ کی نافرمانی اور اس کے اتارے ہوئے دین کی خلاف ورزی ہوتی ہے وہ گناہ ہے، وہی بدی ہے، وہی شر اور وہی برائی ہے۔خواہ وہ نماز روزہ ترک کر دینے کی صورت میں ہو یا کسی پر ظلم وزیادتی کرنے کی شکل میں۔خواہ جھوٹ بولنے، غیبت کرنے یا گالیاں بکنے کی صورت میں ہو یا حرام کھانے، چوری کرنے ،ڈاکہ ڈالنے، بدکاری اور قتل کرنے کی صورت میں۔

توبہ واستغفار:

گناہوں سے باز آنے اور اللہ سے صدقِ دل سے معافی مانگنے کو توبہ یااِسْتِغْفَار کہا جاتا ہے۔انبیاء ورُسل کے علاوہ کوئی انسان ایسا نہیں جسے مَعْصُومُ عَنِ الْخَطَا [یعنی غلطیوں سے پاک] کہا جاسکتا ہو حتی کہ ایمان لانے کے بعد بھی انسان بشری تقاضوں کی وجہ سے گناہ ،معصیت اور نافرمانی کا مرتکب ہوتا رہتا ہے،اسی لیے اہل ایمان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾[سورة التحريم :۷]

’’اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔‘‘

اس آیت میں جس سچی اور خالص توبہ کا حکم دیا گیا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ

۱)......انسان جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے اسے فوراً ترک کر دے کیونکہ گناہ کو ترک کیے بغیر توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲)......اور یہ پختہ عزم کر لے کہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا۔اگر بالفرض زندگی میں پھر کبھی شیطان کے بہکانے سے وہ گناہ سرزد ہو جائے تو دوبارہ انسان سچی توبہ کرے اور شیطان کے خلاف اللہ کی مدد حاصل کرنے کی دعا مانگے۔

۳)......نیز جس گناہ پر انسان توبہ کر رہا ہے اس پر اللہ کے حضور ندامت وشرمندگی کا اظہار کرے، کیونکہ حدیث میں ہے:

((اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ)) ’’اصل توبہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ پر نادم ہو‘‘۔(۱)

قرآن مجید میں اہل ایمان کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ گناہ ہو جانے کے بعد ازراہِ ندامت وہ اللہ کے حضور اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔اللہ سے معافی مانگتے ہیں اور پھر اس گناہ پر بدستور قائم نہیں رہتے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴾[آل عمران:۱۳۵، ۱۳۶]

۱۔ ابن ماجه، ح۴۲۵۲۔ احمد، ۳۷۶/۱۔

''ایسے لوگوں سے جب کوئی برا کام ہو جاتا ہے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے اور وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں، اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے اپنے کیے (برے عملوں) پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کا صلہ اپنے پروردگار کے ہاں یہ ہے کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

۴)...... سچی توبہ واستغفار میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر انسان کے گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس شخص کے ساتھ اس نے ظلم وزیادتی اور برائی کی یا جس کا حق مارا ہے اس کا ازالہ کرے۔ اس کی شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ مظلوم شخص سے معافی مانگے، اس کا حق واپس کرے، اور اگر وہ فوت ہو چکا ہے تو اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرے۔

عیسائیوں کا تصورِ توبہ واستغفار

عیسائیوں کے ہاں توبہ واستغفار اور بخششِ گناہ کے لیے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گنہگار شخص چرچ کے پادری کے پاس جائے اور گناہ کی نوعیت کے مطابق پادری کو فیس ادا کرے اور پھر وہ پادری اسے اپنی طرف سے گناہ کی معافی کا سرٹیفکیٹ دے دے۔ دینِ عیسوی میں یہ تصور اس لیے پیدا ہوا کہ عیسائی علماء نے خود کو اس حیثیت سے پیش کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے تشریعی [دین بنانے کے] اختیارات دے رکھے ہیں اور ان کے وسیلے کے بغیر کسی شخص کو نہ گناہ کی معافی مل سکتی ہے اور نہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے حالانکہ یہ تصور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی کتاب میں تھا اور نہ کسی اور نبی کی تعلیمات میں۔

افسوس کہ آج قریب قریب یہی صورتحال مسلمانوں میں بھی پیدا ہو چکی ہے۔ بعض نام نہاد علماء اپنے سالانہ چندوں اور نذرانوں کے پیش نظر اپنے متبعین کو یہ سرٹیفکیٹ دیتے پھرتے ہیں کہ وہ ان کے گناہوں کو اللہ کی بارگاہ میں معاف کروالیں گے......! اور بعض کم علم بھی ان کے بارے یہ رائے قائم کیے بیٹھے ہیں کہ ہم نیک عمل کریں یا نہ کریں، یہ ہمیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے......!

[۲]...... اللہ کے حضور دعائیں اور التجائیں

پچھلے صفحات میں ہم یہ بات پڑھ آئے ہیں کہ مصائب ومشکلات اللہ کے اذن وحکم سے انسانوں پر نازل ہوتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے تو ساری مخلوق مل کر بھی اس انسان پر وہ مصیبت نہیں اتار سکتی اور اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو مصیبت ومشقت میں مبتلا کرنا چاہیں تو پوری کائنات میں کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

گویا نعمت ہو یا مصیبت اسے نازل کرنے یا اٹھا لینے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، لہٰذا انسان کے برے اعمال کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت آئے یا اس کی مزید آزمائش اور بلندیٔ درجات کے لیے اس پر مشکل آن پڑے، ہر حال میں انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اسی کے آگے اپنی مشکل پیش کرنا ہوگی۔ اسی سے دعا، فریاد، عرض، التجا اور درخواست کرنا ہوگی۔ وہ رحمدل ہے، دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی آہ بغیر کسی کے واسطے وسیلے کے سیدھی اس کے عرش تک پہنچتی ہے بشرطیکہ اسی کو پکارا جائے، صرف اسی کو۔ اس کے ساتھ کسی اور کو حصہ دار (شریک) نہ بنایا جائے، کیونکہ اس سے اللہ

رب العزت کا وقار مجروح ہوتا اور اس کی عظمت، عزت اور قدر و منزلت پر حرف آتا ہے اور اس سے اس کی شان میں گستاخی ہوتی ہے کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے، وہی مختارِ کل ہے اور وہی صاحب امر ہے۔ اس نے اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کو بھی یہی تعلیم دی کہ وہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں صرف اسی کو پکاریں۔

حضرت آدم علیہ السلام لغزش کے مرتکب ہوئے اور جنت سے نکالے گئے تو انہوں نے سیدھا اسی رب کو پکارا جس نے انہیں جنت سے نکالا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جا پہنچے تو وہاں اپنی مدد کے لیے انہوں نے سیدھا اللہ کو پکارا۔ اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ کے الاؤ میں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی پریشانی میں، اگر کسی کو پکارا تو ایک اللہ وحدہ لاشریک ہی کو پکارا، اور اسی سے دعا اور فریاد کی۔ اپنی کتاب قرآن مجید میں بھی اس نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ ہم اپنی مصیبتوں اور مشکلات میں صرف اور صرف اسی کو پکاریں:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ﴾

''تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری مراد پوری کروں گا۔ یقین مانو جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔'' [سورۃ غافر: ۶۰]

انبیاء و اولیاء کے واسطہ، وسیلہ کی حقیقت

کسی نعمت کے مطالبے یا کسی مصیبت کے ٹالنے کے لیے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے پر تو کسی کو کوئی اختلاف نہیں لیکن اس بات پر اختلاف موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور دعا کو مقبول بنانے کے لیے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی وسیلے کو تلاش کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے؟ یہ اختلاف قرآن مجید کی درج ذیل آیت کا مفہوم متعین کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾[سورۃ المائدۃ: ۳۵]

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب (وَسِیلَۃ) تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔''

عربی زبان میں وَسِیلَۃ یا تَوَسُّل کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں یہ تقرب اور رغبت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس لیے مذکورہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب کہ ہم نیک عمل کریں۔ اور اس بات پر کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا شرط اولین ہے اور وہی لوگ جنت کے مستحق قرار پائیں گے جو اعمالِ صالحہ انجام دیں گے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴾

''جو ایمان والا ہو، مرد ہو یا عورت اور وہ نیک عمل کرے، تو یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کے شگاف کے

برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔'' [سورۃ النسآء:۱۲۴]

لفظ وسیلہ دو چیزوں کے درمیانی واسطے کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور اردو میں تو اس کا یہی مفہوم مستعمل ہے، اس لیے اردو دان طبقہ میں اس آیت وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ... کا مفہوم کو متعین کرنے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ شاید اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان کسی درمیانی واسطے کو تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر خود ہی یہ فرض کر لیا گیا کہ اس درمیانی واسطے سے مراد انبیاء، اولیاء اور بزرگانِ دین ہی ہو سکتے ہیں، چنانچہ اپنی دعاؤں میں لوگوں نے یہ جملہ شامل کر لیا:

......''یا اللہ! تمام انبیاء و اولیاء کے صدقے (وسیلے) ہماری دعا قبول فرما .....''

حالانکہ اس آیت میں لفظ وسیلہ سے یہ مراد نہیں ہے۔ اگر اس سے مراد یہی ہوتا تو قرآن مجید میں مذکور بے شمار انبیاء کی دعاؤں میں سے کم از کم کسی ایک نبی کی دعا تو ایسی ہونی چاہیے تھی جس میں انہوں نے اپنے سے پہلے نبیوں کا واسطہ، وسیلہ دے کر دعا مانگی ہو مگر ایسا نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی بھی نبی و رسول نے اپنے سے پہلے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی کا ایسا واسطہ، وسیلہ دے کر دعا نہیں مانگی۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام نے بھی کسی نبی، ولی، پیر، شہید، زندہ یا فوت شدہ کا واسطہ دے کر دعا نہیں مانگی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کی ذات کا واسطہ، وسیلہ دے کر دعا مانگنے کو بہت سے علماء نے بدعت قرار دیا ہے، اس لیے کہ دعا بھی ایک عبادت ہے اور عبادت میں اپنی طرف سے کوئی چیز جاری نہیں کی جا سکتی۔

توسل بالذات [یعنی دعا میں انبیاء و اولیاء وغیرہ کی ذات کا وسیلہ] جائز سمجھنے والے علماء دراصل ایک غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں اور وہ غلط فہمی انہیں ان روایات سے لاحق ہوئی ہے جن سے بظاہر توسل بالذات کا جواز تو نظر آتا ہے مگر ان میں سے کسی ایک روایت کی سند بھی محدثانہ اصولوں کے مطابق صحیح ثابت نہیں ہوتی مثلاً حضرت آدمؑ کا جنت سے نکالے جانے کے موقع پر حضور کی ذات کا وسیلہ دے کر دعا کرنا۔ یا ایک صحابیہ کی وفات کے موقع پر حضور کا اپنے سے پہلے انبیاء کا واسطہ، وسیلہ دے کا دعا مانگنا۔ یا آپ کا صحابہؓ سے یہ کہنا کہ میری ذات کا وسیلہ دے کا دعا کرو...... یہ تمام روایات سخت ضعیف اور موضوع درجہ کی ہیں، اس موضوع پر تفصیلات کے شائقین ہماری ترجمہ کردہ کتاب: کتاب الدعاء کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

وسیلے کی جائز شکلیں

ہمارے ہاں وسیلے کا جو مفہوم رائج ہے، اسے مدنظر رکھتے ہوئے اگر قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو تین طرح کے وسیلے کا جواز ملتا ہے، ایک اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ، دوسرا اپنے اعمالِ صالحہ کا وسیلہ اور تیسرا کسی نیک صالح زندہ شخص سے اپنے حق میں دعا کروانے کا وسیلہ۔ یہ تینوں صورتیں اوپر ذکر کردہ توسل بالذات [جو کہ ممنوع ہے] سے جدا ہیں۔ آئندہ سطور میں، ہم ان تینوں طرح کے جائز وسیلوں پر روشنی ڈالیں گے:

ا)......اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ:

اس وسیلے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَآئِهٖ ﴾

''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس ان ناموں [کے وسیلے] سے اللہ ہی سے دعا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔'' [سورۃ الاعراف:۱۸۰]

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ دیتے ہوئے اسے پکارنے اور اس سے دعا مانگنے کے بعض نمونے اور مثالیں بھی قرآن میں موجود ہیں مثلاً ایک آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾[سورۃ المؤمنون:۱۱۸]

''اور آپ کہیے: اے میرے رب! تو معاف کردے اور رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے''۔

دراصل اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اچھا نام خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ہے اس لیے اس صفت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی جاسکتی ہے کہ...... یا اللہ! تو خیر الرحمین ہے اس لیے اپنی اس صفت کے وسیلے مجھ پر رحم فرما......، دیگر اسماوصفات کا بھی اسی طرح وسیلہ دیا جاسکتا ہے مثلاً یَارَزَّاقُ! مجھے رزق عطا کر۔ یَاغَفَّارُ! میری مغفرت فرما۔ یَاشَافِیُ! مجھے شفا عطا فرما۔

۲)......اعمالِ صالحہ کا وسیلہ

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے ایمان اور نیک اعمال کا وسیلہ پیش کرکے اپنی نجات کا سوال کرسکتا ہے، ایمان کا وسیلہ پیش کرنے کی دلیل وہ آیت ہے جس میں ہے کہ چند نیک لوگوں نے اپنے ایمان کا وسیلہ دے کر یہ دعا مانگی:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴾

''اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ ایک منادی کرنے والا، بآوازِ بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے۔ یاالٰہی! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما، اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کردے، اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر۔'' [سورۃ آل عمران:۱۹۳]

یہاں یہ نیک لوگ اپنے ایمان لانے کے عمل کو وسیلہ بنا کر اپنی فلاح وبہبود کی دعا مانگ رہے ہیں۔

اسی طرح اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کی ایک دلیل صحیح بخاری ومسلم کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین آدمی کہیں جارہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی، انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں جاکر پناہ لی۔ اتفاق سے پہاڑ کی ایک چٹان اوپر سے لڑھکی (اور اس نے اس غار کے منہ کو بند کردیا جس میں یہ تینوں پناہ لیے ہوئے تھے) اب انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے اپنے سب سے اچھے عمل کا، جو تم نے کبھی کیا ہو، نام لے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اس پر ان میں سے ایک نے یہ دعا کی:

''اے اللہ! میرے ماں باپ نہایت بوڑھے تھے، میں اپنے مویشی باہر لے جاکر چرایا کرتا تھا۔ پھر جب شام کو واپس

آ تا تو ان کا دودھ نکالتا اور برتن میں ڈال کر پہلے اپنے والدین کو پیش کرتا، جب میرے والدین پی لیتے تو پھر اپنی بیوی اور بچوں کو دودھ پلایا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک رات واپسی میں دیر ہوگئی اور جب میں گھر لوٹا تو والدین سو چکے تھے۔ پھر میں نے پسند نہ کیا کہ انہیں جگاؤں، جبکہ بچے میرے قدموں میں بھوکے پڑے رو رہے تھے مگر میں برابر دودھ کا پیالہ لئے والدین کے سامنے اسی طرح کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک بھی میں نے یہ کام صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا، تو تو ہمارے لئے اس چٹان کو ہٹا کر اتنا راستہ تو بنا دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں"۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: چنانچہ وہ پتھر کچھ ہٹ گیا۔ پھر دوسرے شخص نے یہ دعا کی: "اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ مجھے اپنے چچا کی ایک لڑکی سے اتنی زیادہ محبت تھی جتنی ایک مرد کو کسی عوت سے ہوسکتی ہے۔ اس لڑکی نے کہا تم مجھ سے اپنی خواہش اس وقت تک پوری نہیں کر سکتے جب تک مجھے سو اشرفی نہ دے دو۔ میں نے ان کے حاصل کرنے کی کوشش کی اور آخر اتنی اشرفی جمع کر لی۔ پھر جب میں اس کی دونوں رانوں کے درمیان بیٹھا تو وہ بولی: اللہ سے ڈر اور مہر کو نا جائز طریقے پر نہ توڑ۔ اس پر میں کھڑا ہوگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اب اگر تیرے نزدیک بھی میں نے یہ عمل تیری ہی رضا کے لیے کیا تھا، تو تو ہمارے لیے (یہاں سے نکلنے کا) راستہ بنا دے۔"

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: چنانچہ وہ پتھر دو تہائی حصہ ہٹ گیا۔ پھر تیسرے شخص نے یہ دعا کی:

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ایک مزدور سے ایک فرق جوار [یعنی ایک برتن بھر جوار بعض روایات کے مطابق: ایک برتن بھر چاول کی مزدوری] پر کام کرایا تھا۔ جب میں نے اس کی مزدوری اسے دی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس جوار کو لے کر بو دیا (کھیتی جب کٹی تو اس میں اتنی جوار پیدا ہوئی کہ) اس سے میں نے ایک بیل اور ایک چرواہا خرید لیا، کچھ عرصہ بعد پھر اسی مزدور نے آ کر مطالبہ کیا کہ خدا کے بندے مجھے میرا حق دے دے۔ میں نے کہا کہ اس بیل اور اس کے چرواہے کے پاس جاؤ کیونکہ یہ تمہارے ہی ملکیت ہیں۔ اس نے کہا مجھ سے مذاق کرتے ہو؟! میں نے کہا، میں مذاق نہیں کرتا، واقعی یہ تمہارے ہی ہیں۔ (تو وہ انہیں لے کر چلتا بنا)

اے اللہ! اگر تیرے نزدیک یہ کام میں نے صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو تو ہمارے لیے (اس چٹان کو ہٹا کر) راستہ بنا دے"۔ چنانچہ وہ غار پورا کھل گیا اور وہ تینوں شخص باہر آ گئے۔"(۱)

اسی طرح ایک صحابی عبداللہ بن علیین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کی طرف حجاج بن یوسف جیسے ظالم حکمران نے پیغام بھیجا کہ میرے دربار میں پہنچو (اس صحابی کو اپنی موت کا خطرہ لاحق ہوا چنانچہ) انہوں نے باوضو ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ دعا مانگی: "یا اللہ! بے شک تو جانتا ہے میں نے کبھی زنا نہیں کیا، کبھی چوری نہیں کی، کبھی یتیم کا مال نہیں کھایا، کبھی پاکدامن پر تہمت نہیں لگائی۔ یا اللہ! اگر میں اپنے دعوے میں سچا ہوں تو مجھے حجاج کے شر سے بچا لے"۔(۲)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اذا اشتری شیئا لغیرہ بغیر اذنہ، ح ۲۲۱۵۔

۲۔ تاریخ بغداد، ۱۰/۴۔ تاریخ فسوی، ۲۳۱/۱۔ بحوالہ: کتاب الدعاء ترجمہ از، راقم الحروف، ص ۳۴۷۔

معلوم ہوا کہ اپنے نیک اعمال کا اس طرح وسیلہ پیش کر کے اللہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔

۳)...... نیک زندہ شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا

کسی نیک صالح شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا بھی وسیلے کی ایک جائز شکل ہے اس لیے کہ بخاری و مسلم جیسی مستند کتب احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ایک دوسرے سے دعا کروالیا کرتے تھے مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کرواتے اور خود بھی یہ دعا فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا... قَالَ فَيُسْقَوْنَ))(۱)

''یا اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کا (جب وہ زندہ ہم میں موجود تھے بارش کی دعا کے لیے) وسیلہ اختیار کرتے تھے اور تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا تھا اب (جبکہ نبیؐ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو) ہم تیرے نبیؐ کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں (یعنی ان سے دعا کرواتے ہیں) پس تو (ان کی دعا قبول فرما کر) ہم پر بارش نازل فرما۔ (راوی کا بیان ہے کہ) اس کے بعد بارش ہو جایا کرتی تھی۔''

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فوت شدگان کا واسطہ وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا اگر جائز ہوتا تو صحابہ کرامؓ نبی اکرم کی وفات کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وسیلہ پیش کرتے مگر انہوں نے ایسا کبھی نہیں کیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے میں سے ایک زندہ بزرگ صحابی یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی، لہٰذا کسی زندہ نیک شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا جائز ہے، مگر کسی فوت شدہ کا واسطہ، وسیلہ دے کر دعا کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ اللہ حق بات پر عمل کی توفیق دے، آمین!

[۴]...... اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ مصائب ومشکلات کی ایک بڑی وجہ انسان کے برے اعمال ہیں۔ یہ برے اعمال انسان کو گنہگار بناتے ہیں اور گنہگار انسان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اپنے غضب کے اظہار کے طور پر دنیا میں بھی ایسے انسان کو آزمائشوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ اگر برے اعمال سے توبہ اور اللہ کے حضور دعا ومناجات کے علاوہ اس کی رضامندی کے حصول اور اپنے گناہوں کی معافی کی نیت سے صدقہ وخیرات دی جائے تو انسان سے بلائیں ٹلتیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ صدقہ وخیرات انسان کے گناہوں کو دھونے کا باعث ہیں جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ))(۲)

''صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔''

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا، ح ۱۰۱۰۔

۲۔ ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، ح ۲۶۱۶۔ ابن ماجه، کتاب الفتن، ح ۳۹۷۳۔

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ))(۱)

''بلاشبہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا اور بری موت سے انسان کو بچاتا ہے۔''

صدقہ وخیرات سے جس طرح گناہ اور دنیوی مصائب دور ہوتے ہیں، اسی طرح صدقہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی نجات دلاتا ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر عورتوں سے فرمایا:

((تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ))(۲)

''صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے۔''

صدقہ وخیرات کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا کہ اچانک اس نے ایک بادل سے یہ آواز سنی کہ (کسی نے بادل سے کہا ہے کہ) ''فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ۔'' چنانچہ وہ بادل ایک طرف چلنا شروع ہوگیا پھر اس بادل نے ایک سنگلاخ زمین پر اپنا پانی برسایا، اور نالیوں میں سے ایک نالی میں اس بارش کا پانی جمع ہوگیا، وہ آدمی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس نے (ایک جگہ) دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہے اور اپنے بیلچے سے اس پانی کو (اپنے باغ میں) ادھر ادھر تقسیم کر رہا ہے۔

اس نے اس آدمی سے پوچھا: اللہ کے بندے تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام بتایا اور یہ وہی نام تھا جو اس نے بادلوں سے سنا تھا۔ باغ والے نے اس سے پوچھا: اللہ کے بندے! تجھے میرا نام پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس نے کہا کہ جس بادل سے یہ پانی برسا ہے، اس سے میں نے ایک آواز سنی تھی کہ فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ تو وہ تمہارا ہی نام لیا گیا تھا، لہٰذا تم مجھے بتاؤ کہ تم اپنے باغ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟ (کہ تمہارے لیے اللہ کا خصوصی فضل نازل ہوتا ہے) اس نے کہا اگر تم پوچھنا ہی چاہتے ہو تو سنو، میرے اس باغ کی جو پیداوار ہوتی ہے، اسے میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں؛ ایک حصہ میں صدقہ کر دیتا ہوں، ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے استعمال میں لاتا ہوں اور ایک حصہ اسی باغ پر لگا دیتا ہوں۔''(۳)

[۴]...... مظلوم اور پریشان حال سے تعاون

اگر کسی مظلوم، تنگدست اور پریشان حال شخص سے بقدر استطاعت تعاون کیا جائے تو اس سے خود تعاون کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی خصوصی تعاون فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی فضل الصدقۃ، ح۶۶٤۔

۲۔ بخاری، کتاب الحیض، ح۳۰٤۔ مسلم کتاب الایمان، ح۸۰۔

۳۔ مسلم، کتاب الزھد، ح۲۹۸٤۔

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَّسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ أَخِيْهِ))(۱)

''جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیوی مشکلات میں سے ایک مشکل آسان کی، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مشکلات میں سے ایک مشکل دور فرمادیں گے۔ اور جس شخص نے کسی تنگ دست پر آسانی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائیں گے اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ جب تک کوئی آدمی اپنے بھائی کی مدد کر رہا ہوتا ہے، تب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کر رہے ہوتے ہیں۔''

[۵] ......صبر واستقامت اور نماز

اگر توبہ واستغفار، دعا ومناجات اور صدقہ وخیرات وغیرہ کے باوجود کسی انسان کی پریشانیوں، دکھوں اور تکلیفوں میں کمی واقع نہ ہو تو پھر بھی انسان کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے صبر واستقامت سے کام لینا چاہیے اور اس سلسلہ میں ان لوگوں کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہیے جن کی مصیبتیں اور پریشانیاں خود اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ اس طرح اپنے سے زیادہ پریشان حال سے تقابل کرنے سے انسان میں یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ چلو میری پریشانیاں فلاں فلاں لوگوں سے تو کم ہیں۔ لیکن اگر انسان اپنے سے کمتر اور بدحال لوگوں کی بجائے بہتر اور خوشحال لوگوں کی مثال سامنے رکھے گا تو اس سے اس کی زبان سے اللہ کے بارے حرف شکایت نکلنے کا اندیشہ ہے۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے:

((أُنْظُرُوْا إِلٰى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَجْدَرُ أَلَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ))

''اس بندے کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اعلیٰ درجہ کا ہے بلکہ اس کی طرف دیکھو جو تم سے نچلے درجہ کا ہے، اس طرح تمہیں اس نعمت کی قدر ہوگی جو اللہ نے تم پر کر رکھی ہے(۲)۔'' [اور تم سے کمتر اس نعمت سے محروم ہے]

صبر واستقامت کے سلسلہ میں انسان کو انبیاء کی مثالوں کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ کس طرح مشکل سے مشکل تر حالات میں بھی انبیا اللہ کے دین پر کاربند رہے اور اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے اور ہر طرح کی مشکلات کے مقابلہ میں صبر واستقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے۔ انہی انبیا کی مثال دیتے ہوئے اللہ نے اپنے آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو ارشاد فرمایا:

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾[سورة الاحقاف:۳۵]

''پس (اے پیغمبرؐ!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا۔''

اسی طرح ایمان والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے صبر اور نماز کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾[سورة البقرة:۱۵۳]

''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔''

۱۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع... ح۲۶۹۹۔ (۲) مسلم، الزھد، باب الدنیا سجن... ح۲۹۶۲۔

باب ۲

نبی کریم ﷺ پر ایمان اور عقیدۂ رسالت

فصل ا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے دوسرا عقیدہ،عقیدۂ رسالت (ایمان بالرسالۃ) ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان لایا جائے کہ وہ اللہ کے سچے پیغمبر تھے،ان پر بذریعہ وحی اللہ کی طرف سے اَحکام نازل ہوتے تھے اور ان میں سے ہر نبی کی اطاعت وفرمانبرداری کا اللہ نے حکم دیا تھا۔سب سے آخری رسول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اب قیامت تک کے لیے صرف آپؐ ہی کی اطاعت واتباع کا اللہ نے حکم دیا ہے۔پہلے نبیوں کی لائی ہوئی شریعتوں اور ادیان کے مقابلے میں اب صرف آپؐ ہی کے لائے ہوئے دین وشریعت (یعنی اسلام) پرعمل کیا جائے گا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی کامل واکمل شریعت سے نوازا ہے جس نے پہلی تمام شریعتوں کی ضرورت کو ختم کردیا ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کو ایک کامل شریعت دے کر پہلے نبیوں کی شریعتوں کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا۔اس لیے اب ہدایت ورہنمائی کا ماٰخذ صرف اور صرف اسلام ہے،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾[سورۃ آل عمران:١٩]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین،اسلام ہی ہے۔''

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾[آل عمران:٨٥]

''جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے ،اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

مسلمان ہونے کے ناطے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا پہلا بنیادی تعلق یہ ہونا چاہیے کہ ہم صدقِ دل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائیں ،جب تک کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا تب تک وہ مسلمان شمار نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ کتنا ہی توحید پرست اور عبادت گزار کیوں نہ ہو۔اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ کا سچا اور آخری رسول تسلیم کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو آخری اور کامل شریعت تسلیم کرکے اس پر عمل کیا جائے۔

نبی کریمؐ پر ایمان لانے میں درج ذیل سب باتوں پر ایمان لانا شامل ہے:

١)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔

٢)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنوں کے لیے رسول ہیں۔

٣)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔

٤)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم اور بے گناہ تھے۔

۵)......آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔
۶)......آپ ﷺ اللہ کی طرف سے جو دین لائے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔
۷)......آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے جو مختلف معجزات عطا کیے گئے تھے، ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔
آئندہ سطور میں ان نکات کی ضروری تفصیل ذکر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ!

[1]......نبی کریم ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں

حضرت محمد ﷺ کے بارے ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپؐ کے نبی و رسول ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام لے کر اپنی کتاب قرآن مجید میں صاف صاف الفاظ میں سنا دیا ہے۔ ایسی چند آیات ملاحظہ ہوں جن میں آپ کی رسالت کا اعلان کیا گیا ہے:

۱)......﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾[سورۃ الفتح:۲۹]
''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔''

۲)......﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾[سورۃ آل عمران:۱۴۴]
''(حضرت) محمدؐ صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔''

۳)......﴿وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا﴾[سورۃ النساء:۷۹]
''اور ہم نے آپ (محمدؐ) کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

۴)......﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[الاحزاب:۴۰]
''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔''

۵)......﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾[سورۃ محمدؐ:۲]
''اور جو لوگ اس چیز پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے، اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا دین بھی وہی ہے۔''

○ جس طرح قرآن مجید نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا اعلان کیا ہے، اسی طرح خود آپؐ نے بھی اپنی زبانِ نبوت سے اپنے نبی و رسول ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ سے مروی دو احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱)...... عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَآئَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ))
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ اس وقت

تک لڑائی کروں جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور وہ مجھ پر ایمان لے آئیں اور جو (دین) میں لے کر آیا ہوں اس پر بھی ایمان لے آئیں۔ جب لوگ ایسا کر لیں گے تو وہ اپنے خون اور مال مجھ سے محفوظ کر لیں گے، سوائے اس حق کے جو اسلام ان پر لاگو کرتا ہے اور ان کا (اصل) حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے"۔[1]

۲)......عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ))

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس امت میں سے جو یہودی اور عیسائی میرے بارے سن لے اور پھر وہ مجھ پر ایمان لائے بغیر ہی مرجائے تو وہ ضرور جہنم میں جائے گا۔"[2]

○ قرآن مجید نے جہاں یہ اعلان کیا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، وہاں دنیا کے تمام انسانوں کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لائیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱)......﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ [سورة الحديد:۷]

"(لوگو!) اللہ اور اس کے رسول (محمدؐ) پر ایمان لاؤ۔"

۲)......﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا﴾ [التغابن:۸]

"پس تم اللہ پر، اس کے رسولؐ پر، اور اس نور [قرآن] پر جسے ہم نے نازل کیا ہے، ایمان لاؤ!"

۳)......﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ [الاعراف:۱۵۸]

"(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی اُمی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی تابعداری کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔"

۴)......﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ [سورة الفتح:۹]

"یقیناً ہم نے تجھے (یعنی محمد مصطفیٰ کو) گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تا کہ (اے مسلمانو!) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا اَدب کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔"

○ جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے، انہیں قرآن نے جہنم کی وعید بھی سنائی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس......، ح ۲۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا...... ح ۲۵۔

۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس...... ح ۱۵۳۔

﴿ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا﴾[سورۃ الفتح:١٣]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے گا، تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لیے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر صدق دل سے ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

[2]...... نبی کریم ﷺ سب انسانوں اور جنوں کے لیے رسول ہیں

نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں اور تمام جنوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ بطورِ دلیل چند آیات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

١)...... ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾[سورۃ السبا:٢٨]

''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ حضور ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا اور ظاہر ہے انسان قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اس لیے آپ کی نبوت ورسالت بھی تا قیامت جاری رہے گی، اور قیامت تک آنے والا کوئی انسان بھی آپ کی نبوت ورسالت سے مستغنی نہ رہے گا۔

٢)...... ﴿ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾

''اور میرے پاس یہ قرآن بہ طور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے، ان سب کو ڈراؤں۔'' [سورۃ الانعام:١٩]

قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت چونکہ قرآن مجید سے وابستہ ہے، اس لیے یہ قیامت تک محفوظ رہے گا اور جب قرآن قیامت تک محفوظ رہے گا تو لامحالہ صاحبِ قرآن کی نبوت بھی قیامت تک باقی رہے گی۔

٣)...... ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَّاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[سورۃ المائدۃ:١٩]

''اے اہلِ کتاب! یقیناً ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آ پہنچا ہے، جو تمہارے لیے صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس کوئی بھلائی، برائی سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب تو یقیناً خوشخبری والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنے سے پہلے نبیوں کی امتوں کے ان لوگوں کے لیے بھی رسول بنا کر بھیجے گئے جو آپ کے دور میں زندہ تھے اور ان کے لیے بھی جو تا قیامت باقی رہیں گے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس امت میں سے جو یہودی اور عیسائی میرے بارے سن لے اور پھر وہ مجھ پر ایمان لائے بغیر ہی مر جائے تو وہ ضرور جہنم میں جائے گا۔''[1]

١۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد الی جمیع الناس...... ح١٥٣۔

لیکن جو غیر مسلم مرنے سے پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے دہرے اجر کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''تین لوگ ایسے ہیں جنہیں دوہرا اجر ملے گا؛ ان میں سے ایک تو وہ آدمی ہے جو اہل کتاب [یہودی یا عیسائی] تھا اور اپنے نبی پر وہ ایمان لایا پھر اسے میرے بارے میں معلوم ہوا تو وہ مجھ پر بھی ایمان لے آیا اور میری اطاعت شروع کر دی اور اس نے میری تصدیق کی۔ پس اسے دوہرا اجر ملے گا۔''(۱)

انسانوں کی طرح جنات کو بھی چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے ضروری تھا کہ ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے بھی انبیاء بھیجے جاتے اور یقیناً ایسا کیا گیا مگر اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ جنات میں جو انبیاء آئے کیا وہ انہی کی جنس سے تھے یا انسانوں کی جنس سے۔ بعض اہل علم کے بقول وہ جنات ہی کی جنس سے تھے جبکہ بعض اہل علم کے بقول انسانوں میں جو انبیاء مبعوث ہوتے وہی اپنے دور کے جنات کے لیے بھی نبی قرار پاتے۔ اس سارے اختلاف سے قطع نظر اس بات میں اختلاف کی گنجائش نہیں کہ آنحضرتؐ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے دور میں جنات کا ایک پورا گروہ آپؐ پر ایمان لایا جیسا کہ سورۃ الجن میں مذکور ہے۔ اور بعض اَحادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ انسانوں کے علاوہ جنات کی طرف بھی مبعوث ہوئے مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً)) ''مجھے تمام مخلوق کی جانب (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہے۔''(۲)

ظاہر ہے تمام مخلوق میں جنات بھی خود بخود شامل ہیں۔

[3]...... نبی کریم ﷺ اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ کے بارے یہ تسلیم کیا جائے کہ آپؐ کو آخری نبی اور آخری رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی بنا کر نہیں بھیجا جائے گا، چنانچہ قرآن مجید میں دوٹوک الفاظ میں فرما دیا گیا کہ

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ [سورة الاحزاب: ٤٠]

''محمد [ﷺ] تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔''

اس آیت میں نبی اکرمؐ کے بارے خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے الفاظ بولے گئے ہیں۔ خاتم عربی کا لفظ ہے، عربی میں اس مادہ سے جتنے لفظ بنتے ہیں ان میں کسی چیز کے مکمل ہونے، فارغ ہونے، بند ہونے، انتہاء کو پہنچ جانے، آخری ہونے کے معنی پائے

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبينا محمدؐ الى جميع الناس...... ح ۱۵٤۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة، ح ۵۲۳۔

جاتے ہیں مثلاً عربی زبان میں خَاتَمُ الْقَوْم کا معنی ہے آخِرُالْقَوْم یعنی قوم کا آخری آدمی۔اسی طرح خَتَمَ الْإِنَاءَ کا مطلب ہے ''برتن کا منہ بند کر دیا اور اس پر مہر لگا دی تا کہ نہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکے اور نہ نکل سکے۔'' [دیکھیے عربی کتب لغات]

خاتم کا جو معنی معتبر کتب لغات میں ملتا ہے، قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں بھی وہی معنی مراد لیا گیا ہے، علاوہ ازیں بہت سی صحیح اَحادیث میں بھی صراحت کے ساتھ یہ بتا دیا گیا ہے کہ محمدؐ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول واقعی آخری رسول ہیں مگر آپؐ آخری نبی نہیں ہیں بلکہ نبی آپ کے بعد بھی آتے رہیں گے۔لفظ نبی اور رسول کے معنی میں دراصل یہ فرق ان کے پیش نظر ہوتا ہے کہ رسول تو صاحب شریعت اور صاحب کتاب ہوتا ہے مگر نبی صاحب شریعت یا صاحب کتاب نہیں ہوتا۔اس فرق کی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے بعد جو نبی آئیں گے وہ نئی شریعت لے کر نہیں آئیں گے بلکہ وہ آپؐ ہی کی شریعت کی تبلیغ کریں گے مگر ہوں گے وہ بھی نبی۔

مگر ان کا یہ دعوٰی قطعی غلط ہے کیونکہ اگر مذکورہ بالا فرق تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی ہمارے سامنے جو ختم نبوت کی آیت ہے،اس میں خاتم النبیین کے لفظ استعمال ہوئے ہیں جس کا مطلب ہے ''نبیوں کا ختم کرنے والا''۔اگر آپؐ نبیوں کا سلسلہ ختم کرنے والے نہیں بلکہ رسولوں کا سلسلہ ختم کرنے والے تھے تو پھر اس آیت میں خاتم النبیین کی بجائے خاتم الرسل کے الفاظ ہونے چاہیے تھے،مگر ایسا نہیں ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کی کس آیت یا نبی کریمؐ کی کس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ...... ''حضرت محمدؐ کے بعد بھی نبی آتے رہیں گے البتہ وہ صاحب شریعت یا صاحب کتاب نہیں ہوں گے۔''......نبوت کا مسئلہ تو دین وایمان کے بنیادی عقیدے کا مسئلہ ہے،اگر حضرت محمدؐ کے بعد بھی نبی آتے رہیں گے تو ان پر ایمان نہ لانے والا یقیناً کافر ہونا چاہیے اور اگر آپؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے تو پھر اس دروازے کو کھولنے والا یقیناً واجب القتل قرار پانا چاہیے۔......جب نبوت کا مسئلہ اتنا حساس اور بنیادی ہے تو پھر اس بارے قرآن یا حدیث میں کیوں نہ واضح طور پر بتا دیا گیا کہ محمدؐ کے بعد بھی نبی آتے رہیں گے......!!

اس کے برعکس قرآن مجید میں صاف طور آپؐ کے بارے خاتم الرسل کی بجائے خاتم النبیین کہہ کر اس غلط فہمی کا ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیا گیا ہے اور واضح کر دیا گیا کہ محمدؐ ہی آخری نبی ہیں،لہٰذا آپؐ کے بعد کوئی نیا نبی بنا کر نہیں بھیجا جائے گا۔اسی طرح اَحادیث میں بھی آپؐ نے لفظ نبی بول کر واضح فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا بلکہ بعض اَحادیث میں تو آپؐ نے یہاں تک کہہ دیا کہ میرے بعد نبوت کا دعوٰی کرنے والا جھوٹا ہوگا۔آئندہ سطور میں اس بارے بخاری ومسلم کی چند مستند اَحادیث ملاحظہ ہوں:

۱)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی محل تیار کرتا ہے اور اسے ہر لحاظ سے خوبصورت بناتا ہے مگر کسی طرف سے اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دیتا ہے۔دیکھنے والے اسے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور اس کی

خوبصورتی کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی چھوڑ دی ہے؟ [اگر تم یہ اینٹ بھی لگا دو تو یہ عمارت پوری ہو جائے گی! (صحیح مسلم)] پھر نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ اینٹ میں ہوں، اور میں نے نبیوں کا سلسلہ مکمل کر دیا ہے۔''(۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''میں ہی وہ (آخری) اینٹ ہوں اور میں ہی آخری نبیؐ ہوں۔''(۲)

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے آخری نبی ہونے کا مسئلہ نہایت عام فہم مثال کے ذریعے سمجھا دیا ہے۔ یعنی آپؐ نے نبوت کو ایک ایسے محل، مکان سے تشبیہ دی جو ہر لحاظ سے مکمل ہو چکا ہے مگر جان بوجھ کر اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔ اس ایک اینٹ کے بعد مزید کسی اینٹ کی جگہ اس میں باقی نہیں۔ پھر آپؐ نے نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ نبوت و رسالت کا محل بھی مکمل ہو چکا ہے، جو نبی اور رسول آنے تھے آ چکے، البتہ ایک نبی کی جگہ باقی تھی اور وہ ایک نبی میں ہوں۔ میرے آنے کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا اب کسی کو نبی نہ بنایا جائے گا۔

جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو ان کے بارے یہ یاد رہنا چاہیے کہ وہ نئے نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے، بلکہ وہ تو اللہ کے رسول سے پہلے ہی نبی کی حیثیت سے مبعوث ہو چکے ہیں البتہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت زندہ آسمان پر اٹھا لیا تھا اور قیامت سے پہلے انہیں حضرت محمدؐ کے امتی کی حیثیت سے نازل فرمائیں گے۔ وہ کب آئیں گے، ان کی علامات کیا ہوں گی، اس دور کے حالات کیا ہوں گے، یہ اور اس نوعیت کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''قیامت کی نشانیاں''۔

۲)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''مجھے دوسرے پیغمبروں پر چھ خاص چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔ (۱) مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ہیں۔ (۲) مجھے رعب کے ذریعہ نصرت عطا ہوئی ہے۔ (۳) میرے لیے غنیمت کی چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں۔ (۴) میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کر دینے والی بنا دی گئی ہے۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کی جانب (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہے۔ (۶) وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ ''نبیوں کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔'' [یعنی حضور ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، لہٰذا اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا](۳)

۳)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین بنتا۔ [وَاِنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ] مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ خلفاء ہوں گے۔''(۴)

۱۔ بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، ح۳۵۳۵۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ خاتم النبیین ﷺ، ح۲۲۸۶۔
۲۔ مسلم ایضاً۔
۳۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاۃ، ح۵۲۳۔
۴۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ح۳۴۵۵۔

۴)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((اِنِّیْ آخِرُ الْاَنْبِیَآءِ)) ''بے شک میں آخری نبی ہوں۔''(۱)

۵)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تیس کے قریب دجال اور جھوٹے نہ ظاہر ہو جائیں جن میں سے ہر ایک ''اللہ کا رسول'' ہونے کا دعویٰ کرے گا۔''(۲)

۶)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں جنہیں دیکھ کر مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی تو خواب ہی میں مجھے کہا گیا کہ ان میں پھونک ماریں۔ میں نے ان میں پھونکا تو وہ غائب ہو گئے۔ میں اس خواب کی یہ تعبیر کرتا ہوں کہ میرے بعد دو جھوٹے ظاہر ہوں گے ایک تو مُسَیْلَمَہ کذاب ہے اور دوسرا صاحب یمامہ [یعنی اَسْوَدْ عَنسِی] ہے۔''(۳)

نبی کریم کے دور میں مُسَیْلَمَہ اور اَسْوَدْ عَنسِی نامی دو بندوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اَسْوَد تو نبی کریم کی زندگی ہی میں صحابہؓ کے ہاتھوں مارا گیا جبکہ مُسَیْلَمَہ کذاب کو عہد صدیقی میں جنگ یمامہ میں صحابہ کرام نے قتل کیا۔ مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس بنیاد پر نہیں کہ محمدؐ معاذ اللہ جھوٹا اور یہ خود سچا ہے بلکہ اس بنیاد پر کہ جس طرح محمدؐ سچا نبی ہے اسی طرح میں بھی سچا نبی ہوں۔ چنانچہ اس نے نبوت کے دعویٰ کے بعد جو خط آنحضرتؐ کے پاس بھیجا، اس پر یہ تحریر تھا:

"من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله سلام علیك فانی اشرکت فی الامر معك"

''اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد کی طرف۔ آپؐ پر سلام ہو، سنیے مجھے بھی آپؐ کے ساتھ آپؐ کے معاملات میں شریک کر لیا گیا ہے۔''(۴)

اسی طرح مسیلمہ پر ایمان لانے والوں میں جہاں وہ لوگ شامل تھے جو اسے یقینی طور پر جھوٹا سمجھتے مگر قبائلی عصبیت کے پیش نظر اس کے ساتھ ہوئے، وہاں وہ بھی شامل تھے جو واقعی اسے اللہ کا رسول سمجھتے تھے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے مسیلمہ اور اس کے حواریوں کو خارج از ملتِ اسلام سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ جنگ لڑی، جس میں مسیلمہ اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت مارا گیا اور جو باقی بچے انہیں لونڈی غلام بنالیا گیا۔ نہ تو اس جنگ پر کسی صحابی نے اعتراض کیا اور نہ ہی اس کے ماننے والوں کو قیدی بنانے پر۔ صحابہ کے اس اجماعی فیصلہ سے معلوم ہوا کہ محمدؐ کے بعد دعوائے نبوت کرنے والا اور اس مدعی پر ایمان لانے والا مرتد و کافر ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدی مکة والمدینة، ح١٣٩٤۔
۲۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، ح٣٦٠٩۔ صحیح مسلم، ح١٥٧۔
۳۔ صحیح بخاری، ایضاً، ح٣٦٢١۔٣٦٧٤۔ مسلم، ح٢٢٧٤۔ ۴۔ تاریخ طبری، ج٢ص٣٩٩۔

[4]......نبی کریم ﷺ معصوم اور بے گناہ ہیں

تمام انبیاء ورسل معاشرہ کے پاکیزہ، صالح، معزز اور معصوم افراد ہوتے ہیں اور ان کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو نبوت ورسالت سے پہلے ان سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوا جو مقامِ نبوت کے منافی ہو اور نہ ہی نبوت ملنے کے بعد انہوں نے کسی ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو ان کی نبوت کو مشکوک ٹھہرا سکتا تھا بلکہ انبیاء ورسل شروع ہی سے اللہ کی خصوصی پناہ میں رہے اور مرتے دم تک اللہ تعالیٰ ان کی خصوصی حفاظت فرماتے رہے تاکہ وہ نبوت ورسالت کی اس عظیم ذمہ داری کو بحسن وخوبی پورا کریں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا ہے۔

یہی بات ہمارے نبی ﷺ پر بھی صادق آتی ہے، اس لیے آپ ﷺ کے بارے ہمارا یہ ایمان ہونا چاہیے کہ آپ مَعْصُوْمٌ عَنِ الْخَطَا تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح کے گناہ اور جرم سے محفوظ رکھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور تریسٹھ سال کی عمر پا کر آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ گویا اپنی زندگی کا بڑا حصہ آپ ﷺ نے مشرکینِ مکہ کے دوران بسر کیا اور جب آپ نبی بنے تو آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے اس بڑے حصے کے بارے میں کفارِ مکہ کو چیلنج کیا کہ بتاؤ! تمہیں میرے اخلاق وکردار پر کوئی اعتراض ہے؟ میں نے عمر کا جو حصہ تم میں گزارا، اس میں کوئی برا کام کیا ہو تو لاؤ ثابت کرو۔ کوئی غیر اخلاقی حرکت کی ہو تو اس کی نشاندہی کرو۔ کوئی جرم کیا ہو تو اسے پیش کرو۔ کسی کا حق مارا ہو، ظلم کیا ہو، جھوٹ بولا ہو، خیانت کی ہو...... تو آؤ بات کرو، مگر کفارِ مکہ کے پاس اس چیلنج کا کوئی جواب نہ تھا۔ قرآن مجید میں اس چیلنج کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿قُلْ لَّوْشَآءَ اللّٰهُ مَاتَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآاَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

''(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو میں تم کو یہ (قرآن) پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا کیونکہ اس سے پہلے عمر کا ایک بڑا حصہ میں نے تم میں گزارا ہے۔ پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے!'' [سورۃ یونس:۱۶]

یعنی جب میں نے تم سے دنیوی معاملات میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اللہ اور دین ونبوت کے معاملے میں آخر جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں، چنانچہ کفارِ مکہ بھی آپ ﷺ کو جھوٹا، خائن اور بداخلاق نہیں کہتے تھے بلکہ وہ تو خود یہ اعتراف کرتے تھے کہ آپؐ ہم میں سے سب سے سچے، دیانت دار اور بااخلاق ہیں، البتہ وہ آپؐ پر نازل ہونے والے دین کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾[سورۃ الانعام:۳۳]

''پس یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، البتہ یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾[سورۃ الشعرآء:۲۱۴]

''آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈراتے رہیے۔''

تو نبی اکرم ﷺ کوہِ صفا پر چڑھے اور پکارنے لگے: اے بنی فہر! اے بنی عدی! اور قریش کے دوسرے خاندان والو!...... اس آواز پر سب جمع ہو گئے۔ اگر کوئی کسی وجہ سے نہ آ سکا تو اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تا کہ معلوم ہو کہ کیا بات ہے۔ ابولہب اور قریش کے باقی لوگ جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تمہیں کہوں کہ (پہاڑی کے پیچھے) وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم اس بات کو سچ مانو گے؟'' سب لوگوں نے بیک زبان کہا:

((مَاجَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّاصِدْقًا)) ''جی ہاں ہم آپ کو سچا سمجھیں گے کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر سنو، میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو میرے بالکل سامنے ہے۔ آپ کی یہ بات سن کر ابولہب (حضورؐ کے ایک چچا) نے کہا: تجھ پر سارا دن تباہی نازل ہو، کیا تو نے ہمیں اسی کام کے لیے جمع کیا تھا۔ ابولہب کی اس بات پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ﴾[سورة اللهب: ١، ٢] (١)

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔''

یعنی آپؐ دنیوی اعتبار سے لوگوں کو کچھ کہتے تو وہ بغیر شک وشبہ کے اسے تسلیم کر لیتے، مگر جب آپؐ نے دینی و اُخروی اعتبار سے بات کہنا چاہی تو آپؐ کے چچا اور قریبی لوگوں ہی نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ آپؐ کے دعوائے نبوت کے بعد بھی دنیوی معاملات میں کفارِ مکہ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے تھے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل واقعہ قابلِ مطالعہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے دورِ جاہلیت کا ایک واقعہ انہیں سنایا کہ جب وہ قریش کے ایک قافلے کے ساتھ تجارت کے لیے ملکِ شام کی طرف گیا تو ہرقل (شاہِ قسطنطنیہ) نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا تا کہ اللہ کے رسولؐ کے بارے میں اس سے کچھ سوال کرے (اس کی وجہ یہ تھی کہ انہی دنوں ہرقل کو نبی ﷺ کی طرف سے نامہ مبارک ملا تھا جس میں اسے اسلام کی دعوت پیش کی گئی تھی)

ہرقل نے رُوم کے بڑے بڑے وزراء اور عیسائی علماء کو اِیلِیَاء میں جمع کیا اور وہاں مجھے اور اپنے ترجمان کو بلوایا۔ قریش کے دیگر لوگ بھی میرے ساتھ تھے۔ ہرقل نے مجھے آگے کر دیا اور میرے قریشی ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ اس سے کہہ دو کہ میں محمد ﷺ کے بارے میں کچھ سوال کروں گا، اگر یہ غلط بیانی کرے تو تم اسے ٹوک دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں: اللہ کی قسم اگر مجھے یہ غیرت نہ آتی کہ یہ (قریشی) لوگ میرے جھوٹ بولنے پر فوراً مجھے جھٹلائیں گے تو میں آپ کی نسبت ضرور جھوٹ بولتا۔ اس کے بعد ہرقل نے ابوسفیان سے دس سوال کیے، جن میں سے چند سوال یہ تھے:

١۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله : تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ......ح ٤٧٧٠۔

هرقل: کیااس شخص (یعنی محمدؐ) نے اپنے دعوائے نبوت سے پہلے زندگی میں کبھی جھوٹ بولا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

هرقل: کیااس نے کبھی عہد و پیمان توڑنے کاارتکاب بھی کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، البتہ اس سال ہمارااس سے ایک معاہدۂ صلح ہوا ہے، دیکھیے یہ اسے باقی رکھتا ہے یانہیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ یہی ایک بات تھی جس کا مجھے اپنی طرف سے اضافہ کرنے کا موقع مل سکا۔[یعنی ابوسفیان کوعلم تھا کہ حضورؐان کے ساتھ کیے ہوئے اس معاہدہ صلح کی خلاف ورزی نہیں کریں گے،مگراس کے باوجوداس نے آپ کی مخالفت میں یہ کہہ دیا کہ ''دیکھیے اس بار کا معاہدہ یہ توڑتے ہیں یانہیں!'']

هرقل: وہ تمہیں کس بات کاحکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرو،اس کے ساتھ کسی کوشریک نہ بناؤاوراپنے باپ دادا کی شرکیہ باتیں چھوڑ دو،نماز پڑھو، سچ بولو، پاک دامن بنواور صلہ رحمی کرو۔

هرقل: ان تینوں سوالات کے بعد ہرقل نے کہا: جب میں نے تم سے یہ پوچھا تھا کہ دعوائے نبوت سے پہلے کبھی اس نے جھوٹ بولا؟تم نے جواب میں کہانہیں۔تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ جوشخص لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا،وہ اللہ کے بارے میں جھوٹی بات کیسے کہہ سکتا ہے۔اور جب میں نے تم سے یہ پوچھا کہ اس نے کبھی عہد شکنی کی،اورتم نے کہا کہ نہیں تو میں سمجھ گیا کہ نبیوں کا یہی وصف ہے کہ وہ عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔اور جب میں نے تم سے پوچھا کہ وہ کس چیز کا حکم دیتاہے؟اورتم نے کہا کہ ایک اللہ کی عبادت کرنے، شرک سے بچنے ،نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیز گاری اور پاکدامنی اختیارکرنے کا،تو سنو!اگر یہ باتیں، جوتم کہہ رہے ہو، سچ ہیں تو پھروہ وقت دورنہیں جب وہ اس جگہ کا بھی مالک بن جائے گا،جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں۔''[یعنی میری سلطنت بھی اس کے زیرفرمان آجائے گی!][1]

یہ تو گھر کے باہر کے لوگوں کی آنحضرت ﷺ کے اعلیٰ اخلاق وکردار کے بارے چند گواہیاں تھیں،اب ایک گواہی آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بھی سن لیجیے:

آنحضرت ﷺ نبوت سے کچھ عرصہ پہلے غارِحرامیں جاکرخلوت میں اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔اسی غارِحرامیں وہ مبارک دن طلوع ہواجب جبریل علیہ السلام وحی لے کرآپ کے پاس پہنچے۔یہ پہلاموقع تھا کہ آپ نے ایک نورانی مخلوق کواپنے پاس آتے اورآکرگفتگوکرتے دیکھا۔آپؐ کے لیے یہ بڑاانوکھاواقعہ تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کی روایت میں فرماتی ہیں کہ

''آنحضرت ﷺ (پہلی وحی کی) آیتیں حضرت جبریل علیہ السلام سے سن کراس حال میں غارِحراسے واپس تشریف لائے کہ آپ ﷺ کادل اس انوکھے واقعہ سے کانپ رہاتھا۔آپؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اورفرمایا:مجھے کمبل

۱۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب ٦، ح ٧۔

اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ اہل خانہ نے کمبل اوڑھا دیا۔ جب آپ کی گھبراہٹ دور ہوئی تو آپ نے اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تفصیل کے ساتھ اپنا یہ (فرشتے کے آنے کا) واقعہ سنایا اور فرمانے لگے کہ مجھے اب اپنی جان کا خوف لاحق ہوگیا ہے۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو حوصلہ دیا اور کہا کہ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مشکل وقت میں حق بات پر ڈٹ جاتے ہیں...... اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔''[(۱)]

بشری تقاضے:

گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری زندگی میں کبھی کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوا جسے فسق و فجور یا کفر و شرک یا معصیت خداوندی وغیرہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہو، تاہم بشر ہونے کے ناطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر بعض ایسے امور ظاہر ہوئے ہیں جنہیں بھول چوک وغیرہ کے زمرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے تو یقیناً یہ ایسے امور ہیں جن پر ایک عام انسان کو بھی ملامت نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ چاہتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور کا ظہور بھی نہ ہوتا مگر یہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت تھی کہ آپ سے ان امور کا اظہار کروایا اور ان کے ذریعے بھی امت کو کوئی نہ کوئی سبق (دین) دیا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو امت بعض مسائل و احکام سے یقیناً محروم رہ جاتی مثلاً:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ نماز میں چوک ہوئی اور آپؐ نے چار رکعات کی بجائے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ لوگ آپ کے ادب و احترام اور ہیبت کے پیش نظر خاموش رہے حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر کو بھی بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی، چنانچہ ایک صحابی جنہیں ذوالیدین کے لقب سے پکارا جاتا تھا، انہوں نے ہمت کر کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

((أَقَصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَارَسُولَ اللّٰهِ!؟))

''اے اللہ کے رسولؐ! کیا نماز میں (اللہ کی طرف سے) تخفیف کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا: کیا ذوالیدین درست کہہ رہا ہے؟

لوگوں نے کہا: ہاں، چنانچہ آپؐ نے مزید دو رکعتیں پڑھائیں اور سجدہ سہو کیا۔[(۲)]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز کی پانچ رکعتیں پڑھا دیں بعد میں آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا نماز بڑھا دی گئی ہے؟ آپؐ نے پوچھا وہ کیسے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے باوجود سجدہ سہو کیا۔[(۳)]

ان دونوں موقعوں پر آپؐ سے جو بھول ہوئی یا اللہ کی طرف سے بھلایا گیا، اس کے ذریعے امت کو یہ سبق دیا گیا کہ نماز میں بھول چوک کے موقع پر سجدہ سہو کیا جائے گا اور اگر کوئی رکعت رہ جائے تو سجدہ سہو سے پہلے اسے بھی پڑھا جائے گا۔

۱۔ بخاری ایضاً، باب ۲، ح۳۔۴۹۵۳۔ ۲۔ بخاری، کتاب السهو، باب من لم يتشهد فی... ح۱۲۲۸۔۱۲۲۹۔

۳۔ بخاری، ایضاً، باب اذا صلی خمسا، ح۱۲۲۶۔

[5]...... نبی کریم ﷺ نے اللہ کا پیغام پوری ذمہ داری سے لوگوں تک پہنچا دیا

ہر نبی اور رسول کو اللہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے اللہ کی طرف سے آنے والے پیغام کو اپنی امت تک پہنچا دیں۔ چنانچہ تمام انبیاء نے اپنی ذمہ داری کو کما حقہ پورا کیا اور اس سلسلہ میں کسی ملامت، ڈر اور خوف کی پروانہ کی۔ یہی بات ہمارے حضورؐ پر بھی صادق آتی ہے، لہٰذا آپ ﷺ پر ایمان لانے میں اس بات پر ایمان لانا بھی شامل ہے کہ آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے جو پیغام نازل کیا، اسے آپؐ نے من وعن امت تک پہنچا دیا اور اس سلسلہ میں آپؐ نے کوئی سستی یا غفلت نہیں دکھائی، کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ کوئی مانے یا نہ مانے، آپ کا کام یہ ہے کہ آپؐ اللہ کی طرف سے آنے والے دین کو لوگوں تک پہنچا دیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ [سورة الشورىٰ:٤٨]

''اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا (بلکہ) آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔''

ایک اور آیت میں یہی بات اس سے زیادہ تاکید کے ساتھ کہی گئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ﴾[سورة المائدة:٦٧]

''اے رسولؐ! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، اسے [امت تک] پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔''

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقَدْ كَذَبَ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ : يٰأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ﴾[سورة المائدة:٦٧]

''جس شخص نے تمھیں یہ کہا کہ محمد ﷺ نے اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے دین میں سے کوئی چیز چھپالی تھی تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا: اے رسولؐ! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، اسے [امت تک] پہنچا دیجیے۔ اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو آپؐ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔''[۱]

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

((مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ النَّبِيَّ كَتَمَ شَيْئًا مِنَ الْوَحْيِ فَلَا تُصَدِّقْهُ))

''جس شخص نے تمھیں یہ کہا کہ محمد ﷺ نے اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے دین [وحی] میں سے کوئی چیز چھپالی تھی تو اس کی تصدیق نہ کرو۔''[۲]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر قوله تعالیٰ: یاایها الرسول بلغ...... ح۴۶۱۲۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ: یاایها الرسول بلغ...... ح۷۵۳۱۔

اللہ کے رسولؐ کے بارے میں یہ اس خاتون کی گواہی ہے جسے نہ صرف یہ کہ حضورؐ کا شرفِ زوجیت نصیب ہوا بلکہ ان کی صداقت و پاکدامنی پر قرآن مجید کی سورۂ نور کی بعض آیات بھی نازل ہوئیں۔ اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر یہی گواہی ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ نے بھی دی تھی، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں کہ [حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے] اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَالَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّى فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟ قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ))

''میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن مجید)۔ لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟۔ لوگوں نے بیک زبان کہا کہ ''ہم گواہی دیں گے کہ بے شک آپؐ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے، اس [ذمہ داری] کا حق ادا کر دیا ہے اور آپؐ نے پوری خیر خواہی سے کام لیا ہے۔''

یہ جواب سن کر آپؐ اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے اور کبھی اسے ان لوگوں کی طرف جھکاتے اور اس حالت میں آپؐ نے تین بار فرمایا: یا اللہ! گواہ ہو جا۔''(۱)

اللہ کے رسول ﷺ کے پیغامِ رسالت کا فریضہ کما حقہ انجام دینے کے بارے میں یہ ان ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کی گواہی تھی جنہیں روئے زمین پر جنت کا سرٹیفیکیٹ ملا ہے......!

حضرت سلمان فارسیؓ سے کسی [غیر مسلم] نے طنزیہ انداز میں کہا: ''کیا تمہارا نبی تمہیں ہر چیز سکھاتا ہے حتی کہ پاخانے وغیرہ کا طریقہ بھی بتاتا ہے؟'' تو حضرت سلمانؓ نے [فخر سے] کہا:

''ہاں، ہمارا نبی ہمیں ہر چیز سکھاتا ہے اور قضائے حاجت کے سلسلہ میں آپؐ نے ہمیں یہ اَدب سکھایا ہے کہ ہم پیشاب یا پاخانے کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے نہ بیٹھیں اور [مٹی سے استنجا کرتے وقت] تین سے کم ڈھیلے استعمال نہ کریں اور استنجاء کے لیے لید [گوبر] یا ہڈی استعمال نہ کریں۔''(۲)

معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کی طرف سے آنے والے پیغام اور ربانی ہدایت کو بلا کم و کاست اُمت تک پہنچا دیا حتی کہ قضائے حاجت سے تعلق رکھنے والی ہدایات کو بھی آپؐ نے نظر انداز نہ کیا۔ اور آپ نے امت کو جو تعلیم دی، اس میں کہیں کوئی ابہام نہ چھوڑا۔ آپ نے خود اس بات کا اس طرح اظہار فرمایا:

((قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِى إِلَّا هَالِكٌ))

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ، ح۱۲۱۸۔
۲۔ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الاستطابة، ح۲۶۲۔

''میں تمہیں ایسے سفید [روشن] دین پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں اور میرے بعد جو اس سے ہٹ گیا، سمجھو وہ ہلاک ہو گیا۔''(۱)

کیا آپ نے حضرت علیؓ یا اہل بیت کے لیے کوئی علم مختص کیا تھا:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی مخفی علم دیا تھا جو انہوں نے اپنے خاندان کے چیدہ چیدہ اَفراد کو سکھایا اور وہ علم اسی راز داری کے ساتھ آگے سے آگے منتقل ہو رہا ہے۔

حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ شبہ دو وجہ سے پیدا ہوا، ایک تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے رسولؐ کے داماد تھے اور دوسرے لوگوں کی نسبت ان کا آپ کے پاس آنا جانا زیادہ ہوتا تھا، اس لیے آپ کے بارے بعض لوگوں کو شک ہوا کہ شاید آپ کو اللہ کے رسول نے کوئی ایسا علم بھی دیا ہو جو اور لوگوں کو نہیں دیا۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک دعویٰ کر ڈالا کہ آپ کو واقعتاً کوئی علم دیا گیا تھا اور پھر اس کی تشخیص کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ وہ جفر و اعداد کا علم تھا جس سے قسمت معلوم کی جاتی ہے۔ یہ خلافِ حقیقت دعویٰ ہے، ہم نے جادو، جنات اور غیبی علوم کے موضوع پر لکھی گئی اپنی ایک کتاب (عاملوں، جادوگروں اور جنات کا پوسٹمارٹم) میں اس دعوے کی قلعی کھول دی ہے اور علم جفر و اعداد کی حقیقت کو بھی واضح کیا ہے۔

اس شبہ کی دوسری وجہ ان یہودی نژاد اسلام دشمنوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے غلط پروپیگنڈہ تھا جو اسلام دشمنی میں بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمانوں کی صفوں میں گھس آئے تھے۔ ان کے پروپیگنڈہ سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے، چنانچہ سب سے پہلے حضرت علیؓ ہی کے دورِ خلافت میں بعض لوگوں نے اس شبہ کا اظہار کیا جبکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے اس شبہ کی صاف تردید کی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا:

((مَاكَانَ النَّبِيُّ يُسِرُّ إِلَيْكَ؟))

''ہمیں بھی بتایئے کہ وہ کیا چیز ہے جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے خاص آپ ہی کو نوازا ہے؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی یہ بات سن کر غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے:

((مَاكَانَ النَّبِيُّ يُسِرُّ إِلَيَّ شَيْئًا يَكْتُمُهُ النَّاسَ غَيْرَ أَنَّهُ قَدْحَدَّثَنِي بِكَلِمَاتٍ أَرْبَعٍ......))

''اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں سے چھپا کر کوئی اضافی بات مجھے کبھی نہیں بتائی۔ البتہ چار باتیں ایسی ہیں جو اللہ کے رسول نے مجھے بتائی ہیں۔ اس آدمی نے کہا: امیر المؤمنین! وہ کون سی چار باتیں ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے یہ بیان فرمایا کہ

۱۔ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے اپنے ماں باپ کو لعنتی (اور برا بھلا) کہا۔

۱۔ احمد، ج٤ ص١٢٦۔ ابن ماجه، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين، ح٤٣۔ حاكم، ج١ ص٩٦۔

۲۔اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیا۔
۳۔اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے کسی بدعتی کو جگہ دی۔
۴۔اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو جس نے (اپنی زمین بڑھانے کے لیے) زمین کی حدوں کو تبدیل کیا۔''(۱)

یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے اور اہلسنہ کے ہاں اس حدیث کی سند میں کوئی شک نہیں۔ لہٰذا اس حدیث کی رو سے حضرت علیؓ نے خود ہی یہ واضح کر دیا کہ مجھے اللہ کے رسول نے کوئی اضافی یا مخصوص علم نہیں دیا کہ جس سے دوسرے لوگوں کو آپؐ نے محروم رکھا ہو۔ پھر حضرت علیؓ کے ذہن میں بات آئی کہ اللہ کے رسول کی ایک حدیث ایسی ہے جسے آپؐ نے مجھ سے بیان کیا اور شاید وہ حدیث کسی اور سے آپؐ نے بیان نہ فرمائی ہو، چنانچہ یہ خیال آتے ہی حضرت علیؓ نے وہ حدیث بھی آگے سنا دی تاکہ اس غلط فہمی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیا جائے۔ لیکن افسوس کہ آج بھی بعض لوگ اسی غلط فہمی کا شکار ہیں......!

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کی طرف سے جو دین دیا گیا، آپؐ نے بلا کم وکاست وہ دین امت کو پہنچا دیا اور اس دین کا کوئی حصہ کسی خاص فرد، قبیلے یا اپنے خاندان کے لیے مختص نہیں کیا۔ کیونکہ یہ دین ساری امت کے لیے تھا، اس لیے ضروری تھا کہ اسے اس انداز سے امت تک پہنچا دیا جائے کہ کل کلاں امت کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ فرد بھی اگر دین کے کسی حکم تک براہ راست رسائی پانا چاہے تو اس کے لیے اس میں کوئی رکاوٹ اور مشکل نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ قرآن و حدیث کی شکل میں دین کی پوری تصویر امت کے لیے بالکل واضح ہونے کے باوجود اس دین سے ہر کوئی اتنا ہی مستفید ہو سکتا ہے جتنا اس کا ظرف ہے، یا دوسرے لفظوں میں جتنی اسے اللہ توفیق دے......!

[6]......نبی کریم ﷺ اللہ کی طرف سے جو دین لائے، اس پر ایمان

آپ ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر بھی ایمان لایا جائے کیونکہ آپ ﷺ پر ایمان لانے کا اصل مقصود ہی یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے اور آپ ﷺ کی بتائی ہوئے تعلیمات پر عمل کیا جائے کیونکہ اب تا قیامت یہی حق ہے اور یہی معیارِ نجات بھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَالْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾[سورة محمدؐ:۲]

''اور جو لوگ اس چیز پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے، اور در اصل ان کے رب کی طرف سے سچا دین بھی وہی ہے [جو محمدؐ پر نازل کیا گیا]۔''

آپؐ کو اللہ کی طرف سے ایک تو قرآن مجید دیا گیا اور دوسری یہ اتھارٹی دی گئی کہ اس قرآن کی تشریح و تفصیل یا دین کے کسی بھی مسئلہ کی توضیح و تبیین کے سلسلہ میں آپؐ اپنے قول یا عمل سے جو کچھ فرما دیں، وہ بھی امت کے لیے دین کا حصہ بن جائے۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللّٰہ تعالیٰ ولعن فاعلہ، ح۱۹۷۸۔

اس کی ایک دلیل تو قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿ وَمَايَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلاَّ وَحْىٌ يُّوحٰى﴾[سورة النجم:۳،٤]

''اور وہ [نبیؐ] اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے ، وہ تو صرف وحی ہے جو [اُن پر] اتاری جاتی ہے۔''

یعنی دین کے معاملے میں حضور ﷺ اپنی ذاتی رائے سے نہ کچھ فرماتے ہیں اور نہ کچھ کرتے ہیں بلکہ آپؐ وہی کچھ کرتے اور وہی کچھ فرماتے ہیں جس کا حکم یا اجازت اللہ کی طرف سے آپ کو حاصل ہو۔

اسی طرح ایک دلیل صحیح مسلم کی وہ مستند حدیث ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَاحَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ شَيْئًا فَخُذُوْا بِهٖ فَاِنِّىْ لَنْ اَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ))

''جب میں تمہیں اللہ کی طرف سے (یعنی دین سے) کوئی چیز دوں، تو اسے پکڑلو، کیونکہ میں ہرگز یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ اللہ کی طرف کوئی جھوٹ منسوب کروں۔''(۱)

اسی طرح ایک دلیل حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی یہ صحیح حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اِنِّىْ اُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ))

''آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک چیز اور بھی (یعنی حدیث)۔''(۲)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول کی احادیث یاد کرنے کے لیے آپؐ سے جو بات سنتا، اسے لکھ لیتا۔ قریش کے بعض لوگوں نے مجھے اس بات سے منع کیا کہ اللہ کے رسولؐ بھی ایک بشر ہیں، کبھی آپ غصے میں گفتگو کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں (لہٰذا تم آنحضرت ﷺ کی ہر بات لکھا نہ کرو) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے احادیث لکھنا چھوڑ دیں اور پھر آنحضرتؐ سے قریش کی اس بات کا تذکرہ بھی کیا تو آپ ﷺ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اُكْتُبْ فَوَ الَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَايَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا الْحَقُّ))

''تم احادیث لکھا کرو، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔''(۳)

آپ ﷺ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ آپؐ نبی تھے اور دین کے معاملے میں آپ ﷺ کا ہر قول وفعل وَحيِ الٰهى کی روشنی میں انجام پاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی و رسول کے علاوہ کوئی اور شخص ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کی زبان سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔ ایک حدیث میں تو آپ نے واضح طور پر فرمادیا: ''میں تمہارے اندر دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل کروگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے؛ ایک اللہ کی کتاب۔ ہے اور دوسری میری سنت ہے۔''(٤)

۱۔ صحیح مسلم، كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعًا، ح۲۳٦۱۔

۲۔ ابوداؤد، كتاب السنة، باب لزوم السنة، ح٤٥۹۳۔ مسنداحمد، ج٤ ص۱۳۰۔

۳۔ ابوداؤد، العلم، ح۳٦٤۳۔ احمد، ۱٦۲/۲،۱۹۲۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة، ۱۵۳۲۔ ٤۔ صحيح الجامع الصغير، ح۲۹۳٤۔

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن مجید دین کا ایک مأخذ ہے اسی طرح حدیث بھی دین کا ایک مأخذ ہے اور ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دین کے کسی مأخذ ہی کا انکار کر دے۔ منکرینِ حدیث کی گمراہی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے نبی کریم کی حدیث کو وحی تسلیم کرنے اور اسے دین میں ایک مأخذ وحجت تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بعض لوگ حدیث کو بطورِ تائید واستشہاد پیش تو کرتے ہیں مگر اسے وحی تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ نتیجہ کے اعتبار سے یہ رویہ بھی انکارِ حدیث ہی کی ایک نئی شکل ہے۔

[7]...... نبی کریم ﷺ کے معجزات اور علاماتِ نبوت

معجزہ کیا ہے؟

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزات پر بھی ایمان لایا جائے۔ معجزہ دراصل کسی ایسے خرقِ عادت معاملے کو کہا جاتا ہے جو کسی نبی سے ظاہر ہو اور دوسرے لوگ اس جیسا معاملہ پیش کرنے سے عاجز آ جائیں مثلاً نبی اکرمؐ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ نے اللہ کے حکم سے چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ کوئی اور انسان اپنی انگلی کے اشارے سے اس طرح چاند کے دو ٹکڑے نہیں کر سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کے دور کے کافروں نے بھڑکتی آگ میں پھینک دیا مگر وہ آگ اللہ کے حکم سے ٹھنڈی ہو گئی اور آپؑ اس آگ سے محفوظ رہے۔ کسی اور انسان کو آگ میں ڈالا جائے تو وہ اس طرح محفوظ نہیں رہتا۔ حضرت صالحؑ کے کہنے پر اللہ کے حکم سے ایک پہاڑ سے صحیح سالم اونٹنی نکل آئی۔ کسی اور انسان کے کہنے پر اس طرح پہاڑ سے کبھی اونٹنی نہیں نکلتی۔

گویا دوسرے لوگوں کے عاجز آ جانے ہی کی وجہ سے ایسے واقعات کو معجزات کہا جاتا ہے، تاہم قرآن وحدیث میں ایسے واقعات کے لیے آیة، آیات، بینة، مبصرة اور برهان وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، مگر لوگوں میں لفظِ معجزہ ہی زیادہ مشہور ہو گیا ہے۔

معجزہ، کرامت اور شعبدہ:

معجزہ ہی سے ملتا جلتا اگر کوئی خرقِ [خلافِ] عادت واقعہ اللہ کے نبیوں کے علاوہ کسی نیک اور متقی [ولی] بندے کے ساتھ پیش آ جائے تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ نیکی اور تقوی کے لحاظ سے انبیاء کے بعد بالاتفاق صحابہ کرام کا درجہ ہے جنہیں اخلاص وتقوی کی وجہ سے دنیا ہی میں جنت کی بشارت بھی دی گئی۔ بخاری ومسلم اور دیگر صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہ میں سے بعض کے ساتھ چند خرقِ عادت واقعات بھی پیش آئے۔ ان سب واقعات [کرامات] کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی بڑے سے بڑا واقعہ بھی ایسا نہیں جو کسی نبی کے نمایاں معجزہ سے مقابلہ کر سکے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ معجزہ اور کرامت میں مجموعی طور پر تھوڑی بہت مماثلت تو ہوتی ہے مگر کلی مطابقت نہیں ہوتی۔ اس سے ان لوگوں کی

غلط فہمیوں کا بھی ہمیشہ کے لیے ازالہ ہو جاتا ہے جو پیروں، مرشدوں اور بزرگوں کی طرف منسوب ایسی ایسی بے سند کرامتیں سناتے ہیں جو صحابہ تو کجا انبیاء ورسل کے ساتھ بھی ظاہر نہ ہوئی تھیں۔

معجزات وکرامات سے ملتے جلتے بعض واقعات فاسق وفاجر لوگوں کے ہاتھوں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ انہیں شعبدہ بازی کہا جاتا ہے۔ عام طور پر ان کا ظہور جنات وشیاطین اور جادوئی عملیات کا مرہون منت ہوتا ہے۔ 'ہاتھ کی صفائی' بھی اس میں کام دکھاتی ہے۔ 'پڑھے لکھے' لوگ اس سلسلہ میں علم نفسیات، مسمریزم اور ہپناٹزم وغیرہ سے بھی مدد لیتے ہیں۔ [اس موضوع کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب: انسان اور کالے پیلے علوم کا مطالعہ مفید رہے گا۔]

معجزہ اور کرامت کا اختیار اللہ کے پاس ہوتا ہے

معجزات کے سلسلہ میں یہ بات یاد رہے کہ معجزہ خالص اللہ کے حکم اور مرضی سے ظاہر ہوتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ انبیاء ورسل جب چاہتے اپنی مرضی سے کوئی معجزانہ کام دکھا دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات کفار نے نبیوں سے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا مگر اللہ کی مرضی نہ تھی اس لیے معجزہ ظاہر نہ ہوا۔ اس سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اولیاء جب چاہیں کرامتیں دکھا سکتے ہیں۔ جب انبیاء کے لیے یہ ممکن نہ تھا تو اولیاء کے لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟!

معجزات کے ظہور کا مقصد وضرورت؟

معجزات کے سلسلہ میں بعض اوقات یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان کا مقصد کیا ہوتا تھا؟ انبیاء ورُسل کے ساتھ پیش آنے والے معجزات کا ان کے پس منظر کے ساتھ مطالعہ کرنے سے ہمیں اس سوال کا جواب مل جاتا ہے، اور وہ یہ کہ معجزات کے ظہور کی درج ذیل بڑی وجوہات ہوتی تھیں:

۱)...... انبیاء ورُسل کے دور میں ان سے متاثر ہونے والے اور غیر جانبدار رہنے والے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اگر نبی کوئی عجیب وغریب چیز پیش کرے تو پھر یقین آ جائے گا کہ یہ واقعی سچا ہے۔ ان لوگوں کی تسلی اور اطمینان کے لیے اللہ تعالیٰ بعض ایسے معاملات ظاہر فرما دیتے جو ان کے لیے نبوت کی علامت قرار پاتے، اسی لیے بعض اہل علم معجزات کو علاماتِ نبوت بھی کہتے ہیں۔

۲)...... بعض ایسے سرکش ہوتے جو نبی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے عجیب وغریب چیزوں کا مطالبہ کرتے۔ ان کا منہ چپ کرانے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ بعض ایسے معجزات ظاہر فرماتے۔

۳)...... بعض اوقات نبی اور اس پر ایمان لانے والوں کی نصرت وتائید کے لیے بھی معجزات رونما ہوتے۔

۴)...... بعض اوقات ایمان والوں کے ایمان کی مزید پختگی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ معجزات ظاہر فرماتے۔

کیا معجزات کے پسِ پردہ اَسباب وعلل کارفرما ہوتے ہیں؟

اس کائنات میں ہر آن جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ اور علت ہوتی ہے۔ روشنی اور گرمی کی علت سورج ہے۔ آسمان سے بارش کے ذریعے برسنے والے پانی کی علت وسبب سمندروں اور دریاؤں کے پانی ہی کے وہ بخارات ہیں جو حرارت اور تپش سے اُوپر اُٹھ جاتے ہیں۔ بچے کی پیدائش کی علت وسبب وہ نطفہ ہے جو رحم مادر میں قرار پکڑتا ہے۔ اسی طرح اَرض وسماء میں رونما ہونے والے جس واقعہ کی بھی آپ تحقیق کریں گے، اس کے پیچھے ایسے ہی ظاہر یا مخفی اَسباب وعلل کارفرما دکھائی دیں گے۔

معجزات سے متعلقہ واقعات چونکہ ان اَسباب وعلل پرمبنی نہیں ہوتے اس لیے مادہ پرستوں کی طرح بعض مسلم فلاسفہ بھی ان معجزات کے سلسلہ میں عجیب وغریب غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض کو تو اس وقت تک تسلی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ان معجزات کی کوئی ایسی توجیہ نہ کرلیں جو انہیں اَسباب وعلل کے ساتھ مربوط بناتی ہو اور بعض اس مغز ماری میں پڑے بغیر صاف طور پر ان معجزات کا سرے سے انکار ہی کر دیتے ہیں......!

معجزات کے سلسلہ میں یہاں ہم صرف یہی کہیں گے کہ جس مالک الملک نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا اور اسے اَسباب و علل کے ساتھ مربوط کیا، وہ چاہتا تو اَسباب وعلل کے بغیر بھی اس کائنات کا نظام چلا سکتا تھا۔ اس کی قدرت کاملہ پر یقین رکھنے والے اس بات سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جب اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پوری کائنات کا نظام بغیر اَسباب وعلل کے چل سکتا تھا تو پھر اس کائنات میں ظہور پذیر ہونے والے کسی چھوٹے سے واقعہ کے لیے آخر یہ کیوں تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بغیر کسی ظاہری یا مخفی سبب کے خالص اللہ کے حکم سے ظاہر ہو گیا ہے......؟!

معجزات اور علاماتِ نبوت سے متعلقہ اَحادیث اور ان کی تشریح کے لیے ہماری کتاب ''انسان اور رہبر انسانیت ﷺ'' ملاحظہ کریں۔

......☆......

فصل ۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

[1]..... نبی کریم ﷺ سے محبت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

آپ ﷺ سے محبت کرنا ہر بندۂ مومن کے ایمان کی لازمی شرط ہے۔ دنیا میں ہر انسان طبعی طور پر مختلف چیزوں سے محبت کرتا ہے مثلاً مال ودولت سے محبت، بیوی بچوں سے محبت، گھر بار سے محبت، دوست احباب سے محبت، عزیز واقارب سے محبت..... یہ محبت فطری طور پر ہر انسان کے دل میں رکھی گئی ہے اس لیے اس محبت سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا بشرطیکہ یہ محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت پر غالب نہ آجائے کیونکہ اصل چیز یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اور باقی ہر چیز کی محبت کو اللہ کی محبت کے تابع کر دے۔ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث سے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

۱)......﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾[سورة التوبة:٢٤]

''(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ کوٹھیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو، اگر یہ سب چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ کے حکم سے آنے والے عذاب کا انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

((وفي الآية دليل على وجوب حب الله ورسوله ولا خلاف في ذلك بين الامة وان ذلك مقدم على كل محبوب))[تفسير قرطبى (ج٨ص٨٨)]

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت فرض ہے اور اس بات پر امت مسلمہ میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی محبت ہر دوسری محبوب چیز پر مقدم ہے۔''

۲)......﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾[سورة الاحزاب:٦]

''بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے قریبی تعلق دار کو ہمیشہ ترجیح دیتا اور اس کا خیر خواہ بن کر رہتا ہے لیکن جہاں اس کے ذاتی

مفاد کونقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، وہاں وہ دوسروں کونظرانداز کرتے ہوئے اپنی ذات ہی کو ترجیح دیتا ہے خواہ اس میں دوسرے کا دنیوی یا اُخروی اعتبار سے کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو، بلکہ بعض اوقات تو ایک انسان خیرخواہی کے جذبے کے باوجود دوسرے کا نقصان کر بیٹھتا ہے مگر اللہ کے رسولؐ کا معاملہ ایسا نہیں کیونکہ آپؐ ہر مومن کے لیے اس کے ماں باپ، بہن بھائی، عزیز و اَقارب حتی کہ اس کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیرخواہ ہیں اور آپ کی خیرخواہی حق پر مبنی ہے۔ آپ کسی شخص سے کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے جس میں اس کا نقصان ہو اور اس کی عاقبت خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ جہاں حضورؐ کا ہمارے ساتھ یہ تعلق ہے وہاں ہمیں بھی یہ حکم دیا گیا کہ ہمارے نزدیک حضورؐ ہی کی ذاتِ مبارک سب سے اولیٰ ہونی چاہیے۔

یہ بات تو طے ہے کہ انسان سب سے زیادہ اپنی ذات ہی کے ساتھ مخلص ہوتا ہے مگر اتنا مخلص ہونے کے باوجود ایک انسان اپنا نقصان کر سکتا ہے اور غلط راہ اختیار کر کے اپنے آپ کو جہنم میں دھکیل سکتا ہے، کیونکہ نبویؐ ہدایت کے بغیر کوئی انسان ہرگز یہ نہیں جان سکتا کہ اس کے لیے خیر و بھلائی کیا ہے اور شر کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو وہ اپنے لیے بہتر سمجھتا ہو مگر وہی چیز اس کے لیے انتہائی مضر ہو اور ایک چیز جسے وہ مضر سمجھتا ہے وہ اس کے لیے نہایت مفید ہو۔ کون سی چیز ہمارے حق میں بہتر اور کون سی بہتر نہیں، اس کی خبر ہمیں اس دین سے ملتی ہے جو آنحضرت ﷺ لے کر آئے ہیں، اور آپؐ ہمارے لیے اتنے مشفق و مہربان ہیں کہ ہمارے حق میں آپؐ صرف وہی بات کہتے ہیں جس میں ہمارا حقیقی فائدہ پنہاں ہو۔ لہٰذا جب آپؐ ہی ہمارے حقیقی خیرخواہ ہیں تو پھر اس بات کا حق بھی آپؐ ہی رکھتے ہیں کہ ہم اپنی جان سے بھی بڑھ کر آپ کو عزیز سمجھیں اور دنیا جہان کی ہر چیز سے بڑھ کر آپؐ سے محبت کریں۔

۳)......((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ))(۱)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ جمع ہو جائیں وہ ایمان کی مٹھاس اور لذت پالیتا ہے۔ پہلی یہ کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اس کے نزدیک دنیا جہان کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔ دوسری یہ کہ وہ جس کسی سے محبت کرے، اللہ ہی کے لیے کرے۔ تیسری یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر سے نجات دے دی تو اب وہ کفر میں لوٹ جانا اتنا ہی ناپسند کرے جتنا کہ آگ میں ڈالا جانا اسے ناپسند ہے۔''

[2]...... نبی کریم ﷺ سے کتنی محبت کی جائے؟

آپ ﷺ سے دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت کی جائے حتی کہ اپنے اہل و عیال، مال و دولت اور اپنی جان سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت کی جائے اور جہاں یہ چیزیں اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں رکاوٹ بنیں، وہاں آپ کی محبت پر ان

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، ح۱۶۔

چیزوں کو قربان کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں چند دلائل ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱)..... اپنی جان سے بڑھ کر نبیؐ سے محبت:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ الآنْتَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّامِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ فَاِنَّهُ الْآنَ وَاللّٰهِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَلْآنَ يَاعُمَرُ!)) [1]

''حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے جب کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان کے علاوہ دنیا جہان کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت تک نہیں جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: تو پھر اللہ کی قسم! آپؐ اب مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر اب بات بنی ہے!''

عام طور پر قسم اس وقت کھائی جاتی ہے جب کسی بات کو بڑی تاکید سے کہنا مقصود ہو اور اس میں کسی قسم کی غلط بیانی کا شائبہ بھی نہ ہو اور جب اللہ کے رسول ﷺ قسم کھا کر ایک بات کہہ دیں تو ظاہر ہے پھر اس کی تاکید اور سچائی میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ اس حدیث میں آپؐ نے قسم کھا کر یہ بات بیان فرمادی کہ جب تک مجھے تم اپنی جان سے بڑھ کر محبت نہیں کرو گے تب تک تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے نبی اکرم ﷺ کی یہ بات سن کر بغیر کسی تردد کے فوراً کہا کہ آج سے آپؐ مجھے میری جان سے زیادہ محبوب ہیں!

یہ صرف ایک حضرت عمرؓ ہی کے جذبات نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت بن گئی کہ وہ آپؐ سے اپنی جان سے بڑھ کر محبت کرنے لگے اور آپؐ کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار نظر آتے۔ جنگ اُحد کے موقع پر جب آپؐ کے ارد گرد صرف سات انصاری اور دو قریشی صحابی رہ گئے اور دوسری طرف دشمن نے آپ کو پوری طرح گھیرے میں لے لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ اَوْهُوَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ ؟))

''جو شخص ان دشمنوں کو ہم سے دور کرے گا اس کے لیے جنت کی بشارت ہے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔''

تو انصاری صحابہؓ میں سے ایک صحابی آگے بڑھا اور دشمن سے لڑتا لڑتا جامِ شہادت نوش کر گیا۔ دشمن نے مزید گھیرا تنگ کیا تو آپؐ نے پھر یہی کہا:

((مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ اَوْهُوَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ ؟))

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ، ح ۶۶۳۲۔

''جو شخص ان دشمنوں کو ہم سے دور کرے گا اس کے لیے جنت کی بشارت ہے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔''
یہ سن کر پھر انصاری صحابہؓ میں سے ایک صحابی آگے بڑھا اور دشمن سے لڑتا لڑتا جامِ شہادت نوش کر گیا۔ دشمن نے مزید گھیرا تنگ کیا تو آپؐ نے پھر یہی کہا اور آپ کی بات پر لبیک کہتے ہوئے پھر ایک انصاری صحابی نے اپنی جان آپؐ پر قربان کر دی۔ اس طرح آپؐ کے ارد گرد موجود ساتوں انصاری صحابی جب شہید ہو گئے تو آپؐ نے [ان کے جان فدائی کا جذبہ دیکھ کر] اپنے باقی دو قریشی ساتھیوں سے کہا:

((مَاأَنْصَفْنَاأَصْحَابَنَا)) ''ہم نے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا......!''(۱)

یعنی آپؐ نے ان صحابہ کی شہادت کا احساس کیا، اگرچہ انہوں نے حبِ رسالت میں جان کی بازی لگائی تھی۔

۲)......اپنی اولاد اور والدین سے بڑھ کر نبیؐ سے محبت:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ))
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے باپ اور اس کے بیٹے سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''(۲)

اس روایت میں اگرچہ باپ اور بیٹے کا ذکر ہے مگر ضمناً باپ کے ساتھ ماں اور بیٹے کے ساتھ بیٹی بھی شامل ہے یعنی جب تک کوئی شخص اپنے ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر حضور ﷺ سے محبت نہ کرے، تب تک وہ کامل مومن نہیں بن سکتا۔ یہاں ماں باپ اور اولاد کا ذکر بالخصوص اس لیے کیا گیا کہ دیگر رشتہ داروں کے مقابلہ میں ان رشتوں کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے اور جب اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں ماں باپ اور اولاد کی محبت قربان کر دینا ایمان کا تقاضا ہے تو دیگر رشتہ داروں کے مقابلہ میں یہ تقاضا مزید بڑھ جاتا ہے۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں یہی بات حضرت انسؓ نے نبیؐ سے اس طرح روایت کی ہے کہ

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ))
[آپؐ نے فرمایا] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے باپ اور اس کے بیٹے اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''(۳)

۳)......دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر نبیؐ سے محبت:

((عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ))

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة احد، ح۱۷۸۹۔
۲۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان، ح۱٤۔
۳۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان، ح۱۵۔ صحیح مسلم، ح٤٤۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک [کامل] مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے اہل وعیال [یعنی ماں باپ اور بیوی بچوں] اور اس کے مال ودولت اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''(۱)

معلوم ہوا کہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر اللہ کے رسول سے محبت کرنی چاہیے، ورنہ ایمان تکمل نہیں!

ایک سچے محبِ رسول کا عجیب وغریب واقعہ:

مدینہ منورہ ہجرت کر آنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ چندروز حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کے ہاں ٹھہرے۔ یہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر دومنزلہ تھا۔ نچلی منزل انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے خالی کردی اور خود بالا خانہ میں تشریف لے گئے۔ ایک رات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو اچانک یہ خیال آیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نیچے ہیں اور ہم ان کے سر کے اوپر چلتے ہیں [کہیں یہ آپ کی بے ادبی نہ ہو] چنانچہ یہ خیال آتے ہی وہ اور ان کے اہل خانہ ایک طرف ہو گئے اور ساری رات ایک کونے میں گزاردی۔

صبح کے وقت حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اوپر تشریف لے آئیں مگر اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ مجھے نیچے زیادہ سہولت ہے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں ایسی چھت کے اوپر چڑھوں جس کے نیچے آپ تشریف فرما ہوں، چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے اس اصرار کو دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ اوپر چلے گئے اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ سمیت نچلی منزل میں آگئے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے کھانے کا بھی انتظام فرماتے تھے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کھانا تناول فرما لیتے تو [باقی بچ جانے والے کھانے میں سے] حضرت ابوایوب [کھاتے اور] پوچھتے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس جگہ سے کھانا کھایا ہے۔ [تا کہ برتن کی خاص اس جگہ سے کھائیں!]

ایک مرتبہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا جس میں [کچا] لہسن تھا۔ جب وہ کھانا واپس آیا تو حضرت ابوایوبؓ نے پوچھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس حصے سے کھانا کھایا ہے؟ آپؓ سے کہا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے آج کھانا نہیں کھایا۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوایوبؓ پریشان ہو گئے اور سیدھے اللہ کے رسول کے پاس گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا لہسن حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ حرام نہیں ہے مگر میں اسے طبعی طور پر ناپسند کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت ابوایوبؓ نے کہا کہ جس چیز کو آپ ناپسند کرتے ہیں، [آج سے] میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں......!(۲)

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبة رسول اللہ ﷺ، ح ٤٤۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب اباحة اکل الثوم......، ح٢٠٥٣۔

[3]......نبی کریم ﷺ سے محبت کیوں کی جائے؟

گزشتہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سے اتنی گہری محبت ہونی چاہیے کہ آپؐ کے لیے اپنی جان اور مال کی قربانی سے بھی انسان دریغ نہ کرے لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آپؐ سے اس قدر زیادہ محبت کیوں ضروری ہے؟!

۱)......اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ آپؐ سے اتنی زیادہ محبت ہمارے دین کا تقاضا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اور احادیث میں خود نبی اکرم ﷺ نے اس کی صاف وضاحت فرمادی ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس وقت تک کسی انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مال، جان، اولاد، والدین اور دنیا کے تمام انسانوں سے بڑھ کر حضور ﷺ کو محبوب نہ سمجھے اور جو شخص ان مادی چیزوں کو آپ ﷺ کی محبت پر فوقیت دے، اسے اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وعید سنائی ہے۔

۲)......آپ ﷺ سے اتنی گہری محبت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپؐ ہی کی بدولت ہمیں وہ راہِ ہدایت ملی ہے جس پر چل کر ہم سیدھے جنت میں پہنچ سکتے ہیں۔اور اگر ہم آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر عمل نہ کریں اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کو اختیار نہ کریں، تو ہم دنیا میں بھی بھٹک جائیں گے اور آخرت میں بھی معاذ اللہ جہنم کی سزا پائیں گے۔

۳)......آپ ﷺ سے محبت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جب آپؐ اپنی امت سے اتنی گہری محبت وشفقت رکھتے تھے کہ امت کی ہدایت کے لیے آپؐ نے پتھر کھائے، طعنے سنے، سزائیں برداشت کیں، گھر بار اور وطن چھوڑا، ہر طرح کا ظلم وستم سہا تو آخر ہم کیوں نہ آپ ﷺ کی محبت میں اتنی قربانی دیں۔ہمیں تو اس سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ کی محبت وشفقت کا جواب دینا چاہیے۔

۴)......آپ ﷺ سے گہری محبت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہمیں قیامت کے روز اپنے نبی کا ساتھ نصیب ہو جائے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور آکر یہ سوال کیا:

((مَتَى السَّاعَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟......)) ''اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟''

آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟'' وہ کہنے لگا:

((مَا اَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَةٍ وَلٰكِنِّىْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ))

''میں نے قیامت کے لیے نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات جیسی نیکیاں تو بہت زیادہ نہیں کیں، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں تو آپؐ نے اس سے فرمایا:

((اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ)) ''پھر تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تو محبت رکھتا ہے۔''[۱]

ایک اور روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم کسی اور بات سے اتنا خوش نہ ہوئے جتنا آنحضرت ﷺ کی اس بات

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب علامة الحب فی الله......، ح ٦١٧١۔

سے ہوئے کہ: ((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ))

''آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔'' پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

((فَاَنَا اُحِبُّ النَّبِیَّ وَ اَبَا بَکْرٍ وَ عُمَرَ وَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّیْ اِیَّاهُمْ وَاِنْ لَّمْ اَعْمَلْ بِمِثْلِ اَعْمَالِهِمْ))

''لہٰذا میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں تاکہ ان کے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہو جائے اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔''[1]

۵) ....آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت اس لیے کرنی چاہیے کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہم اس کے محبوب پیغمبرؐ سے محبت کریں اور اس کی سنت پر عمل کریں۔

[4] ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ محبت کا طریقہ

یہ بات تو پوری وضاحت سے ہمارے سامنے آ چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت جزوِ ایمان ہے لیکن اس محبت کے اظہار کا طریقہ کیا ہے، یہ سوال بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اظہارِ محبت میں بعض اَوقات انسان ضروری حدود کو بھی پھلانگ جاتا ہے اور کسی ایسے قول وفعل کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے جو عقیدت واحترام کے منافی قرار پاتا ہے۔ اس لیے اظہارِ محبت جس طرح ضروری ہے اسی طرح یہ اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ اظہارِ محبت کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو خود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور آپؐ کے صحابہؓ نے جسے اپنایا ہے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ اس سلسلہ میں صحابہ کی سیرتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے کہ ان اولیں اور جانثار نفوس نے حضورؐ سے اظہارِ محبت کا کیا طریقہ اختیار کیا کیونکہ ان سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرنے والا کوئی نہیں اس لیے کہ ان کی محبت وجانثاری کی دلیل خود اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر دے دی کہ

﴿ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾[سورة التوبة: ١٠٠]

''اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔''

اگر صحابہ کو اللہ کے رسولؐ سے دلی محبت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے اس نفاق کو قرآن میں کھول کر بیان کر دیتے لیکن پورا قرآن پڑھ جایئے، آپ کو صحابہؓ کے بارے تعریف وتوصیف ہی کے کلمات ملیں گے۔

علاوہ اَزیں صحابہؓ نے اظہارِ محبت کا وہی طریقہ اختیار کیا جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند تھا اور اس سلسلہ میں انہوں نے کوئی ایسا اِقدام نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند تھا۔ اس سلسلہ میں اگر کہیں ذراسی بھی کوتاہی یا غلط فہمی ہوئی تو اللہ یا اس کے رسولؐ نے فوراً تنبیہ اور وضاحت فرما دی۔ یہ بھی واضح رہے کہ اگر صحابہؓ نے اظہارِ محبت وعقیدت کا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جبکہ بظاہر اسے اختیار کرنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی تو ان کے بعد تا قیامت ایسے کسی طریقے کو نبی سے اظہارِ محبت کے نام پر اختیار کرنا درست نہ ہوگا۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عمرؓ، ح ٣٦٨٨۔

مزید برآں آپ ﷺ سے اظہارِ محبت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ کی اطاعت واتباع کی جائے۔ آپ کی اَحادیث اور سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے۔ آپؐ پر درود بھیجا جائے، بالخصوص اس وقت جب آپؐ کا نام نامی سنا، یا پڑھا جائے۔ اگلے صفحات میں ان میں سے بعض چیزوں کی تفصیل آ رہی ہے۔

[5]...... نبی کریم ﷺ سے محبت کے تقاضے اور علامتیں

محبت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، اگر انہیں پورا کیا جائے تو وہ بظاہر اس بات کی علامت بن جاتے ہیں کہ محبّ کو اپنے محبوب سے محبت ہے۔ اگر ہم اللہ کے رسول ﷺ کو اپنا محبوب سمجھتے اور اپنے آپ کو محبِ رسولؐ قرار دیتے ہیں تو پھر ہمیں آنحضرت ﷺ سے محبت کے ضروری تقاضے بھی پورا کرنا ہوں گے۔ اس سلسلہ میں آئندہ سطور میں حبِ رسول کے چند اہم تقاضوں اور علامتوں کو ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱)...... اتباع و اطاعت

نبی کریم ﷺ سے محبت کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی کامل اتباع و اطاعت کی جائے۔ یہ آپؐ سے اظہارِ محبت کا ایک بہترین طریقہ بھی ہے اور اس بات کی دلیل بھی کہ آپ ﷺ کی اطاعت واتباع کرنے والے کو واقعی آپ ﷺ سے دلی محبت ہے۔ کیونکہ ایک شخص اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اظہارِ محبت کے لیے اپنے محبوب کی بات مانتا اور اس کے نقشِ قدم پر چلتا ہے اور اسے اپنے لیے باعثِ فخر بھی سمجھتا ہے اور اگر اس کی محبت کا تعلق محض زبانی دعوے کی حد تک ہو تو اسے کوئی بھی سچا محب تسلیم نہیں کرتا۔ یہی بات حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں اس طرح بیان کی گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((لَایُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًالِّمَا جِئْتُ بِهٖ))

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اس چیز [دین] کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔''[۱]

حضرت عبدالرحمن بن ابی قرادؓ بیان فرماتے ہیں کہ

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ: مَایَحْمِلُکُمْ عَلٰی هٰذَا؟ قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْیُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَهٗ اِذَاحَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَمَنْ جَاوَرَهٗ))

''ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ وضو کرنے لگے تو آپؐ کے بعض صحابہ آپ کے وضو سے گرنے والے پانی کو لے کر اپنے جسموں پر ملنا شروع ہو گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ معاملہ دیکھا تو ان سے پوچھا: تمھیں کس چیز نے ایسا کرنے

۱۔ شرح السنة، کتاب الایمان، باب ردالبدع والاھواء، ح۱۰٤ ج۱ ص۲۱۲،۲۱۳۔

پر آمادہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں، یا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ گفتگو میں ہمیشہ سچ بولے، جب اسے کوئی امانت دی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے اور اپنے ہمسائے کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''[1]

یعنی آپ ﷺ کے جسم سے چھونے والی چیزوں مثلاً: جوتے، کپڑے، برتن، پانی وغیرہ کا احترام کافی نہیں اور نہ ہی یہ عمل حبِ رسول کی پوری دلیل ہے بلکہ حبِ رسول کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل بھی کیا جائے۔ اسی لیے آپؐ نے صحابہؓ کے مذکورہ بالا عمل پر واضح فرما دیا کہ اصل حبِ رسولؐ تو یہ ہے کہ جھوٹ، خیانت، ظلم اور اس جیسے دیگر اَخلاقِ سیئہ سے بچتے ہوئے سچ، امانت، عدل وانصاف وغیرہ جیسے اَخلاقِ حسنہ کو اپنایا جائے۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہنا چاہتا تھے کہ حبِ رسول کا اصل تقاضا یہ ہے کہ میری تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ یہی بات درج ذیل حدیث میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ:مَنْ اَکَلَ طَیِّبًا وَعَمِلَ فِیْ سُنَّةٍ وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ:یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا الْیَوْمَ فِی النَّاسِ لَکَثِیْرٌقَالَ فَسَیَکُوْنَ فِیْ قُرُوْنٍ بَعْدِیْ))

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے حلال وپاکیزہ کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور دوسرے لوگوں کو اس نے کوئی تکلیف نہ پہنچائی، تو وہ جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر ایک آدمی کہنے لگا: اللہ کے رسول! یہ چیز تو آج ہمارے ہاں بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں، مگر میرے بعد آنے والے وقتوں میں یہ بہت کم ہو جائے گی۔''[2]

رزقِ حلال کا اہتمام، سنتِ رسولؐ پر عمل کا جذبہ اور دوسرے لوگوں کے لیے نرمی ورحم دلی کا مظاہرہ، یہ سب اَوصاف انسان کو جنت میں لے جاتے ہیں چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں تو یہ اَوصافِ حمیدہ بہت نمایاں تھے مگر آپؐ نے پیشین گوئی فرمائی کہ بعد کے زمانے میں یہ اَوصافِ حسنہ ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ دیکھ لیجیے اللہ کے رسول کی یہ پیش گوئی آج ہمارے سامنے پوری ہو چکی ہے، لوگوں میں حلال حرام کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی ہے، حبِ رسولؐ کا دعویٰ کرنے والے تو بہت ہیں مگر سنتِ رسولؐ پر عمل کا جذبہ مر چکا ہے......!!

۲)......مطالعۂ حدیث وسیرت

آپ ﷺ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ کی اَحادیث اور سیرت کا بکثرت مطالعہ کیا جائے اور اس مقصد کے لیے آپ کی احادیث وسیرتِ طیبہ پر لکھی گئی مستند کتابوں کو منتخب کیا جائے۔ جب آپ کی احادیث وسیرت کا مطالعہ کیا جائے گا تو اس سے دو بڑے فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ آپؐ نے اس امت کی فلاح ونجات کے لیے جو محنت ومشقت اٹھائی، اس کی پوری تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے آ جائے گی اور اسے پڑھ کر آپؐ کے ساتھ ہماری محبت میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

۱۔ ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب حدیث اعقلها وتوکل......، ح۲۵۲۰۔

۲۔ مسلم، کتاب الجنة، باب فیمن یود رؤیة النبی ﷺ باهله وماله، ح۲۸۳۲۔

دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کی اطاعت واتباع ہمارے لیے آسان ہو جائے گی کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو سکے کہ انفرادی و اجتماعی طور پر زندگی کے سیاسی، معاشی، نجی وخانگی اور معاشرتی وتمدنی معاملات میں آپؐ کی ہدایات کیا ہیں، تب تک ان معاملات میں آپ کی اطاعت واتباع کی ہی نہیں جاسکتی اور ظاہر ہے آپؐ کی احادیث اور سیرت وسوانح کے مطالعہ ہی سے ہمیں ان چیزوں سے واقفیت ہوگی۔

۳)...... نبی علیہ السلام کی صحبت کی خواہش اور آپؐ کے دیدار کا شوق

نبی کریم ﷺ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپؐ کے دیدار کی خواہش کی جائے، کیونکہ خود آپؐ نے اپنے دیدار کی خواہش کو اپنی محبت کی ایک علامت قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ اِلَیَّ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْرَآنِیْ بِاَھْلِہٖ وَمَالِہٖ))

''مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے میری امت کے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کی یہ خواہش ہوگی کہ وہ میرا دیدار کرلیں خواہ اس کے لیے انہیں اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑے۔''(۱)

جب آپ ﷺ اپنے دیدار کی خواہش کرنے والے کو خود ہی اپنا محبّ قرار دے رہے ہیں، تو ان لوگوں کا کیا مقام ہوگا جنہوں نے اپنی حیات میں آپ کا دیدار کیا اور بار ہا کیا......!!

اس بارے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((طُوْبٰی لِمَنْ رَاٰنِیْ وَطُوْبٰی لِمَنْ رَاٰی مَنْ رَآنِیْ وَلِمَنْ رَآی مَنْ رَآی، مَنْ رَآنِیْ وَآمَنَ بِیْ))

''اس شخص کے لیے [جنت کی] خوش خبری ہے جس نے مجھے دیکھا اور خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے مجھے دیکھنے والے [یعنی میرے کسی صحابی] کو دیکھا اور خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے اس شخص کو دیکھا، جس نے مجھ پر ایمان لانے والے کسی صحابی کو دیکھا ہے۔''(۲)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ

((طُوْبٰی لِمَنْ رَاٰنِی وَآمَنَ بِیْ وَطُوْبٰی سَبْعَ مَرَّاتٍ لِمَنْ لَمْ یَرَنِیْ وَآمَنَ بِیْ))

''اس شخص کے لیے [جنت کی] خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لے آیا۔ اور اس شخص کے لیے تو سات مرتبہ خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا نہیں مگر پھر بھی مجھ پر ایمان لے آیا۔''(۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت ﷺ سے اتنی محبت تھی کہ وہ آپ ﷺ کے دیدار اور آپ کی صحبت نشینی کی ہر وقت شدید تمنا رکھتے تھے، بطورِ مثال چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب فیمن یود رؤیۃ النبیؐ باھلہ ومالہ، ح۲۸۳۲۔

۲۔ حاکم، ۸۶/۳۔ مجمع الزوائد، ۲۰/۱۰۔ السلسلۃ الصحیحۃ، ح۱۲۵۴۔ ۳۔ السلسلۃ الصحیحۃ، ح۱۲۴۱۔

☆......بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا:
اے اللہ کے رسولؐ! میں بغیر کسی شک کے یہ کہتا ہوں کہ آپؐ مجھے میری جان سے بڑھ کر عزیز ہیں اور میری اُولاد سے بھی زیادہ آپؐ مجھے محبوب ہیں اور سچی بات ہے کہ جب میں گھر پر ہوتا ہوں اور آپ کی یاد مجھے ستاتی ہے تو جب تک میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا دیدار نہ کرلوں، مجھے اطمینان اور چین نہیں آتا لیکن جب مجھے اپنی اور آپ کی موت یاد آتی ہے تو میں جان لیتا ہوں کہ آپؐ تو جنت میں انبیاء کے ساتھ ہوں گے مگر میں جنت میں داخل ہوا بھی، تو آپ کا وہاں دیدار ہی نہ کرسکوں گا۔ [یعنی آپؐ تو بلندتر مقام پر ہوں گے اور میری وہاں تک رسائی نہ ہوگی، اس بات سے مجھے فکر لاحق ہوتی ہے کہ جنت میں جب آپ کی یاد آئے گی تو میں آپ کا دیدار کیسے کروں گا؟]
آپؐ نے ابھی اپنے اس محب کو کوئی جواب نہ دیا تھا کہ حضرت جبریلؑ یہ آیت لے کر نازل ہوگئے:
﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [سورة النسآء:٦٩]
''اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔''(١)
یعنی جسے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت ہوگی، اسے جنت میں بھی حضورؐ کا ساتھ نصیب ہو جائے گا۔ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ ہمیں بھی تیرے رسولؐ کے ساتھ محبت ہے، پس تو ہمیں بھی روزِ آخرت اپنے حبیبؐ کا ساتھ نصیب فرما، آمین!
☆ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ بیان فرماتے ہیں کہ
((كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوَغَيْرَ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ ! قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ))
''میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں رات بسر کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں آپؐ کے لیے وضو کا پانی اور اشیائے حاجت لے کر حاضر ہوا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا: ربیعہ! کوئی فرمائش ہے تو پیش کرو۔ ربیعہ کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں جنت میں آپؐ کا ساتھ مانگتا ہوں۔ آپؐ نے کہا: کوئی اور بھی فرمائش ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر اس فرمائش کے پورا کروانے میں بہت زیادہ نوافل پڑھ کر میری مدد کرو۔''(٢)
معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو اپنی حیات میں بھی اللہ کے رسول ﷺ سے شدید محبت تھی اور آپؐ کے دیدار کے وہ متمنی رہتے تھے اور وفات کے بعد بھی وہ آپؐ کا ساتھ چاہتے تھے۔ ہم لوگ چونکہ آپ کی زیارت سے محروم رکھے گئے ہیں اس لیے ہمیں آپ

١۔ مجمع الزوائد، ج٢ ص٢۔ المعجم الصغیر، ج١ ص٢٦۔ الصحیح المسند من اسباب النزول، ص٤٦، لمقبل بن هادی۔
٢۔ صحیح مسلم ؛ کتاب الصلاة، باب فضل السجود ......ح٤٨٩۔ ابوداؤد، کتاب التطوع، ح١٣١٦۔

کی زیارت کی خواہش ضرور رکھنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے اس زندگی میں اللہ تعالیٰ جسے چاہیں بذریعہ خواب اپنے نبی کی زیارت کی سعادت نصیب فرمادیں۔ علاوہ اَزیں ہمیں ایسے اَعمال بجالانے چاہییں جن سے قیامت کے روز ہمیں آپ ﷺ کا ساتھ نصیب ہوجائے۔

خواب میں نبی کریمؐ کی زیارت کے لیے بعض گمراہ کن طریقے

اس بات میں شک نہیں کہ اللہ جسے چاہیں خواب میں اپنے پیغمبر کا دیدار کروادیں اور یہ دیدار کرنے والے کے لیے بڑے نصیب کی بات ہے مگر شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ موقع بھی خالی نہیں جانے دیا۔ بہت سے لوگوں کے بارے ہم نے سنا اور دیکھا ہے کہ وہ حضورؐ کے دیدار کروانے کے نام پر خود بھی گمراہانہ کام کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہی میں دھکیل رہے ہیں۔ یہ لوگ جادوئی عملیات کے سہارے، جنات وشیاطین کی مدد لے کر، یا نفسیاتی طور پر ہپناٹائز کر کے لوگوں کو یہ باور کرواتے ہیں کہ انہیں نہ صرف خواب میں بلکہ جیتے جاگتے بھی اللہ کے رسول کا دیدار کروایا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے آنے والے سے بعض اوقات کفریہ وشرکیہ عمل بھی کروائے جاتے ہیں اور لمبے لمبے مراقبے بھی۔ ان مراقبوں کے دوران کئی نمازیں بھی ضائع کی جاتی ہیں۔ آپ خود ہی یہ فیصلہ کر لیجیے کہ زیارتِ مصطفیٰؐ کے نام پر ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے کفر و شرک کی بو بھی آئے اور فرض نمازیں بھی ضائع ہوں، درست ہوسکتا ہے......؟!

پھر یہ بھی یاد رہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ہرگز کوئی ایسا وظیفہ نہیں بتایا کہ جسے پڑھ کر آپ جب چاہیں، حضورؐ کا دیدار فرمالیں۔ اگر کوئی اس بات کا دعویٰ کرے تو اس سے صرف اتنا پوچھ لیجیے کہ اس دعوے کی تصدیق قرآن کی کس آیت یا اللہ کے رسول کی کس حدیث سے ہوتی ہے؟ اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا......!

اسی طرح یہ بھی یاد رکھیں کہ جسے خواب میں اللہ کے رسولؐ کا دیدار نہ ہو، یہ اس کے ایمان کی خرابی کی علامت نہیں ہے اور نہ ہی قرآن یا کسی صحیح حدیث میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ زندگی میں ایک آدھ مرتبہ اللہ کے رسول کا دیدار لازمی ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو پھر تابعین سے لے کر آج تک ان ہزاروں، لاکھوں پختہ ایمان والوں کے بارے کیا کہا جائے گا جنہوں نے اللہ کے رسولؐ کے دیدار کے لیے نہ تو چلّے کاٹے اور نہ کوئی خاص وظیفے کیے اور نہ ہی انہوں نے حضورؐ کے دیدار کا دعویٰ کیا بلکہ آپؐ کے دیدار اور زیارت سے محرومی کی حالت ہی میں فوت ہوگئے......!!

زیارتِ مصطفیٰؐ کے سلسلہ میں مجھے ایک دلچسپ بات یاد آگئی وہ بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ میرے ایک دوست کا قریبی رشتہ دار جو نماز روزے وغیرہ کے معاملے میں تو بس کمزور ہی تھا مگر اس بات کا بڑا مشتاق تھا کہ اسے خواب یا بیداری میں کسی طرح اللہ کے رسولؐ کا دیدار نصیب ہوجائے۔ اس مقصد کے لیے اسے جو کہا جاتا وہ کر گزرتا۔ اگر کسی کے بارے علم ہوتا کہ اسے اللہ کے رسولؐ کا دیدار نصیب ہوا ہے تو اس کے پاس پہنچ جاتا، تاکہ اسے بھی وہ فارمولا ہاتھ آجائے جس کی مدد سے یہ بھی جب چاہے اللہ کے رسولؐ کا دیدار کرلیا کرے۔ اسی تگ ودو میں وہ ایک گمراہ آدمی کے ہاتھ چڑھ گیا اور عجیب وغریب عملیات اور وظیفے کرنے لگا۔ بالآخر چار سال کی طویل جدوجہد کے بعد ایک مرتبہ اس نے یہ کہہ ہی دیا کہ میں بھی اللہ کے رسولؐ کے دیدار

کی سعادت پا چکا ہوں اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ چار مرتبہ مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی ہے۔ میں نے جب بھی اس بارے اس سے گفتگو کرنا چاہی، اس نے انکار کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے صرف یہ بتا دو کہ اللہ کے رسول کا چہرہ کیسا تھا۔ اس نے اللہ کے رسولؐ کے چہرے کی وضع قطع بتانا شروع کر دی، اسی دوران وہ کہنے لگا کہ اللہ کے رسولؐ کے چہرہ مبارک پر داڑھی نہیں تھی۔ میں نے جب یہ بات سنی تو اس سے کہا بس کرو، مجھے علم ہو گیا ہے کہ تم نے اللہ کے رسول کو نہیں دیکھا کیونکہ صحیح احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے چہرہ مبارک پر داڑھی تھی۔ یہ بغیر داڑھی والا ممکن ہے کوئی اور ہو مگر اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا۔ بعد میں مجھے یقین ہو گیا کہ شیطان اسے گمراہی کی طرف لے جا رہا ہے کیونکہ اس نے یہ کہتے ہوئے داڑھی منڈوا دی تھی کہ ''مجھے خواب میں جو نبی دکھائی دیا ہے وہ داڑھی منڈا تھا، لہٰذا داڑھی رکھنا سنتِ رسول نہیں ہے۔'' [استغفر اللّٰہ......!!]

۴)......ذکر و نعت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی ایک علامت ہے آپ کا ذکر اور آپ کی نعت۔ آپؐ کے ذکر و نعت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اچھے الفاظ سے یاد کیا جائے۔ آپ کی تعریف کی جائے۔ آپ کی مدح میں نعت لکھی یا کہی جائے۔ یاد رہے کہ آپ کا ذکر و نعت خود ہماری ضرورت ہے، اللہ کے رسولؐ اس کے محتاج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے:

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ [سورة الانشراح:٤]

''ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کر دیا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل فرمایا اور آپ کے ذکر کا آوازہ بلند کرنے کی خود ذمہ داری اٹھائی۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے اس وقت کہی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے اور لوگوں کی اکثریت آپ کے مخالف تھی بلکہ وہ آپ کو معاذ اللہ نیست و نابود کر دینے کے درپے تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان حالات ہی میں آپ کو یہ پیش گوئی فرما دی کہ آپ کا چرچا، چار سو ہو گا اور یہ ہماری ذمہ داری ہے، چنانچہ اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات سے نوازا اور آپ کا دین دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا بلکہ اس کے ساتھ آپ کا نام بھی رہتی کائنات تک زندہ کر دیا۔

اذان، نماز، قرآن اور دین کے ہر اہم معاملے میں آپ کا نام مبارک شامل کر دیا گیا۔ آج دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں مسلمان آباد نہ ہوں اور جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں پانچ وقت نماز پڑھی جاتی اور اذان کہی جاتی ہے، اذان میں دو مرتبہ اور نماز میں اس سے زیادہ مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جاتا ہے۔ اذان اور نماز کا وقت پوری دنیا میں مختلف ہے اور دن رات کا کوئی حصہ ایسا نہیں جب دنیا میں کہیں نہ کہیں اذان یا نماز کا وقت نہ ہو۔ گویا پوری دنیا میں ہر وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا جا رہا ہوتا ہے۔ دنیا ہی نہیں آسمان پر فرشتوں کی محفل میں اللہ تعالیٰ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے اور آپ پر اپنی رحمتیں بھیجتے ہیں...... صلی اللّٰہ علیہ وعلی آلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ''مُحَمَّدٌ'' قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے۔ اس نام کے پانچ حروف ہیں اور قرآن مجید کے ایک حرف

پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس نیت کے ساتھ ایک مرتبہ اگر لفظ مُـحَـمَّـدٌ کہا جائے تو پچاس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کا نام نامی اسمِ گرامی جہاں مسلمان عقیدت واحترام سے لیتے ہیں، وہاں وہ اسے باعثِ اَجر بھی سمجھتے ہیں۔ یہ بھی آپ ﷺ کے رفعِ ذکر کی ایک علامت ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ذکر اور آپ کی نعت جہاں آپؐ سے محبت کی علامت ہے، وہاں اس سلسلہ میں افراط وتفریط بھی پائی جاتی ہے۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر زندہ زبانوں میں آپ ﷺ کی شان رسالت میں لکھی گئی نعتوں میں کئی نعتیں ایسی بھی ہیں جن میں آپ ﷺ کی شان میں حد سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بعض جگہ تو شاعر آپ ﷺ کی شان اس مبالغہ آرائی سے بیان کرتا ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر وشریک بنا چھوڑتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی ہر بات اسلام کے عقیدۂ توحید کے منافی ہے اور خود نبی اکرم ﷺ بھی ایسی کوئی بات برداشت نہیں کرتے تھے جس کی عقیدۂ توحید پر زد پڑتی خواہ وہ بات آپؐ ہی کی شان میں کیوں نہ کہی جا رہی ہوتی مثلاً ایک مرتبہ آپؐ کے سامنے آپ کی شان میں یہ شعر پڑھا گیا:

((وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ))

''اس وقت ہمارے درمیان وہ نبی موجود ہیں جنھیں آنے والے دنوں کی باتیں بھی معلوم ہیں۔''(۱)

اس پر نبی اکرمؐ نے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ نہ کہو۔'' کیونکہ اس شعر میں آپؐ کے بارے علمِ غیب کا دعویٰ کیا گیا تھا جبکہ آپؐ ہی نے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی غیب دان نہیں۔ اس لیے آپؐ نے اس طرح کی بات پر فوراً ٹوک دیا۔ اگر آپؐ غیب دان ہوتے تو آپؐ اس شعر پر ہرگز نہ ٹوکتے بلکہ اس کی تائید ہی فرماتے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ جب چاہتے، بذریعہ وحی اپنے نبی کو غیب کی کسی بات سے مطلع کر دیتے۔

[6]...... نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنا

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر صلاۃ [درود] بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم [بھی] ان پر صلاۃ [درود] بھیجو اور خوب سلام [بھی] بھیجتے رہا کرو۔'' [سورۃ الاحزاب:۵۶]

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی نبی پر صلوۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ آپؐ پر اللہ اور فرشتوں کے صلوۃ وسلام بھیجنے کا کیا مطلب ہے اور ہم آپؐ پر کس طرح صلاۃ وسلام بھیجیں، اس کی وضاحت کے لیے درج ذیل تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

''صلاۃ کا لفظ جب عَلٰى کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں۔ ایک کسی پر مائل ہونا، اس کی طرف

۱۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح، ح۴۷ ۱ ۵۔

محبت کے ساتھ متوجہ ہونا اوراس پر جھکنا۔ دوسرے کسی کی تعریف کرنا۔ تیسرے کسی کے حق میں دعا کرنا۔ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے گا تو ظاہر ہے کہ تیسرے معنی میں نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ کا کسی اور سے دعا کرنا قطعاً نا قابلِ تصور ہے۔ اس لیے لامحالہ وہ صرف پہلے دو معنوں میں ہوگا لیکن جب یہ لفظ بندوں کے لیے بولا جائے گا، خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان تو وہ تینوں معنوں میں ہوگا۔ اس میں محبت کا مفہوم بھی ہوگا، مدح وثنا کا مفہوم بھی اور دعائے رحمت کا مفہوم بھی۔ لہٰذا اہل ایمان کو نبی ﷺ کے حق میں صَلُّوا عَلَيْهِ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ، ان کی مدح وثنا کرو، اوران کے لیے دعا کرو۔ سَلَام کا لفظ بھی دو معنی رکھتا ہے۔ ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا، جس کے لیے ہم اردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں۔ دوسرے صلح اور عدم مخالفت۔ پس نبی ﷺ کے حق میں سَلِّمُوا تَسْلِيْمًا کہنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح دل وجان سے ان کا ساتھ دو، ان کی مخالفت سے پرہیز کرو اوران کے سچے فرمانبردار بن کر رہو۔ یہ حکم جب نازل ہوا تو متعدد صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ، سلام کا طریقہ تو آپ ہمیں بتا چکے ہیں (یعنی نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اور ملاقات کے وقت اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰه کہنا) مگر آپؐ پر صلاۃ بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے بہت سے لوگوں کو مختلف مواقع پر درود سکھائے ہیں''۔(۱)

درود کے صحیح الفاظ

نبی اکرمؐ پر کن الفاظ میں درود پڑھا جائے، اس بارے خود آپؐ نے اپنے صحابہ کو مختلف درود سکھائے ہیں۔ بعض اہل علم نے درود سے متعلقہ روایات کو جمع کرنے کی بھی کوشش کی ہے مثلاً حافظ ابن قیمؒ نے اس موضوع پر جلاء الافهام فى الصلاة والسلام على خير الانام کے نام سے ایک عمدہ کتاب لکھی جس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ اس میں مصنف نے درود سے متعلقہ اَحادیث اور علمی نکات جمع کر دیے ہیں۔

درود وسلام کے سلسلہ میں اس بات کا خاص اہتمام کیا جائے کہ درود کے لیے وہی الفاظ [صیغے] استعمال کیے جائیں جن کا ثبوت صحیح اَحادیث سے مل جائے۔ بعض لوگوں نے اپنی طرف سے کئی درود بنا رکھے ہیں، اور خود ہی ان کی من مانی فضیلتیں بھی بیان کر دی ہیں۔ دین کے نام سے کوئی عمل ایجاد کر لینا یقیناً بہت بڑی جسارت ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے حضور جو سزا ملے گی وہ تو ضرور ملے گی، تاہم جان بوجھ کر اَحادیث سے ثابت شدہ درود چھوڑ کر لوگوں کے بنائے ہوئے ایسے درود (جن پر ثواب کی مہریں بھی انہوں نے لگا رکھی ہوں) پڑھنے والے کو بھی اَجر وثواب کی بجائے گناہ ہی حاصل ہوگا......!

ذیل میں صرف وہ ایک درود ذکر کیا جا رہا ہے جو بخاری ومسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور بالاتفاق جسے نماز میں بھی پڑھا جاتا ہے، ہمارے نزدیک سب سے بہتر یہی درود ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے بھی صحابہ کو یہی درود سکھایا تھا۔ مختلف روایتوں میں اس کے الفاظ میں کچھ فرق اور تقدیم وتاخیر بھی ہے، مگر مجموعی طور پر اس کا مفہوم قریب قریب ہے اور وہ درود یہ ہے:

۱۔ تفهيم القرآن، ج٤ ص ١٢٤، ١٢٥۔

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ))

''یا اللہ! رحمت نازل فرما حضرت محمدؐ پر اور ان کی آل پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر۔ بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت فرما حضرت محمدؐ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر۔ بلاشبہ تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔''(۱)

درود وسلام کی فضیلت

درود وسلام کی فضیلت کے سلسلہ میں بہت سی احادیث مروی ہیں، چند صحیح احادیث ملاحظہ ہوں:

۱)......((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ:مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا))(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔'' ایک روایت میں اس طرح ہے:

۲)......((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ))

''جس شخص نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اور اس کے دس گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور اس کے دس درجات بلند فرما دیتے ہیں۔''(۳)

۳)......((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلَاۃً))

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز میرے سب سے نزدیک وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہے۔''(۴)

۴)......ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے سنا کہ ایک آدمی اپنی نماز میں دعا کر رہا ہے مگر اس نے دعا میں نہ اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور نہ آپؐ پر درود وسلام بھیجا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس نے جلد بازی سے کام لیا۔ پھر اللہ کے رسولؐ نے لوگوں کو دعا [کے آداب] کے بارے میں تعلیم دی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ رسول اللہ نے ایک اور آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے سنا کہ اس نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا [پھر دعا کرنے لگا] تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے لیے فرمایا:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ۱۰ ح ۳۳۷۰۔ صحیح مسلم، ح ۴۰۵۔
۲۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ......، ح ۴۰۸۔
۳۔ سنن نسائی، کتاب السھو، باب الفضل فی الصلاۃ علی النبی ﷺ، ح ۱۲۹۸۔ مستدرک حاکم، ج ۱ ص ۱۶۷۔
۴۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ ......، ح ۴۸۴۔ فتح الباری، ج ۱۱ ص ۱۶۷۔

((اُدْعُ تُجَبْ وَسَلْ تُعْطَ))

''دعا کرو تمہاری دعا قبول ہوگی، اور مانگو تمہاری مراد اللہ پوری کرے گا۔''(۱)

۵)......حضرت ابی بن کعبؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں آپؐ پر بکثرت درود وسلام بھیجتا ہوں، مجھے بتایئے کہ میں اپنی دعا میں سے کتنا وقت درود وسلام کے لیے مختص کروں؟ آپؐ نے فرمایا: جتنا تم چاہو، میں نے عرض کیا: ایک چوتھائی کافی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جتنا تم چاہو، اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا: آدھا کافی ہے؟ آپؐ نے پھر فرمایا: جتنا تم چاہو، میں نے کہا دو تہائی؟ آپؐ نے پھر یہی فرمایا کہ جتنا تم چاہو۔ پھر میں نے کہا کہ

((اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا))

''میں اپنی دعا کا سارا وقت آپؐ پر درود وسلام کے لیے مختص کرتا ہوں۔'' تو آپؐ نے فرمایا:

((اِذًا تُكْفٰى هَمُّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ))(۲)

''پھر تو تمہاری ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی اور تمہارے سارے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔''

۶)......((عن ابی هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺ : رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص ذلیل ہو جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''(۳)

۷)......((عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ: اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ))

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''(۴)

[7]......آپ ﷺ کی محبوب چیزوں سے محبت اور مبغوض چیزوں سے نفرت

آنحضرت ﷺ سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے محبت کی جائے جن سے آپ محبت کرتے تھے اور ان تمام چیزوں سے نفرت کی جائے جن سے آپ نفرت کرتے تھے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ آپ کو اچھے اور نیک کام مثلاً سچائی، حلم وبردباری، نماز، روزہ، خوشبو، داڑھی، مسواک وغیرہ سے محبت تھی جبکہ گناہ اور برے کام مثلاً نشہ آور اشیاء، بداخلاقی، گالی گلوچ اور کفر وشرک وغیرہ سے نفرت تھی۔

۱۔ نسائی، کتاب السهو، باب التمجيد والصلاة ... ح۱۲۸۵۔ احمد، ج۶ ص۱۸۔ صفة صلاة النبيؐ، للالبانیؒ، ص۱۰۸۔

۲۔ حاکم، ج۲ ص۴۲۱۔ ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب فی الترغيب فی ذکر الله، ح۲۶۵۷۔ احمد، ج۵ ص۱۳۶۔

۳۔ ترمذی، کتاب الدعوات، باب رغم انف رجل ذکرت عنده..... ح۳۵۴۵۔ مستدرك حاکم، ج۱ ص۵۴۹۔

۴۔ ترمذی، ایضاً، ح۳۵۴۶۔ مسند احمد، ج۱ ص۲۰۱۔

آپ کی محبوب اور مبغوض چیزوں کی تفصیلات کتب سیرت میں ملتی ہیں۔ یہاں ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، تاہم اس موضوع کی تفصیلات کے لیے ہماری دو کتابوں: (۱) انسان اور نیکی (۲) انسان اور گناہ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

حضور علیہ السلام کی محبت میں سگِ مدینہ کہلانا

بعض لوگ آپ ﷺ سے محبت میں آپ کے شہر مدینہ کی ہر چیز سے محبت کا اظہار کرتے ہیں حتی کہ وہاں کے کتوں سے بھی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو سگِ مدینہ (یعنی مدینہ کا کتا) کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ محبتِ رسول میں غلو ہے لہٰذا اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور دیگر مخلوقات کے مقابلے میں انسان کا انسان ہونا ہی باعثِ شرف ہے۔ اگر کوئی شخص انسان ہونے کے باوجود اپنے آپ کو جانوروں سے مشابہت دے تو وہ گویا اللہ کے عطا کردہ شرف کی بے حرمتی کرتا ہے۔ اللہ ہمیں ہدایت دے۔

یہ بھی یاد رہے کہ کتا ایک ایسا جانور ہے کہ جس گھر میں یہ موجود ہو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے اور جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اسے سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب ایک ایسا جانور جس سے کھانے پینے کی چیزیں دور رکھنے کا حکم دیا گیا ہو، جسے گھروں اور مسجدوں میں داخل ہونے سے روکا جا رہا ہو، اس کے ساتھ مشابہت کتنی بدبختی کی بات ہے۔ بعض بدبختوں اور نافرمانوں ہی کی آنحضرتؐ نے اس جانور کے ساتھ مثال دی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَائِدُ فِیْ ھِبَتِہٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِہٖ، لَیْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ))

''تحفہ دے کر اسے واپس مانگنے والا ایسے ہی ہے جیسے وہ کتا جو قے کر کے اسے چاٹنا شروع کر دیتا ہے، ہمیں چاہیے کہ اس بری مثال کا مصداق بننے سے بچیں۔''(۱)

اللہ کے رسول ﷺ تو کتے کی مثال بننے سے منع کریں مگر اس کے باوجود اشرف المخلوقات سے تعلق رکھنے والا کوئی انسان اگر سگِ مدینہ کہلانے میں فخر محسوس کرے تو پھر اللہ ہی اسے ہدایت دے......!!

[8]...... نبی کریم ﷺ کی سنت کی نصرت ومحافظت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی پانے والوں کی علامات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ...... فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الاعراف: ۱۵۷]

''جو لوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں...... سو جو لوگ

۱۔ نسائی، کتاب الھبة، باب ذکر الاختلاف علی طاؤس فی الراجع فی ھبتہ۔ ترمذی، کتاب الھبة۔

اس نبی پر ایمان لاتے ہیں، اوران کی حمایت کرتے ہیں اوران کی مدد کرتے ہیں اوراس نور[قرآن] کی اتباع کرتے ہیں جواس کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

اس آیت میں اگرچہ نبی ﷺ کی زندگی میں آپ کی نصرت کا ذکر ہے مگر نبی کی رحلت کے بعد اس نصرت کی صورت یہ ہے کہ آپ کی سنت کی نصرت ومحافظت کی جائے۔ یہ آپؐ سے اظہارِ محبت کا ایک طریقہ بھی ہے اور آپؐ پر ایمان لانے کا تقاضا اور مطالبہ بھی۔ یہی بات قرآن میں ایک جگہ اس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴾[سورة الفتح:۸،۹]

''(اے نبیؐ!) یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ (اے مسلمانو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرو۔''

اس آیت میں بھی ایمان والوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کا حکم دیا گیا ہے، آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں تو آپ کے صحابہؓ نے اس قرآنی حکم کو کماحقہ پورا کر دکھایا، اور آپ کے بعد تا قیامت ایمان والوں کے لیے اس حکم پر عمل کی اب یہی صورت ہے کہ وہ آپ ﷺ کی سنت وحدیث کی نصرت وحفاظت فرمائیں۔

سنتِ رسول کی حفاظت کرنے والوں کو آپ ﷺ نے جنت کی بشارت بھی سنائی ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ))(۱)

''جس شخص نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''

سنت کی نصرت وحفاظت کے بارے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ))

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے کوئی بات [یعنی حدیث] سنی اور اسے اسی طرح آگے پہنچا دیا جس طرح سنا تھا۔''(۲)

[9]......حضور نبی کریم ﷺ کی اَزواج اور آل سے محبت

آپ ﷺ سے محبت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپؐ کے اہل بیت سے بھی عقیدت ومحبت رکھی جائے۔ جن عورتوں کو آپؐ سے شرفِ زوجیت حاصل ہوا، بلاتفریق آپ کی ان سب ازواجِ مطہرات سے عقیدت رکھی جائے کیونکہ وہ

۱۔ ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة...ح۲۶۷۸۔
۲۔ ایضاً، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع، ح۲۶۵۷۔

پیغمبر اسلام کے حبالۂ عقد میں آ گئی ہیں اور انہیں اللہ کی طرف سے اس امت کی ماؤں کا درجہ حاصل ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ماؤں کے اَدب واحترام کے منافی کوئی حرکت نہیں کی جاسکتی اور اگر کوئی بے وقوف سگی ماں کے اَدب واحترام کے منافی کوئی حرکت کر بیٹھے تو زیادہ سے زیادہ اسے گستاخ، گنہگار اور نافرمان ہی کہا جاسکتا ہے لیکن اس امت کی روحانی ماؤں یعنی آنحضرت کی ازواجِ مطہرات کی شان کے منافی بات کرنے والا گستاخ ہی نہیں بلکہ اس کا ایمان ضائع ہونے کا بھی شدید خطرہ ہے۔

قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کے اہلِ بیت کی فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾[الاحزاب:۳۳]

''اے نبی کے اہل بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔''

اس آیت میں اہلِ بیت کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ہے: ''اہلِ خانہ، یا گھر والے''۔ اور ظاہر ہے آدمی کے اہل خانہ میں اس کی بیوی اور بچے دونوں شامل ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں اہلِ بیت کے مفہوم میں آنحضرت ﷺ کی تمام بیویاں اور بچے بھی شامل ہیں۔ بعض لوگ اس آیت سے صرف رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہی مراد لیتے ہیں جبکہ بعض اس سے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، اور ان کے دونوں بیٹے حضرت حسنؓ وحسینؓ مراد لیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی باقی اولاد اور بعض بیویوں کو اس سے خارج قرار دیتے ہیں مگر یہ دو انتہائیں ہیں۔ اسی لیے جمہور اہلسنت کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی تمام بیویاں اور ساری اَولاد آپؐ کے اہل بیت ہیں اور آپؐ سے قرابت کی وجہ سے امت کے لیے حد درجہ لائق احترام ہیں۔

آپ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ ان کے علاوہ تین بیٹے بھی ہوئے مگر وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ آپ کی بیٹیوں کے بارے میں بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ آنحضرت کی سگی بیٹی صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھی۔ اس کے علاوہ آپ کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ مگر یہ بات صریح طور پر غلط ہے۔ قرآن مجید میں آپ کی بیٹیوں کے بارے میں جمع کا صیغہ بولا گیا ہے [دیکھیے: سورۃ الاحزاب، آیت ۵۹] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں۔ پھر بہت سی احادیث وروایات میں بھی آپ کی باقی بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس لیے بلا تعصب آپ کی سب بیٹیوں سے ایک سی عقیدت رکھنی چاہیے۔

[10]..... نبی کریم ﷺ کے جانثار اور وفادار صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت

جو شخص قرآن مجید کو اللہ کی سچی کتاب تسلیم کرتا ہے، اسے یہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کی خود گواہی دی ہے اور ان صحابہؓ کے لیے اللہ نے اپنی رضا مندی اور جنت کی خوشخبری بھی سنائی ہے، کیونکہ انہوں نے ہر تنگی اور مصیبت کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیا۔ بطورِ مثال چند آیات اور صحیح اَحادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱)...... ﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم

مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾[سورۃ الانفال:۷۴]

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد پہنچائی۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں،ان کے لیے [اللہ کی طرف سے] بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔''

○ اللہ کے رسول کی زندگی میں آپ پر ایمان لانے کے بعد ہجرت اور جہاد کرنے والوں میں وہ سب صحابہؓ شامل ہیں جنہیں مہاجرین کہا جاتا ہے اور انہیں جگہ دینے والوں سے مراد مدینہ کے وہ صحابہؓ ہیں جنہیں انصار [یعنی مددگار] کہا جاتا ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِن تمام صحابہ کے ایمان اور سچائی کی خود گواہی دے دی ہے۔ کیا اب کسی مسلمان کے لیے ان صحابہؓ کے ایمان پر شک کی گنجائش رہ جاتی ہے!

۲)......﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ [سورۃ التوبۃ:۱۰۰]

''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں،اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

○ اس آیت میں تین گروہوں کا ذکر ہے :ایک مہاجرین کا،جنہوں نے دین وایمان کی خاطر مال ودولت اور گھر بار کی قربانیاں دیتے ہوئے ہجرت کی اور دوسرا انصار کا جنہوں نے ہجرت مدینہ کے موقع پر ان مہاجرین کی دل کھول کر مدد کی اور تیسرا وہ گروہ ہے جو ان صحابہ کے بعد آیا۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ تیسرا گروہ تابعین کا ہے جبکہ بعض کے نزدیک اس تیسرے گروہ میں قیامت تک آنے والا ہر وہ مسلمان شامل ہے جو ان صحابہؓ سے محبت رکھتا اور ان کے نقش قدم پر چلتا ہوا فوت ہوا۔

اس آیت سے جہاں تک صحابہ کا تعلق ہے تو ان کے بارے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ شہادت دے دی کہ ''اللہ ان سب سے راضی ہوا،اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

ظاہر ہے ہمیشگی کی جنت تب ہی مل سکتی تھی جب صحابہ ایمان کی حالت میں فوت ہوتے۔ اگر وہ ایمان کی حالت پر فوت نہ ہوتے تو ان کے بارے اللہ تعالیٰ اپنی کتابِ مقدس میں کبھی یہ اعلان نہ فرماتے کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اس آیت سے ان لوگوں کی غلط فہمی بھی دور ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ ایمان تو صدقِ دل سے لائے تھے مگر نبی کریمؐ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہو گئے تھے۔ معاذ اللہ!

۳)......﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ

صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[سورۃالحشر:۸،۹]

''(نے کا مال)ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیے گئے ہیں، وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔ اور (یہ مال ان کے لیے ہے) جنہوں نے اس گھر (یعنی مدینہ) میں اور ایمان لانے میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور جو اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے کہ) جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔''

○ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کے صحابہ کے ایمان کی سچائی کا اعلان کیا ہے۔

٤)......﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾[سورة الفتح:۱۸]

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو تھا اسے اللہ نے معلوم کرلیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔''

○ درخت تلے حضورؐ سے بیعت کرنے والے یہ کون سے ایمان والے تھے جن سے اللہ خوش ہو گیا؟ ظاہر ہے یہ آپؐ کے صحابہؓ ہی تھے، جن کے ایمانی جذبہ اور دینی خدمات سے اللہ تعالیٰ خوش ہو گیا حتی کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کی طرف وحی کر دی کہ ان صحابہ کے لیے یہ اعلان فرمادیں:

((لَا يَدْخُلُ النَّارَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَةِ اَحَدٌ مِّنَ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَهَا))

''جن لوگوں نے درخت کے نیچے اللہ کے رسول کے ہاتھ بیعت کی تھی، ان میں سے کوئی ایک بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ ان شاء اللہ!''[۱]

٥)......((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ))

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم (مسلمانوں) میں سے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں، پھر وہ ہیں جو ان کے بعد کے زمانے میں آئیں گے پھر وہ ہیں جو ان کے بھی بعد کے زمانے میں آئیں گے۔''[۲]

۱۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل من اصحاب الشجرۃ، ح۲٤۹٦۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب لایشهد علی... ح۲٦٥۱۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، ح۲٥۳۳۔

○ اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو بعد میں آنے والے تمام مسلمانوں سے بہتر قرار دیا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں جو مسلمان تھے، وہ صحابہ ہی تھے۔ گویا صحابہ کے خیر القرون ہونے کی خود آنحضرتؐ نے گواہی دے دی۔

٦)......((عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ))

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو گالی نہ دو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کر دے تو وہ صحابہ میں سے کسی صحابی کے ایک آدھ مد [یعنی چند چھٹا نک] کیے ہوئے صدقہ کے اَجر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''(۱)

٧)......((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُهُمْ))

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''انصاری صحابہ سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔''(۲)

○ اس حدیث کے باوجود کسی صحابی سے کوئی شخص اگر بغض رکھتا ہے تو وہ اپنے بارے خود ہی فیصلہ کر لے!

٨)...... جنگ بدر میں تین سو سے زیادہ صحابہ شریک ہوئے۔ آپؐ نے ان سب کے بارے میں جنت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ))

''تم جو چاہو عمل کرو، تحقیق تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔''(۳)

صحابہ کرامؓ کے ایمان و تقویٰ اور مقام و مرتبہ کے حوالے سے ہم نے صرف چند آیات اور احادیث ذکر کی ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہؓ کے ایمان و اخلاص کے بارے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ اگر تعصب کی عینک اُتار کر ان چند دلائل ہی کا مطالعہ کر لیا جائے تو ان کے صاحب ایمان اور جنتی ہونے پر شرح صدر ممکن ہے اور اگر متعصبانہ ذہنیت ہو تو پھر ہزاروں دلائل بھی انسان کو قائل نہیں کر سکتے۔ اللہ ہمیں اپنے حبیبؐ کے محبوب صحابہؓ سے بھی محبت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

١۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، ح٣٦٧٣۔ مسلم، ایضاً، ح٢٥٤٠۔ ایک روایت میں ہے: لَا تَسُبُّوْا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِيْ...... ''میرے صحابہ میں سے کسی صحابی کو گالی نہ دو۔'' ایضاً، صحیح مسلم، ح٢٥٤١۔

٢۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حب الانصار من الایمان، ح٣٧٨٤۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان حب الانصار وعلی من الایمان۔

٣۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب فضل من شهد بدرا، ح٣٩٨٣۔

[11]......حضور نبی کریم ﷺ کے دشمنوں سے نفرت

نبی اکرم ﷺ کی محبت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جو لوگ آپؐ یا آپؐ کے دین یا آپؐ کے صحابہؓ وغیرہ سے حسد و کینہ اور بغض وعداوت رکھتے ہیں، ہمیں بھی ان کے ساتھ نفرت اور بغض وعداوت ہی رکھنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے رسولؐ سے محبت کا دعویٰ بھی کرے اور ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت بھی رکھے تو ایسا شخص اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھنے والوں کے بارے یہ کہا گیا ہے کہ

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ﴾ [سورة المجادلة:٢٢]

''اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، خواہ وہ [مخالفین] ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ [پھر ان ایمان والوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا] یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ جس دل میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہو، اس دل میں پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کے کھلے دشمنوں سے محبت نہیں ہو سکتی۔ اللہ ہمیں اپنا اور اپنے حبیب کا سچا محب بنا دے، اور آپ کی محبت پر دنیا جہاں کی ہر چیز قربان کرنے کا سچا جذبہ بھی عطا کر دے، آمین یارب العالمین!

[12]......نبی کریم ﷺ سے عقیدت و احترام

آپ ﷺ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپؐ سے گہری عقیدت رکھی جائے اور آپ کا حد درجہ احترام کیا جائے۔ اپنے قول وفعل سے کوئی ایسا اقدام نہ کیا جائے جو آپ ﷺ کے احترام کے منافی ہو۔ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے آپ کو اذیت پہنچے۔ ایک آدمی دنیا میں اپنے دوستوں، عزیزوں، بزرگوں اور والدین وغیرہ کو جتنا احترام دے سکتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ اس سے بھی کہیں زیادہ احترام کے لائق ہیں حتی کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں اونچی آواز سے بات کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کسی مسئلہ پر تکرار شروع ہوگئی اور وہ اونچی اونچی بولنے لگے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس ہی تشریف فرما تھے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾ [سورة الحجرات:٢]

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ نبیؐ سے ایسے اونچی آواز سے بات کرو جیسا کہ

آپس میں تم ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں [ایسا نہ ہو کہ] تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو!''(۱)

اسی طرح ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ دوپہر کو آرام فرمارہے تھے کہ کچھ گنوار [اعرابی، دیہاتی] قسم کے لوگ جو قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے، آئے اور آپ ﷺ کے حجرے سے باہر کھڑے ہو کر، عامیانہ انداز میں **یا محمدؐ!...... یا محمدؐ!**...... کہہ کر آپ ﷺ کو پکارنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ناشائستہ حرکت پر ان کی مذمت کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴾[سورة الحجرات:٤]

''جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر [بالکل] بے عقل ہیں۔''(۲)

اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں جہاں آپؐ پر صدقِ دل سے ایمان لانے اور آپؐ پر جان نثار کرنے والے صحابہ موجود تھے، وہاں کچھ ایسے منافق اور بدطینت لوگ بھی موجود تھے جو ہمیشہ اس موقع کی تلاش میں رہتے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے استہزاء کریں، طنز و تشنیع کریں اور پھبتیاں کسیں، آپ کی تعلیمات و فرمودات کا مذاق اڑائیں اور اپنے قول و فعل سے آپ کو اذیت پہنچائیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب انہوں نے از راہِ مذاق آپ کے اَدب و احترام کے منافی ایک بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾[سورة التوبة:٦١]

''ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کان کا کچا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لیے ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں، یہ ان کے لیے رحمت ہے۔ رسول اللہ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یہی بات ایک اور آیت میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴾ [الاحزاب:٥٧]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے نہایت رسوا کن عذاب ہیں۔''

آپ کی رحلت کے بعد اَدب و احترام کی صورت

گزشتہ آیات و احادیث میں آپ ﷺ کے ادب و احترام اور عزت و تکریم کے حوالے سے جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کا تعلق اگرچہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ سے تھا اور اس کے مخاطب بھی وہ لوگ تھے جو آپ کے دور میں موجود تھے مگر آپ ﷺ کی

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ﷺ، ح٤٨٤٥۔

۲۔ مسند احمد، ج٣ ص٤٨٨۔ ج٦ ص٣٩٤۔

رحلت کے بعد بھی ان آیات واحادیث کی معنویت باقی ہے اور وہ اس طرح کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر ہو، نہایت اُدب و احترام سے آپ ﷺ کا نام لیا جائے، آپ ﷺ کا نام لیتے یا سنتے وقت آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھا جائے، آپ ﷺ کی احادیث سنائی جائیں تو انہیں ہمہ تن گوش ہو کر سنا جائے، آپ ﷺ کے فرمودات واحکام اگر طبیعت پر گراں گزریں، تب بھی ان سے اعراض نہ کیا جائے۔

یہ تو ہے آپ ﷺ کا ادب واحترام۔ اور اگر آپ ﷺ کی احادیث سن کر سینے میں انقباض ہو، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ نفس پر شاق گزرے، آپ ﷺ کی سنتوں اور محبوب اَداؤں کو اپنانا بوجھ لگے تو سمجھ لیجیے کہ یہ سب باتیں آپ ﷺ کے عزت واحترام کے بالکل منافی ہیں۔

آپ ﷺ کے ادب واحترام اور عزت وتکریم کے سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رہے کہ کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جو آپ ﷺ کے احترام کی حدود سے تجاوز کر جائے مثلاً اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے ادب واحترام کے پیشِ نظر آپ ﷺ کی عبادت شروع کر دے یا آپ ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے تو ظاہر ہے اس کا یہ عمل انتہائی خطرناک ہے۔ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کے بارے میں اسی غلط فہمی کا شکار ہوئے اور انہوں نے اللہ کی عبادت کے ساتھ اپنے نبیوں کی بھی عبادت شروع کر دی اور اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ))

''مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسے عیسیٰ بن مریمؑ کو عیسائیوں نے ان کے مرتبے سے زیادہ بڑھا دیا۔ [یعنی انہیں رسول کی بجائے اللہ کا بیٹا اور اس کی عبادت میں شریک بنا دیا] میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا تم میرے بارے میں یہی کہو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''[1]

آپ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا

اللہ کے رسول ﷺ پر صدقِ دل سے ایمان لا کر جس طرح قلبی محبت ضروری ہے اسی طرح آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کر کے آپؐ سے ظاہری محبت کا ثبوت دینا بھی لازمی ہے، مگر افسوس کہ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت اور آپ کی سنت پر عمل کے جذبے سے بعض لوگ ایسے اعمال بھی بجالاتے ہیں جن کا سنت سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح کا ایک عمل آنحضرت ﷺ کا نامِ نامی سن کر انگوٹھے چومنا بھی ہے۔ اس مسئلہ میں میری تحقیق یہ ہے کہ کوئی ایسی صحیح حدیث موجود نہیں جس کے پیشِ نظر ایسا کرنا باعثِ ثواب قرار دیا جاسکتا ہو بلکہ اس سلسلہ میں جتنی بھی روایات ہیں وہ سب ضعیف اور ناقابلِ حجت ہیں[2]۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: واذکر فی الکتاب مریم...... ح ۳۴۴۵۔

۲۔ دیکھیے: ردالمحتار المعروف بہ فتاوٰی شامی، ج ۱ ص ۲۹۳۔ نیز دیکھیے: الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ۔

[13]...... گستاخِ رسولؐ کون؟!

اللہ کے رسول ﷺ سے گہری محبت ، سچی عقیدت اور جذباتی وابستگی ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ جو شخص سچے دل سے آپ ﷺ پر ایمان لاتا ہے اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ آپ کی شان میں کسی قسم کی بے اَدبی اور گستاخی کا مظاہرہ کرے گا بلکہ وہ اپنی معلومات کی حد تک آپ کی ہر سنت پر عمل کی پوری کوشش کرتا ہے مگر افسوس کہ ہمارے ہاں مسلکی تعصبات کی وجہ سے لوگ کسی چھوٹے سے مسئلہ کی وجہ سے بلا سوچے سمجھے فوراً ایک دوسرے کو گستاخِ رسول قرار دینے لگتے ہیں۔ یہ رویہ درست نہیں!

دراصل ہر شخص اپنے مبلغِ علم کی رو سے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں فلاں امور اللہ کے رسول ﷺ کی عقیدت واحترام کا حصہ ہیں اور فلاں فلاں امور آپ کی عقیدت واحترام کے منافی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز جسے ایک شخص اپنے نزدیک حد درجہ قابلِ احترام سمجھتا ہے وہی چیز دوسرے کے نزدیک آپ ﷺ کے اَدب واحترام ہی کے منافی ہو مثلاً ایک شخص روضۂ رسول کی طرف منہ کر کے دعا کرنا حضور ﷺ کی عقیدت کا حصہ سمجھتا ہو جبکہ دوسرے کے نزدیک ایسا کرنا شرک کا شبہ پیدا کرنے کی وجہ سے درست نہ ہو!

اسی طرح ہوسکتا ہے کہ ایک چیز ایک شخص کے نزدیک آپ ﷺ کی عقیدت واحترام کے لیے لازمی ہو جبکہ دوسرے کے نزدیک وہی چیز بدعت ہو مثلاً ایک شخص اذان سے پہلے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر درود پڑھنا یا آپ ﷺ کا نامِ نامی سن کر انگوٹھے چومنا آپ کی محبت کا حصہ سمجھتا ہو جبکہ دوسرے کے نزدیک یہی عمل اس لیے بدعت ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپؐ کے صحابہ سے اس بارے کوئی حتمی ثبوت نہیں ملتا!

اسی طرح ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے نعلین شریفین کی حفاظت پر ایک شخص اس لیے جان کی بازی لگادے کہ یہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک ہیں جبکہ دوسرا اس لیے اس موضوع پر بات کرنا بھی سعی لا حاصل سمجھتا ہو کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ واقعی یہ اللہ کے رسول ﷺ کے نعلین ہیں۔

اسی پر ان تمام مسائل کو قیاس کر لینا چاہیے جن کے کرنے یا نہ کرنے پر ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے لوگوں کو گستاخِ رسول قرار دے دیتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان امور کے کرنے یا نہ کرنے میں کسی فریق کے دل میں یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ معاذ اللہ آنحضرت ﷺ سے چڑ، یا بغض وعداوت کی وجہ سے یا اس کے برعکس آپ کو اللہ کی عبادت میں شریک سمجھتے ہوئے ایسا کر رہا ہے۔ نعوذ باللہ ایک مسلمان قصداً ان میں سے کسی بات کا ارتکاب نہیں کرسکتا اور اگر وہ کرے تو اس کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا......!!

اوپر ہم نے جن مسائل کی نشاندہی کی ہے، ان کا دارومدار عام طور پر کسی آیت یا حدیث سے استنباط کرنے یا کسی حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے پر ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک ایسے مسائل میں کسی فریق پر فتوی لگانے یا اسے گستاخِ رسول قرار دینے کی بجائے درست رویہ یہ ہے کہ خود بھی ان اختلافی مسائل میں مزید تحقیق کی جائے اور ایک دوسرے کو بھی پیار اور محبت کی فضا قائم رکھتے ہوئے دعوتِ تحقیق دی جائے اور جب کسی کے لیے حق واضح ہو جائے تو وہ دوسروں کی پروا کیے بغیر کم از کم اپنی حد تک اس پر عمل شروع کر دے اور دوسرے کے بارے میں یہی رائے قائم کرے کہ وہ بھی محبتِ رسول ہے مگر اس مسئلہ میں وہ غلط فہمی یا کم علمی کا شکار ہے۔

جس طرح کسی کی کم علمی یا غلط فہمی کی وجہ سے اس کے محبتِ رسول ہونے پر شک درست نہیں، اسی طرح کسی مسئلہ میں جانتے بوجھتے **اللہ کے رسول ﷺ کے کسی حکم کی مخالفت کا ارتکاب کرنے والے پر بھی گستاخ رسول کا لیبل چسپاں نہیں کیا جا سکتا** کیونکہ ہو سکتا ہے وہ ہم سے زیادہ محبتِ رسول ہے اور اپنی خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اطاعتِ رسولؐ میں کوتاہی کا مرتکب ہوا ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا جسے حمار (گدھا) کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ شخص شراب کی حرمت کے باوجود شراب پی لیتا۔ اسے کئی مرتبہ اس جرم کی سزا بھی دی گئی مگر اس سے پھر اس جرم کا ارتکاب ہو جاتا۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب اسے شراب پینے کے جرم میں کوڑے لگائے گئے تو حاضرین میں سے کسی شخص نے غصہ میں آ کر کہا:

((اَللّٰھُمَّ الْعَنْهُ مَا اَكْثَرَ مَا يُؤْتٰى بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ: لَا تَلْعَنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ))

''اللہ اس پر لعنت کرے، کتنی بار اسے اس جرم میں لایا گیا ہے!''

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! جہاں تک میری معلومات ہیں، یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہے......!''(۱)

بظاہر یہ شرابی تھا اور اس جرم میں کئی مرتبہ رنگے ہاتھوں پکڑا اور سزا بھی دیا گیا مگر اس کے باوجود اس کے دل میں اللہ کے رسول ﷺ کی محبت موجود تھی جس کی گواہی خود نبی اکرم ﷺ نے دی ہے......!

...... ☆ ......

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب مایکرہ من لعن شارب الخمر وأنه لیس بخارج من الملة، ح ۶۷۸۰۔

فصل ۳

نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع

[1].....اطاعتِ رسولؐ کے بارے میں چند اُصولی باتیں

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے اور آپؐ سے گہری عقیدت و محبت رکھنے کے بعد اصل چیز آپ ﷺ کی اطاعت واتباع ہے۔ آپؐ چونکہ اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لیے آپ کی اطاعت محض آپ ﷺ کی ذات ہی کی اتباع نہیں ہے بلکہ یہ اس پیغام کی اطاعت ہے جو بحیثیت نبیؐ اللہ کی طرف سے آپؐ پر اتارا گیا۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی نافرمانی بھی اللہ ہی کی نافرمانی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾[النساء: ۸۰]

''جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے منہ پھیرا [اس کا وبال اسی پر ہوگا] ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ بنایا ہے تا کہ لوگ اللہ کے اَحکام کی پیروی میں اسی طرح زندگی بسر کریں جس طرح آپؐ نے زندگی بسر کی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات طیبہ میں وہ تمام حالات پیدا کر دیے جن کا کسی بھی انسان کو انفرادی یا اِجتماعی طور پر سامنا ہوسکتا تھا اور آپ کو ایسی جامع اور اُصولی تعلیمات سے نوازا جن کی روشنی میں تا قیامت پیش آمدہ مسائل میں رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ آپ کی اُصولی تعلیمات اور اُسوہ حسنہ کو اگر یکجا کر لیا جائے تو ہمارے سامنے ایک ایسا نقشہ تیار ہو جاتا ہے جس کی روشنی میں دنیا کا ہر انسان خواہ وہ کسی بھی حیثیت میں ہو، اپنی سیرت کی تعمیر کرسکتا ہے۔ تعمیر سیرت ہی نہیں بلکہ وہ اللہ کی نگاہ میں محبوب بندہ اور اس کی جنت کا مستحق بھی بن جاتا ہے اور اگر کوئی شخص آپ کے اُسوۂ حسنہ سے اعراض کرے تو وہ دنیا میں بھی ناکام ہوگا اور روزِ آخرت بھی نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہوگا۔

ایک انسان کو اپنی زندگی میں جن مادی مسائل سے واسطہ پڑتا ہے ان میں عملی نمونہ وہی پیش کرسکتا ہے جو خود بھی انسان ہی کی جنس سے ہو۔ اور جو خود انسان کی جنس سے نہ ہو، اس کی عملی زندگی کو تمام انسانوں کے لیے نمونہ بنا دیا جانا بالکل غیر مفید ہے مثلاً فرشتے نوری مخلوق ہیں۔ انہیں نہ کھانے پینے کی حاجت ہے نہ شادی بیاہ کی۔ نہ معاشی مسائل کا سامنا ہے اور نہ جسمانی عوارض کا۔ اب ظاہر ہے جسے ان مادی ونفسانی خواہشات کا مسئلہ ہی نہیں، وہ اُس مخلوق کے لیے عملی نمونہ کیسے بن سکتا ہے جسے قدم قدم پر اِنہی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے ہماری رہنمائی کے لیے ہماری جنس ہی سے

ایک جامع کمالات شخصیت کا انتخاب کیا اور اسے نبی ورسول کا درجہ دے کر ہمارے لیے اُسوہ ونمونہ بنادیا۔

اطاعت واتباع کے لحاظ سے نبی کریمؐ کے اُسوہ[نمونہ؍عملی زندگی] کے مختلف درجات

حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع اُمت مسلمہ کے لیے مجموعی طور پر فرضیت کا درجہ رکھتی ہے۔ البتہ بعض معاملات میں آپؐ نے اپنی اتباع کو فرضیت کی بجائے مستحب یا مباح کے درجہ میں رکھا اور چند ایک صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں آپؐ کے عمل کو آپؐ ہی کے ساتھ خاص کرتے ہوئے امت کو ان صورتوں میں آپؐ کے عمل کی پیروی سے روک دیا گیا۔ اس لحاظ سے آپؐ کے اُسوہ کی چار صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں: (۱) فرض[واجب] (۲) مستحب[سنت] (۳) مباح [جائز] اور (۴) حرام[ممنوع]۔

مجموعی طور پر آپؐ کے اُسوہ کو اپنانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس لیے آپ کا ہر قول اور ہر فعل ہمارے لیے واجب الاتباع ہے، ماسوائے ان اَقوال اور اَفعال کے جن کی اتباع کو آپؐ نے ہمارے لیے لازمی قرار نہیں دیا۔ اس کی آگے دو صورتیں ہیں؛ ایک یہ کہ اگر ان اَقوال واَفعال کی پیروی کرنے کو پیروی نہ کرنے پر ترجیح دی گئی ہو یا ان کی پیروی کو پسندیدہ سمجھا گیا ہو تو پھر ان کی پیروی مستحب کہلائے گی۔ مستحب ایسے عمل کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے پر ثواب ہو اور نہ کرنے پر گناہ نہ ہو مثلاً نمازِ تہجد اور دیگر نوافل وغیرہ۔

یاد رہے کہ فقہی اصطلاح میں سنت، نفل، مستحب، مندوب، تطوع، احسان، فضیلت سبھی ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں جبکہ محدثین کی اصطلاح میں سنت سے مراد ہر وہ قول اور فعل ہے جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہو یا جو آپ کی موجودگی میں کیا گیا ہو اور آپؐ نے اس سے منع نہ کیا ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر آپ نے اپنے کسی قول یا فعل کی اتباع پر ثواب یا عدمِ اتباع پر عذاب کا ذکر نہ کیا ہو تو پھر وہ مباح کے درجہ میں ہے۔ مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب نہ ہو اور نہ کرنے پر گناہ بھی نہ ہو، البتہ اگر کسی دینی جذبہ مثلاً نبیؐ سے محبت، دین کی خدمت وغیرہ کے پیش نظر اسے کیا یا چھوڑا جائے تو پھر اس نیت کی وجہ سے مباح کام پر بھی ثواب مل جاتا ہے۔

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کے وہ اَقوال واَفعال بھی مباح کے درجہ میں شامل ہیں جنہیں آپ ﷺ نے بحیثیت بشر انجام دیا مثلاً چوبیس گھنٹوں میں سے مخصوص اَوقات پر کھانا پینا، دورانِ سفر مخصوص جگہ پر پڑاؤ کرنا، حلال غذاؤں اور ملبوسات میں سے مخصوص غذا اور مخصوص لباس کو زیادہ پسند کرنا...... وغیرہ۔

یہ اور اس نوع کی دیگر چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق آپ کی بشری حیثیت سے ہے، نبویؐ حیثیت سے نہیں ہے۔ اس لیے ایسے امور میں آپ کی اطاعت واتباع امت پر لازم نہیں۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ ہم کھانے پینے کے حوالے سے یہ تحقیق کریں کہ آنحضرت ﷺ کن کن اَوقات میں کھانا کھاتے تھے، پھر انہی اَوقات میں بغیر کسی تقدیم وتاخیر کے اتنی ہی مرتبہ ہم کھانا کھائیں۔ اسی طرح ہم پر یہ بھی لازم نہیں کہ ہم یہ معلوم کریں کہ آنحضرت ﷺ حلال غذاؤں میں سے کس غذا کو زیادہ پسند

کرتے تھے اور پھر ہم بھی اسے ہی ترجیح دیں۔ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت کی طبیعت ایک چیز کو پسند کرتی ہو مگر کسی اور کی طبیعت اس چیز کو اتنا پسند نہ کرتی ہو۔ بشری طبائع اور حالات واَوقات کی عدمِ یکسانیت کی وجہ سے اس سلسلہ میں ہمارے لیے آسانی رکھی گئی ہے ورنہ امت مشقت میں مبتلا ہوسکتی تھی۔ چنانچہ ہمیں ایسے جامع اصول بتا دیئے گئے ہیں جو ایک طرف مکان و زماں کی قیدت سے بالا ہیں تو دوسری طرف ان کی پیروی ہماری استطاعت سے باہر نہیں اور یہی اصلاً مطلوب ہے مثلاً کھانے پینے کے حوالے سے ہمیں ان اصولوں کی پیروی کا حکم دیا گیا:

(۱) حلال وحرام میں تمیز کرنا۔ (۲) کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔ (۳) کھانے کا عیب نہ نکالنا۔ (۴) دائیں ہاتھ سے کھانا۔ (۵) کھانے سے فراغت پر دعاءِ شکر پڑھنا وغیرہ۔

اسی طرح لباس، کاروبار، لین دین، اور دیگر معاملات کے سلسلہ میں ہمیں بنیادی اصول بتا دیئے گئے۔

یاد رہے کہ نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ کی اصل حیثیت نبی اور رسول کی ہے جبکہ آپ کی بشری حیثیت نبوی حیثیت کے تابع ہو کر ایسی ضم ہوگئی ہے کہ آپ کی بشری اور نبوی حیثیتوں میں فرق کرنا ہمارے لیے آسان نہ رہا۔ اس لیے آپؐ کے تمام اَقوال واَفعال کا مجموعی طور پر ہم نبویؐ حیثیت ہی سے مطالعہ کریں گے سوائے ان اَقوال واَفعال کے جہاں واضح ترین شہادت یا قوی ترین قرینہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا فلاں قول یا فعل نبویؐ حیثیت سے مستثنیٰ ہے مثلاً آپؐ اپنے کسی قول وفعل کے بارے میں خود ہی یہ صراحت فرما دیں کہ وہ دین اور وحی نہیں یا قوی قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا فلاں قول یا فعل 'وحی' کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس سلسلہ میں ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہاں کے باغبان نرکھجور کا شگوفہ مادہ کھجور پر ڈالتے ہیں تا کہ پیداوار بڑھ جائے تو آپؐ نے ان سے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم پہلے سے ایسا کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ اس طرح کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، چنانچہ لوگوں نے یہ عمل [یعنی تَابِیرِ نَخل] چھوڑ دیا [مگر اس مرتبہ پیداوار کم ہوئی اور] لوگوں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا:

((إِنْ كَانَ يَنْفَعُهُمْ ذٰلِكَ فَلْيَصْنَعُوْهُ فَإِنِّيْ إِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا فَلَا تُؤَاخِذُوْنِيْ بِالظَّنِّ وَلٰكِنْ إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ شَيْئًا فَخُذُوْا بِهٖ وَإِنِّيْ لَنْ أَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))

''اگر لوگوں کو اس طرح [تابیرِ نخل] کرنے سے فائدہ ہوتا ہے تو وہ ضرور فائدہ اٹھائیں، میں نے تو اندازے سے ایک بات کہی تھی، لہٰذا میرے اندازے اور گمان پر مبنی باتوں کو ضروری نہ سمجھو، ہاں البتہ جب میں اللہ کی طرف سے کچھ بیان کروں تو اس کو لازم پکڑو کیونکہ میں اللہ کی طرف ہرگز کوئی جھوٹ منسوب نہیں کرسکتا۔''[۱]

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ مسلم ہی کی اگلی دو روایات میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا دون ما ذکرہ من معایش الدنیاعلی سبیل الرأی، ح ۲۳۶۱۔

((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ)) وفي رواية: ((أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ))

''میں بھی تو ایک بشر ہوں، جب میں تمہیں تمہارے دین کے حوالے سے کوئی حکم دوں تو اسے لے لو، ور جب میں تمہیں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو پھر میں بھی [تمہاری طرح] ایک بشر ہی ہوں۔'' دوسری روایت میں ہے: ''اور تم اپنے دنیوی معاملات زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔''(۱)

ان روایات میں پوری صراحت کے ساتھ آپؐ نے فرمادیا کہ جب میں نبیؐ کی حیثیت سے کوئی حکم دوں تو اس پر عمل فرض ہے اور اگر بشری حیثیت سے کوئی بات کہوں تو پھر وہ فرض نہیں۔ اسی لیے ان اَحادیث پر صحیح مسلم میں عنوان بندی کرنے والے اہلِ علم نے یہ عنوان قائم کیا ہے:

((بَابُ وُجُوبِ اِمْتِثَالِ مَا قَالَهُ شَرْعًا دُونَ مَاذَكَرَهُ مِنْ مَعَايِشِ الدُّنْيَا عَلٰى سَبِيلِ الرَّأْيِ))

''اس چیز کا بیان کہ نبی کریمؐ نے شریعت کی حیثیت سے جو کچھ پیش کیا، اس کی اتباع واجب ہے اور دنیوی معاملات میں جسے آپؐ نے شریعت کی بجائے محض اپنی رائے سے بیان کیا، اس کی اتباع واجب نہیں۔''

اسی طرح بعض امور ایسے ہیں جو آنحضرت ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہیں اور امت کو ان میں آپ کی اطاعت واتباع سے منع کر دیا گیا ہے مثلاً آپؐ کے لیے چار سے زائد شادیاں کرنے کی خصوصی اجازت دی گئی مگر امت کے لیے چار سے زائد بیویاں بیک وقت رکھنا منع کر دیا گیا۔ اسی طرح آپ کو بغیر حق مہر دیئے عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی مگر امت کے لیے یہ اجازت نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کے خصائص کے حوالے سے دو باتیں یاد رہیں؛ ایک تو یہ کہ آپؐ کے ساتھ مخصوص کیے گئے معاملات کی تعداد اتنی زیادہ نہیں کہ وہ شمار سے باہر ہوں۔ اور دوسری بات یہ کہ جو اُمور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کی قرآن و حدیث میں صراحت کر دی گئی ہے۔ اس لیے اللہ کے رسولؐ کے کسی بھی عمل کو آپؐ کے ساتھ خاص قرار دینے کا دعویٰ اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ قرآن وحدیث سے واضح طور پر اس کی دلیل نہ مل جائے۔ بعض لوگ بغیر کسی واضح دلیل کے جس چیز کو چاہتے ہیں اللہ کے رسولؐ، یا آپ کی ازواجِ مطہرات یا آپؐ کے بابرکت دور تک محدود اور خاص قرار دے دیتے ہیں۔ یہ رویہ سراسر غلط اور شریعت کی من مانی پیروی کے مترادف ہے۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد اب ہم دین وشریعت کے مسائل میں حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع کی فرضیت اور ضرورت واہمیت پر دلائل کے ساتھ مزید روشنی ڈالیں گے۔

۱۔ صحیح مسلم، ح۲۳۶۲۔ح۲۳۶۳۔

[2]......اطاعتِ رسول ﷺ قرآنِ مجید کی روشنی میں

دین وشریعت کے مسائل میں اللہ نے اپنے نبیؐ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے:

۱)......﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾[الانفال:۲۰]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور بات سن لینے کے بعد اس سے منہ نہ موڑو۔''

۲)......﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾[محمد:۳۳]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کا کہا مانو [اور اطاعت سے منہ موڑ کر] اپنے عمل ضائع نہ کرو۔''

۳)......﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾[آل عمران:۳۲]

''[اے نبیؐ! لوگوں سے] کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑیں [تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ] اللہ یقیناً کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

٤)......﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾

''جو کچھ رسول تمہیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روک دے، اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' [سورۃ الحشر:۷]

۵)......﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[النور:۵٦]

''نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

٦)......﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾[النساء:۸۰]

''جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے منہ پھیرا [اس کا وبال اسی پر ہوگا] ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

۷)......﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی بھی جو تم میں سے صاحب امر ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی بھی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی سب سے اچھا ہے۔'' [سورۃ النساء:۵۹]

۸)......﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ﴾[سورۃ التوبہ:٥٤]

''[اے محمدؐ!] کہہ دیجیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور [میں] رسول کی اطاعت کرو اور اگر نہیں کرتے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ کے رسولؐ پر جس [ذمہ داری یعنی فریضۂ رسالت] کا بوجھ ڈالا گیا ہے، وہ صرف اسی کا ذمہ دار ہے اور تم پر جس [فرض یعنی

اطاعتِ رسولؐ] کا بوجھ ڈالا گیا ہے،اس کے ذمہ دار تم ہو۔''

○ ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے لیکن بعض لوگ نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو قیامت تک کے لیے فرض تسلیم نہیں کرتے ، بلکہ ان کے خیال میں نبی کریمؐ چونکہ ایک ریاست کے قائد وحکمران کی حیثیت بھی رکھتے تھے ،اس لیے آپ کی اطاعت صرف ان لوگوں کے لیے فرض تھی جو آپ کی حکومت میں آپؐ کے ماتحت تھے ۔دوسرے لفظوں میں یہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اطاعت صرف آپؐ کے دور کے مسلمانوں کے لیے فرض تھی اور اب قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے آپ کی اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ آپ کے بعد تا قیامت امت کے لیے صرف اس کی اطاعت فرض ہوگی جو آپ کی جگہ امت کا حکمران بنتا رہے گا۔یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے ہاں اللہ کے رسول کی اَحادیث ایک خاص دور کی تاریخ کی حیثیت تو رکھتی ہیں مگر دین اور وحیِ الٰہی کی حیثیت نہیں رکھتیں۔

لیکن ان کا یہ فلسفہ قطعی غلط اور انتہائی گمراہ کن ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر اللہ کے رسول کی اطاعت قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے فرض نہیں تھی تو قرآن مجید میں تمام لوگوں کو مخاطب کر کے بار بار یہ حکم کیوں دیا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس اعتراض کے جواب میں یہ لوگ لغت ،حدیث ،تاریخ سب کچھ بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مراد حاکم وقت ہی کی اطاعت ہے ۔حالانکہ اگر اس سے مراد حاکم وقت ہی کی اطاعت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ''رسول کی اطاعت کرو'' کی بجائے صاف الفاظ میں یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ''اللہ اور حاکم وقت کی اطاعت کرو''......؟!

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول کو حکومت تو مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد ملی جبکہ تیرہ سالہ مکی زندگی میں آپؐ نے قرآن کے علاوہ جو اَحکام دیے،صحابہ کرامؓ نے ان میں آپ کی پیروی پھر کیوں ضروری سمجھی؟

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آپ صرف حاکم وقت ہی نہ تھے بلکہ قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ساری امت کے لیے معلم ومربی،شارح وشارع،جج وقاضی اور اُسوہ ونمونہ بھی بنایا تھا۔اور آپؐ پر قرآن کے علاوہ وحی بھی نازل فرمائی تھی در وہ علیحدہ وحی آج اَحادیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ومحفوظ ہے۔دلیل کے طور پر اَز راہِ اختصار قرآن کی صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے:

((وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ))[سورة النحل:٤٤]

''اور[اے نبیؐ] ہم نے آپؐ کی طرف یہ ذکر[قرآن]اس لیے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔''

اس آیت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

ا)......اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے نبی کو یہ منصب بھی عطا فرمایا تھا کہ جو قرآن آپؐ پر نازل ہوا ہے،آپ لوگوں کے لیے اس کی تشریح

بھی کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے صرف یہ قرآن ہی امت کو نہیں دیا بلکہ اللہ کے حکم سے اس کی شرح کے طور پر اضافی اَحکام بھی دیے ہیں جو آپ کی حدیث اور سنت کہلاتے ہیں۔

۲)...... یہ بات ہر شخص سمجھتا ہے کہ کتاب اور شرح بالکل ایک چیز نہیں ہوتی بلکہ شرح میں اصل کتاب سے اضافی معلومات بھی ہوتی ہیں۔لہٰذا کتاب اللہ کے شارح کی حیثیت سے جو اضافی باتیں [یعنی قولی وعملی اَحادیث] آپؐ اپنی امت کو بتاتے وہ بھی اللہ کی منشا ومرضی کے مطابق ہوتیں۔اس لیے کہ وحی کی روشنی میں آپ کی رہنمائی کی جاتی تھی جب کہ آپؐ کے علاوہ قرآن کے کسی اور مفسر وشارح کے بارے میں کوئی شخص یہ دعوٰی نہیں کرسکتا کہ اس کی شرح وتبیین بھی اللہ کی منشا کے عین مطابق ہے۔

۳)...... اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی شرح وتبیین لوگوں کی قطعی ضرورت تھی، اگر اس کے بغیر لوگوں کو دین سمجھ آسکتا تھا تو پھر نبی کو شارح کا منصب تفویض کرنے کا کیا ضرورت تھی۔اور جب آپؐ نے اللہ کے حکم سے قرآنی احکام کی تشریح وتبیین بھی فرمادی تو امت میں سے کسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ قرآن کو تو تسلیم کرے مگر قرآنی اَحکام کے سلسلہ میں جو تشریح آپؐ نے فرمائی ہے، اسے تسلیم کرنے سے انکار کردے۔اگر قرآن کی تشریح وتبیین کے سلسلہ میں نبیؐ کی کوئی ضرورت نہ تھی تو پھر اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کرکے ایک نبیؐ پر نازل کرنے کی زحمت آخر کیوں کی گئی۔اس سے بہتر تھا کہ کسی پہاڑ پر قرآن رکھ دیا جاتا اور لوگوں سے کہہ دیا جاتا کہ وہاں سے اللہ کی کتاب اٹھالاؤ اور جسے جیسے یہ سمجھ آئے، وہ ویسے ہی اس پر عمل شروع کردے......!!

۴)...... قرآن مجید میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ جیسی عبادات کے بارے واضح طور پر حکم دیا گیا ہے،لیکن یہ عبادات کیسے بجالائی جائیں، ان کی توضیح اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ عملی طور پر یہ کرکے دکھا نہ دی جاتیں۔اللہ تعالیٰ نے خود دنیا میں لوگوں کے سامنے آکر یہ سب کچھ عملی طور پر کرکے نہیں دکھایا اور نہ ہی اللہ سے یہ توقع کرنی چاہیے البتہ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی سے ایک مثالی شخصیت کا انتخاب کرکے اسے نبوت ورسالت سے مشرف فرمایا، اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اپنی عبادت سے متعلقہ اَحکام کی تفصیل سے اسے آگاہ کرکے اس کے قول وفعل کو اُمت کے لیے دین بنادیا۔اب اگر کوئی شخص نبیؐ کے قول وفعل سے بے نیاز ہوکر اللہ کی کتاب کو پکڑے گا تو وہ اس کے ضروری اَحکام بجا لانے میں سخت ناکام ثابت ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ حدیث کا انکار کرنے والوں کے ہاں نمازوں کی تعداد ورکعات کے بارے آج تک کوئی اتفاق رائے نہ ہوسکا، دین وشریعت کے باقی احکام کا مسئلہ تو بڑے دور کی بات ہے......! اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے، آمین!

جان بوجھ کر نبی کریمؐ کی اطاعت سے منہ پھیرنے والے مسلمان کی سزا

۱)...... ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [سورة النور:٦٣]

''رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہوجائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ

آ جائے۔''

۲)...... ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [سورة النساء: ٦٥]

''[اے محمدؐ!] تمہارے رب کی قسم! لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں، اس پر اپنے دلوں میں یہ کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ فرمانبرداری کے ساتھ اسے تسلیم کر لیں۔''

۳)...... حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ

((خَاصَمَ زُبَيْرٌ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فِي شُرَيْجٍ مِنَ الْحَرَّةِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ: اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ وَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ ﷺ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِي صَرِيحِ الْحُكْمِ حِينَ أَحْفَظَهُ الْأَنْصَارِيُّ وَكَانَ أَشَارَ عَلَيْهِمَا بِأَمْرٍ لَهُمَا فِيهِ سَعَةٌ قَالَ الزُّبَيْرُ فَمَا أَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَاتِ إِلَّا نَزَلَتْ فِي ذٰلِكَ......))

''ان کے والد حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری [ثابت بن قیسؓ] کے درمیان مقام حرہ کی ایک نالی [کھالہ] کے بارے میں جھگڑا ہو گیا [کہ اس سے کون اپنے باغ کو پہلے سینچنے کا حق رکھتا ہے] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ زبیر پہلے تم اپنے باغ کو پانی دو پھر اپنے اس پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دینا۔ اس پر اس انصاری صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ فیصلہ اس لیے ہے کہ زبیر آپ ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی ہے؟ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپؐ نے فرمایا: زبیر! اپنے باغ [کھیت] کو پانی پلاؤ، پھر پانی روکے رکھو، جب وہ منڈیر تک پہنچ جائے تو پھر اس کے لیے پانی چھوڑو۔ [پہلے آنحضرت ﷺ نے انصاری کے ساتھ رعایت کی تھی مگر] انصاری کی اس بات کے بعد آپ ﷺ نے زبیر کو ان کا پورا حق دے دیا کیونکہ اس جھگڑے کا صریح فیصلہ یہی تھا۔ جبکہ پہلے آپ ﷺ نے ان دونوں کے لیے ایک ایسی راہ کی نشاندہی کی تھی جو دونوں کے حق میں تھی۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی تھی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [سورة النساء: ٦٥]

''[اے محمدؐ!] تمہارے رب کی قسم! لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں، اس پر اپنے دلوں میں یہ کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ فرمانبرداری کے ساتھ اسے تسلیم کر لیں۔''[1]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب فی قولہ: فلا وربك لا یؤمنون...... ح ٤٥٨٥۔

○ جب یہ جھگڑا نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے مصالحت کی کوشش کی اور ظاہر ہے مصالحت میں کچھ لو اور کچھ دو کا اصول چلتا ہے۔ اس حوالے سے انصاری صحابی فائدے میں تھا کہ زبیر تھوڑا بہت پانی استعمال کرنے کے بعد ان کے لیے پانی چھوڑ دیں گے اور وہ جب اپنے کھیت کو سینچ لیں گے تو زبیر دوبارہ اپنے باغ کو مکمل طور پر سینچے گا۔ مگر وہ انصاری صحابی الثانیہ سمجھا کہ شاید آپؐ نے حضرت زبیرؓ کے لیے پہل اس لیے رکھی کہ وہ آپ کا عزیز ہے اور یہ خیال فوراً اس نے ظاہر بھی کر دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اس کے اس رویے پر غصہ آیا چنانچہ آپؐ نے پھر مصالحت کی بجائے فیصلے [یعنی قضا] کی راہ اختیار کی اور یہ فیصلہ کیا کہ پانی زبیر کے کھیت کی طرف سے آرہا ہے اور اس پر پہلا حق ان کا ہے۔ اس لیے زبیرؓ جب تک اپنا حق پورا نہیں کر لیتے وہ اگلے کھیت کے لیے پانی نہیں چھوڑیں گے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی حدیث، سنت اور فیصلے کے مقابلے میں ہم کسی چیز کو ترجیح نہ دیں، حتی کہ اس کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی بھی پیدا نہ کریں بلکہ دل و جان کے ساتھ آپ کی بات تسلیم کر لیں۔

یہ واقعہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں پیش آیا مگر اس میں اُصولی طور پر جو بات کہہ دی گئی، وہ قیامت تک کے لیے ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جو حکم اور ارشاد فرما دیں اس سے سرمو انحراف نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سے انحراف ایمان سے انحراف اور محرومی ہے۔

اطاعتِ رسولؐ اور منافقین کا رویہ

۱)...... ﴿ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴾ [سورۃ النور: ۴۷، ۴۸]

''لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی ہے پھر [اس اقرار کے بعد] ان میں سے ایک گروہ [اطاعت سے] منہ موڑ لیتا ہے۔ ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں [کیونکہ] جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسولؐ ان کے باہمی معاملات کا فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ منہ موڑنے والا بن جاتا ہے''۔

۲)...... ﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴾

''جب کبھی ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو ان منافقوں کو آپؐ دیکھتے ہو کہ آپ کی طرف آنے سے یہ رک جاتے ہیں۔'' [سورۃ النساء: ۶۱]

اطاعتِ رسولؐ اور مومنین کا رویہ

۱)...... ﴿ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ [سورۃ النور: ۵۱]

''ایمان لانے والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ اللہ کا رسول ان کے معاملات کا فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

۲)......﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾[سورة الاحزاب:٣٦]

''کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

اطاعتِ رسولؐ کا صلہ، دنیا اور آخرت میں

۱)......﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ [سورة النور:٥٢]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، اللہ کا خوف رکھیں اور اس کے عذاب سے ڈریں، وہی کامیابی پانے والے ہیں۔''

۲)......﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾[سورة الاحزاب :٧١]

''جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی۔''

۳)......﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾[سورة آل عمران :١٣٢]

''اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

٤)......﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''[اے نبیؐ! لوگوں سے] کہہ دو: اگر تم [واقعی] اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''[سورۃ آل عمران:۳۱]

٥)......﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ [سورة توبه:٥٤]

''اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ [اپنا پیغام] صاف صاف پہنچا دے۔''

٦)......﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾[سورة النساء:٦٩]

''جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے، وہ [روزِ قیامت] ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ ان لوگوں کی رفاقت بہت اچھی ہے۔''

۷)......﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔''[سورۃ النساء:۱۳]

۸)......﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ موڑے گا، اسے اللہ تعالیٰ دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔'' [سورۃ الفتح:۱۷]

[3]......اطاعتِ رسول ﷺ اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

جس طرح قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اِطاعت و اتباع کی فرضیت پر دلالت کرنے والی بہت سی آیات موجود ہیں اور ان میں مختلف اَسالیب کے ساتھ اطاعتِ رسول کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسی طرح خود آنحضرت ﷺ نے بھی اَحادیث میں اپنی اطاعت و اتباع کا دوٹوک حکم دیا ہے۔ آئندہ سطور میں اطاعتِ رسول کی ضرورت واہمیت کے بارے چند صحیح احادیث درج کی جارہی ہیں:

اللہ کے رسول ؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے

*......((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ:مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ يَّعْصِنِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''[۱]

○ اس لیے کہ اللہ کے رسولؐ نے بحیثیت نبیؐ جو کچھ کہا اور فرمایا وہ سب اللہ کی طرف سے دین تھا۔ اور اس دین کی پیروی گویا اللہ کی پیروی ہے اور اس کی مخالفت بھی اللہ ہی کی نافرمانی ہے۔

اطاعتِ رسولؐ سے منہ موڑنے والا جنت میں جانے سے خود ہی انکار کر رہا ہے!

*......((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّاْبٰی ؟ قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْاَبٰی))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے سارے لوگ جنت میں جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جنت میں جانے سے کون انکار کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے [گویا جنت میں جانے سے] انکار کیا۔''[۲]

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ، ح۱۸۳۵۔]

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰہؐ، ح۷۲۸۰۔

○ معلوم ہوا کہ جنت میں جانے کے لیے اللہ کی رسول ﷺ کی اطاعت اور آپؐ کے بتائے ہوئے طریقے کی اتباع ضروری ہے اور جو آپ کی اطاعت واتباع نہیں کرتا وہ گویا جنت میں جانے سے خود ہی انکار کر رہا ہے۔ اللہ ہم سب کو اپنے پیارے حبیب ﷺ کی اطاعت واتباع کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

ہدایت کا معیار صرف قرآن وسنت ہے:

*......((عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے اندر دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے؛ ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے۔''[1]

○ ان دو چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اگر ہدایت کا معیار ہوتی تو یقیناً اللہ کے رسولؐ اس کی بھی وضاحت فرما دیتے، مگر ذخیرۂ حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس کے علاوہ کسی اور چیز کو معیارِ ہدایت قرار نہیں دیا۔ اس لیے کسی مفتی کا فتویٰ، عالم کا علم، فقیہ کی فقہ، مفسر کی تفسیر، مؤرخ کی تاریخ، مصنف کی تصنیف، قاری کی قرأت، دین میں حجت یا معیار نہیں بلکہ قرآن اور حدیث ہی اصل معیار ہے اور اسی پر ہر چیز کو تولا جائے گا۔ جو اس پر پورا اترے وہ قابلِ توجہ اور جو اس پر پورا نہ اترے وہ ناقابلِ التفات ہے۔

*......((عن المقدام بن معدی کرب عن رسول الله ﷺ قال: اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا یُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ اَلَا لَا یَحِلُّ لَکُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْاَهْلِیِّ وَلَا کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ اِلَّا اَنْ یَّسْتَغْنِیَ عَنْهَا صَاحِبُهَا))

حضرت مقدام بن معدی کربؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! سن لو، مجھے اللہ کی طرف سے قرآن ہی کی طرح ایک اور چیز [یعنی حدیث] بھی دی گئی ہے۔ خبردار! ایک وقت آئے گا کہ ایک پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو گا اور کہے گا لوگو! تمہارے لیے قرآن ہی کافی ہے۔ اس قرآن میں جو چیز حلال ہے بس وہی حلال ہے اور جو اس میں حرام ہے بس وہی حرام ہے۔ لوگو سنو! گھریلو گدھا بھی تمہارے لیے حلال نہیں ہے اور نہ ہی کچلی والے درندے تمہارے لیے حلال ہیں اور نہ ہی کسی ذمی کی گری پڑی چیز تمہارے لیے حلال ہے، ہاں البتہ اگر اس کے مالک کو اس کی ضرورت ہی نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں''[2]۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو کچھ اللہ کا رسولؐ حرام قرار دے دے، وہ ایسے ہی حرام ہے جیسے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔''[3]

۱۔ صحیح الجامع الصغیر، ح۲۹۳٤۔

۲۔ ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ح٤٥٩٣۔

۳۔ ابن ماجه، المقدمة، باب تعظیم حدیث رسول اللهؐ، ح۱۲۔

○ حدیثِ رسولؐ کے وحی اور حجت ہونے کے لحاظ سے یہ حدیث بھی بڑی واضح ہے۔اس میں ایک تو آپؐ نے یہ فرمایا کہ مجھے صرف قرآن ہی دے کر نہیں بھیجا گیا کہ کل کو کوئی شخص یہ کہہ بیٹھے کہ...... ''جو کچھ قرآن میں ہے بس وہی دین ہے اور اس کے علاوہ دین کچھ نہیں'' ...... بلکہ اس قرآن کے ساتھ مجھے ایک اور چیز بھی دی گئی ہے اور ظاہر ہے وہ اور چیز آپ کی حدیث اور سنت ہی ہوسکتی ہے جو آپؐ کے قول وفعل کی شکل میں امت کے سامنے آ گئی اور امت نے اسے سینوں، کتابوں اور اپنی زندگیوں میں جاری کر کے محفوظ کر لیا۔ آپؐ کے قول وفعل یا دوسرے لفظوں میں حدیث وسنت کے علاوہ اور کوئی چیز دین کی حیثیت سے نہ آپؐ نے پیش فرمائی اور نہ ہی قرآن وحدیث کے علاوہ کسی اور چیز کو آج تک امت نے دین قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں دوسری چیز آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جسے میں حرام قرار دے دوں وہ بھی ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی حرام کردہ کوئی اور چیز۔ اللہ نے جو چیز حرام قرار دی وہ اس کی کتاب قرآن میں بیان ہوگئی اور اللہ کے رسولؐ نے اس سے اضافی جس چیز کو حرام قرار دیا وہ آپ کی احادیث میں بیان ہوئی۔ اب ظاہر ہے اللہ کے رسول اپنی مرضی سے تو کوئی چیز حلال یا حرام قرار نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی کی منشا سے آپؐ ایسا کوئی فیصلہ کریں گے۔ اور اللہ کا حکم یا تو وحیِ جلی یعنی قرآنی شکل میں آپ کے پاس آتا یا پھر وحیِ خفی یعنی حدیث کی شکل میں۔

پھر آپؐ نے صرف اتنا کہہ دینے پر اکتفا نہ کیا بلکہ کچھ مثالیں دے کر اس کی اور وضاحت فرما دی، چنانچہ آپؐ نے گھریلو گدھے اور کچلی والے درندے حرام قرار دیے، حالانکہ قرآن میں ان دونوں کی حرمت کا ذکر نہیں ہے۔ اور آپؐ یہی واضح فرمانا چاہتے تھے کہ قرآن کے علاوہ میرا ہر وہ قول وفعل بھی تمہارے لیے دین کی حیثیت رکھتا ہے جو میں دین اور وحی کی حیثیت سے تمہارے لیے پیش کرتا ہوں۔ اس لیے اطاعت واتباع کے سلسلہ میں جو حکم قرآن کے بارے ہے، وہی حدیث وسنت کے بارے بھی ہے۔ جب تک ان دونوں چیزوں کو نہیں پکڑا جائے گا، تب تک ہدایت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس سلسلہ میں مزید ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے:

*......((عن ابن عباسؓ ان رسول اللهﷺ خَطَبَ النَّاسَ فِیْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ فَقَالَ: اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ اَنْ يُّعْبَدَ بِاَرْضِكُمْ وَلٰكِنْ رَضِيَ اَنْ يُّطَاعَ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِمَّا تُحَاقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَاحْذَرُوْا اِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ))

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں کبھی اس کی عبادت کی جائے گی، البتہ وہ اسی بات پر خوش ہے کہ وہ اعمال جنہیں تم معمولی سمجھتے ہو، ان میں اس کی پیروی کی جائے، پس تم [شیطان سے] بچ کر رہو اور سنو: میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے اگر مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے۔

اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔"(۱)

○ تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات سے منہ موڑا، وہ نہ صرف یہ کہ گمراہی کی راہ پر چل نکلے بلکہ دنیا میں ذلیل وخوار بھی ہوئے اور جب کسی نے اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث سے بے رُخی کر کے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی تو وہ کبھی حق بات تک نہ پہنچ سکا۔حدیث سے اعراض کرنے والے فرقوں کو آج بھی مجموعی طور پر گمراہ ہی کہا جاتا ہے،خواہ بظاہر وہ کتنے ہی پرکشش نعرے اور دلفریب دعوے کیوں نہ رکھتے ہوں.....!

*......((قال العرباض ابن سارية: صَلّٰى بِنَارَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ قَائِلٌ :يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!كَأَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ اِلَيْنَا؟ فَقَالَ:اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں بڑا موثر وعظ فرمایا جس سے لوگوں کے آنسو بہہ نکلے اور دل کانپ اٹھے۔ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آج آپؐ نے اس طرح وعظ فرمایا ہے جیسے یہ آپ ﷺ کا آخری وعظ ہو۔اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ ہمیں کس چیز کی وصیت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امراء کی بات سننے اور ان کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں،خواہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔[اور سنو!] جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ[امت میں] بہت زیادہ اختلاف دیکھیں گے، پس ایسے حالات میں میری اور ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اس پر مضبوطی سے جمے رہنا۔اور دین میں پیدا کی گئی نئی نئی باتوں[بدعتوں] سے بچنا کیونکہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"(۲)

○ اللہ کی مشیت ہی کا تقاضا تھا کہ نبی کریمؐ کے بعد جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، اس امت میں باہمی اختلافات کا دائرہ بھی بڑھتا ہی چلا گیا۔آپؐ نے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ میرے بعد جلد ہی اختلافات کا آغاز ہو جائے گا اور ساتھ ہی آپؐ نے امت کو یہ ہدایت بھی فرمادی کہ ایسے وقت میں میری اور میرے خلفاء کی سنت ہی کو اختیار کرنا۔یعنی جس راہ پر میں چلا اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء جسے اختیار کریں گے،تم بھی اسی راہ کو اختیار کرنا، اسے چھوڑ کر کوئی اور راہ نہ نکال لینا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ کے رسول کی اطاعت ہی کافی ہے تو پھر آپؐ نے اپنے خلفاء کی اطاعت کا حکم کیوں دیا۔اس سوال کے جواب کے لیے پہلے خلفاء کا معنی سمجھ لیں۔

۱۔ صحيح الترغيب والترهيب ۔ للالبانیؒ، ج۱ ح۳٦۔

۲۔ ابو داؤد، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة، ح٤٦٠٧۔ ترمذی، العلم، ح٢٦٧٦۔ ابن ماجه، ح٤٣۔ احمد، ج٤ ص١٢٦۔

خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول کو اللہ کی طرف سے دو طرح کی ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں۔ ایک نبوت کی ذمہ داری اور دوسری اس امت کی سیاسی امامت وقیادت کی ذمہ داری۔ ظاہر ہے جب آپ آخری نبی ہیں تو آپ کے بعد نبوت کی جانشینی کی ضرورت ہی نہ رہی، البتہ سیاسی طور پر اس امت کی قیادت و امامت کی ذمہ داری اس وقت تک رہے گی جب تک یہ امت باقی ہے۔ اس لیے اس ذمہ داری پر جو بھی فائز ہوگا وہ آپ کا خلیفہ سمجھا جائے گا۔ اسلامی سیاسیات میں حاکم وقت کے لیے خلیفہ کا لفظ اسی تصور کی ترجمانی کرتا ہے۔ لیکن ہر خلیفہ کی سنت کی پیروی کا آپ نے حکم نہیں دیا بلکہ الراشدین المھدیین کہہ کر اس کی تعیین فرمادی کہ وہ نیک، صالح اور ہدایت یافتہ خلفاء ہیں۔

اب ظاہر ہے کوئی خلیفہ اس وقت تک نیک صالح اور ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اللہ کے رسول کا سچا اطاعت گزار اور متبع فرمان نہ ہو کیونکہ ہدایت کا راستہ تو آپ ہی نے دکھایا اور بتایا ہے۔ لیکن جو خلیفہ آنحضرت کی سنت وہدایت سے لاپروائی کرنے اور منہ موڑنے والا ہو، اس حدیث ہی کی رو سے نہ وہ رَاشِدُ [نیک، صالح] ہے اور نہ ہی مَھْدِیْ [ہدایت یافتہ]۔ اس لیے اس کی سنت اور طرز عمل کی پیروی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی رہا اس حدیث میں راشد ومہدی خلفاء کی اطاعت کا حکم، تو ہمارے خیال میں اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے بطور تاکید یہ بات فرمائی ہے، کیونکہ آپ اور آپ کے طریقے پر چلنے والے راشد ومہدی خلفاء کے طرز عمل میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا۔ جن اہل علم نے اس حدیث میں راشد ومہدی خلفاء سے مراد خلفائے اربعہ لیا ہے، اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ خلفائے اربعہ جنت کی بشارت پانے والے صحابہ ہیں اور انہوں نے اپنی خلافت میں جو کچھ کیا، سنت رسول ہی کی روشنی میں کیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان پیش آمدہ مسائل کو قرآن وحدیث میں پہلے ہی سے مکمل تفصیلات کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا، البتہ قرآن وحدیث میں ایسے جامع اصول بتادیے گئے ہیں، جن کی روشنی میں ان پیش آمدہ نت نئے مسائل کا حل ممکن ہے۔ ظاہر ہے ان کے حل کے لیے راشد ومہدی خلفاء قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں پوری نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد کریں گے، اور ان کے اجتہاد کے بعد جو اصول وقوانین طے پائیں گے ان میں ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح انتظامی نوعیت کے مسائل میں اہل حل وعقد کی مشاورت سے وہ جو پالیسیاں اختیار کریں گے، ان میں بھی ان کی اطاعت بحیثیت امیر ضروری ہے، تاکہ امت کی اجتماعیت قائم رہے۔ البتہ اگر ان کا کوئی فیصلہ یا قانون قرآن وحدیث کے کسی حکم کے صریح منافی ہو تو پھر بحیثیت مسلمان ہم سب کو یہی حکم ہے کہ اس معاملے کو قرآن و حدیث کی طرف لوٹا دیا جائے، کیونکہ ہمارے لیے اصل معیار قرآن اور حدیث ہی ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ہو وہ بہرصورت قبول نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ قرآن وحدیث کے دائرے میں رہتے ہوئے اگر کسی مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوجائے تو اس میں توسع اختیار کرنا چاہیے نہ کہ شدت۔۔۔

خودساختہ بات کو حدیثِ نبویؐ کے طور پر پیش کرنے والے کی سزا

۱)......((عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''(۱)

۲)......((عن علی قال قال: رسول اللهﷺ: لَاتَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ))

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر جھوٹ نہ باندھو، جس نے جان بوجھ کر مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا تو وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔''(۲)

۳)......((عن سلمة قال سمعت النبیؐ یقول: مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

حضرت سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے، جو میں نے نہیں کہی، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''(۳)

٤)......((عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللہؐ: يَكُوْنُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْاَحَادِيْثِ بِمَالَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَايُضِلُّوْنَكُمْ وَلَايَفْتِنُوْنَكُمْ))

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''آخری زمانے میں دجال اور کذاب قسم کے لوگ ایسی ایسی حدیثیں تمہارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ ہی تمہارے بڑوں نے کبھی سنی ہوں گی۔ لہٰذا ان سے بچ کر رہنا کہ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں یا فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔''(٤)

٥)...... ((قال المغيرةؓ سمعت رسول اللهﷺ يقول: اِنَّ كِذْبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكِذْبٍ عَلٰى اَحَدٍ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))(٥)

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میری طرف جھوٹ منسوب کرنا ایسا نہیں جیسا تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی طرف کر سکتا ہے بلکہ جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''

٦)......عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد زبیرؓ سے کہا:

((انی لااسمعك تحدث عن رسول الله كمايحدث فلان وفلان))

''جس طرح فلاں اور فلاں اللہ کے رسول کے حوالے سے احادیث روایت کرتے ہیں، آپ اس طرح احادیث روایت

۱۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبیؐ، ح ۱۱۰۔ صحیح مسلم، المقدمة، ح۳۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، ایضاً، ح ۱۰٦۔ صحیح مسلم، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہؐ، ح ۱۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبیؐ، ح ۱۰۹۔

٤۔ صحیح مسلم، المقدمة، باب النهی عن الروایة عن الضعفاء، ح۷۔

٥۔ صحیح مسلم، المقدمة، باب النهی عن الروایة عن الضعفاء، ح٤۔

کیوں نہیں کرتے؟'' تو حضرت زبیرؓ نے جواب دیا: ''میں اللہ کے رسول کی رفاقت ومعیت سے کبھی پیچھے تو نہیں رہا تاہم میں اس لیے احادیث روایت کرنے سے بچتا ہوں کہ اللہ کے رسولؐ نے یہ فرمایا تھا: ''جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''(۱)

○ اسی طرح بعض اور صحابہ بھی اس خوف کے پیش نظر اَحادیث روایت کرنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں ہم اللہ کے رسول کی طرف کوئی ایسی بات نہ منسوب کربیٹھیں جو آپؐ نے فی الواقع کہی نہیں اور جہنم کی سزا کے مستحق بن بیٹھیں۔ معلوم ہوا کہ دین میں حدیثِ نبویؐ کا ایک بلند تر مقام ہے اور جس طرح حدیث سے انکار یا استخفاف گمراہی کے راستے کھولتا ہے اسی طرح حدیث کے نام سے کوئی جھوٹی بات نبی کی طرف منسوب کرنا بھی جہنم میں لے جانے والا عمل ہے کیونکہ جو شخص بھی اس بات پر عمل کرے گا، وہ اسے حدیثِ رسولؐ ہی سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرے گا جب کہ حدیثِ رسولؐ دین کا حصہ ہے اور حدیث کے نام پر اللہ کے نبی پر جھوٹ باندھنے والا گویا دین سازی کر رہا ہے اور یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ اس کی سزا جہنم کی آگ ہی ہو سکتی ہے۔

ان اَحادیث کی روشنی میں یقیناً وہ شخص بھی اس سزا کا مستحق ہونا چاہیے جو جانتے بوجھتے جھوٹی [موضوع] اَحادیث آگے نقل کرتا اور ان کی روشنی میں دین وشریعت کے مسائل بیان کرتا ہے یا کسی شرعی مسئلہ میں اپنے موقف کی کمزوری دور کرنے کے لیے ایسی اَحادیث تلاش کرتا اور انہیں اپنے لیے کافی سمجھتا ہے۔

حدیثِ رسولؐ کے مقابلہ میں کسی کا قول حجت نہیں

۱)......((عن جابر عن النبی ﷺ حِيْنَ أَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ إِنَّا نَسْمَعُ أَحَادِيْثَ مِنْ يَهُوْدَ تُعْجِبُنَا أَفَتَرَى أَنْ نَّكْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ: أَمُتَهَوِّكُوْنَ أَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِيْ))

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہودیوں سے [ان کے دین کی] باتیں سنتے ہیں، جو ہمیں اچھی لگتی ہیں، اگر آپؐ اجازت دیں تو ہم ان کی بعض باتیں لکھ لیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم [اپنے دین کے ساتھ] اس طرح لا پروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود ونصارٰی نے [اپنے دین کے بارے] لا پروائی کا اظہار کیا تھا جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔''(۲)

درج ذیل حدیث میں یہی بات زیادہ تفصیل سے بیان ہوئی ہے:

۲)......((عن جابر ان عمر ابن الخطابؓ أَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِنُسْخَةٍ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ

۱۔ بخاری، العلم، باب اثم من کذب علی النبیؐ، ح۱۰۷۔ ابن ماجه، المقدمة، باب التغليظ فی ... ح۳۶۔ ابوداؤد، ح۳۶۵۱۔
۲۔ مسند احمد، ج۳ص۸۳۔ بیهقی، باب فی الایمان بالقرآن وسائر الکتب المنزلة، ج۱ ص۱۹۹ ح۱۷۶۔

نُسْخَةٌ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَسَكَتَ فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَتَغَيَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَاتَرٰى مَابِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْبَدَا لَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْكَانَ حَيًّا وَاَدْرَكَ نَبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ)) [1]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر کہیں سے تورات کا کوئی نسخہ لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! یہ تورات ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے مگر حضرت عمر نے اسے پڑھنا شروع کر دیا، تو اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک [غصے سے] بدلنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ [نے یہ دیکھتے ہوئے] کہا اے عمر! گم کرنے والیاں تمہیں گم پائیں، کیا تم نے اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ مبارک نہیں دیکھا؟! حضرت عمرؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو فوراً کہا: میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، میں اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر آج موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی شروع کر دو، تو سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے جبکہ موسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے، تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔''

○ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول تھے مگر جب اللہ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا آخری رسول بنا کر مبعوث فرمادیا تو آپؐ کے آجانے کے بعد سابقہ تمام شریعتوں کی ضرورت کو ختم کر دیا گیا کیونکہ اللہ نے آپ کو ایک جامع اور کامل شریعت عطا فرمائی پھر تا قیامت اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اٹھائی۔ اس لیے ہدایت و رہنمائی کے لیے ہمیں یہی شریعت کافی ہے، کسی اور دین و شریعت کی کوئی حاجت ہے نہ ضرورت۔ حضرت عمر کو تورات کی بعض باتیں حیران کن حد تک اچھی لگیں مگر یہ رویہ تورات کے کسی ناظر کو تورات سے متاثر اور محمدی شریعت سے لاپروا کر سکتا تھا، اس لیے آپؐ نے اس معاملہ میں سختی کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی کہ ''کیا تم [اپنے دین کے ساتھ] اس طرح لاپروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے [اپنے دین کے بارے] لاپروائی کا اظہار کیا تھا۔'' یعنی جب میں ایک شریعت لے کر تمہارے پاس آگیا ہوں تو پھر ہدایت کے لیے تم کسی اور چیز کی طرف کیوں دیکھتے ہو!

پھر آپ کی لائی ہوئی شریعت چونکہ کامل و مکمل اور آخری شریعت کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے آپؐ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ''جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔''

پھر آپؐ نے اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ''اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔'' معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کے لائے ہوئے دین کے مقابلہ میں اب کوئی اور دین قابل قبول نہیں۔

[1] سنن دارمی، المقدمة، باب ماينفي من تفسير حديث النبيّ ۔ ارواء الغليل، ۶/۳۸۳۴ ۔ مشكوٰة، ح۱۹۴ ۔

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب محمد مصطفیٰؐ کے مقابلہ میں کسی اور نبی کی بات حجت نہیں ہوسکتی تو پھر آپؐ کے مقابلہ میں کسی عالم اور فقیہ کی بات بالا ولیٰ حجت نہیں ہوسکتی۔ اور اگر کوئی شخص حدیثِ رسولؐ واضح ہوجانے کے باوجود کسی عالم، مفتی یا پیرومرشد کی بات پر عمل کرے جبکہ اس کی وہ بات قرآن وسنت کے صریح خلاف بھی ہو تو اس شخص کو اس گمراہانہ فعل پر اپنے بارے کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے!

سنتِ رسولؐ سے تجاوز گمراہی کا دروازہ کھولتا ہے، خواہ اس کے پیچھے کتنی ہی نیک نیتی کارفرما ہو

۱)...... ((عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ إِذَا أَمَرَهُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ قَالُوا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضِبُ حَتّٰى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ: إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا))

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب صحابہ کو کسی بات کا حکم فرماتے، تو اتنی ہی بات کا حکم فرماتے جتنی وہ با آسانی کر سکتے۔ صحابہ کہتے: اے اللہ کے رسولؐ! ہم تو آپ کی طرح نہیں ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی تو اللہ تعالیٰ نے اگلی پچھلی ساری لغزشیں ہی معاف کر دی ہیں۔ [اس لیے ہمیں اپنے سے زیادہ عبادت کرنے دیجیے] یہ سن کر آپ ﷺ غصے میں آ گئے حتی کہ غصے کے آثار آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر ظاہر ہوگئے، پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا: بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے اَحکام کے بارے سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔"(۱)

۲)...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین آدمی [یعنی حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ] نبی اکرم ﷺ کی اَزواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق دریافت کرنے آئے۔ جب انہیں آنحضرت ﷺ کا عمل بتایا گیا تو انہوں نے [اس کے مقابلہ میں اپنا عمل] بہت کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا آنحضرت ﷺ سے بھلا کیا مقابلہ! آپؐ کی تو اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں آج سے ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

پھر آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو اللہ کی قسم! میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور خوف رکھنے والا ہوں لیکن میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، میں نمازِ [تہجد] پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر رکھا ہے لہٰذا جس شخص نے میرے طریقے [سنت] سے بے رغبتی اختیار کی وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔"(۲)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب قول النبیؐ: انا اعلمکم باللہ، ح ۲۰۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ح ۵۰۶۳۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، ح ۱۴۰۱۔ احمد، ج۳ ص ۲۴۱۔ بیہقی، ج۷ ص ۷۷۔

۳)......((عن عائشة قالت: صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ: مَابَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ اَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً))

''حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی کام کیا پھر اس میں رخصت دے دی، لیکن کچھ لوگوں نے وہ رخصت لینے سے گریز کیا۔ نبی اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو آپؐ نے خطبہ دیا اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس چیز سے گریز کرتے ہیں، جو میں کرتا ہوں، اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ کی مرضی سے واقف ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں!''(۱)

○ ان تینوں اَحادیث میں اللہ کے رسولؐ نے اپنی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ میری سنت کے مطابق چلو گے تو کامیاب ہو گے ورنہ میری سنت سے ہٹ کر جو کچھ بھی کرو گے، اس سے بجائے ثواب کے گناہ ہی حاصل ہوگا۔ بعض لوگ زیادہ سے زیادہ اَجروثواب کے لیے نیک نیتی کے ساتھ کوئی ایسی عبادت کرنا چاہتے تھے جو آپ نے نہیں کی، یا اپنی استطاعت سے زیادہ کوئی عبادت کرنا چاہتے تھے مگر آپؐ نے سختی کے ساتھ انہیں ڈانٹ دیا اور کہا کہ جب میں ایک کام کرتا یا چھوڑتا ہوں تو تم اس میں میری پیروی کیوں نہیں کرتے حالانکہ تم لوگ نہ مجھ سے زیادہ احکامِ خداوندی سے واقف ہو اور نہ ہی مجھ سے زیادہ متقی بن سکتے ہو۔

معلوم ہوا کہ دین میں اصل چیز معیار ہے مقدار نہیں اور معیار یہ ہے کہ دین کے نام پر کیا جانے والا ہر عمل قرآن اور سنتِ رسولؐ کے مطابق ہونا چاہیے۔ جو عمل قرآن اور سنتِ رسولؐ کے مطابق نہ ہو، وہ اللہ کی بارگاہ میں قابلِ قبول نہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں واضح طور پر اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمادیا کہ

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کی ہماری طرف سے اجازت نہ تھی، تو وہ کام مردود ہے۔''(۲)

*..... حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے بعض صحابہ کے ساتھ حالتِ سفر میں تھے۔ ایک رات آپؐ نے کہیں پڑاؤ کیا اور ایک صحابی کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ نمازِ فجر کے لیے بیدار کردے۔ [لیکن تھکاوٹ کی وجہ سے سب سوئے رہ گئے اور] اللہ کے رسول ﷺ بھی اس وقت بیدار ہوئے جب سورج سر پر چڑھ آیا تھا۔ آپؐ نے صحابہ کو بیدار کیا اور وہاں سے کوچ کا حکم دیا پھر راستے میں آپؐ ایک اور جگہ رُکے اور وہاں نماز کی قضا دی۔ آپ ﷺ نے یہ قضا نماز اسی طرح ادا کی جس طرح معمول میں وقت پر اسے ادا کرتے تھے۔ راوی فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ آپس میں سرگوشی کرنے لگے کہ آج نماز کے سلسلہ میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی ہے، اس کا ہمیں کیا کفارہ دینا چاہیے؟

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی بات سن لی اور فرمایا کیا تمہارے لیے میرا نمونہ کافی نہیں۔ [یعنی جب میں نے کفارہ نہیں دیا

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من لم یواجه الناس بالعتاب، ح ۶۱۰۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، ح ۲۳۵۶۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب اذا اجتهد العامل او الحاكم فاصاب او اخطاء (معلقا)۔

اور نہ ہی تم سے تقاضا کیا تو پھر تم اس بارے میں کیوں سوچ رہے ہو؟] پھر آپؐ نے فرمایا کہ نیند کی وجہ سے نماز میں تاخیر ہونا کوتاہی نہیں، کوتاہی تو یہ ہے کہ آدمی جان بوجھ کر نماز میں تاخیر کرے حتی کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔ اگر کسی روز ایسا ہو جائے تو یاد آتے ہی نماز پڑھ لو اور اگلے روز نماز کو ٹھیک اس کے وقت پر ادا کرو۔(۱)

سنتِ رسولؐ سے منہ موڑنے والا ہلاکت میں جا پڑا

۱)......((عن العرباض بن سارية انه سمع رسول الله ﷺ يقول: لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيْغُ عَنْهَا إِلَّا هَالِكٌ))(۲)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ ارشاد سنا، آپؐ بیان فرماتے ہیں: ''لوگو! میں تمہیں ایسے روشن دین پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے اور جس نے اس سے منہ موڑا، سمجھو وہ ہلاک ہو گیا۔''

۲)......((عن ابی موسٰی عن النبی ﷺ قال: إِنَّ مَثَلِيْ وَمَثَلَ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتٰى قَوْمَهٗ فَقَالَ يَا قَوْمِ إِنِّيْ رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ وَإِنِّيْ أَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ فَأَطَاعَهٗ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهٖ فَأَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰى مُهْلَتِهِمْ فَنَجَوْا وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ فَأَصْبَحُوْا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِيْ وَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِيْ وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ))

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میری اور اس دین کی مثال، جسے میں دے کر بھیجا گیا ہوں، ایسی ہے جیسے ایک آدمی اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے کہے: لوگو! میں نے اپنی آنکھوں سے [دشمن کا] لشکر دیکھا ہے اور میں واضح طور پر تمہیں خبردار کر رہا ہوں لہٰذا اس سے بچنے کی فکر کرو۔ قوم کے کچھ لوگ اس کی بات مانتے ہوئے رات کے اندھیرے میں چپکے سے نکل جاتے ہیں اور اس طرح نجات پا جاتے ہیں جبکہ باقی لوگ اسے جھٹلا دیتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ چنانچہ صبح کے وقت وہ لشکر ان پر حملہ آور ہوتا ہے اور انہیں ہلاک کر کے ان کی جڑ کاٹ کے رکھ دیتا ہے۔ یہ ہے مثال، میری بات ماننے اور مجھ پر نازل کیے گئے دین کی پیروی کرنے والے کی اور میری نافرمانی کرنے والے اور جو دین مجھ پر نازل کیا گیا اسے جھٹلانے والے کی۔''(۳)

۳)......حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ''فرشتوں کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائی جبکہ اس وقت آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ فرشتوں نے آپس میں کہا: آپ ﷺ تو سو رہے ہیں لیکن دوسرے فرشتوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی آنکھ سو رہی ہے مگر دل جاگتا ہے۔ پھر فرشتوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک مثال

۱۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجیل قضائها، ح ۶۸۱۔

۲۔ کتاب السنة، لابن ابی عاصم، تحقیق از: البانیؒ، ح ۴۹۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء، ح ۷۲۸۳۔

ہے وہ بیان کرو۔ کچھ فرشتوں نے کہا: آپ ﷺ تو سو رہے ہیں جبکہ دوسرے فرشتوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی آنکھ سوتی ہے لیکن دل جاگتا ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے کہا: آپ کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا، اس میں دعوت کا انتظام کیا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لیے ایک قاصد بھیجا۔ پس جس نے اس قاصد کی بات مان لی وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانا کھالیا۔ اور جس نے اس قاصد کی بات نہ مانی، وہ نہ تو گھر میں داخل ہوا اور نہ ہی کھانا کھاسکا۔ پھر کچھ فرشتوں نے کہا: اس مثال کی وضاحت کرو تاکہ رسول اللہ ﷺ اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔ بعض فرشتوں نے پھر یہ کہا کہ آپ ﷺ تو سو رہے ہیں [اس لیے اس بات کا آپ کو کیا فائدہ] لیکن دوسروں نے جواب دیا کہ آپ کی آنکھ تو سو رہی ہے لیکن دل جاگ رہا ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے اس مثال کی وضاحت یوں کی کہ گھر سے مراد جنت ہے اور لوگوں کو بلانے والے قاصد سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ پس جس نے محمد ﷺ کی بات مان لی اس نے گویا اللہ کی بات مانی اور جس نے محمد ﷺ کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اس نے گویا اللہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں [یعنی کون آپ کی بات مانتا ہے اور کون نہیں]۔''(۱)

یعنی جو نبی کی بات مان کر اس کی پیروی کرتا ہے، وہ دنیا اور آخرت میں نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہو جائے گا لیکن جو بات نہیں مانتا وہ ہر حال میں نقصان اٹھائے گا۔ گزشتہ احادیث میں تو یہ بات ایک تمثیلی انداز میں سمجھائی گئی ہے جبکہ آئندہ حدیث عملاً پیش آنے والے ایسے ہی ایک واقعہ کو بیان کر رہی ہے جس کے مطابق اللہ کے رسول کی نافرمانی کرنے والے کو عبرتناک سزا ملتی ہے:

((عن سلمة بن اكوعؓ ان اباه حدثه اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ: كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ: لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ: لَا اسْتَطَعْتَ مَامَنَعَهُ اِلَّا الْكِبْرُ قَالَ: فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ))

''حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ان کے باپ نے انہیں یہ بیان کیا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا تو آپؐ نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس آدمی نے [ازراہِ تکبر] جواب دیا: میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا [اللہ کرے] تجھ سے ایسا نہ ہو۔ راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ اس شخص نے چونکہ تکبر کی وجہ سے یہ بات کہی تھی، اس لیے وہ [عمر بھر] اپنا دایاں ہاتھ منہ تک نہ اٹھا سکا۔''(۲)

یہ صحیح مسلم کی مستند حدیث ہے لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ کے رسول کی بات نہ ماننے والے کو یہ سزا ملی ہے۔ یہ شخص کون تھا مسلمان، غیر مسلم یا منافق، اس بارے اس حدیث کے سیاق وسباق میں کچھ مذکور نہیں۔ امام طبرانیؒ نے اپنی معجم کبیر میں اس سے ملتی جلتی ایک روایت ذکر کی ہے جس کے مطابق سلمہ سبیعہ نامی ایک عورت کے ساتھ بھی اس طرح کا معاملہ پیش آیا۔ بہرحال یہ جس کے ساتھ بھی پیش آیا، اس سے قطع نظر اصل مقصود سنتِ رسول کی اہمیت وعظمت کو اجاگر کرنا ہے اور وہ بالکل واضح ہے۔ یا اللہ! ہمیں اپنے نبی ﷺ کی اطاعت واتباع کی توفیق عطا فرما، آمین!

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، ح ۷۲۸۱۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب واحکامهما، ح ۲۰۲۱۔

[4]......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے۔ سچے ساتھی نصیب فرمائے جو آپؐ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے۔ وہ دل کی گہرائیوں سے آپؐ سے محبت رکھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾[سورة البقرة:١٣٧]

''اگر دوسرے لوگ بھی اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (صحابہؓ) ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پا جائیں گے۔''

صحابہ کرامؓ اپنے دین و دنیا کے مسائل میں آپؐ ہی سے رہنمائی لیتے تھے۔ وہ آپ کو جس طرح نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، حج وعمرہ کرتے دیکھتے، ان کی پوری کوشش یہی ہوتی کہ وہ بھی اسی طرح ان اعمال کو بجالائیں۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ دین ذاتی پسند اور ناپسند کا نام نہیں بلکہ دین وہ ہے جو اللہ کی طرف سے آتا ہے اور اس کا واحد ذریعہ اللہ کا رسول ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے قرآن مجید کو اللہ کی کتاب اسی بنیاد پر تسلیم کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منزل من اللہ کتاب کہا۔ گویا قرآن مجید پر ایمان لانے سے پہلے وہ اللہ کے رسول کی رسالت پر ایمان لائے اور یہ ایمان بالرسالۃ اتنا مستحکم تھا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن مجید میں بیان نہ ہوا مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ رسالت سے وہ دین کی حیثیت سے پیش ہوا تو صحابہؓ نے اس میں سے کسی قسم کا شک نہ کیا بلکہ بغیر تردد کے فوراً اسے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا۔

ایک مرتبہ امیہ بن عبداللہ نامی ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابن عمر! صلاۃِ خوف اور صلاۃ حضر (عام نماز) کا حکم تو ہمیں قرآن مجید میں ملتا ہے مگر کیا وجہ ہے کہ صلاۃِ سفر کا حکم ہمیں قرآن میں نہیں ملتا؟ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

((اِبْنَ أَخِيْ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بَعَثَ إِلَيْنَا مُحَمَّدًا وَلَا نَعْلَمُ شَيْئًا فَإِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَأَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ يَفْعَلُ))

''اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لیے نبی بنا کر بھیجا جبکہ ہمیں کسی چیز کا علم نہیں تھا، چنانچہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح کرتے دیکھتے، اسی طرح کرتے چلے جاتے۔''(١)

سنت کے بارے میں صحابہ کرام کا مجموعی طور پر یہی رویہ تھا۔ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کے اس قدر دلدادہ تھے کہ وہ بعض اوقات ان اُمور میں بھی آنحضرتؐ کی اتباع کی کوشش کرتے جن کی اتباع آپؐ نے ضروری قرار نہیں دی تھی مثلاً بشری تقاضوں کی وجہ سے آپ کو کسی کھانے کے ساتھ زیادہ محبت تھی تو بعض صحابہ بھی اس کھانے کو پسندیدہ قرار دے لیتے اور طبعی طور پر اگر کسی کھانے کو آپؐ پسند نہ فرماتے تو بعض صحابہ بھی آپ کی محبت میں اسے پسند نہ فرماتے۔ سفری تقاضوں کی وجہ سے آنحضرتؐ نے دورانِ سفر کہیں پڑاؤ کیا ہوتا تو بعض صحابہ کرام بھی وہاں پڑاؤ کرنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے۔

١۔ مسند احمد، ج٢ ص٩٥۔

یہ تو وہ چیزیں ہیں جن میں آپ کی اطاعت لازم نہیں لیکن پھر بھی بعض صحابہ ان معاملات میں بھی آپ کی اطاعت واتباع کی کوشش فرماتے۔ اسی سے آپ اندازہ کرلیں کہ دینی معاملات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کی کس قدر اطاعت کرتے ہوں گے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کانوں میں آواز پڑتے ہی ہاتھوں میں پکڑے شراب کے جام الٹ دیے۔ گھروں میں رکھے شراب کے مٹکے بہا دیے۔ جب گدھوں کی حرمت کا حکم آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سخت بھوک کے باوجود اللہ کے رسولؐ کے منادی کا اعلان سنتے ہی چولہے پر رکھی ہوئیں ہنڈیاں الٹ دیں۔ سود کی حرمت کا جب فیصلہ ہوا، تو اس کے بعد کوئی صحابی سودی لین دین کرتے نہ دیکھا گیا۔ جس وقت جوئے کو حرام قرار دیا گیا تو اس کے بعد کسی صحابی نے جوئے کی حلت واجازت کے لیے حجت بازی کی کوشش نہ کی۔ زنا، بدکاری اور فواحش کی جملہ صورتیں جب ممنوع قرار دے دی گئیں تو اس کے بعد کسی صحابی نے ان میں سے کسی چیز کو جائز سمجھنے کی جرأت نہ کی، بلکہ ہمیشہ کے لیے انہیں حرام ہی سمجھا۔

[5]......سنتِ رسولؐ اور بدعت

بِدْعَتْ عربی زبان کا لفظ ہے جس میں کسی چیز کے ایجاد کرنے، یا ابتداء کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ دنیوی معاملات میں لوگوں کے فائدے کے لیے کسی بھی چیز کی ایجاد نہایت مستحسن ہے مگر دینی معاملات میں کسی چیز کی ایجاد اتنی ہی قبیح ہے کیونکہ دنیوی ایجادات کا تعلق تو انسانی علم وتحقیق اور تجربہ ومشاہدہ کے ساتھ ہے جس کا دروازہ تا قیامت کھلا ہے جبکہ دینی معاملات کا تعلق اِلہامی تعلیمات سے ہے اور وہ اللہ کی طرف سے صرف کسی نبی ہی کو عطا کی جاتی ہیں اور نبی وہ اِلہامی تعلیمات آگے اپنی اُمت کو منتقل کر دیتا ہے۔

گویا نبی کی طرف سے اُمت کو جو چیز دی جاتی ہے صرف وہی دین قرار پاتی ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بھی آخری دین کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چیز دین کی حیثیت نہیں رکھتی خواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اسے دین کی حیثیت ہی سے کیوں نہ نازل کیا گیا ہو۔ اسی طرح نبویؐ تعلیمات کی روشنی میں کیے جانے والے اہل علم کے اجتہاد اور فقہ واستنباط کو بھی دین وشریعت کا درجہ بہر حال حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دین وشریعت صرف اور صرف وہی چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین وشریعت کی حیثیت سے پیش کر دی ہے۔ اس لیے اب تا قیامت ہر وہ چیز بِدْعَتْ کہلائے گی جو دین کی حیثیت سے پیش کی جائے مگر نبویؐ تعلیمات سے اس کا کوئی ثبوت اور جواز میسر نہ ہو۔

دینِ اسلام میں بدعت جاری کرنے یا بدعت پر عمل کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بدعت نکالنا اور اسے اختیار کرنا دین سازی کے مترادف ہے اور دین سازی کا اختیار اللہ نے نبی ورسول کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیا۔ اب ایک شخص جسے نبی کی حیثیت حاصل نہ ہو اور اس کے باوجود وہ دین سازی کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز برداشت نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر بدعت کے بارے میں سختی اختیار نہ کی جاتی تو وقت گزرنے کے ساتھ دین کا حلیہ ہی بدل کر رہ جاتا

اور اسلام کا اپنا کوئی تشخص باقی نہ رہتا۔ اس لیے کہ اسلام نے بھی ایک تہذیب کی بنیاد ڈالی ہے اور ہر تہذیب دوسری تہذیب پر اثر انداز بھی ہوتی ہے اور اثر قبول بھی کرتی ہے۔ بالخصوص غالب تہذیب اپنے غلبہ واقتدار کی وجہ سے مغلوب تہذیب پر کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر اسلام کا اپنا تشخص، اپنے اصول وقواعد اور اپنا خاص طرز تمدن نہ ہوتا اور بدعت سے گریز کا حکم نہ ہوتا تو امت مسلمہ کی مغلوبیت کے دور میں اسلام کی اصل تصویر ہی دنیا سے مٹ جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں نے اگرچہ ہندوانہ تہذیب کے ساتھ ایک لمبا وقت گزارا مگر اس کے باوجود مسلمانوں کا جداگانہ تشخص بہت حد تک باقی رہا، ورنہ ہندوانہ تہذیب اس خطہ میں آنے والی ہر قوم کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی تھی۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ ہزار سال گزارنے کے باوجود ہمارے اندر کوئی بدعت نہیں آئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمان بہت سی بدعات کا شکار ہوئے اور ان میں سے زیادہ تر بدعات ہندوانہ رسومات ہی کے مختلف روپ ہیں۔ آئندہ سطور میں بدعت کی مذمت کے بارے چند صحیح احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱)......((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ يَقُولُ ...... فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو فرماتے: ''بہترین بات اللہ کی کتاب [کی بات] ہے اور بہترین طریقہ ہدایت محمد ﷺ کا طریقہ ہدایت ہے اور بدترین کام دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے اور ہر بدعت [دین میں نئی ایجاد شدہ چیز] گمراہی ہے۔''[۱]

۲)......((عن سهل بن سعد قال قال النبيﷺ: إِنِّيْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِيْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ ...... فَأَقُوْلُ إِنَّهُمْ مِنِّيْ فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَأَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ))[۲]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میں حوضِ کوثر پر تمہارا استقبال کرنے والا ہوں گا، جو وہاں میرے پاس آئے گا، وہ پانی پیئے گا اور جس نے [حوضِ کوثر سے] ایک بار پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ بعض ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچان لوں گا [یعنی اپنا امتی سمجھوں گا] اور وہ بھی مجھے پہچان لیں گے [کہ میں ان کا رسول ہوں] پھر انہیں مجھ تک آنے سے روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا یہ تو میرے امتی ہیں لیکن مجھے بتایا جائے گا: ''آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کیسی کیسی بدعتیں رائج کیں۔'' تو میں کہوں گا: ''دوری ہو، دوری ہو، ایسے لوگوں کے لیے جنھوں نے میرے بعد دین بدل ڈالا۔''

۳)......((عن العرباض رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ :إِيَّاكُمْ وَالْبِدَعَ))[۳]

۱۔ مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح ۸۶۷۔
۲۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، ح۶۵۸۳۔۶۵۸۴۔
۳۔ السنة، لابن ابی عاصم، تحقيق البانیؒ، ح ۴۳۔

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! بدعات سے بچو۔''

٤)......((عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ ﷺ : إِنَّ اللّٰهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ حَتّٰى يَدَعَ بِدْعَتَهُ))

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس وقت تک بدعتی کی توبہ قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ بدعت نہ چھوڑ دے۔''[١]

٥)......((عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال: أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيقَ دَمَهُ))

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمی اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مغضوب ہیں: (١) حرم شریف کی حرمت پامال کرنے والا (٢) اسلام میں جاہلیت کا طریقہ تلاش کرنے والا (٣) کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے کا ارادہ رکھنے والا۔''[٢]

٦)...... حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ دیہاتی لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے اُون کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپؐ نے ان کی ظاہری حالت سے اندازہ کرلیا کہ یہ مفلوک الحال اور ضرورت مند ہیں، چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو رغبت دلائی کہ وہ ان پر صدقہ کریں۔ لوگوں نے ان کی امداد میں کچھ تاخیر کر دی حتی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے چہرے پر ناخوشگوار اثرات ظاہر ہونے لگے۔ اسی دوران ایک انصاری صحابیؓ چاندی سے بھری ایک تھیلی اٹھا کر لایا [اسے دیکھا دیکھی] ایک اور صحابی صدقہ کے لیے مال لے آیا پھر صدقہ لے کر آنے والوں کی قطار لگ گئی حتی کہ آپؐ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعَمِلَ بِهَا بعدَهُ كتبَ لَهُ مثلُ أجرِ من عمل بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ))

''جس شخص نے اسلام میں اچھے کام کی پہل کی پھر اس کے بعد اس پر عمل شروع ہوگیا تو اسے ہر اس شخص کے برابر مزید اجر ملے گا جو اس پر عمل کرے گا اور دیگر عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس شخص نے اسلام میں کسی برے عمل میں پہل کی اور پھر اس برے عمل پر لوگ کاربند ہوگئے تو اسے ہر اس شخص کے برابر مزید گناہ ملے گا جو اس برے عمل کا مرتکب ہوگا اور اس برے عمل کا ارتکاب کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔''[٣]

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بدعات وخرافات سے بچنے اور سنت رسولؐ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

١۔ صحیح الترغیب والترھیب، ح٥٢۔

٢۔ بخاری، کتاب الدیات، باب من طلب دم امرء بغیر حق، ح٦٨٨٢۔

٣۔ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة......ح١٥۔ح١٠١٧۔

باب ۳

قرآن مجید پر ایمان

فصل ا

قرآن مجید پر ایمان

ایمان کا ایک رکن یہ ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے رسولوں پر اپنی کتابیں اور صحائف نازل کیے تاکہ وہ اپنی امتوں کو ان میں دی گئی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تبلیغ کریں۔ قرآن مجید بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ سچی اور آخری الہامی کتاب ہے۔ اسے نازل کر کے اللہ نے پہلی کتابوں کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے۔ اب یہی قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے اور اسے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ آئندہ سطور میں قرآن مجید کے حوالے سے ضروری تفصیلات ملاحظہ فرمائیے۔

۱)..... اللہ کی نازل کردہ سچی کتاب

ایک مسلمان کے لیے اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ قرآن مجید مُنَزَّلٌ مِنَ اللهِ (اللہ کی نازل کردہ) سچی کتاب ہے کیونکہ جس پیغمبرؐ پر یہ نازل ہوئی، وہ اللہ کا سچا اور آخری پیغمبر ہے اور اسی نے اپنی امت کو یہ بتایا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی امت میں سے اس کے صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے پہلے اس کتاب پر ایمان لائے، پھر انہوں نے بالاتفاق یہ بات آگے آنے والوں یعنی تابعینؒ کو پہنچائی اور تابعینؒ نے آگے تبع تابعین کو اور اس طرح تواتر وتسلسل کے ساتھ یہ بات ہم تک پہنچی اور اسی تواتر کے ساتھ یہ ہم سے آگے نقل ہو رہی ہے اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ پھر تابعین، تبع تابعین، محدثین ومفسرین، فقہاء وعلماء، صلحاء واتقیاء وغیرہ گروہ در گروہ لاکھوں کی تعداد میں بیک زبان جو بات کہتے آئے ہیں، اسے آخر بغیر کسی دلیل کے کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے۔ جھٹلانا تو دور کی بات، اس میں تو شک بھی نہیں کیا جا سکتا.....!

یہی نہیں کہ اس کتاب کے مُنَزَّلٌ مِنَ اللهِ ہونے کی گواہی تواتر کے ساتھ عادل ومتقی لوگ دیتے آئے ہیں، بلکہ ایسے بہت سے ناقابلِ تردید دلائل بھی موجود ہیں جو اس کے منزل من اللہ ہونے کی کھلی شہادت دیتے ہیں اور ان سے صرف وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو اسے منزل من اللہ تسلیم نہ کرنے کا پہلے ہی سے کوئی فیصلہ کیے بیٹھا ہو.....!

اس کی ایک دلیل تو خود یہ کتاب اور اس کے مندرجات ہیں۔ اس کتاب میں جا بجا یہ دعویٰ اور اعلان کیا گیا ہے کہ یہ کسی انسان کی ذہنی صلاحیتوں کا شاہکار نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ سچی اور معجزانہ کتاب ہے۔

۲)..... اللہ کی نازل کردہ آخری کتابِ ہدایت

جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں، اسی طرح آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید بھی اللہ کی

آخری کتاب ہے۔اب قیامت تک نہ کوئی نیا نبی اور رسول آئے گا اور نہ ہی کوئی نئی کتاب نازل کی جائے گی۔اب اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین اور قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرنا ہی باعثِ نجات ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں دوٹوک یہ بات بیان کی گئی کہ جو کچھ محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، اب وہی حق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾[سورة محمدؐ:۲]

''اور جو لوگ اس چیز پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے، اور دراصل ان کے رب کی طرف سے (اب) سچا دین بھی وہی ہے۔'' (جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نبیوں پر جو دین نازل ہوتا وہی حق قرار پاتا مگر جب اللہ نے اپنے آخری نبی کو مبعوث فرمادیا تو پہلے نبیوں پر نازل ہونے والے دین وشریعت کی ضرورت کو ختم کر دیا بلکہ ایسے حالات پیدا فرمادیے کہ سابقہ اَدیان اپنی اصل شکل وصورت میں باقی ہی نہ رہے اور اس میں اللہ کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ اب اس دین وشریعت کی پیروی کی جائے جو آخری پیغمبرؐ پر آخری دین کی حیثیت سے نازل کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں درج ذیل روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ قابلِ غور ہے:

((عن جابر عن النبیّ حین أتاه عمر فقال إنا نسمع أحادیث من یهود تعجبنا أفتری أن نکتب بعضها فقال: أمتهوّکون أنتم کما تهوّکت الیهود والنصاری جئتکم بها بیضاء نقیة ولو کان موسٰی حیًا ما وسعه إلا اتباعی))

''حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہودیوں سے (ان کے دین کی) باتیں سنتے ہیں، جو ہمیں اچھی لگتی ہیں۔اگر آپؐ اجازت دیں تو ہم ان کی بعض باتیں لکھ لیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم (اپنے دین کے ساتھ) اس طرح لاپروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود ونصاریٰ نے (اپنے دین کے بارے) لاپروائی کا اظہار کیا تھا جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا''[۱]۔

درج ذیل روایت میں یہی بات ذرا تفصیل سے اس طرح بیان ہوئی ہے:

((عن جابرؓ أن عمر بن الخطاب أتی رسول الله ﷺ بنسخة من التوراة فقال یا رسول الله! هذه نسخة من التوراة فسکت فجعل یقرأ ووجه رسول الله یتغیّر فقال أبوبکر: ثکلتك الثواکل ما تری ما بوجه رسول الله ﷺ فنظر عمر إلی وجه رسول الله فقال أعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله رضینا بالله ربًا وبالإسلام دینًا وبمحمد نبیًا فقال رسول الله ﷺ: والذی نفس محمد بیده لو بدا لکم موسٰی فاتبعتموه وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیًا وأدرك نبوّتی لاتبعنی))

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کہیں سے تورات کا کوئی نسخہ لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت

۱۔ مسند احمد، ج۳ص۳۸۷۔ بیهقی، باب فی الایمان بالقرآن وسائر الکتب المنزلة، ج۱ ص۱۹۹ ح۱۷۶۔

میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! یہ تورات ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے مگر حضرت عمرؓ نے اسے پڑھنا شروع کر دیا، تو اللہ کے رسول ﷺ کا چہرۂ مبارک (غصے سے) بدلنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ (نے یہ دیکھتے ہوئے) کہا اے عمر! گم کرنے والیاں تمہیں گم پائیں، کیا تم نے اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ مبارک نہیں دیکھا؟! حضرت عمرؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو فوراً کہا: میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، میں اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر آج موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی شروع کر دو، تو سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے جبکہ موسی علیہ السلام اگر زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے، تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔"(۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول تھے مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا آخری رسول بنا کر مبعوث فرمادیا تو آپؐ کے آ جانے کے بعد سابقہ تمام شریعتوں کی ضرورت کو ختم فرمادیا کیونکہ اللہ نے آپ کو ایک جامع اور کامل شریعت عطا فرمائی پھر تا قیامت اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اٹھائی۔ اس لیے ہدایت و رہنمائی کے لیے ہمیں یہی شریعت کافی ہے، کسی اور دین و شریعت کی کوئی حاجت ہے نہ ضرورت۔ حضرت عمر کو تورات کی بعض باتیں حیران کن حد تک اچھی لگیں مگر یہ رویہ تورات کے کسی ناظر کو تورات سے متاثر اور محمدی شریعت سے لاپروا کر سکتا تھا، اس لیے آپؐ نے اس معاملہ میں سختی کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی کہ "کیا تم (اپنے دین کے ساتھ) اس طرح لاپروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنے دین کے بارے) لاپروائی کا اظہار کیا تھا۔" یعنی جب میں ایک شریعت لے کر تمہارے پاس آ گیا ہوں تو پھر ہدایت کے لیے تم کسی اور چیز کی طرف کیوں دیکھتے ہو......!

پھر آپ کی لائی ہوئی شریعت چونکہ کامل و مکمل اور آخری شریعت کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے آپؐ نے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: "جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں"۔ پھر آپؐ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ "اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔"

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقابلہ میں کسی اور نبی کی بات حجت نہیں ہو سکتی تو پھر آپؐ کے مقابلہ میں کسی عالم اور فقیہ کی بات بالا ولیٰ حجت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کوئی شخص حدیثِ رسولؐ واضح ہو جانے کے باوجود کسی عالم، مفتی یا پیر و مرشد کی بات پر عمل کرے جبکہ اس کی وہ بات قرآن و سنت کے صریح خلاف بھی ہو تو اس شخص کو اپنے اس گمراہانہ فعل پر اپنے بارے کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کے لائے ہوئے دین و شریعت (اسلام) کے مقابلہ میں اب کوئی اور دین و

۱۔ سنن دارمی، المقدمة، باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبیؐ۔ ارواء الغلیل، ج٦ ص٣٨٣٤۔ مشکوٰة، ح١٩٤۔

شریعت قابلِ قبول نہیں۔قرآن مجید کی بعض آیات میں یہ حقیقت اس طرح بیان ہوئی ہے:

(۱) : ﴿ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ﴾[سورۃ آل عمران:۱۹]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

(۲) : ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾

''جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ روزِ آخرت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔'' [سورۃ آل عمران:۸۵]

دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں اب کوئی اور چیز انسانیت کے لیے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ نہیں ہے۔اسی لیے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو بڑی تاکید کے ساتھ یہ بات کہی کہ

((إِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِيْ))

''میں تمہارے اندر دوایسی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل کروگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے؛ ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے۔''(۱)

ان دو چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اگر ہدایت کا معیار ہوتی تو یقیناً اللہ کے رسولؐ اس کی بھی وضاحت فرما دیتے ،مگر ذخیرۂ حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس کے علاوہ کسی اور چیز کو معیارِ ہدایت قرار نہیں دیا۔اس لیے کسی مفتی کا فتویٰ، عالم کا علم ،فقیہ کی فقہ ،مفسر کی تفسیر ،مؤرخ کی تاریخ ،مصنف کی تصنیف دین میں معیارِ حجت نہیں بلکہ قرآن اور حدیث ہی اصل معیار ہے اور اسی پر ہر چیز کو تولا جائے گا ، جو قرآن وحدیث پر پورا اترے وہ قابلِ قبول اور جو پورا نہ اترے وہ نا قابلِ التفات ہے۔

گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے کتاب ہدایت بنا کر نازل کیا ہے اور یہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آخری کتاب ہدایت ہے، اس لیے اس کے ہر مضمون کی تہہ میں انسانوں کو کوئی نہ کوئی ہدایت دی جارہی ہوتی ہے حتی کہ اس کے وہ حصے جن میں مختلف قوموں اور لوگوں کی حکایات وقصص کا بیان ہے، وہاں بھی قرآن مجید نے اُس پہلو کو زیادہ اُجاگر کیا جو انسانوں کی اصلاح وہدایت سے تعلق رکھتا تھا۔

۳)..... اللہ کی محفوظ کردہ واحد کتاب

قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا آخری سرچشمہ ہے جسے قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت اور معیارِ نجات قرار دیا گیا ہے، اس لیے ضروری تھا کہ اسے قیامت تک کے لیے اسی طرح محفوظ بنا دیا جاتا جس طرح کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا اور اگر اس میں ذراسی بھی تحریف ہو جاتی تو اس پوری کتاب کی حیثیت مشکوک ہو جاتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر قسم کے ردوبدل سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری اٹھائی اور ارشاد فرمایا:

۱۔ صحیح الجامع الصغیر۔ للالبانیؒ، ح ۲۹۳۴۔

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ﴾[سورة الحجر: ۹]

''ہم نے اس ذکر (قرآن ،وحی) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی کریں گے۔''

اس آیت میں ذکر سے مراد بعض اہل علم کے بقول قرآن مجید ہے اور بعض کے بقول وحی ہے۔وحی ہونے کی صورت میں قرآن کے علاوہ حدیث بھی اس میں شامل سمجھی جائے گی۔گویا دونوں صورتوں میں قرآن کی حفاظت کا انتظام اللہ کی طرف منسوب ہے۔قرآن مجید کی حفاظت تو ظاہر ہے بندوں کے ذریعے ہوئی ہے مگر اس حفاظت کے لیے سازگار حالات پیدا کرنا اور بندوں کے لیے اسے محفوظ رکھنا ممکن العمل بنانا، یہ سب اللہ ہی کی مشیت سے ممکن ہوا۔اللہ کی طرف سے قرآن کی حفاظت کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

جب قرآن مجید اللہ کے نبیؐ پر نازل ہوتا تو آپؐ اس خدشہ سے اسے فوراً دہرانے لگتے کہ کہیں یہ بھول نہ جائے ،مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا اور آپ کا یہ خدشہ دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴾

''(اے نبیؐ!) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپؐ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں پھر اس کا واضح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے''۔[سورۃ القیٰمۃ :۱۶ تا ۱۸]

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی کہ نبیؐ کے سینہ میں قرآن محفوظ کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت کے سلسلہ میں ایک بات تو یہ یاد رہنی چاہیے کہ اسے اس کی اصل حالت میں پوری صحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا اور دوسری بات یہ کہ اسے اس کی اصل حالت میں قیامت تک کے لیے محفوظ رکھنے اور ہر طرح کے تغیر وتبدل اور حوادثِ زمانہ سے بچانے کا بھی اہتمام کر دیا گیا۔دیگر آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں یہ صرف قرآن مجید کا امتیاز ہے کہ اس کے ساتھ یہ دونوں صورتیں قائم رکھی گئی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) : ﴿ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾[سورة البقرة: ۲]

''یہ ایسی کتاب ہے کہ اس (کے کتاب اللہ اور محفوظ ہونے) میں کوئی شک نہیں۔متقی لوگوں کے لیے راہ دکھانے والی ہے۔''

(۲) : ﴿ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴾[سورة فصلت: ٤٢]

''یہ بڑی باوقعت کتاب ہے ،جس کے پاس باطل پھٹک نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔یہ حکمتوں والے،خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے نازل کردہ ہے۔''

فصل۲

فضائلِ قرآن

۱).....قرآن مجید کے عمومی فضائل

قرآن مجید کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ اس ذاتِ بابرکات کا کلام ہے جو ساری کائنات کی خالق و مالک ہے۔ اور ظاہر ہے کائنات کے مقابلے میں جو حیثیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہو گی، تمام کتابوں اور کلاموں کے مقابلے میں وہی حیثیت اس کی کتاب قرآن مجید کو حاصل ہونی چاہیے۔ اسی لیے ایک حدیث قدسی میں ہے:

((قال قال رسول الله ﷺ :يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْأَلَتِي أُعْطِيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيَ السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ))[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس شخص کو قرآن مجید (کے مطالعہ) نے میرا ذکر کرنے اور مجھ سے دعا مانگنے سے روکا، اسے میں دوسرے دعا مانگنے والوں کے مقابلہ میں افضل چیز سے نواز دوں گا۔ (اس کے بعد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ) اللہ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے۔

یہ بھی قرآن مجید کی فضیلت ہے کہ جس رات اس کے نزول کا آغاز ہوا، اس رات کو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر (یعنی قدر و منزلت والی رات) قرار دے دیا اور اس رات کی عبادت کو ہزار مہینوں کی راتوں (یعنی کم و بیش تراسی ۸۳ سال) کی عبادت سے افضل قرار دیا۔

قرآن مجید کی فضیلت کے بارے بہت سی اَحادیث مروی ہیں۔ بعض اَحادیث کی اِستنادی حیثیت اگرچہ کمزور ہے مگر بعض احادیث صحیح و مستند ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم فضیلتِ قرآن سے متعلقہ صحیح اَحادیث درج کر رہے ہیں۔

(۱) : ((عن ابی مالك الاشعریؓ قال قال رسول الله ﷺ :اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْعَلَيْكَ))

''حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآنِ مجید (روزِ قیامت) تمہارے حق میں گواہی دے گا یا پھر تمہارے خلاف گواہی دے گا۔''[2]

مطلب یہ کہ اگر تم قرآن مجید سے محبت رکھو گے، اسے پڑھو گے، اس کی تعلیمات پر عمل کرو گے تو روزِ قیامت یہ تمہارے حق میں گواہ بن جائے گا اور اللہ کے دربار میں تمہاری سفارش کرے گا اور اگر تم اس سے اِعراض کرو گے اور اس کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل چھوڑ دو گے تو روزِ قیامت یہ تمہارے خلاف اللہ کی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہو گا۔

۱۔ مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء، ح ۲۲۳۔ احمد، ج ۵ ص ۳۴۲۔ ۲۔ ترمذی، ح ۲۹۲۶۔ دارمی، ۳۲۵۶۔

قرآن مجید خود اللہ کا کلام ہے اور روز قیامت اللہ تعالیٰ اسے قوت گویائی عطا فرمائیں گے۔ظاہر ہے جب یہ کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف گواہی دے گا تو اس کی گواہی کو چیلنج بھی نہ کیا جاسکے گا......!

(۲) : ((عن اَبِی اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّهُ يَاْتِى يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهِ))

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:قرآنِ مجید پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔''(۱)

اس حدیث میں بھی اسی بات کی وضاحت ہے جو پچھلی حدیث میں بیان ہوئی ہے۔آئندہ حدیث میں یہی بات اس طرح بھی مذکور ہے:

(۳) : ((عن جابر قال قال رسول الله ﷺ :اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهُ اَمَامَهُ قَادَهُ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ سَاقَهُ اِلَى النَّارِ))(۲)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:قرآنِ مجید (روز قیامت اپنے پڑھنے والوں کی) سفارش کرے گا اور اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔اور(اپنے پڑھنے والے کے حق میں) یہ جھگڑا کرے گا اور اس کی بات مانی جائے گی۔جس نے اس قرآن کو اپنا راہبر ورہنما بنالیا،اسے یہ جنت میں لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈال دیا،اسے یہ جہنم میں لے جائے گا۔''

(٤) : ((عن جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : اَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ طَرَفُهُ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهُ بِاَيْدِيْكُمْ فَتَمَسَّكُوْا بِهِ فَاِنَّهُ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ اَبَدًا))(۳)

''حضرت جبیرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:قرآن مجید کا ایک سرا،اللہ کے ہاتھ میں ہے جبکہ دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔تم اسے مضبوطی سے پکڑلو اور اگر تم نے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑلیا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور اس پر عمل کرنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے جب وہ دنیا میں گمراہ ہونے سے بچ گیا تو آخرت میں اللہ کے عذاب سے بھی بچ جائے گا۔

(۵) : ((عن عمرؓ قال اَمَا اِنَّ نَبِيَّكُمْ قَدْ قَالَ:اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَاالْكِتَابِ اَقْوَامًاوَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ))

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگو! سنو! تمہارے نبیؐ نے یہ فرمایا ہے کہ:اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے بعض لوگوں کو بلندی عطا کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے بعض لوگوں کو ذلت اور پستی میں دھکیل دیتے ہیں۔''(٤)

۱۔ مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب فضل قرآة القرآن، ح ٨٠٤۔
۲۔ صحیح ابن حبان، ج۱ ص۳۳۱۔
۳۔ صحیح الجامع الصغير، ح ٣٤۔
٤۔ مسلم، کتاب صلوٰة المسافرين، ح٨١٧۔

مطلب یہ کہ جو لوگ قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، قرآن کی برکت سے انہیں دنیا و آخرت دونوں جگہ رفعت و عظمت حاصل ہوتی ہے، اور جو لوگ قرآنی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیں، تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں خواہ وہ اپنے تئیں کتنا ہی مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے کیوں نہ ہوں۔ اس کی اس سے بڑھ کر عملی مثال اور کیا ہوگی کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید پر صحیح معنوں میں عمل کیا جس کے نتیجے میں انہیں دنیا و آخرت ہر جگہ عزت ملی اور آج ہم قرآن مجید کو عملاً اپنی زندگیوں سے نکال چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ہر جگہ ذلت و ناکامی کا سامنا ہو رہا ہے......!

۲)..... تلاوتِ قرآن کے فضائل

بہت سی صحیح اَحادیث میں تلاوتِ قرآن مجید کی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ جن میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے:

(۱) : ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ ﴿ الٓمٓ ﴾ حَرْفٌ وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ))[1]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: جس شخص نے قرآنِ مجید کا ایک حرف پڑھا، اسے اس کے بدلے ایک ایسی نیکی ملے گی جس کا بدلہ دس گنا ہے۔ (یعنی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا) اور میری مراد یہ نہیں کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ (اس میں) الف ایک حرف ہے، لام ایک اور حرف ہے اور میم ایک اور حرف ہے۔''

تلاوتِ قرآن کی فضیلت کے بارے یہ بڑی واضح حدیث ہے۔ اس میں ایک ایک حرف کی فضیلت اور ثواب بیان کر دیا گیا تاکہ جو شخص جتنا قرآن پڑھے، اسے خود بھی اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس قدر ثواب کا کام کیا ہے۔ پھر یہ ثواب بھی اس قدر زیادہ ہے کہ چند سیکنڈ میں انسان سینکڑوں نیکیاں حاصل کر سکتا ہے اور اگر چند منٹ قرآن مجید کی تلاوت کر لی جائے تو ہزاروں نیکیاں بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تلاوتِ قرآن کے علاوہ اور کوئی عمل ایسا نہیں جس کا کرنا انتہائی آسان بھی ہو اور اس کے ذریعے چند سیکنڈ اور چند منٹ کی ہلکی سی محنت سے ہزاروں نیکیاں انسان کو حاصل ہو جائیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے مل جائے !!

(۲) : ((عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهِ اَنْ يَّجِدَ فِيْهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ ؟ قُلْنَا نَعَمْ، قَالَ: فَثَلَاثُ آيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ))[2]

۱۔ جامع الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی من قرء حرفا من القرآن ماله من الاجر، ح ۲۹۱۰۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ القرآن فی الصلاۃ، ح ۸۰۲۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہم سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر واپس جائے تو دیکھے کہ اس کے ہاں تین بڑی، صحت منداور حاملہ اونٹنیاں کھڑی ہیں؟ ہم نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ تین آیتیں، جو تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں پڑھے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے گھر پر تین بڑی، صحت منداور حاملہ اونٹنیاں پائے۔''

جس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی، اس وقت اونٹ عرب میں سب سے قیمتی جانور کی حیثیت رکھتا تھا۔ اب ظاہر ہے اتنا قیمتی جانور کسی کو مفت میں مل رہا ہو تو وہ کسی صورت بھی اس سے انکار نہیں کرے گا۔ آپ نے پہلے یہی کہا کہ اگر کسی کے گھر بغیر محنت ومشقت اور پیسے خرچ کیے تین اونٹنیاں پہنچ جائیں، جو ہوں بھی گابھن، تو کیا وہ اس پر خوش ہو گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیک زبان کہا: کیوں نہیں، تو پھر آپ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص قرآن مجید کی تین آیتوں کی تلاوت کرلے تو یہ ان تین اونٹنیوں سے بھی بہتر ہے۔ اور وہ اس لیے کہ اونٹنیاں اس دنیا کا مال ہے جو یہاں تو کام آئے گا مگر اگلے جہاں یہ کام نہ آئے گا جبکہ قرآن کی آیتیں اگلے جہاں انسان کے کام آئیں گی۔

(۳) : ((عَنْ اَبِی مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : مَثَلُ الْمُؤمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الْاُتْرُجَّةِ رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَطَعْمُهَا طَیِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤمِنِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِیْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الرَّیْحَانَةِ رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَیْسَ لَهَا رِیْحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ))

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جو مومن قرآن پڑھتا ہے، اس کی مثال سنگترے (یا، نارنگی) کی سی ہے جس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزا بھی اچھا ہوتا ہے او جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور (چھوہارے) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو تو نہیں ہوتی، البتہ اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ اس میں خوشبو تو ہوتی ہے لیکن اس کا مزا کڑوا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا، اس کی مثال اندرائن (ایلوا) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی کوئی نہیں ہوتی اور مزا بھی کڑوا ہوتا ہے۔''[1]

معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا باعث اجر عمل ہے بشرطیکہ ایمان واخلاص کی حالت میں تلاوت کی جائے، ورنہ بغیر ایمان واخلاص کے کی جانے والی تلاوت قرآن روز آخرت کچھ فائدہ نہ دے گی۔

(٤) : ((عن ابی موسی الاشعری عن النبی ﷺ : اَلْمُؤمِنُ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِهٖ کَالْاُتْرُجَّةِ ...... وَالْمُؤمِنُ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِهٖ کَالتَّمْرَةِ))[2]

۱۔ بخاری، کتاب الاطعمة، باب ذکر الطعام، ح ٥٤٢٧، ح١٠٩٩۔ مسلم، صلاة المسافرین، باب فضیلة حافظ القرآن، ح ٧٩٧۔

۲۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب البکاء عند قرآءة القرآن، ح٥٠٥٩۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو مومن قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے اس کی مثال سنگترے کی سی ہے......اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور (چھوہارے) کی سی ہے۔''

قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے لیے سنگترے کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ یہ ایسا پھل ہے جس کی خوشبو بھی ہے اور ذائقہ بھی عمدہ ہے اور جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا مگر قرآنی احکام پر عمل کرتا ہے، اس کی مثال کھجور سے اس لیے دی گئی کہ کھجور کی پھیلنے والی خوشبو تو نہیں ہوتی مگر اس کا ذائقہ عمدہ ہوتا ہے۔ اس روایت سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ مومن کے لیے تلاوت ہر حال میں باعث نفع ہے اور دوسری یہ کہ تلاوت کا اصل فائدہ تب ہے جب قرآنی اَحکام پر عمل بھی کیا جائے۔

(٦) : ((عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال قال رسول الله ﷺ: مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ))(١)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص دس آیتوں کے ساتھ (نمازِ تہجد کا) قیام کرے، وہ غافلوں میں سے نہیں لکھا جائے گا۔ اور جو شخص سو آیتوں کے ساتھ (نمازِ تہجد کا) قیام کرے اسے فرمانبرداروں میں لکھا جائے گا اور جو شخص ہزار آیتوں کے ساتھ (نماز تہجد کا) قیام کرے، اسے ان لوگوں میں لکھا جائے گا جو خزانہ حاصل کرنے والے ہیں۔''

(٧) : ((عَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَءَ بِمِائَةِ آيَةٍ فِيْ لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهُ قُنُوْتُ لَيْلَةٍ))

''حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے رات کو سو آیتیں پڑھیں، اسے پوری رات کے قیام (نماز) کا ثواب ملے گا۔''(٢)

(٨) : ((عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ : تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاقْرَءُوْهُ فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَءَ أَوْ قَامَ بِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهُ كُلَّ مَكَانٍ وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَيَرْقُدُ وَهُوَ فِيْ جَوْفِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید سیکھو، پھر اس کی تلاوت کرتے رہو۔ یاد رکھو! جب کوئی شخص قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتا ہے، پھر اس کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے ساتھ رات کو قیام کرتا ہے تو اس شخص کی مثال اس تھیلے کی مانند ہے جو کستوری سے بھرا ہوا ہے اور اس کی خوشبو ہر جگہ مہک رہی ہے اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور قرآن اس کے دل میں ہے مگر پھر بھی وہ (غافل ہو کر) سویا رہا، اس تھیلے کی مانند ہے جس میں کستوری بھری ہے (لیکن) اس کا منہ (رسی کے ساتھ) باندھا ہوا ہے۔''(٣)

١۔ ابوداؤد، کتاب شهر رمضان، باب تحزيب القرآن، ح١٣٩٥۔

٢۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة، ح٦٤٢۔

٣۔ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء في فضل سورة البقرة، ح ٢٨٧٦۔ ابن ماجه، المقدمة، ح٢١٧۔

(۹) : ((عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ :اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَعَلَیْهِ شَاقٌّ لَهُ اَجْرَانِ))[1]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کا ماہر، قرآن کے لکھنے والے معزز اور پاکیزہ فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن مجید کو اٹک اٹک کر اور بڑی مشکل سے پڑھتا ہے، اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔''

تلاوتِ قرآن کے فضائل صرف انسان کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اگر کوئی شخص اپنا قرآن مجید کا نسخہ چھوڑ جائے تو بعد میں جب تک اس نسخے سے قرآن کی تلاوت کی جاتی رہے گی تب تک اس کے نامۂ اعمال میں بھی اجر لکھا جاتا رہے گا جیسا کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ وَمُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْمَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَیْتًا لِابْنِ السَّبِیْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْصَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَیَاتِهٖ یَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ))[2]

''مومن آدمی کو اس کے عمل اور نیکیوں سے اس کی موت کے بعد بھی جو فائدہ ملتا رہتا ہے اس میں یہ چیزیں شامل ہیں: (۱) ایسا علم جس کی اس نے تعلیم دی اور اسے نشر کیا۔ (۲) ایسی اولاد جسے اس نے نیکی کی راہ دکھائی۔ (۳) وہ نسخۂ قرآن جسے اس نے اپنے وِرثہ (ترکہ) میں چھوڑا۔ (۴) وہ مسجد جو اس نے تعمیر کی۔ (۵) وہ مسافر خانہ جو اس نے تعمیر کیا۔ (۶) وہ نہر جو اس نے کھدوائی۔ (۷) وہ مال جو اس نے اپنی زندگی میں حالتِ صحت کے ساتھ صدقہ کیا۔''

۳)....قرآن مجید سیکھنے، سکھانے اور پڑھنے پڑھانے کے فضائل

قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے کی بہت زیادہ فضیلت اَحادیث میں بیان ہوئی ہے۔ چند صحیح اَحادیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) : ((عَنْ عُثْمَانَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ))

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور (دوسروں کو بھی) اس کی تعلیم دیں''۔[3]

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ پہلے خود قرآن مجید پڑھنا سیکھیں اور اس کے اَحکام و تعلیمات سے آگاہی حاصل کریں اور اس کے بعد دوسرے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور ان تک قرآنی اَحکام پہنچانے کا فریضہ انجام دیں تو وہ تمہارے اندر سب سے بہتر اور افضل ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الماهر بالقرآن ...... ح ۷۹۸۔

۲۔ ابن ماجه، ح ۲٤۲۔ ابن خزیمة، ح ۲٤۹۰۔ شعب الایمان، للبیهقیؒ، ح ۳٤٤۸۔ صحیح الجامع الصغیر، للالبانیؒ، ح ۲۲۳۱۔

۳ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ، ح ۵۰۲۷۔

(۲) : ((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ فِی الصُّفَّةِ فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى بُطْحَانَ أَوِالْعَقِيقِ فَيَأْتِيَ مِنْهُ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِی غَيْرِإِثْمٍ وَلَاقَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا يَارَسُولَ اللّٰهِ نُحِبُّ ذٰلِكَ قَالَ أَفَلَايَغْدُوْ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيُعَلِّمُ أَوْ يَقْرَأُ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَثَلَاثٌ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ ثَلَاثٍ وَأَرْبَعٍ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ))(۱)

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے حجرہ مبارک سے نکل کر تشریف لائے ، جبکہ ہم صفہ (مسجد نبوی کے ایک چبوترہ) پر بیٹھے ہوئے تھے،تو آپؐ نے فرمایا:تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز وادیِ بطحان یاوادیِ عقیق جائے اور بغیر کسی گناہ یا قطع رحمی کیے وہاں سے بڑے کوہان والی دو اونٹنیاں لے آئے؟ ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم میں سے تو ہر ایک اسے پسند کرتا ہے۔تب آپؐ نے فرمایا:تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جائے اور لوگوں کو قرآن کی دو آیتیں پڑھا دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے روزانہ دو اونٹنیاں (مفت میں) مل جائیں۔ اگر وہ تین آیتیں پڑھائے تو یہ تین اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔اگر چار آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ چار اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔اسی طرح جتنی آیتیں سنائے،وہ اتنی ہی اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔''

بطحان اور عقیق دراصل مدینہ طیبہ کی دو وادیاں تھیں، جہاں ان دنوں بازار لگا کرتے تھے اور دیگر چیزوں کے علاوہ اونٹوں کی بھی وہاں خرید وفروخت ہوتی تھی اور یہ بات معلوم ہے کہ اونٹ اس دور میں عرب کا نہایت قیمتی جانور تھا۔ایک طرف تھوڑی سی محنت سے مفت کے اونٹ مل رہے ہوں جبکہ دوسری طرف قرآنی آیات ہوں تو اللہ کے رسول ﷺ کی نظر میں قرآن مجید کی تلاوت ان اونٹوں سے کہیں بہتر ہے۔

(۳) : ((عن ابی هريرة قال قال رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِی بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ))

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرمایا: اللہ کے گھروں (مسجدوں) میں سے جس گھر (مسجد) میں کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور ایک دوسرے کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، وہاں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سکینت نازل ہوتی ہے اور انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر ان (فرشتوں) کے پاس کرتے ہیں جو اللہ کے ہاں موجود ہیں۔(اور سنو!) جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا، اسے اس کا حسب ونسب آگے نہیں بڑھا سکے گا۔''(۲)

۱۔ صحیح مسلم ،کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قرآءۃ القرآن فی الصلاۃ، ح ۸۰۳۔

۲۔ صحیح مسلم،کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ح۲۶۹۹۔

اس حدیث میں قرآن مجید پڑھنے پڑھانے کی فضیلت کے علاوہ ایک اور مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کے ہاں معیارِ فضیلت نیک اَعمال کی کثرت ہے۔ اگر کوئی شخص نیک عمل کرنے میں پیچھے رہا، تو اس کا حسب ونسب یا مال ودولت وغیرہ اللہ کے ہاں اس کی قدر ومنزلت نہیں بڑھا سکتے۔

(٤) : ((عَنْ اَنَسٍؓ ان نَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ: اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ اَنْ (اَقْرَاَعَلَیْكَ) اُقْرِئَكَ الْقُرْآنَ، قَالَ: آللّٰهُ سَمَّانِیْ لَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَقَدْ ذُکِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَذَرَفَتْ عَیْنَاهُ، وَفِیْ رِوَایَةٍ: اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ اَقْرَاُعَلَیْكَ: ﴿لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا......﴾ قَالَ وَسَمَّانِیْ؟ قَالَ نَعَمْ، فَبَکٰی))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید سناؤں''۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپؐ سے یہ بات فرمائی ہے؟'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت اُبیؓ نے دوبارہ عرض کیا: ''کیا واقعی اللہ رب العالمین کے حضور میرا ذکر ہوا ہے؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ اس پر حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا) ''اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ﴿لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ (یعنی سورۃ البینہ) پڑھ کر سناؤں''۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر یہ بات فرمائی ہے؟'' آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ تو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (خوشی سے) رو پڑے۔''[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ بھی اپنے صحابہ کے ساتھ قرآن سننے، سنانے اور پڑھنے پڑھانے کا عمل جاری رکھتے تھے اور اس کے پیچھے خود اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی شاملِ حال تھی۔

(٥) : ((عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ :لَاحَسَدَ اِلَّا عَلٰی اثْنَیْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْکِتَابَ یَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّیْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ یُنْفِقُ آنَاءَ اللَّیْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کے علاوہ اور کوئی قابلِ رشک نہیں: ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہوا اور وہ شب وروز اس کو لیے کھڑا ہو (یعنی نماز میں کھڑا پڑھ رہا ہو یا اس کی تبلیغ کرنے اور اس کی تعلیم دینے میں مصروف ہو)...... اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہوا اور وہ شب وروز اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہو۔''[2]

١۔ بخاری، کتاب التفسیر: تفسیر سورة لم یکن...... ح ٤٩٦٠۔ مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب قراءة القرآن علی اهل الفضل ...... ح ٧٩٩۔

٢۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، ح ٥٠٢٥۔ مسلم، ایضاً، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه ......، ح ٨١٥۔ واللفظ لمسلم۔

۴)....قرآن مجید حفظ کرنے کے فضائل

(۱) : ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا مَنْزِلُكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا))

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (روزِ قیامت) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلندی کی طرف چڑھتا جا، اور اسی رفتار سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ تیری منزل وہاں ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہوگی۔''(۱)

اس حدیث میں صاحب قرآن سے مراد حافظ قرآن ہے خواہ اس نے مکمل قرآن مجید حفظ کیا ہو یا قرآن کا بعض حصہ۔ اسی لیے کہا گیا کہ اس کا درجہ اور منزل وہاں ہے جہاں اس کی یاد کی ہوئی آخری آیت ختم ہوگی، یہ نہیں کہا گیا کہ جہاں قرآن کی آخری آیت آئے گی۔ ایک اور روایت میں حافظ قرآن کی فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے:

(۲) : ((عن عائشة عن النبي ﷺ قال: مَثَلُ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ حَافِظٌ لَهُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَمَثَلُ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ يَتَعَاهَدُهُ وَهُوَ عَلَيْهِ شَدِيْدٌ فَلَهُ اَجْرَانِ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ حافظ قرآن بھی ہے، مکرم اور نیک لکھنے والے (فرشتوں) جیسی ہے اور وہ شخص جو قران مجید یاد کرنے کے لیے اسے بار بار پڑھتا ہے اور اس میں اسے مشقت ہوتی ہے تو اسے بھی اس کا دوگنا ثواب ملے گا۔''(۲)

(۳) : ((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : يَجِيْءُ صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ حَلِّهِ فَيُلْبَسُ تَاجَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ: يَارَبِّ زِدْهُ، فَيُلْبَسُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَارَبِّ اِرْضَ عَنْهُ فَيَرْضَ عَنْهُ فَيُقَالُ لَهُ اِقْرَءْ وَارْقَأْ وَيُزَادُ بِكُلِّ آيَةٍ حَسَنَةً))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزِ قیامت صاحبِ قرآن آئے گا اور قرآن اس کے لیے کہے گا: یا اللہ! اسے لباس پہنادے تو اسے عزت وشرف والا لباس پہنا دیا جائے گا۔ پھر قرآن کہے گا: یارب! اسے اور پہنا تو اسے عزت وتکریم والا چوغا پہنایا جائے گا۔ پھر قرآن کہے گا: یارب! اس سے راضی ہو جا تو اللہ اس سے راضی ہو جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلندی کی منزلیں طے کرتا جا، چنانچہ اسے ہر آیت کے بدلے نیکی ملے گی۔''(۳)

۱۔ احمد، ج۲ص ۱۹۲۔ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ح ۲۹۱۴۔ ابو داؤد، کتاب الوتر، باب استحباب الترتیل...ح۱۴۶۴۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب، ۸۰، سورۃ عبس، ح ۴۹۳۷۔

۳۔ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ان الذی لیس فی جوفہ من القرآن کالبیت الخرب ......ح ۲۹۱۵۔ مستدرک حاکم، ۵۵۲۔ امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

یہ تو تھی حافظِ قرآن کی فضیلت، جب کہ حافظ قرآن کے والدین کو بھی فضیلت سے محروم نہ رکھا جائے گا، بشرطیکہ وہ عقیدۂ توحید پر فوت ہوئے ہوں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

(٤) : ((عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ...... وَيُكْسٰى وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لَا تَقُوْمُ لَهُمُ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهِمَا فَيَقُوْلَانِ يَا رَبِّ! أَنّٰى لَنَا هٰذَا؟ فَيُقَالُ بِتَعْلِيْمِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ))[1]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز حافظِ قرآن کے والدین کو اتنے قیمتی لباس پہنائے جائیں گے کہ ان کے مقابلہ میں دنیا جہاں کی ہر چیز ہیچ ہوگی، چنانچہ حافظِ قرآن کے والدین کہیں گے: یا اللہ! ہمیں کس نیکی کے عوض اتنا قیمتی لباس پہنایا گیا ہے؟ تو جواب دیا جائے گا: اس لیے کہ تم نے اپنے بچے کو قرآن سکھایا تھا۔

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اسے یاد رکھنا چاہیے

قرآن مجید یاد کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا اسے یاد رکھنا مشکل ہے۔ اگر قرآن مجید یاد کرنے کے بعد اسے دہرانا چھوڑ دیا جائے تو یہ بہت جلد بھلا دیا جاتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے قرآن یاد کرنے والوں کو یہ تاکید فرمائی کہ اس کی دہرائی کرتے رہو ورنہ یہ بھول جائے گا۔ اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(١) : ((عن ابی موسی الاشعری عن النبی ﷺ :تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِّنَ الْإِبِلِ فِیْ عُقُلِهَا))

''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید کو یاد رکھنے کا اہتمام کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اونٹ رسی کھل جانے کے بعد اس قدر تیزی سے نہیں بھاگتے جس قدر تیزی کے ساتھ قرآن ذہن سے نکل جاتا ہے۔''[2]

(٢) : ((عن عبدالله بن مسعود عن النبی ﷺ :بِئْسَ مَا لِاَحَدِهِمْ اَنْ يَقُوْلَ نَسِيْتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّیَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّهُ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِّنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ))

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان کے لیے بہت بری بات ہے کہ وہ یہ کہے: ''میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں''...... اصل بات یہ ہے کہ وہ اسے (اس کی غفلت کی بنا پر) بھلا دیا جاتا ہے۔ قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو کیونکہ وہ لوگوں کے سینوں سے (ان) اونٹوں سے بھی بڑھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے (جن کی رسیاں کھل جائیں)''[3]

١۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة، ح٢٨٢٩۔

٢۔ **صحیح بخاری**، کتاب فضائل القران، باب استذ کار القرآن و تعاهده، ح٥٠٣٣۔ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب الامر بتعهد القرآن، ح٧٩١۔

٣۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب استذ کار القرآن ...... ح ٥٠٣٢۔ صحیح مسلم، ح ٧٩٠۔

(۳) : ((عن بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال: إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ))(۱)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن یاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس بندھے ہوئے اونٹ ہوں۔ اگر وہ ان کی حفاظت کی فکر کرے گا تو وہ اس کے پاس رہیں گے اور اگر وہ انہیں آزاد کر دے گا تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے۔''

قرآن مجید اللہ کی نعمت ہے اور جس شخص کو اللہ کی توفیق سے پورا قرآن یا قرآن مجید کا بعض حصہ یاد ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اللہ کی اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے اس کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی شخص بغیر کسی معقول وجہ کے قرآن مجید یاد کرنے کے بعد بھلا دے تو گویا وہ اللہ کی نعمت کی ناقدری کرتا ہے۔ یہ عمل بجائے خود ایک گناہ ہے، اگرچہ بعض روایات میں ایسے شخص کے لیے بڑی وعیدیں بیان ہوئی ہیں مگر ان کی صحت مشکوک ہے، البتہ صحیح بخاری کی درج ذیل روایت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ غفلت کی وجہ سے قرآن بھلانے والے کو سزا ملے گی:

((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الرُّؤْيَا قَالَ: أَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ فَإِنَّهُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ))

''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک خواب کے بارے میں بتایا کہ'' (میں نے دیکھا کہ جہنم میں ایک شخص کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا، مجھے بتایا گیا کہ) جس شخص کا سر پتھر کے ساتھ کچلا جا رہا تھا، یہ وہ تھا جو قرآن یاد کر کے اسے بھلا دیتا تھا۔''(۲)

یاد رہے کہ انبیاءِ کرام کے خواب عام انسانوں کے خوابوں سے مختلف ہوتے ہیں اور وہ وحی کی قبیل سے ہونے کی وجہ سے برحق ہوتے ہیں۔ اس لیے حضور کے مذکورہ بالا خواب کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کو بھلانے والے کو سزا ملے گی، بشرطیکہ اس نے بغیر کسی معقول عذر کے محض غفلت و لاپرائی کی وجہ سے اسے بھلا دیا ہو۔

۵).....قرآن مجید میں مہارت حاصل کرنے والے کے فضائل

(۱) : ((عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ: اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کا ماہر شخص لکھنے والے معزز و مکرم فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن مجید کو اٹک اٹک کر اور بڑی مشکل سے پڑھتا ہے، اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔''(۳)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، ح ۵۰۳۱۔ صحیح مسلم، ایضاً، ح۷۸۹۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب عقد الشیطان علی قافیة الرأس اذالم یصل باللیل، ح۱۱۴۳۔

۳۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الماهر بالقرآن ......ح۷۹۸۔

فصل ۳

آدابِ تلاوتِ قرآن

[1].....تلاوتِ قرآن اور مسئلہ طہارت

عام طور پر انسان یا طہارت کی حالت میں ہوتا ہے یا عدمِ طہارت کی۔ طہارت کی حالت میں وہ قرآن کی تلاوت کرے یا نماز پڑھے، اس میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ عدمِ طہارت کی حالت میں ایسا کرنے میں فقہاء کا شروع سے اختلاف رہا ہے۔ عدمِ طہارت کی بالعموم یہی تین صورتیں بنتی ہیں:

(۱)......عدمِ وضو کی حالت (۲)...... جنابت کی حالت (۳)......حیض ونفاس کی حالت۔

ان تینوں حالتوں میں دوطرح کا سوال پیدا ہوتا ہے ایک یہ کہ قرآن چھوئے بغیر زبانی طور پر قرآن کی تلاوت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ ان حالتوں میں قرآن مجید کو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں ہمیں جمہور اہل علم کی رائے ہی محتاط معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تینوں حالتوں میں قرآنِ مجید کو چھونے اور پکڑنے سے احتیاط کرنی چاہیے، البتہ ان حالتوں میں زبانی تلاوت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی ضرورت کی وجہ سے قرآنِ مجید کو چھونا پڑ جائے تو صاف کپڑے وغیرہ کی آڑ لے کر اسے چھوا جا سکتا ہے۔ کئی اہلِ علم نے اس طرح قرآن چھونے کی اجازت بھی دی ہے۔[۱]

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا ہے کہ

((وَكَانَ أَبُوْ وَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهُ وَهِيَ حَائِضٌ إِلَى أَبِي رَزِيْنٍ فَتَأْتِيَهُ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهُ بِعَلَاقَتِهِ))

''حضرت ابووائلؒ اپنی خادمہ (لونڈی) کو حیض کی حالت میں (بھی) محدث ابورزینؒ کے پاس بھیج دیتے، تاکہ وہ ان کے ہاں سے قرآن مجید (مصحف) لے آئے، چنانچہ وہ جزدان میں لپٹا ہوا قرآنِ مجید اپنے ہاتھ میں پکڑ کر لاتی تھی۔''

اگر شریعت میں اس کی گنجائش نہ ہوتی تو یہ اصحاب علم ہرگز ایسا نہ کرتے......!

[2].....تلاوتِ قرآن اور تعوذ وتسمیہ

۱).....تعوذ یعنی اعوذ باللہ پڑھنا

قرآنِ مجید کی تلاوت سے پہلے شیطان مردود کے حملوں سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے یعنی تعوذ پڑھنا چاہیے۔

۱۔ شرح المهذب، از نوویؒ، ج۲ ص۳۷۲۔

اس بات کا حکم خود قرآن مجید میں اس طرح دیا گیا ہے:

﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾[سورة النحل:٩٨]

''اور جب قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے (بچاؤ کے لیے) اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔''

تعوذ کے کئی کلمات اَحادیث میں بیان ہوئے ہیں، زیادہ معروف اور مذکورہ بالا آیت سے قریب تر کلمات یہ ہیں:

((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ))

''میں شیطان مردود (کے شر) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔''[١]

بہت سی صحیح اَحادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز میں دعائے افتتاح کے بعد جب سورۃ الفاتحہ شروع کرتے تو پہلے تعوذ پڑھتے۔ بعض اہل علم نے تلاوت قرآن سے پہلے تعوذ پڑھنے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے اور شیطان نہیں چاہتا کہ انسان کو ہدایت ملے، چنانچہ جب انسان اس کتابِ ہدایت کو پکڑتا ہے تو شیطان بھی اپنے داؤ پیچ لڑانا شروع کر دیتا ہے تاکہ انسان تلاوتِ قرآن سے جلد ہی اُکتا جائے، اسے سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے سے محروم رہے اور اگر انسان ہدایت پالے تو اس پر عمل کرنے میں شیطان رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔ شیطان کی ان سازشوں اور کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں تعوذ کا حکم دیا گیا۔

جس طرح تلاوتِ قرآن کے آغاز میں تعوذ کا حکم ہے، اسی طرح دورانِ تلاوت اگر کسی وجہ سے انقطاع ہو جائے تو دوبارہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے، پھر تعوذ پڑھ لینا چاہیے۔

٢)......تسمیہ یعنی بسم اللہ پڑھنا

تلاوتِ قرآن سے پہلے تعوذ کے ساتھ تسمیہ (بسم اللہ) بھی پڑھنی چاہیے، تسمیہ کے کلمات یہ ہیں:

((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ)) ''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

اس لیے کہ بسم اللہ سے شروع کیے جانے والے ہر کام میں اللہ کی طرف سے برکت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس ذات کے نام سے شروع کیا جاتا ہے جو تمام کائنات کی خالق و مالک ہے اور اسی کے ہاتھ میں ساری بھلائیاں ہیں اور جس کام کے شروع میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام نہ لیا جائے، وہ برکت سے خالی ہو جاتا ہے اور شیطان کو بھی اس میں مداخلت کا موقع مل جاتا ہے۔

تلاوتِ قرآن خود ایک عظیم الشان کام ہے، لہٰذا اس کا آغاز تعوذ کے بعد بسم اللہ سے ہونا چاہیے۔ اگر تلاوت کا آغاز قرآن مجید کی کسی سورت سے ہو تو پھر بسم اللہ کا پڑھنا اور زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ایک سورۂ توبہ کے علاوہ باقی ایک سو تیرہ سورتوں کا آغاز بسم اللہ کے ساتھ ہے۔ اور اہل علم کی محتاط رائے کے مطابق ان سورتوں میں موجود بسم اللہ بجائے خود ایک آیت کی حیثیت رکھتی ہے۔

١۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الصلوة، باب متى يستعيذ، ح٢٥٨٩۔

[3].....صحتِ تلاوت اور حسنِ تلاوت

۱).....صحتِ تلاوت

تلاوتِ قرآن مجید کے آداب میں سے ایک اہم ترین اَدب یہ بھی ہے کہ صحتِ تلاوت یعنی تجوید وقراءت کے اصولوں کا خیال رکھا جائے۔ جہاں حرف کو لمبا (مد) کرنے کی ضرورت ہے، وہاں اسے لمبا کیا جائے، جہاں تفخیم کی ضرورت ہو وہاں تفخیم کا لحاظ کیا جائے، جہاں تشدید کا موقع ہو وہاں تشدید کا اہتمام کیا جائے، جہاں غنہ یا ادغام یا اخفاء یا اظہار یا قلقلہ وغیرہ کی ضرورت ہو وہاں ان چیزوں کا خیال کیا جائے اور جہاں ان چیزوں کی ضرورت نہ ہو وہاں بلاوجہ ان قواعد کا اِجراء واطلاق نہ کیا جائے۔

اسی طرح حروف کی اَدائیگی کے سلسلہ میں صحتِ مخارج کا خیال کیا جائے اور ہر حرف کو اس کے اصل مخرج کے مطابق ادا کیا جائے یعنی جہاں 'ص' پڑھنا ہے وہاں 'س' کا تلفظ اختیار نہ کیا جائے۔ جہاں 'ز' پڑھنا ہے وہاں 'ذ' کا تلفظ پیدا نہ کیا جائے۔ جہاں 'ح' کا تلفظ ہو وہاں 'ہ' نہ پڑھی جائے۔

صحتِ تلاوت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اِعراب وحرکات کا بھی پورا خیال کیا جائے۔ جہاں زبر ہے وہاں زیر نہ پڑھی جائے، جہاں زیر ہے وہاں پیش نہ پڑھی جائے۔ بلکہ ہر حرف اور ہر لفظ کے جو اصل اعراب وحرکات ہیں، انہی کے مطابق اسے پڑھا جائے۔ صحتِ تلاوت میں یہ بھی شامل ہے کہ قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اور اس قدر تیزی سے نہ پڑھا جائے کہ الفاظ ہی پورے ادا نہ ہو پائیں۔

۲).....صحتِ تلاوت کی ضرورت واہمیت

قرآن مجید کی تلاوت کے موقع پر صحتِ تلاوت کا لحاظ رکھنا بڑا ضروری ہے، ورنہ خدشہ ہے کہ انسان کو تلاوتِ قرآن سے اَجر وثواب کی بجائے الٹا گناہ ملے بلکہ غیر شعوری طور پر انسان کفر کا مرتکب بھی ٹھہر سکتا ہے۔ اس چیز کو سمجھنے کے لیے ذرا ایک مثال پر غور کیجیے:

سورۃ الفاتحہ کے آغاز میں ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

یعنی ''تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں''۔ اب اگر کوئی شخص الحمد کو الھمد پڑھ بیٹھے یعنی 'ح' کی جگہ 'ھ' پڑھ لے تو نعوذ باللہ اس آیت کا معنی یہ بن جاتا ہے:

''ہر قسم کی موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' (نعوذ باللہ من ذلک!)

یعنی ایک لفظ کے تلفظ کے بدلنے سے معنی میں کتنی بڑی تبدیلی واقع ہوگئی ہے اور یاد رہے کہ جو شخص 'ح' کا تلفظ صحیح طور پر ادا نہیں کرتا، وہ اسے الحمد کی بجائے الھمد ہی پڑھے گا.....!

اب خود ہی فیصلہ کیجیے، کیا تلاوتِ قرآن کے لیے صحتِ مخارج کا اہتمام ضروری نہیں؟!

اسی طرح سورۃ الفاتحہ کی ایک اور آیت ہے:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔''

اَنْعَمْتَ سے اللہ تعالیٰ کی طرف خطاب ہے کہ ''جن پر تو نے انعام کیا'' اگر اس لفظ کو اَنْعَمْتُ پڑھا جائے یعنی ت پر زبر کی بجائے پیش پڑھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ''جن پر میں نے انعام کیا ہے۔'' اب ایک حرکت کی تبدیلی سے معنی میں اتنی بڑی تبدیلی واقع ہوگئی ہے کہ اگر انسان جان بوجھ کر یہ غلطی کرے تو کافر قرار پائے......!

اسی طرح اگر اَنْعَمْتَ کی 'ت' کو لمبا کر کے پڑھا جائے تو یہ اَنْعَمْتَا بن جائے گا اور اس کا معنی یہ بنے گا: ''جن پر تم دونوں نے انعام کیا۔'' اب یہاں ضمیر تو اللہ کی طرف لوٹتی ہے جو وحدہ لاشریک ہے مگر 'ت' کو کھینچ کر پڑھنے سے یہاں تثنیہ کا معنی پیدا ہو جاتا ہے جو اسلامی عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے کیونکہ اللہ ایک ہے، دو نہیں......!

یہ دو تین مثالیں ہیں، اسی پر پورے قرآن مجید کو قیاس کر لیجیے اور سوچیے کیا ان مثالوں سے ہمیں یہ سبق نہیں ملتا کہ ہم قرآن مجید کو صحتِ مخارج کے ساتھ پڑھنا سیکھیں تاکہ ہم سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ بے شمار کلمہ گو مسلمان یا تو قرآن مجید پڑھنا ہی نہیں جانتے اور اگر پڑھنا جانتے ہیں تو اس کی تلاوت کے اصول نہیں سمجھتے۔ اور الفاظ وکلمات کی ادائیگی صحیح طور پر نہیں کر سکتے۔ اسی طرح عورتوں میں اس چیز کی شرح مردوں کے مقابلے میں کافی زیادہ ہے، خواہ وہ دیہی علاقوں سے تعلق رکھتی ہوں یا شہری علاقوں سے۔

۳)......حسنِ تلاوت / قراءت

صحتِ تلاوت کا معنی ومفہوم تو پیچھے واضح ہو چکا، اب حسنِ تلاوت کا معنی ومفہوم اور اس کی ضرورت واہمیت بھی سمجھ لیجیے۔

تلاوتِ قرآن کے سلسلہ میں اصل چیز صحتِ تلاوت ہے جب کہ حسنِ تلاوت ایک اضافی چیز ہے اور حسنِ تلاوت یہ ہے کہ صحتِ تلاوت کا خیال رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ خوبصورت اور دلکش انداز سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، تاکہ آواز میں سوز اور دل میں خوف پیدا ہو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں اور بدن پر رقت طاری ہو۔ اور تلاوت کرنے والا خود بھی قرآن سے اثر قبول کر رہا ہو اور دوسروں پر بھی اثر انداز ہو رہا ہو۔ ایسی صورت میں حسنِ قراءت کو بہت پسند کیا گیا ہے لیکن اگر خوفِ خدا سے غافل ہو کر تلاوت کی جائے تو پھر حسنِ صوت کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ قرآن مجید کو گویوں کی طرح گا کر پڑھنا اسی لیے ناپسندیدہ ہے کہ اس طرح تلاوتِ قرآن سے خوف وخشیت کے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔

۴)......حسنِ قراءت کی اہمیت

حسنِ تلاوت / قراءت کی اہمیت کے سلسلہ میں اب چند احادیث ملاحظہ فرمالیں:

(۱) : ((عن براء بن عازب قال قال رسول الله ﷺ :زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ))

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قران مجید کو اپنی (اچھی) آوازوں سے مزین کرو۔''(۱)

یعنی خوبصورت اور خوش کن آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرو۔ یہ ایک عام حکم ہے اور ظاہر ہے ہر شخص کی خوش آوازی اور خوش الحانی دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ صحت تلاوت کے ساتھ جتنا خوش الحانی کا اہتمام ممکن ہو، اتنا ہی بہتر ہے مگر ایسی خوش الحانی کا کوئی فائدہ نہیں جو صحتِ تلاوت سے خالی ہو۔ یعنی تجوید [حسنِ قراءت] کے اصول وقواعد کے یکسر منافی ہو۔

(۲) : ((عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ :لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن مجید کو خوش الحانی (آوازی) سے نہ پڑھے۔''(۲)

مطلب یہ کہ جو شخص قرآن مجید کو خوش الحانی سے پڑھنے کی استطاعت رکھتا ہو مگر اس کے باوجود خوش آوازی اختیار نہ کرے تو یہ انتہائی ناپسندیدہ اور بری بات ہے، اس لیے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو قرآن مجید سے محبت نہیں، ورنہ یہ ضرور خوش الحانی کا مظاہرہ کرتا۔

(۳) :ابن ابی ملیکہ نے عبید اللہ بن ابی یزید کے حوالے سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ'' ایک روز حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گزرے، ہم بھی ان کے ساتھ چل دیے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، ہم بھی ان کے ساتھ ان کے گھر میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ وہاں ایک شکستہ حال آدمی بیٹھا ہے، وہ کہنے لگا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے کہ ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن مجید کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا''۔ اس حدیث کے ایک راوی عبدالجبار کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ملیکہؒ سے کہا: اے ابو محمد! اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''اسے چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے، خوش الحانی پیدا کرنے کی کوشش کرے''(۳)۔

۵)...... نبی کریمؐ اور حسنِ قراءت

(۱) : ((عن البراء بن عازب قال سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ فِي الْعِشَاءِ وَمَاسَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ أَوْ قِرَاءَةً))(٤)

۱۔ احمد، ٤/٢٨٥۔ ابو داؤد، کتاب القرآءۃ، باب استحباب الترتیل...ح ١٤٦٨۔ ابن ماجه، ح ١٣٤٢۔ دارمی، ح ٣٥٠٠۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ :واسروا قولكم او اجهروا به، ح ٧٥٢٧۔

۳۔ ابو داؤد، کتاب الوتر، باب استحباب الترتیل فی القراءۃ، ح١٤٦٨۔

٤۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب القراءۃ فی العشآء، ح٧٦٩۔

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نمازِ عشاء میں سورۃ التین کی تلاوت فرماتے سنا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر خوش آوازی سے تلاوت کرنے والے تھے۔''
یعنی آپؐ سب سے زیادہ خوش آواز اور خوش اِلحان تھے۔

(۲) : ((عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ما اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَّا اَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ))
''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے وہ اپنے نبی کی آواز کو (اس وقت) سنتا ہے جب کہ وہ خوش اِلحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھ رہا ہو۔''(۱)
یعنی اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ خوش اِلحانی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کو پسند فرماتے ہیں بلکہ جب اللہ کے نبی خوش اِلحانی سے تلاوت کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی توجہ سے ان کی تلاوت سنتے۔

(۳) :حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ حالتِ شرک میں تھے اور جنگِ بدر میں قیدی بنا لیے گئے، وہ اس دور کی ایک بات بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نمازِ مغرب میں سورۃ الطور کی تلاوت کرتے سنا۔ جب آپؐ اس آیت پر پہنچے: ﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ﴾ [وہ کسی اور چیز سے پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں؟] تو مجھے یوں لگا کہ میرا دل قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ (صحیح بخاری کی روایت نمبر ۴۰۲۳ میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) اور یہی وہ پہلا موقع تھا کہ جب اسلام نے میرے دل میں جگہ پکڑی تھی۔(۲)

(٤) : ((عن ام سلمة قالت كان رسول الله ﷺ يُقَطِّعُ قِرَآءَتَهُ يَقُوْلُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ثُمَّ يَقِفُ (ثُمَّ يَقُوْلُ) اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ يَقِفُ))(۳)
''حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی تلاوت میں ایک ایک فقرے کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ الحمد للہ رب العالمین پڑھتے پھر وقف کرتے۔ پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے اور پھر وقف فرماتے۔''

(٥) : ((عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ ؟ فَقَالَ: كَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَاَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ))
''قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ کی قراءت کا طریقہ کیا تھا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ ﷺ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر (یعنی حسنِ قراءت کا لحاظ رکھ کر) پڑھتے تھے، پھر انہوں نے خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سنائی اور ایک ایک لفظ کو کھینچ کر ادا کیا یعنی بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھا پھر الرحمٰن کو کھینچ کر پڑھا پھر الرحیم کو۔''(٤)

۱۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب من لم یتغن بالقرآن، ح ٥٠٢٤۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، ح ۷۹۲۔
۲۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الطور، ح ٤٨٥٤۔ صحیح مسلم، ح ۱۰۳۳۔
۳۔ ترمذی، کتاب القراء ات، باب فی فاتحۃ الکتاب، ح ۲۹۲۷۔ ابو داؤد، ح ٤٠٠١۔ احمد، ۳۰۲/٦۔ ابن خزیمۃ، ٤٩٣۔
٤۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب مد القراءۃ، ح ٥٠٤٦۔

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی تلاوت قرآن کے وقت خوش اِلحانی اور حسنِ قراءت کا اہتمام کرتے تھے۔ یہی بات درج ذیل روایت میں اس طرح بھی بیان کی گئی ہے:

(٦): حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے (فتح مکہ کے موقع پر) نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور اسی حالت میں سورۂ فتح (کی بعض آیات) کی تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ بڑے آرام کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے اور اپنی آواز کو بار بار دہراتے تھے۔ (یعنی خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے آواز میں اُتار چڑھاؤ پیدا کرتے تھے۔)[1]

٦)......صحابہ کرامؓ اور حسنِ قراءت

(١): ((عن عبدالله بن مسعود قال قال لی رسول الله ﷺ: اِقْرَأْ عَلَيَّ، قُلْتُ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ؟ قَالَ: اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِیْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ سُوْرَةَ النِّسَاءِ حَتّٰی بَلَغْتُ (اِلٰی هٰذِهِ الْآيَةِ)﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾ قَالَ اَمْسِكْ (حَسْبُكَ الْآنَ) فَالْتَفَتُّ اِلَيْهِ فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ))[2]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، تو مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''مجھے (قرآن) پڑھ کر سناؤ''۔ میں نے عرض کیا: ''کیا میں آپ ﷺ کو (قرآن) پڑھ کر سناؤں جبکہ آپ ﷺ ہی پر تو یہ قرآن نازل ہوا ہے؟'' لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ قرآن کسی دوسرے شخص سے سنوں''۔ چنانچہ میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کردی حتی کہ میں اس آیت پر پہنچا:

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾

''اس وقت ان لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی جبکہ ہم ہر امت پر ایک گواہ لائیں گے اور اے نبیؐ! ہم آپ کو اس امت پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے''۔

جب میں اس آیت پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس کافی ہے۔'' اچانک میری نگاہ حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار قراء صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی خوش آوازی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سننا پسند فرمایا اور پسند ہی نہیں بلکہ تلاوتِ قرآن سے اتنا متاثر بھی ہوئے کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے......!

١۔ بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبیؐ الرایة یوم الفتح، ٤٢٨ ۔کتاب فضائل القرآن، با ب الترجیع، ٥٠٤٧ ۔ مسلم، ٧٩٤۔

٢۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة النساء، ح ٤٥٨٢۔ ٥٠٤٩ تا ٥٠٥٦ ۔ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضل استماع القرآن، ح ٨٠٠۔

(۲) :ایک رات اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ کی قراءت سنی تو صبح کے وقت انہیں بتایا کہ

((لَوْ رَأَيْتَنِي وَأَنَا أَسْتَمِعُ لِقِرَاءَتِكَ الْبَارِحَةَ لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِّنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاؤُدَ))

''کاش! تمہیں علم ہوتا جب میں کل رات تمہاری قراءت سن رہا تھا (تو تمہیں خوشی ہوتی) تمہیں تو لحنِ آل داؤد سے نوازا گیا ہے۔''(۱)

ایک اور روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ بات سن کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

((أَمَا وَاللّٰهِ ! لَوْعَلِمْتُ أَنَّكَ تَسْمَعُ قِرَاءَتِي لَحَبَّرْتُهَا لَكَ تَحْبِيرًا))

''اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپؐ میری قراءت سن رہے ہیں تو میں آپؐ کے لیے اپنی قراءت کو اور زیادہ خوش الحان بنانے کی کوشش کرتا۔''(۲)

حضرت داؤد بڑے خوش الحان تھے، اس لیے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی خوش الحانی کو آپ نے لحنِ آلِ داؤد سے مشابہت دی۔ بعض اہل علم کے بقول یہاں لفظ آل زائد ہے، مراد لحنِ داؤدی ہے نہ کہ لحنِ آلِ داؤدی۔

(۳) : حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات وہ سورۂ بقرۃ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا۔ اتنے میں گھوڑا بدکنے لگا، انہوں نے تلاوت بند کر دی تو گھوڑا بھی رک گیا۔ پھر انہوں نے تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ اس مرتبہ بھی جب انہوں نے تلاوت بند کی تو گھوڑا بھی خاموش ہو گیا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے جب تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنا شروع ہو گیا۔ ان کے بیٹے یحییٰ چونکہ گھوڑے کے قریب ہی (لیٹے) تھے اس لیے اس خوف سے کہ کہیں گھوڑا ان کے بیٹے کو تکلیف نہ پہنچائے، انہوں نے تلاوت بند کر دی اور بچے کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر اوپر نظر اٹھائی تو کچھ نہ دکھائی دیا۔ (ایک روایت کے مطابق اس سے پہلے انہیں اوپر آسمان پر ایک روشن چھتری نظر آئی تھی) صبح کے وقت یہ واقعہ انہوں نے نبی اکرمؐ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابن حضیر! تم پڑھتے رہتے، تلاوت بند نہ کرتے! (تو بہتر تھا)۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ڈر لگا کہ کہیں گھوڑا میرے بیٹے یحییٰ کو نہ کچل ڈالے کیونکہ وہ گھوڑے کے بالکل قریب پڑا تھا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا اور پھر یحییٰ کی طرف گیا۔ پھر میں نے سر آسمان کی طرف اٹھایا تو ایک چھتری نما چیز نظر آئی جس میں روشن چراغ تھے۔ پھر جب میں دوبارہ باہر آیا تو میں نے اس چیز کو نہیں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا چیز تھی؟ اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز سننے کے لیے قریب ہو رہے تھے۔ اگر تم رات بھر تلاوت کرتے رہتے تو صبح تک اور لوگ بھی انہیں دیکھتے کیونکہ یہ (وہ فرشتے تھے جو) لوگوں سے چھپتے نہیں۔ (۳)

۱۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب تحسین الصوت بالقراءۃ، ح۷۹۳۔

۲۔ صحیح ابن حبان، ح۷۱۹۷۔ مستدرک حاکم، ج۳ ص۴۶۶۔ فضائل القرآن، لابن کثیرؒ، ص۳۵۔

۳۔ بخاری، کتاب الفضائل، باب نزول السکینۃ والملائکۃ عند قراءۃ القرآن، ح۵۰۱۸۔ مسلم، صلاۃ المسافرین، ح۷۹۶۔

یعنی حضرت اُسیدؓ اتنے سوز اور ترنم کے ساتھ تلاوت کر رہے تھے کہ فرشتے ان کی تلاوت سننے کے لیے اُتر آئے......!!

۷)......حسنِ قراءت اور قواعدِ موسیقی

گزشتہ مباحث سے معلوم ہوا کہ تلاوتِ قرآن میں حسن پیدا کرنے کو پسند کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حسنِ قراءت کا اہتمام کرتے تھے۔ بعد کے اَدوار میں جہاں تجوید وقراءت کے اُصول مرتب ہوئے، وہاں قواعدِ موسیقی سے مدد لینے کا سوال بھی سامنے آیا۔ بعض اہل علم نے قواعد موسیقی سے مدد لینا علی الاطلاق حرام قرار دیا اور اس سلسلہ میں بعض ضعیف روایات سے استدلال کیا مثلاً ایک روایت یہ ہے:

((عن حذيفة قال قال رسول الله ﷺ: اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا، وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَسَيَجِيْءُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْآنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَاْنُهُمْ))

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کو عربی لہجے اور عربی آوازوں میں پڑھو اور دیکھو، خبردار! اہل عشق اور اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے سے لہجے اختیار نہ کرو اور سنو! عنقریب میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو گا گا کر یا نوحے کے انداز میں پڑھیں گے جب کہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل بھی فتنے میں پڑے ہوں گے اور ان لوگوں کے بھی جو ان کے طرز اَدا کو پسند کرنے والے ہوں گے۔''[1]

یہ روایت الفاظ کی کمی بیشی اور معمولی تقدیم وتاخیر کے ساتھ کئی سندوں سے مروی ہے مگر اس کی کوئی سند بھی ضعف سے خالی نہیں۔ اس لیے اس روایت سے استدلال محل نظر ہے۔ اس کے علاوہ اس نقطہ نظر کی تائید میں کوئی اور مضبوط دلیل موجود نہیں۔

جب کہ دوسری طرف بعض اہل علم نے کچھ شرائط کے ساتھ قواعدِ موسیقی سے استفادہ کو درست قرار دیا اور وہ شرائط یہ ہیں:

۱)......قواعدِ موسیقی سے مدد لینا اس وقت درست ہے جب اس سے مسلمہ قواعدِ تجوید میں فرق واقع نہ ہو اور تلفظ کی ادائیگی میں لحن جلی (بڑی غلطی) یا لحن خفی (چھوٹی غلطی) کا ارتکاب نہ ہو۔

۲)......قواعدِ موسیقی کا اہتمام کرتے ہوئے ایسا لب ولہجہ اختیار نہ کیا جائے جو قرآن کی عظمت ووقار اور خشوع وخضوع کے منافی ہو۔ کیونکہ قرآن لہو ولعب کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ کتابِ ہدایت ونصیحت ہے۔

۳)......قواعدِ موسیقی کا لحاظ کرتے ہوئے اگر تکلف وتصنع سے کام لینا پڑے تو اس حد تک درست ہے جو غیر فطری نہ ہو لیکن اگر اس میں اتنی مبالغہ آرائی پائی جائے کہ رگیں پھول جائیں، آنکھیں باہر کو آ جائیں، یا تلاوت کرتے کرتے قاری بے ہوش ہو جائے تو ظاہر ہے یہ طریقہ درست نہ ہوگا۔

۱۔ شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن، ح ۲٦٤٩۔

[4].....خشوع وخضوع کا لحاظ

تلاوتِ قرآن ایک عبادت ہے اور عبادت میں خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کا لحاظ رکھنا بہت اہم ہے۔ اس لیے تلاوتِ قرآن کے وقت خشوع وخضوع کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہیے۔ آئندہ سطور میں ہم ایسے اہم نکات کی نشاندہی کر رہے ہیں جو خشوع وخضوع میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

۱).....دنیوی مصروفیت ومشغولیت آڑے نہ ہو

تلاوت اس وقت کی جائے جب کوئی اور دنیوی مصروفیت ومشغولیت آڑے نہ ہو، ورنہ تلاوت کرنے والے کے خشوع و خضوع میں خلل واقع ہوگا۔ لیکن اگر کوئی مشغولیت ایسی ہو جو تلاوت میں خلل پیدا نہ کرے تو پھر وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مشغولیت کے دوران بھی تلاوت کی جاسکتی ہے مثلاً سفر کے دوران اگر تلاوت کا موقع مل جائے تو سواری پر بھی تلاوت کی جاسکتی ہے خود نبی کریم ﷺ کے بارے روایات میں آتا ہے کہ آپؐ اپنی سواری پر بھی قرآن کی تلاوت فرمالیا کرتے تھے۔[۱]

۲).....یکسوئی اور ہوش وحواس قائم ہوں

تلاوتِ قرآن کے وقت پوری یکسوئی ہونی چاہیے اور ہوش وحواس کے ساتھ تلاوت کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ پڑھنے والے کو یہ پتہ ہی نہ ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ یہ چیز خشوع وخضوع کے بھی منافی ہے اور اس میں یہ خدشہ بھی ہے کہ تلاوت کرنے والا تلاوت میں کوئی بڑی غلطی کر جائے گا۔ نماز میں بھی قرآن کی تلاوت کی جاتی اور دعائیں مانگی جاتی ہیں، اس لیے ہر ایسی حالت میں نماز پڑھنے سے بھی منع کیا گیا ہے جس میں انسان کے ہوش وحواس قائم نہ ہوں۔ اسی اصول کو تلاوتِ قرآن کے وقت بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔

۳).....قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جائے اور دعائیں مانگی جائیں

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے، اس سے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ چونکہ قرآن مجید سمجھ کر پڑھتے تھے، اس لیے تلاوت کے دوران وہ بہت زیادہ خشوع وخضوع کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ (دورانِ تلاوت) جب خوف (اور عذاب وغیرہ) کی آیت سے گزرتے تو تعوذ (اعوذ باللہ) پڑھتے (یعنی اللہ سے پناہ مانگتے) اور جب کسی رحمت (نعمت، جنت وغیرہ) کی آیت سے گزرتے تو اللہ سے (اس کی رحمت) کا سوال کرتے اور جب کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور بزرگی کا بیان ہوتا تو وہاں آپؐ اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے (اور سبحان اللہ کہتے)۔''[۲]

۱۔ بخاری، کتاب المغازی، باب ابن رکز النبی الرایۃ یوم الفتح، ح۴۲۸۱۔ فضائل القرآن، باب الترجیع، ح۵۰۴۷۔ مسلم، ح۷۹۴۔

۲۔ صحیح الجامع الصغیر، ح۴۶۵۸۔

۴)......خشیتِ الٰہی کا اظہار کیا جائے

تلاوت کرنے والے کو دورانِ تلاوت خشیتِ الٰہی کا اظہار کرنا چاہیے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے احادیث میں آتا ہے کہ آپ دورانِ تلاوت اگر کسی خوف اور عذاب کی آیت سے گزرتے تو اللہ سے پناہ مانگتے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے نمازِ تہجد میں جب قرآنِ مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾[سورة المائدة:۱۱۸]

''اگر تو انہیں عذاب دینا چاہے تو یہ تیرے (ہی) بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف فرما دے تو یقیناً تو زبردست اور حکمت والا ہے۔''

تو آپؐ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آپ اسی آیت کو بار بار دہراتے رہے حتی کہ صبح صادق ہوگئی۔ (۱)

دورانِ تلاوت خشیتِ الٰہی کے اظہار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تلاوت کرنے والے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔ درج ذیل آیات میں اس حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴾[سورة الاسراء:۱۰۷تا۱۰۹]

''جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، ان کے پاس تو جب بھی اس (قرآن) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع وخضوع میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔''

۵)......قرآن مجید کا اَدب، واحترام اور عظمت ووقار ذہن میں رہنا چاہیے

تلاوت کے وقت قرآن مجید کا اَدب واحترام اور عظمت ووقار ذہن میں رہنا چاہیے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح خشوع وخضوع میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان یہ سمجھے کہ قرآنِ مجید اللہ کی کتاب اور اس کا کلام ہے اور دورانِ تلاوت وہ اللہ سے ہم کلام ہو رہا ہے۔ لیکن اگر انسان قرآنِ مجید کو بھی عام کتابوں کی طرح سمجھ کر پڑھے تو پھر اس کے دل میں نہ اس کی عظمت ووقار کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس پر خشوع وخضوع کے اَثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔

۶)......دورانِ تلاوت دنیوی باتوں سے پرہیز کیا جائے

دورانِ تلاوت دنیوی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو تلاوت روک کر بات چیت کی جا سکتی ہے اور اس

۱۔ ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلاة، باب ماجاء فی القرآءة...، ح۱۳۵۰۔ نسائی، ح۱۰۰۹۔ مسند احمد، ج۵ص۱۴۹۔

کے بعد دوبارہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھ لینا چاہیے۔ لیکن اگر بالفرض دوران تلاوت بار بار سلسلۂ گفتگو جاری رہے، تو ظاہر ہے اس طرح کرنے سے خشوع وخضوع متاثر ہوتا ہے۔

اگر دورانِ تلاوت ضروری بات کی جاسکتی ہے تو پھر سلام کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے۔ بعض فقہاء اس بات کو مکروہ سمجھتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن میں مشغول شخص کو سلام کہا جائے مگر ہمارے خیال میں یہ عمل مکروہ نہیں۔ اول تو اس لیے کہ بہت سی صحیح احادیث میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب بھی کسی مسلمان سے ملاقات کرو، تو اسے سلام کہو۔ دوم اس لیے کہ بعض صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ نماز پڑھنے والے کو بھی سلام کہا جاسکتا ہے اور وہ دورانِ نماز سلام کا جواب اشارے سے دے سکتا ہے۔ اگر نماز پڑھنے والے کو سلام کہا جاسکتا ہے تو پھر قرآن کی تلاوت کرنے والے کو بالا ولیٰ سلام کہا جاسکتا ہے۔ اور تلاوتِ قرآن چونکہ نماز کے حکم میں نہیں، اس لیے دورانِ تلاوت اشارے کی بجائے الفاظ کے ساتھ جواب دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں ایسی کوئی صحیح حدیث بھی موجود نہیں جس میں تلاوت کرنے والے کو سلام کہنے سے روکا گیا ہو۔

۷)...... پرسکون ماحول کا اہتمام رکھا جائے

تلاوت کرنے والے کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ تلاوت کے لیے ایسے وقت اور ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے، جہاں بات چیت اور شور وغوغا نہ ہو، یا وہاں سے لوگوں کی آمد ورفت نہ ہو رہی ہو یا کوئی اور ایسی صورت نہ ہو جو خلل پیدا کرسکتی ہے۔

۸)...... تلاوت کرنے والے کی تلاوت کو غور سے سننا چاہیے

اگر کوئی شخص قرآنِ مجید کی تلاوت کر رہا ہو تو اس کی تلاوت کو غور سے سننا چاہیے اور اس کے پاس بات چیت یا شور وغوغا نہیں کرنا چاہیے تاکہ تلاوت کرنے والے کے خشوع میں خلل پیدا نہ ہو۔ عہد نبویؐ میں کفار ومشرکین یہ کام کرتے کہ جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو وہ شور وغوغا برپا کرتے، چنانچہ ان لوگوں کی مذمت کرتے اور مسلمانوں کو ادب سکھاتے ہوئے قرآن مجید میں یہ بات کہی گئی کہ

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا ﴾[سورة الاعراف: ٢٠٤]

''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے پورے غور سے سنو اور خاموش رہو۔''

اگر کسی قاری کی کیسٹ لگی ہو تو اس وقت بھی خاموشی کے ساتھ اس کی تلاوت کی طرف توجہ کرنی چاہیے، ورنہ کیسٹ بند کر دینی چاہیے۔

۹)...... تلاوت کے دوران دوسروں کے آرام کا بھی خیال رکھنا چاہیے

جس طرح تلاوت کے دوران خشوع وخضوع کا ماحول پیدا کرنے کے لیے مختلف باتوں کا خیال کیا جاتا ہے، اسی طرح دورانِ تلاوت اس بات کا بھی خیال کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تلاوت کرنے والا تو اپنے خشوع وخضوع کا بھرپور اہتمام کرلے مگر اس کی تلاوت سے دوسرے لوگوں کو اذیت اور تکلیف پہنچ رہی ہو مثلاً اگر قریب ہی کوئی شخص سویا ہو یا بیمار پڑا کراہ رہا ہو

اور آپ اس کے پاس اونچی آواز سے تلاوت شروع کر دیں تو ظاہر ہے اس سے اسے اذیت ہوگی اور ہوسکتا ہے وہ آپ کو اور آپ کے اس فعل کو برا بھلا کہنا شروع کر دے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ہر ایسی صورت میں تلاوتِ قرآن سے منع فرمایا ہے، جس سے دوسرے کو اذیت پہنچتی ہو مثلاً ایک دلیل ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد میں اعتکاف فرمایا تو دیکھا کہ لوگ اونچی اونچی تلاوت کر رہے ہیں، آپؐ نے اپنا پردہ پیچھے ہٹایا اور فرمایا:

((اَلَا اِنَّ کُلَّکُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا یُؤْذِیَنَّ بَعْضُکُمْ بَعْضًا وَلَا یَرْفَعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الْقِرَآءَةِ))

''آگاہ رہو! تم میں سے ہر شخص اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہے، اس لیے تم ایک دوسرے کو اذیت نہ دو اور تلاوتِ قرآن میں اپنی آواز ایک دوسرے سے اونچی کرنے کی کوشش نہ کرو۔''[1]

اگر صحت مند آدمی کو تلاوتِ قرآن کے ذریعے اذیت دینے سے منع کیا گیا ہے تو کسی بیمار کو اذیت دینا تو بالا ولیٰ منع ہونا چاہیے۔ افسوس کہ ہماری مساجد میں اس بات کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ رمضان المبارک میں تو بالخصوص اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ محلے میں کتنے چھوٹے بڑے بیمار ہوں گے اور کتنے تھکے ماندہ ہوں گے، چنانچہ ساری ساری رات لاؤڈ سپیکر میں تلاوت اور تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ رویہ قطعی غلط ہے۔ سپیکر کا اہتمام ان لوگوں تک محدود رہنا چاہیے جو اس مقصد کے لیے مسجد میں حاضر ہوں۔ باہر کے لوگوں تک آواز پہنچا کر ہم جو مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کے مقابلے میں بیماروں کو اذیت میں مبتلا کرنا زیادہ قبیح ہے۔

[5].....سجدۂ تلاوت

قرآن مجید کی بعض آیات ایسی ہیں جنہیں پڑھنے کے ساتھ سجدہ کرنا مستحب ہے۔ اس سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہا جاتا ہے۔ فقہائے احناف اسے واجب جبکہ جمہور فقہاء اسے سنت (مستحب) کہتے ہیں اور یہی رائے زیادہ قوی ہے۔ جن مقامات پر یہ سجدہ کیا جاتا ہے وہ حسب ترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) سورۃ الاعراف، آیت:۲۰۶۔ (۲) سورۃ الرعد، آیت:۱۵ (۳) سورۃ النحل، آیت:۵۰ (۴) سورۃ الاسراء، آیت:۱۰۹۔ (۵) سورۃ مریم، آیت ۵۸۔ (۶) سورۃ الحج، آیت:۱۸۔ (۷) سورۃ الفرقان، آیت:۶۰ (۸) سورۃ النمل، آیت:۲۶۔ (۹) سورۃ السجدۃ، آیت:۱۵۔ (۱۰) سورۃ صٓ، آیت:۲۴۔ (۱۱) سورۃ حم السجدۃ، آیت:۳۸۔ (۱۲) سورۃ القمر، آیت:۶۲۔ (۱۳) سورۃ الانشقاق، آیت:۲۱۔ (۱۴) سورۃ العلق، آیت:۱۹۔

یہ ایسے مقامات ہیں جہاں اسلوبِ بیان اگرچہ خود ہی اس بات کا متقاضی ہے کہ تلاوت کرنے والا اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جائے مگر اس کے باوجود ان مقامات پر سجدہ محض اسلوبِ بیان کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان احادیث کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جن میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے ان مقامات پر سجدہ کیا ہے۔ البتہ سورۃ الحج کی آیت ۷۸ کے سجدۂ تلاوت میں علما کا اختلاف ہے۔

۱۔ سنن ابوداؤد، کتاب التطوع، باب فی صلاۃ اللیل، ح۱۳۲۸۔ صحیح الجامع الصغیر، ح۲۶۳۶۔

سجدۂ تلاوت مستحب ہے

آئندہ سطور میں وہ اَحادیث ملاحظہ فرمالیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تلاوت مستحب ہے، واجب نہیں:

(۱) : ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَیَقْرَأُ سُوْرَۃً فِیْهَا سَجْدَۃٌ فَیَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ))[۱]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو جب آپ کوئی ایسی سورت پڑھتے جس میں سجدہ کی آیت ہوتی تو آپ ﷺ وہاں سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔''

(۲) : ((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَرَأَ النَّبِیُّ ﷺ اَلنَّجْمَ بِمَکَّۃَ فَسَجَدَ فِیْهَا وَسَجَدَ مَنْ مَّعَهُ))

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی تو (آیتِ سجدہ پر پہنچ کر) سجدہ کیا اور جو لوگ آپؐ کے پاس تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا۔''[۲]

یہ دونوں روایات سجدہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں جبکہ اگلی دونوں روایات سجدہ نہ کرنے کے جواز پر مبنی ہیں۔

(۳) : ((عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ ؓ قَالَ قَرَأْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَالنَّجْمِ فَلَمْ یَسْجُدْ فِیْهَا))

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو سورۃ النجم سنائی اور (آیتِ سجدہ پر پہنچ کر آپؐ اور میں نے) سجدہ نہیں کیا۔''[۳]

(۴) : ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جمعہ کے روز منبر پر سورۃ النحل کی تلاوت فرمائی اور جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو منبر سے نیچے اتر کر سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ کیا۔ اَگلے جمعہ انہوں نے پھر یہی سورت تلاوت فرمائی اور جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو فرمایا: لوگو! ہم سجدے والی آیات سے گزرتے ہیں، جو کوئی وہاں سجدہ کرلے وہ درست کرتا ہے اور جو سجدہ نہ کرے، اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ چنانچہ اس مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سجدۂ تلاوت نہ کیا۔''[٤]

سجدۂ تلاوت کی فضیلت

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَۃَ فَسَجَدَ اِعْتَزَلَ الشَّیْطَانُ یَبْکِیْ یَقُوْلُ یَاوَیْلَه [یَا وَیْلِیْ] اُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّۃُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَیْتُ فَلِیَ النَّارُ))[٥]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب ابن آدم سجدہ والی آیت کی تلاوت کرے اور اس پر سجدہ کرے تو شیطان روتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے ہائے میری ہلاکت! ابن آدم کو سجدہ کا حکم ملا اور اس نے سجدہ کیا تو اس کے لیے جنت ہے جب کہ مجھے سجدے کا حکم ملا اور میں نے سجدے سے انکار کردیا تو میرے لیے جہنم کی آگ ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب سجود التلاوۃ، ح۵۷۵۔
۲۔ صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب ماجاء فی سجود القرآن وسنتها، ح۱۰۶۷۔
۳۔ صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب من قرأ السجدۃ ولم یسجد، ح۱۰۷۳۔
٤۔ صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب من رأی ان اللہ عزوجل لم یوجب السجود، ح۱۰۷۸۔
٥۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ، ح۸۱۔

سجدۂ تلاوت کے لیے وضو اور قبلہ رخ ہونا مستحب ہے

سجدۂ تلاوت کے لیے وضو اور قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں، البتہ یہ دنوں چیزیں مستحب ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سجدہ والی آیت تلاوت کرتے ہوئے سجدۂ تلاوت کیا تو آپ کے پاس موجود لوگوں نے بھی فوراً سجدہ کیا۔اب ظاہر ہے آپؐ کے پاس موجود ہر شخص باوضو نہیں تھا مگر اس کے باوجود سجدہ سب نے کیا۔علاوہ ازیں فوراً سجدہ کرنے میں ہر شخص کے لیے قبلہ رخ ہونے کا اہتمام بھی ممکن نہیں ہوتا، اس لیے لامحالہ جو جس رخ پر بیٹھا ہوگا، وہ ادھر ہی سجدہ ریز ہو گیا ہوگا۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سلسلہ میں وضو اور قبلہ رخ ہونے کو آپؐ نے لازم بھی نہیں کیا۔البتہ نماز کے لیے وضو اور قبلہ رخ ہونا شرط ہے مگر سجدۂ تلاوت سے متعلقہ واقعات ہمیشہ حالتِ نماز میں پیش نہیں آئے بلکہ نماز کے علاوہ بھی پیش آئے ہیں۔ بطورِ مثال ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ أَحَدُنَا لِجَبْهَتِهِ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ آیتِ سجدہ کی تلاوت فرماتے اور سجدہ کرتے تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ سجدہ کرتے اور ہمارا اس قدر ہجوم ہوتا کہ ہم میں سے بعض کو سجدہ کرنے کے لیے جگہ نہ مل پاتی۔''[1]

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کسی مجلس کا واقعہ ہے نماز سے متعلقہ واقعہ نہیں ہے بلکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ نماز کا موقع نہیں تھا۔[2]

اسی طرح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کرلیا کرتے تھے۔[3]

سجدۂ تلاوت کی دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نمازِ تہجد میں جب سجدۂ تلاوت والی آیات پر سجدہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے:

((سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ))

''میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا ہے، اور اپنی قدرت وطاقت سے اس کے کان اور آنکھیں بنائیں، پس وہ اللہ بہت بابرکت اور سب سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے۔''[4]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب ازدحام الناس اذاقرأ الامام السجدة، ح۱۰۷۶۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب سجود التلاوة، ح۵۷۵۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب سجود المسلمین مع المشرکین...... ح۱۰۷۱۔

٤۔ ابوداؤد، کتاب الصلاة، ح۱٤۱٤۔ ترمذی، ۵۸۰۔ واضح رہے کہ یہ جملہ: ((فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ)) حاکم (۱/۲۷۱) میں ہے۔

سجدۂ تلاوت کے وقت تکبیر اور تسلیم

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب سجدۂ تلاوت کے لیے جھکتے تو تکبیر کہتے ہوئے جھکتے۔ مگر علامہ البانی وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے[1]۔ اس لیے سجدۂ تلاوت کے لیے تکبیر کہنا ضروری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا یا آخر میں سلام کہنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ البتہ حالت نماز میں اگر سجدۂ تلاوت کا موقع آ جائے تو امام کو چاہیے کہ وہ تکبیر کہہ کر سجدہ کرے۔ یہ جواز اُن احادیث کی بنیاد پر ہے جن میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حالتِ نماز میں رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے تکبیر کہتے تھے اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح مقتدیوں کو علم ہو جائے گا کہ امام نے سجدۂ تلاوت کے لیے تکبیر کہی ہے۔ اگر امام بغیر تکبیر کہے سجدہ میں چلا جائے تو بہت سے مقتدیوں کو علم ہی نہ ہوگا کہ امام کے ساتھ کیا ہوا ہے اور ظاہر ہے اس طرح ان کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔ نیز امام کو چاہیے کہ وہ نماز کے آغاز ہی میں بتا دے کہ فلاں رکعت میں سجدۂ تلاوت کیا جائے گا۔

[6]..... روزانہ کا معمول اور طریقۂ تلاوت

۱)..... تلاوتِ قران کو روزانہ کا معمول بنانا چاہیے

تلاوتِ قرآن مجید کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ تلاوت کو روزانہ کا معمول بنا لیا جائے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ ہفتہ کے ایک دن تو کئی پارے تلاوت کر لیے جائیں اور پھر باقی دنوں قرآن کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے۔ یا سال میں ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینے میں کئی قرآن پڑھے جائیں مگر سال کے باقی مہینوں میں قرآن کی طرف رجوع کے لیے وقت ہی نہ نکالا جائے۔ بلکہ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ روزانہ قرآنِ مجید کی تلاوت کی جائے خواہ چند آیات ہی روز پڑھی جائیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو وہ عمل زیادہ پسند ہے جو دوام (ہمیشگی) کے ساتھ کیا جائے، خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔''[2]

۲)..... صحابہ اور سلف صالحین کا معمول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید سے بے پناہ محبت رکھتے تھے، ان کی عادت یہ تھی کہ جب موقع ملتا قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ حتیٰ کہ بہت سے صحابہ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور رات کو نمازِ تہجد میں کھڑے ہو کر وہ قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی (ان دونوں صحابیوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے یمن کے دو مختلف حصوں کا گورنر مقرر فرمایا تھا) تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تلاوتِ قرآن کے لیے آپ کا کیا معمول ہے؟ حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ میں تو بیٹھے، کھڑے اور سواری پر ہر وقت تھوڑا تھوڑا قرآن پڑھتا رہتا ہوں (تا کہ اپنی روز کی منزل پوری کر سکوں)۔

۱۔ ضعیف ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الرجل یسمع السجدۃ......ح٣٠٦۔ ٢۔ بخاری، کتاب اللباس، ح٥٨٦١۔

پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کا کیا معمول ہے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں رات کے پہلے حصہ میں سو جاتا ہوں، پھر کچھ نیند پوری کرنے کے بعد اٹھتا ہوں اور جتنا اللہ کی طرف سے میرے لیے مقدر ہوتا ہے قرآن پڑھتا ہوں۔ میں تلاوتِ قرآن کے لیے اٹھنے کو جس طرح باعثِ اجر سمجھتا ہوں، اسی طرح رات کے آرام کو بھی باعثِ اجر سمجھتا ہوں۔ (۱)

اکثر و بیشتر صحابہ کا یہ معمول تھا کہ وہ سات دنوں میں قرآن مجید ختم کرلیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت طاؤس ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے (کئی) صحابہ سے پوچھا کہ آپ لوگ کس معمول سے قرآن کی تلاوت مکمل کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلے دن تین سورتیں پڑھتے ہیں، دوسرے دن پانچ، تیسرے دن سات، چوتھے دن نو، پانچویں دن گیارہ، چھٹے دن تیرہ اور ساتویں دن (باقی کا) آخری حصہ پڑھتے ہیں۔ [یعنی اس طرح سات دنوں میں قرآن مکمل کر لیتے ہیں] (۲)

۳)...... کتنے دنوں میں قرآن مجید ختم کیا جائے؟

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بکثرت عبادت کیا کرتے تھے اور ہر رات ایک قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے حتیٰ کہ بکثرت عبادت کی وجہ سے بیوی کا حق زوجیت بھی ادا نہ کر پاتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ خود ہی روایت کرتے ہیں کہ

''میرے والد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک شریف خاندان کی عورت سے میرا نکاح کر دیا اور ہمیشہ خبر گیری کرتے اور اس عورت سے اس کے خاوند (یعنی میرے) بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ میری بیوی کہتی کہ عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے البتہ جب سے میں ان کے نکاح میں آئی ہوں انہوں نے اب تک میرے بستر پر قدم بھی نہیں رکھا اور نہ میرے کپڑے میں کبھی ہاتھ ڈالا۔ (مراد ہمبستری تھی) جب اسی طرح کئی روز گزر گئے تو میرے والد محترم نے مجبور ہو کر اس کا تذکرہ نبی اکرمؐ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ عبداللہ کو مجھ سے ملواؤ۔ چنانچہ میں آنحضرتؐ سے ملا تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ روزانہ ہی رکھتا ہوں۔ پھر آپؐ نے پوچھا کہ قرآن مجید کس طرح ختم کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہر رات۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھا کرو اور پورے مہینے میں ایک قرآن ختم کیا کرو۔ عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر دو دن چھوڑ کر ہر تیسرے دن روزہ رکھو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ روزہ رکھو جو سب سے افضل ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ اور وہ اس طرح کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن ناغہ کرو اور قرآن مجید سات دن میں ختم کرو۔ (بعض روایات میں ۵ اور بعض روایات میں ۳ دن میں قرآن ختم کرنے کا ذکر ہے)۔ (۳)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ ومعاذ الی الیمن، ح ۴۳۴۱۔

۲۔ سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة، باب فی کم یستحب یختم القرآن، ح ۱۱۰۵۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فی کم یقرأ القرآن، ح ۵۰۵۲۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑھاپے میں بھی اس پر عمل کرتے رہے اور کہا کرتے تھے کہ کاش! میں اللہ کے رسول ﷺ کی رخصت (یعنی ایک ماہ میں قرآن ختم کرنے اور ایک ماہ میں تین روزے رکھنے) کو قبول کر لیتا مگر آپ ﷺ سے وعدہ کر لینے کے بعد حضرت عبداللہ مشقت کے باوجود اس پر عمل کرتے رہے۔"[1]

بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ "تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے"۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحب یہ ہے کہ سات دنوں میں قرآن مجید ختم کیا جائے اور عام طور پر صحابہ کا یہی معمول تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص زیادہ استطاعت رکھتا ہو اور دیگر مشاغل و ذمہ داریوں سے بھی مستغنی ہو تو وہ تین دنوں میں بھی قرآن مجید ختم کر سکتا ہے مگر تین سے کم دنوں میں قرآن کریم ختم کرنے کو عام حالات میں اللہ کے رسول ﷺ نے ناپسند کیا ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ))

"اس شخص نے قرآن مجید کو سمجھا ہی نہیں جس نے اسے تین شب و روز سے کم میں ختم کیا۔"[3]

۴)...... جب طبیعت نہ چاہے تو تلاوت نہیں کرنی چاہیے

قرآن مجید کی تلاوت اس وقت کرنی چاہیے جس وقت طبیعت پوری طرح آمادہ ہو اور اگر اکتاہٹ یا تھکاوٹ وغیرہ کا مسئلہ ہو تو پھر زبردستی تلاوت کی کوشش نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

((عن جندب بن عبداللّٰہ عن النبی ﷺ : اِقْرَءُ وا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوْبُكُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ))

"حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک تمہارا دل اس میں لگا رہے۔ جب دل نہ لگ رہا ہو تو پھر اسے پڑھنا چھوڑ دو۔"[4]

۵)...... تلاوت اونچی کی جائے یا آہستہ، دونوں طرح درست ہے

قرآن مجید کی تلاوت اونچی آواز سے کی جائے یا آہستہ، دونوں طرح درست ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت غضیف بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور ان سے پوچھا:

((اَرَاَيْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقُرْآنِ اَوْ يُخَافِتُ[يُخْفِتُ] بِهٖ؟ قَالَتْ رُبَّمَا جَهَرَ بِهٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ، قُلْتُ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً))[5]

۱۔ بخاری، ایضاً۔ ۲۔ صحیح بخاری، ح۵۱۹۹۔ صحیح مسلم، ح۱۱۵۹۔

۳۔ ترمذی، کتاب القراءات، باب ۱۳۔ ح ۲۹۴۹۔ ابو داؤد، کتاب شھر رمضان، باب تحزیب القرآن، ح۱۳۹۴۔

٤۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب اِقْرَءُ وا الْقُرْآنَ...ح ۵۰۶۰۔ مسلم، کتاب العلم، باب النھی عن اتباع...ح۲۶۶۷۔

۵۔ سنن أبی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی الجنب یؤخر الغسل، ح۲۲۶۔ سنن نسائی، ح۲۲۲۔ سنن ابن ماجہ، ح۱۳۵٤۔

''اللہ کے رسول ﷺ اونچی آواز سے قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے یا آہستہ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی آپ ﷺ اونچی تلاوت فرماتے اور کبھی آہستہ۔تو میں نے کہا: اللہ اکبر! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس معاملے میں وسعت رکھی ہے۔''

یعنی دونوں طرح درست ہے اور اس بات کا انحصار خود تلاوت کرنے والے پر اور اس ماحول پر ہے جس میں تلاوت کی جا رہی ہو۔بعض روایات میں دونوں حالتوں کا الگ الگ ثواب اس طرح بیان کیا گیا ہے:

((عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله ﷺ :اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ))(1)

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص با آواز بلند قرآن مجید پڑھتا ہے، وہ اس شخص کے مانند ہے جو اعلانیہ صدقہ دیتا ہے اور جو شخص آہستہ آواز میں پڑھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو چھپا کر صدقہ دیتا ہے۔''

اور یہ بات واضح ہے کہ کسی موقع پر اعلانیہ صدقے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور کسی وقت چھپا کر دینے کا۔

٦)......کیسٹ سے قرآن مجید سننا

اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے خود تلاوت نہ کر سکتا ہو، یا خود تلاوت کرنے کو دل نہ چاہ رہا ہو تو پھر کیسٹ وغیرہ کی مدد لی جا سکتی ہے۔کسی اچھے سے قاری کی تلاوت لگا کر اسے سن لینا چاہیے مگر یہ یاد رہے کہ جب تلاوت لگی ہو تو اس وقت بات چیت اور شور وغوغا کی بجائے ہمہ تن گوش ہو کر تلاوت سننی چاہیے۔جس طرح خود تلاوت کرنے کا ثواب ہے، اسی طرح تلاوت سننے والا بھی اجر وثواب سے محروم نہیں رہتا۔

٧)......مصحفی ترتیب سے تلاوت کرنا

قرآن مجید کی تلاوت میں اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ مصحفی ترتیب سے قرآن پڑھا جائے۔اگرچہ یہ ضروری نہیں بلکہ بغیر ترتیب کے قرآن مجید کی کسی بھی سورت سے تلاوت کی جا سکتی ہے مگر بہتر یہی ہے کہ ایک ترتیب سے قرآن پڑھا جائے تاکہ یہ اندازہ بھی رہے کہ کتنی مدت میں آپ نے قرآن مجید ختم کیا ہے، پھر صحابہ کرام کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ مصحفی ترتیب کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور ظاہر ہے یہی ترتیب انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنی تھی اور اسی کے مطابق قرآن مجید کو مصحفی شکل دی گئی۔بعض لوگ قرآن مجید کی تلاوت اس انداز سے کرتے ہیں کہ پورے قرآن سے کچھ آیات مخصوص کر لیتے ہیں اور پھر انہی کی تلاوت کرتے ہیں مثلاً: سورۃ البقرۃ سے کچھ آیات، پھر سورۃ آل عمران سے کچھ آیات، پھر سورۃ النساء یا سورۃ المائدۃ سے کچھ آیات، علی ہذا القیاس آخر تک۔اس طریقہ تلاوت کو درست قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی سے ایسا کرنا منقول ہے بلکہ سلف صالحینؒ نے تو اس طرح کرنے کو سخت ناپسند کیا ہے۔

١۔ ابو داؤد، کتاب التطوع، باب فی رفع الصوت بالقراءة، ح ١٣٣٣۔ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ٢٩١٩۔ نسائی، ح ٢٥٦٠۔

فصل ۴

قرآن کا فہم

[1].....قرآن فہمی اور اس کی ضرورت و اہمیت

قرآن مجید کے ساتھ ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ ہم اس کتاب کے پیغامِ ہدایت کو سمجھنے کی حتی الامکان پوری کوشش کریں کیونکہ جب تک ہم اس کے مندرجات کو نہیں سمجھیں گے، تب تک اس پر عمل کرنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوگا مثلاً جب ہمیں یہ علم ہی نہ ہو کہ قرآن مجید معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی میں ہمیں کیا ہدایات دیتا ہے؟ موت وحیات اور حیات بعد الممات کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ کن عقائد ونظریات کی یہ تلقین کرتا اور کن عقائد ونظریات کو یہ غلط قرار دیتا ہے؟ تو ہم کیسے اس کے اَحکام پر عمل پیرا ہو سکتے اور اس کی ہدایات و برکات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟!

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری پوری زندگی قرآنِ مجید کے اَحکام کے مطابق بسر ہو، ہمارے اِنفرادی و اجتماعی معاملات قرآن مجید کی روشنی میں طے پائیں، ہمارا ہر قدم قرآن کے سائے میں آگے بڑھے، ہماری فکر کا ہر زاویہ قرآن کی روشنی میں کھینچا جائے تو ہمارے لیے سب سے ضروری چیز یہی ہے کہ ہم قرآن مجید کا فہم حاصل کریں، اس کے پیغام پر غور وفکر کریں اور اس کے اَحکام کو ٹھیک ٹھیک منشاءِ خداوندی کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں۔

قرآن فہمی کی مشکل صورت

قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور ہماری مادری زبان عربی نہیں، اس لیے ہمیں قرآن مجید سمجھنے میں یقیناً دشواری ہے جس کا ایک حل تو یہ ہے کہ ہم پہلے عربی زبان سیکھیں اور پھر قرآن فہمی کی طرف توجہ کریں۔ لیکن عربی زبان اتنی فصیح و بلیغ ہے کہ اس پر دسترس کے لیے لمبا وقت چاہیے۔ پھر اس کے ساتھ عرب کے اس خاص ماحول سے آگاہی بھی ضروری ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ مزید برآں حدیث وفقہ کے اس وسیع لٹریچر پر بھی گہری نظر چاہیے جس کے بغیر بہت سے قرآنی اَحکام کی تفصیل وتشریح ہمارے لیے ممکن ہی نہیں۔

اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کے اَحکام پر عبور حاصل کرنے سے پہلے ضمناً کئی علوم حاصل کرنا ضروری ہیں اور ظاہر ہے قرآن فہمی کی یہ صورت ہر کسی کے بس کی بات نہیں، حتی کہ عرب میں پرورش پانے والے ایک صاحب زبان سے بھی یہ توقع مشکل ہے کہ وہ محض زبان دانی کی بنیاد پر قرآنی علوم ومعارف میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔

قرآن فہمی کی آسان صورت

قرآن فہمی کی ایک دوسری صورت بھی ہے اور یہ ہر اس شخص کے لیے ممکن ہے جو قرآن مجید کو کتاب ہدایت مانتے ہوئے

صدقِ دل سے اس سے روشنی حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اس کی روشنی میں اپنا عقیدہ درست کرنا چاہتا ہے، شرک و بدعت اور گمراہی سے نجات پانا چاہتا ہے، اپنے نفس کا تزکیہ اور کردار کی پاکیزگی چاہتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مادری، مقامی یا تعلیمی نسبت سے جس زبان کو بخوبی سمجھتا ہے، اس میں قرآن مجید کا ترجمہ حاصل کر کے پوری یکسوئی اور تسلسل سے اس کا مطالعہ شروع کر دے۔ اس وقت دنیا میں قرآن مجید کے دو سو سے زائد زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں، اس لیے ایسا کرنا اب کوئی مشکل کام نہیں۔

دورانِ مطالعہ انسان کو خود بخود یہ معلوم ہوتا چلا جائے گا کہ مجموعی طور پر قرآن مجید کا پیغام کیا ہے۔ کن باتوں کو قرآن مجید پسند کرتا اور کن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ کن چیزوں کا قرآن مجید حکم دیتا اور کن سے منع کرتا ہے۔ پھر دورانِ مطالعہ یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ قرآن مجید کے بیشتر اَحکام اتنی صراحت اور وضاحت سے بیان ہوئے ہیں کہ انہیں سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ حتیٰ کہ ایک ہی مضمون بعض اَوقات اسلوبِ بیان کے معمولی فرق کے ساتھ اتنی تکرار سے بیان ہوا ہے کہ ایک جگہ اگر سمجھنے میں کچھ کمی رہ جائے تو دوسری جگہ خود بخود اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ ایک جگہ اگر کوئی سوال باقی رہ جائے تو دوسری جگہ اس کا جواب مل جاتا ہے۔ کسی جگہ کوئی ابہام رہ جائے تو دوسری جگہ وہ رفع ہو جاتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں کوئی تضاد نہیں

مذکورہ بالا سطور میں قرآن فہمی کی جو دو صورتیں پیش کی گئی ہیں، انہیں تضاد نہ سمجھا جائے کہ پہلی صورت میں قرآن فہمی کو نہایت مشکل اور کئی ضمنی علوم کے ساتھ مشروط قرار دیا گیا ہے جو ہر کسی کے لیے ممکن نہیں اور دوسری صورت میں اسے اتنا آسان قرار دیا جا رہا ہے کہ محض ترجمۂ قرآن کی مدد سے اس کے اَحکام اور پیغام کو سمجھ لینے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔

دراصل یہ دونوں صورتیں دو الگ الگ نوعیتوں پر مشتمل ہیں۔ پہلی صورت میں یہ نوعیت ذکر کی گئی ہے کہ فہم قرآن میں مہارت تامہ ہر کسی کے لیے آسان نہیں اور نہ ہی ہر مسلمان سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ قرآنی علوم و معارف میں مہارت حاصل کرے۔ جبکہ دوسری صورت میں قرآن مجید کے بنیادی خیال، مرکزی پیغام اور اصولی اَحکام کو سمجھنے کی نوعیت بتائی گئی ہے اور ظاہر ہے یہ مقصد ترجمۂ قرآن سے حاصل کیا جا سکتا ہے مثلاً قرآن مجید میں نماز پڑھنے، سچ بولنے، عدل کرنے، جھوٹ سے بچنے وغیرہ کا حکم ملتا ہے۔ یہ سب باتیں عربی زبان میں ہیں اور جب ان کا ترجمہ صاحب زبان کی زبان میں کر دیا جائے تو آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ آیا اسے متعلقہ آیات کے ترجمہ سے قرآن کے اَحکام کا علم ہو جائے گا یا ان باتوں کو سمجھنے کے لیے اسے پہلے کئی علوم حاصل کرنا ہوں گے......!

مذکورہ بالا دونوں صورتوں کے باہمی فرق کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ دوسری صورت قرآن فہمی کا ابتدائی درجہ ہے اور پہلی صورت قرآن فہمی کا آخری و انتہائی درجہ ہے اور اس تک پہنچنے کا مطالبہ ہر مسلمان سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے کہ معاشرے میں اتنے لوگ ہمیشہ موجود رہنے چاہییں جو قرآنی علوم میں مہارت تامہ رکھتے ہوں اور قرآنی احکام کی تفصیل و تشریح میں وقت کی ضروریات پوری کر سکیں۔ جن اہل علم نے یہ کہا ہے کہ قرآن فہمی کے لیے کئی علوم کی

ضرورت ہے،اس سے ان کی مراد یہی ہے کہ جو قرآنی علوم و معارف میں مہارت تامہ چاہتا ہو، وہ متعلقہ علوم میں پہلے مہارت حاصل کرے۔لیکن اگر کوئی صاحب علم یہ رائے رکھتے ہوں کہ قرآن مجید کے بنیادی پیغام کو سمجھنے کے لیے بھی کئی علوم (مثلاً لغتِ عربی،صرف ونحو، بلاغت، فقہ، حدیث، وغیرہ) سیکھنا ضروری ہیں تو ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔اس سلسلہ میں ایک ممتاز سکالر جناب محمود احمد غازیؒ کا درج ذیل بیان لائق توجہ ہے:

''بعض علماءِ کرام کے بارے میں، میں نے سنا ہے کہ ان کا یہ کہنا ہے کہ تدریس قرآن کے لیے پہلے مدرسہ کا دس سالہ نصاب مکمل کرنا بے حد ضروری ہے،اس کے بعد ہی تدریس قرآن میں مصروف ہونا چاہیے۔ان حضرات کی رائے میں چونکہ جدید تعلیم یافتہ اور نو آموز لوگوں کی بنیاد اس دس سالہ نصاب کے بغیر پختہ نہیں ہوتی، جو فہم قرآن کے لیے ناگزیر ہے،اس لیے عام لوگوں میں اس طرح درس قرآن کے حلقے منظم کرنا درست نہیں ہے۔میں اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآنِ مجید کو نہ کسی بنیادی ضرورت ہے نہ بیساکھیوں کی۔قرآنِ مجید بنیاد بھی فراہم کرتا ہے، دیواریں بھی فراہم کرتا ہے اور تعلیم کی تکمیل بھی کر دیتا ہے۔قرآن مجید خود اپنی جگہ ایک مکمل کتاب ہے۔وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔باقی علوم قرآن مجید کے محتاج ہیں۔اس لیے مجھے اس دلیل سے اتفاق نہیں ہے۔ممکن ہے بعض لوگ آپ سے کہیں کہ آپ نے فقہ اور اصول فقہ کا علم حاصل نہیں کیا یا آپ نے علم الکلام نہیں پڑھا،اس لیے آپ کو درس قرآن کی ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہیے۔میرا ناچیز کا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس وسوسہ میں نہ پڑیں اور اپنا کام جاری رکھیں۔میں خود فقہ کا طالب علم ہوں۔فقہی موضوعات پر ہی پڑھتا پڑھاتا ہوں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قرآن فہمی فقہ کی محتاج نہیں۔یہ تمام علوم قرآن پاک کے محتاج ہیں،قرآن ان میں سے کسی کا محتاج نہیں۔''(۱)

اردو دان طبقہ کے لیے قرآن فہمی آسان ہے

اردو دان طبقہ کے لیے قرآن فہمی کا ابتدائی درجہ بہت آسان ہے،اس لیے کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جو مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے اور اس کے ذخیرۂ الفاظ میں ایک بہت بڑا حصہ عربی زبان سے شامل ہوا ہے۔اس لیے بہت سے عربی الفاظ ہم پہلے ہی پڑھتے ، سنتے اور بولتے رہتے ہیں اور یہی چیز قرآن فہمی میں ہمارے لیے معاون بن جاتی ہے۔بطورِ مثال قرآن مجید کی پہلی سورت (الفاتحہ) پر ذرا غور فرمائیں:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ))[آمین]

اس سورت میں لفظِ اَلْحَمْدُ ،اللّٰه اور لفظِ رَبّ سے ہم بخوبی واقف ہیں۔جب کہ عَالَم اور عَالَمِيْن (جہان) کے الفاظ سے بھی بہت سے لوگ آگاہ ہیں۔اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِيْم کے الفاظ بھی ہمارے لیے واضح ہیں۔مٰلِك کا مطلب بھی ہم

۱۔ محاضرات قرآنی، از: محمود احمد غازیؒ، ص۴۳۔

اردو زبان میں سمجھتے ہیں۔ یَـوْم کا لفظ بھی اکثر و بیشتر اردو زبان میں اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جس میں یہ عربی زبان میں بولا جاتا ہے۔ نَعْبُدُ عبادت سے ہے اور نَسْتَعِیْنُ استعانت سے ہے، اردو دان بخوبی سمجھتے ہیں کہ عبادت اور استعانت کا کیا مطلب ہے۔ اسی طرح اِھْـدِنَـا ہدایت سے ہے۔ صـراط مستـقیم کا مفہوم سمجھنے میں بھی ہمیں کوئی دقت نہیں۔ اَنْعَمْتَ انعام سے ہے۔ مَغْضُوْب غضب سے اور ضَالِّیْن سے ملتا جلتا لفظ اردو میں 'ضلالت' ہے۔ یہ سب الفاظ بھی ہم کسی حد تک سمجھتے ہیں۔ اب آپ خود ہی اندازہ کر لیں کہ ایک شخص جو ان الفاظ کو اردو میں استعمال ہونے کی وجہ سے پہلے ہی سمجھتا ہو، اسے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ پڑھایا جائے یا وہ خود ترجمۂ قرآن کے ذریعے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ پڑھنا چاہے تو اسے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ سمجھنے میں کتنا وقت لگے گا۔ یہ مثال صرف سورۂ فاتحہ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ قرآن مجید کا بڑا حصہ ایسے ہی الفاظ پر مشتمل ہے جن کا معنی و مفہوم ہم بہت حد تک پہلے ہی سمجھتے ہیں۔

قرآن فہمی، قرآن کی روشنی میں

قرآن فہمی پر خود قرآن مجید نے بڑا زور دیا ہے۔ بطورِ مثال چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

(١) : ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾[سورة القمر: آيت ١٧، ٢٢، ٣٢، ٤٠]

''بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نہیں ہے؟''

سورۃ القمر میں یہ آیت چار مرتبہ مذکور ہے۔ اسی سے آپ اندازہ کر لیں کہ قرآن مجید سے ہدایت و نصیحت حاصل کرنے کو کتنا آسان اور عام فہم قرار دیا جا رہا ہے۔

(٢) : ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾[سورة ص: ٢٩]

''یہ بابرکت کتاب (ہے) جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

(٣) : ﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ [سورة الزمر: ٢٧].

''اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یہ قرآن ہے عربی میں، جس میں کوئی کجی نہیں، تاکہ وہ (لوگ) پرہیزگار بن جائیں۔''

(٤) : ﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْآنَ لِيَذَّكَّرُوْا﴾[سورة بنی اسرائیل : ٤١]

''ہم نے تو اس قرآن میں ہر ہر طرح بیان فرما دیا تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔''

جو لوگ قرآن مجید پر غور و تدبر نہیں کرتے، ان کی سرزنش کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

(٥) : ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾[سورة محمد: ٢٤]

''کیا یہ قرآن پر غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں۔'' ٥

[2]..... قرآن فہمی کی بنیادی شرائط

۱)..... نیت کی درستی

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نیک عمل کی قبولیت کے لیے نیت کا نیک ہونا بھی ضروری ہے۔ حدیث کی سب سے معتبر کتاب صحیح بخاری کی سب سے پہلی حدیث ہی یہ ہے کہ

﴿ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ﴾ (۱)

''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

یعنی جیسی نیت ہوگی ویسا سلوک کیا جائے گا۔ گر اللہ کی رضا مندی کی نیت سے کوئی کام کیا جائے گا تو یقیناً اللہ کی رضا مندی حاصل ہوگی اور اگر دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے کوئی کام کیا جائے گا تو پھر آخرت میں اس کا کوئی اجر و ثواب نہ ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی عمل کی بہتری اور قبولیت کے لیے اس کے پیچھے کارفرما 'نیت' اور 'ارادہ' کا درست ہونا ضروری ہے۔ فہم قرآن میں نیت کے درست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس ارادہ سے قرآن مجید پڑھے کہ وہ اس میں دیے گئے خدائی پیغام کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا اور اس پر پورا پورا عمل کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے جب اس سوچ کے ساتھ انسان قرآن مجید پڑھتا ہے تو اس کی زندگی میں نمایاں تبدیلی واقع ہونے لگتی ہے۔ وہ قرآن کے ہر ہر حکم کو اپنی زندگی میں عملاً نافذ کرنا شروع کر دیتا ہے، چنانچہ اس کا ایمان بھی اس کتاب پر بڑھ جاتا ہے اور اس کے فہم کے دریچے بھی اس کے لیے ایک ایک کر کے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے، چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) : ﴿ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾[سورة البقرة:۲]

''یہ ایسی کتاب ہے کہ اس (کے کتاب اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ (یہ کتاب) راہ دکھانے والی ہے، ان لوگوں کو جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں۔''

یعنی اس کتابِ الٰہی سے ہدایت و رہنمائی صرف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو پرہیز گاری اور خشیت الٰہی کے سچے جذبات اور نیک نیتوں کے ساتھ اسے پڑھتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ درج ذیل آیات میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے:

(۲) : ﴿ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴾[سورة طه:۲،۳]

''ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں، بلکہ یہ تو ہر اس شخص کے لیے باعثِ نصیحت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔''

ظاہر ہے جو اللہ سے نہیں ڈرتا، وہ اس کتاب سے ہدایت و نصیحت حاصل کرنے سے بھی محروم رہتا ہے۔

(۳) : ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴾[سورة الحاقة:۴۸]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ......، ح۱۔

''بے شک یہ قرآن تو پرہیز گاروں کے لیے نصیحت ہے۔''

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جو لوگ مذموم مقاصد کے لیے فہم قرآن کی راہ اختیار کرتے ہیں، وہ اس قرآن سے ہدایت حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

۲)......قرآن کو کتاب ہدایت سمجھنا

قرآن فہمی کے لیے یہ بات بڑی بنیادی ہے کہ انسان اس کتاب کا مطالعہ اس سوچ کے ساتھ شروع کرے کہ یہ کتابِ ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کے بارے میں اس کتاب میں رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ جس طرح ماضی میں ہمارے اَسلاف نے اس کتاب سے رہنمائی حاصل کی اور عزت پائی، اسی طرح حال اور مستقبل میں بھی ہدایت، عزت اور عروج اس کے بغیر ممکن نہیں۔ ظاہر ہے اس کتاب کا فہم حاصل کرنے کا شوق اسے ہی ہوگا جو اسے ہدایت کی کامل و مکمل کتاب تسلیم کر کے اس کی طرف قدم اٹھائے گا اور جو اسے کتابِ ہدایت ہی نہ سمجھتا ہو یا معاذ اللہ آج کے دور میں اسے ناقابل عمل سمجھتا ہو، وہ کبھی بھی اس کا فہم حاصل نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں اسے کتاب ہدایت قرار دیا گیا ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [سورة النحل :۸۹]

''(اے نبیؐ!) ہم نے آپؐ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے یہ ہدایت، رحمت اور خوشخبری (والی کتاب) ہے۔''

۳)......قرآن مجید سے دلچسپی

قرآن فہمی کی ایک شرط یہ ہے کہ ہم قرآن مجید سے محبت، تعلق اور گہری دلچسپی پیدا کریں۔ اتنی گہری کہ جب تک قرآن مجید کو کچھ نہ کچھ وقت نہ دے لیں، ہمیں اطمینان نصیب نہ ہو۔ روزمرہ کی مصروفیات کیسی ہی شدید اور حالات کیسے ہی سخت اور نامساعد ہی کیوں نہ ہوں، اس کے باوجود ہم قرآن مجید کے لیے وقت نکالیں۔

ہر شخص کو کسی نہ کسی کام سے دلچسپی ہوتی ہے حتی کہ صبح اٹھتے ہی وہ سب سے پہلے اسی کام کو انجام دیتا ہے مثلاً جسے اخبار پڑھنے یا خبریں سننے کی عادت ہو، جب تک اسے اپنی اس عادت کی تسکین کا سامان میسر نہ آئے، اسے چین ہی نہیں آتا۔ یہی صورتحال اگر قرآن مجید کے ساتھ قائم ہو جائے تو یہ انسان کے لیے باعثِ سعادت ہے۔ اس مقصد کے لیے اگر انسان درج ذیل نکات کو ذہن نشین کر لے تو ایسا ممکن ہے:

۱)......قرآن مجید کو انسان اللہ کا کلام سمجھے اور اس بات میں خوشی محسوس کرے کہ قرآن مجید کے ذریعے میں کائنات کے شہنشاہ سے مخاطب ہوتا ہوں۔

۲) قرآن مجید کو اپنے لیے باعثِ نجات اور معیارِ ہدایت سمجھے اور اس خیال کے ساتھ قرآن پڑھے کہ اس میں میرے ہر

مسئلہ کی رہنمائی موجود ہے۔

۳)... قرآن مجید کو اس نیت کے ساتھ پڑھے کہ اس سے گھر میں برکت ہوتی اور شیطان کو عمل دخل کا موقع نہیں ملتا۔حتی کہ جنات بھی اس گھر سے بھاگ جاتے ہیں جہاں قرآن پڑھا جائے۔

۴) قرآن مجید کو اس خیال کے ساتھ پڑھے کہ اس کا پڑھنا باعث اجر وثواب ہے،حتی کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔

۵) قرآن مجید کو اس نیت کے ساتھ پڑھے کہ اس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

۶) قرآن مجید کو اس نیت کے ساتھ پڑھے کہ یہ روز قیامت اللہ کی عدالت میں میرا اسفارشی بن کر پیش ہوگا اور میرے حق میں مقدمہ لڑے گا۔

۴)... قرآن کے حضور عاجزی وانکساری اور تقوی

قرآن مجید نور ہدایت ہے جس کے سامنے حق وباطل کے راستے جدا جدا ہو جاتے ہیں اور قرآن کا فہم حاصل کرنے والے کے لیے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرے اور کون سا راستہ چھوڑ دے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان عاجزی وانکساری اور خشیتِ خداوندی کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس کی طرف قدم اٹھائے۔قرآن مجید کے بالکل آغاز ہی میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اس کتاب سے وہی لوگ ہدایت پائیں گے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾[سورة البقرة:٢]

''(یہ کتاب) راہ دکھانے والی ہے،ان لوگوں کو جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

اسی طرح ایک اور آیت میں یہ بات بیان ہوئی ہے:

﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾[سورة ق:٤٥]

''(اے نبیؐ!) آپ اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرنے والے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ اس قرآن کے ذریعے ہدایت ونصیحت انہیں ہی حاصل ہوتی ہے جو اللہ کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہیں۔جب کہ وہ لوگ جو عاجزی وانکساری کی بجائے تکبر وسرکشی کے ساتھ اس کو اٹھائیں اور اپنی عقل واختراعات کو اس سے برتر سمجھیں،وہ اس سے نہ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے پیغام کی معنویت کو سمجھ سکتے ہیں۔ایسے ہی ظالم ومتکبر لوگوں کے بارے قرآن مجید میں یہ کہا گیا:

﴿ حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ......تِلْكَ آيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَآيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يَسْمَعُ آيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ

بِعَذَابٍ اَلِيمٍ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ آيٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾[سورة الجاثية: ۱، ۲، ۵تا۹]

''حٰـمٓ۔ یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے...... یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ کو سنا رہے ہیں، پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ ہلاکت اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنہگار پر۔ جو اللہ کی آیتیں اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئے سنتا ہے، پھر بھی غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا اس نے (آیات) سنی ہی نہیں، تو ایسے لوگوں کو درد ناک عذاب کی خبر (پہنچا) دیجیے۔ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوائی کا عذاب ہے۔''

درج ذیل آیت بھی اسی مفہوم کی ہے:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ آيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ﴾[سورة الاعراف: ۱۴۶]

''میں اپنی نشانیوں (آیتوں) سے ان لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین میں تکبر کرتے ہیں، وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے، اگر سیدھا راستہ ان کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے، اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروائی کرتے رہے۔ ہماری نشانیوں کو جس کسی نے جھٹلایا اور آخرت کی پیشی کا انکار کیا، اس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔''

۵)...... مناسب جگہ، پرسکون ماحول اور موزوں وقت

قرآن فہمی کے لیے یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ انسان ایسے وقت میں مطالعۂ قرآن کے لیے بیٹھے جب اسے کوئی اور مشغولیت نہ ہو۔ حتی کہ ذہنی و جسمانی طور پر تھکاوٹ نہ ہو، بخار یا تکلیف نہ ہو، نیند نہ آ رہی ہو، سستی اور کاہلی نہ ہو بلکہ چستی اور چاق و چوبند حالت ہونی چاہیے۔ اور جس جگہ کا انتخاب کیا جائے، وہ پاک صاف ہونے کے ساتھ ہر طرح کے شور و شغب سے خالی اور پرسکون بھی ہونی چاہیے تاکہ مطالعہ قرآن کے لیے مکمل طور پر ذہنی یکسوئی میسر آئے اور قرآن فہمی کے مقصد کی تکمیل ہو سکے۔

۶)...... فہم قرآن کے لیے اللہ کے حضور دعا

اللہ کی توفیق کے بغیر انسان کچھ نہیں کر سکتا حتی کہ ہدایت اور گمراہی کا انحصار بھی اللہ کی طرف سے توفیق یا عدم توفیق پر ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتے ہیں، وہی اس کتاب سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور جنہیں توفیق الٰہی سے محروم کر دیا جاتا ہے، وہ اس کتابِ ہدایت سے کوئی فیض نہیں اٹھا پاتے۔ اس لیے اللہ کے حضور اس کی توفیق کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

......☆......

فصل ۵

قرآن پر عمل

عمل بالقرآن اور اس کی ضرورت واہمیت

ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآنِ مجید کی تعلیمات پر عمل کرے۔قرآنِ مجید پر ایمان لانا،اسے پڑھنااور اس کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کرنا،یہ تمام مراحل اس لیے ہیں کہ قرآنی پیغام اور اس میں دیے گئے اَحکام و ہدایات پر عمل کیا جائے۔اگر کوئی شخص قرآنی اَحکام پر عمل نہیں کرتا تو اس کا قرآن پر ایمان لانا یا بلاناغہ اس کی تلاوت کرنا،اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔اگر اسے قرآن کے اَحکام سے آگاہی نہیں تو اسے چاہیے کہ وہ ترجمہ وتفسیر کے ذریعے اس کے اَحکام کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اگر وہ قرآنی اَحکام کو سمجھتا ہے مگر اس کے باوجود اپنی زندگی قرآن کے تابع نہیں کردیتا تو یہ اس کے لیے انتہائی بدبختی کی بات ہے۔

وہ لوگ جو خدائی اَحکام کا علم رکھنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے ،قرآن مجید انہیں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے اور انہیں اس گدھے کی مانند قرار دیتا ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدھا ہو مگر وہ گدھا ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر لدھی کتابوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾[سورة الجمعة:۵]

''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا،ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ (ایسی) ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

قرآنی اَحکام پر عمل نہ کرنے والوں کی سزا

جو مسلمان قرآنِ مجید کے اَحکام پر عمل نہیں کرتے ،نبی کریم ﷺ نے بھی انہیں نہایت ناپسند کیا ہے اور ان کے لیے سخت عذاب کا ذکر کیا ہے،بطورِ مثال چنداَحادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) : ((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلّٰى صَلَاةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ: مَنْ رَاٰى مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا؟ قَالَ: فَاِنْ رَاٰى اَحَدٌ قَصَّهَا فَيَقُوْلُ مَا شَاءَ اللّٰهُ ، فَسَأَلَنَا يَوْمًا فَقَالَ : هَلْ رَاٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ رُؤْيَا؟ قُلْنَا:لَا، قَالَ:لٰكِنِّىْ رَاَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ اَتَيَانِىْ فَاَخَذَا بِيَدِىْ فَاَخْرَجَانِىْ اِلَى الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ ...... فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰى قَفَاهُ وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى رَاْسِهٖ بِفِهْرٍ اَوْصَخْرَةٍ فَيَشْدَخُ بِهٖ رَاْسَهٗ وَعَادَ رَاْسُهٗ كَمَا هُوَ فَعَادَ اِلَيْهِ فَضَرَبَهٗ قُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالَا :...... وَالَّذِىْ رَاَيْتَهٗ يُشْدَخُ رَاْسُهٗ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ

الْقُرْآنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ فِيْهِ بِالنَّهَارِ يُفْعَلُ بِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر پڑھنے کے بعد (عموماً) ہماری طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور پوچھتے کہ آج رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ آپؐ کے سامنے اسے بیان کر دیتا اور آپؐ اس کی وہ تعبیر فرماتے جو اللہ کو منظور ہوتی۔ ایک دن آپؐ نے حسب معمول ہم سے پوچھا کہ آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ آج میں نے خواب میں دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر وہ مجھے ارض مقدسہ کی طرف لے گئے۔ (اور وہاں سے مجھے عالم بالا کی سیر کرائی)...... ہم ایک شخص کے پاس آئے جو سر کے بل لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص ایک بہت بڑا پتھر لیے اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اس پتھر سے وہ لیٹے ہوئے شخص کے سر کو کچلتا، چنانچہ جب وہ اس کے سر پر پتھر مارتا تو وہ پتھر اس کے سر پر لگنے کے بعد دور جا گرتا اور وہ آدمی پھر اس پتھر کو اٹھا لاتا۔ ابھی وہ پتھر لے کر واپس نہیں آتا تھا کہ اس کا سر پھر پہلے کی طرح درست ہو جاتا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟......انہوں نے کہا: یہ شخص جسے تم نے دیکھا کہ اس کا سر پتھر کے ساتھ کچلا جا رہا ہے، یہ ایک ایسا شخص تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا مگر وہ رات کو سویا رہتا اور دن کو بھی قرآن پر عمل نہ کرتا۔ اسے تا قیامت اسی طرح یہ عذاب ہوتا رہے گا۔''[۱]

(۲) : عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ كُلَّمَا قُرِضَتْ وَفَتْ فَقُلْتُ يَاجِبْرِيْلُ! مَنْ هٰؤُلَاءِ ؟ قَالَ: خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ))[۲]

''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معراج کی رات میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں اور جب وہ کاٹے جاتے ہیں تو دوبارہ صحیح ہو جاتے ہیں (ان کے ساتھ مسلسل ایسا ہو رہا ہے) میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں کرتے تھے جن پر ان کا عمل نہیں تھا اور جو اللہ کی کتاب پڑھتے تھے مگر اس پر عمل نہ کرتے تھے۔''

(۳) : عن ابی ھریرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ تَعَلَّمَ عِلْمًا وَعَلَّمَهٗ وَقَرَءَ الْقُرْآنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْآنَ، قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِیَ فِی النَّارِ))[۳]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ۹۳۔ ح۱۳۸۶۔
۲۔ صحیح الجامع الصغیر، للالبانیؒ، ح۱۲۸۔
۳۔ مختصر صحیح مسلم، للالبانیؒ، ح۱۰۸۹۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: روزِ قیامت سب سے پہلے جس شخص سے حساب لیا جائے گا، وہ ایک ایسا شخص ہوگا جس نے خودبھی علم سیکھا اوردوسروں کوبھی سکھایا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں گنوائے گا اور وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ بتا، ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کے لیے تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا اور آگے لوگوں کوسکھایا اور میں نے تیری رضا کی خاطر قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ تو نے اس لیے علم حاصل کیا کہ تجھے (دنیا میں) عالم کہا جائے اور تو نے اس لیے قرآن پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے اور یہ سب تجھے (دنیا میں) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اس شخص کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

(٤) : ((عن ابی سعیدؓ یقول قال رسول اللہ ﷺ...... اِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِيْ هٰذَا قَوْمٌ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ رَطْباً لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ))

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک منافق کے بارے) ارشادفرمایا: اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی کتاب کو خوب سُر اور خوش الحانی سے پڑھیں گے مگر قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ یہ دین سے اس طرح نکل چکے ہوں گے جس طرح تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔''[١]

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی احکام پر عمل نہ کرنے والوں کو گویا منافق قرار دیا ہے۔ یہی بات درج ذیل حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

(٥) : ((عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ: اَكْثَرُ مُنَافِقِيْ اُمَّتِيْ قُرَّاءُ هَا))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: میری امت کے بیشتر منافق، قاریِ قرآن ہوں گے۔''[٢] یعنی قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے۔

تلاوتِ قرآن کا اجر بھی اسے ملے گا جو قرآن پر عمل کرے

بہت سی احادیث میں قرآن مجید کی تلاوت پر بے انتہا اجر وثواب اور فضیلت بیان ہوئی ہے جس کے پیش نظر ایک مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام تو ضرور کر لیتا ہے مگر قرآن کی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے وہ اس میں دیے گئے احکام وہدایات سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تلاوتِ قرآن کا بھی بہت اجر وثواب اور اہمیت ہے مگر اصل اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ قرآن مجید کے احکام پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ تلاوتِ قرآن کا اجر وثواب بھی اسے ہی ملے گا جو قرآنی احکام پر بھی عمل کرتا ہے مگر جو قرآن پر عمل نہیں کرتا، اسے نہ قرآن کی تلاوت کا کوئی فائدہ ہے اور نہ اسے حفظ کرنے کا۔ درج ذیل احادیث سے یہی بات معلوم ہوتی ہے:

١۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث علیؓ بن ابی طالب ......، ح ٤٣٥١۔

٢۔ صحیح الجامع الصغیر، ح ١٢١٤۔

(۱) : ((عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ :((اَلْمُؤمِنُ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِهٖ کَالْاُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَرِیْحُهَا طَیِّبٌ وَالْمُؤمِنُ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِهٖ کَالتَّمْرَةِ))

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مومن قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے، اس کی مثال سنگترے کی سی ہے کہ جس کی خوشبو بھی عمدہ ہے اور ذائقہ بھی عمدہ اور جو مومن قران نہیں پڑھتا لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال چھوہارے (خشک کھجور) کی سی ہے کہ جس کی خوشبو تو نہیں ہوتی مگر ذائقہ لذیذ ہوتا ہے۔''[۱]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کا اصل فائدہ تب ہے جب قرآنی احکام پر عمل بھی کیا جائے، بلکہ عمل کی اہمیت تلاوت سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ بغیر عمل کے تلاوت کا کچھ فائدہ نہیں مگر عمل کا فائدہ تلاوت کے بغیر بھی ثابت ہے۔

(۲)......((عن النواس بن سمعان قال سمعت النبی ﷺ یقول: یُؤْتٰی بِالْقُرْآنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَهْلِهِ الَّذِیْنَ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهُ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَآلُ عِمْرَانَ ...... کَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَیْنَهُمَا شَرْقٌ اَوْکَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا))

''حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز قرآن مجید اور وہ لوگ جو اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے، لائے جائیں گے اور ان کے آگے آگے سورۂ بقرہ اور آل عمران ہوں گی۔ اس طرح کہ گویا وہ دو بادل ہیں یا دو سائبان ہیں جن کے اندر چمک اور روشنی ہے یا وہ پرندوں کے دو جھنڈ ہیں جو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کے حق میں حجت پیش کریں گی۔''[۲]

اس حدیث میں بھی یہی وضاحت ہے کہ قیامت کے روز قرآن مجید ان لوگوں کے حق میں نور، رحمت اور گواہ بن کر آئے گا جو اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔

(۳) : حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرمایا: ''اللہ کے گھروں (مسجدوں) میں سے جس کسی گھر میں کچھ لوگ جمع ہوکر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور ایک دوسرے کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، وہاں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سکینت نازل ہوتی ہے اور انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر ان (فرشتوں) کے پاس کرتے ہیں جو اللہ کے ہاں موجود ہیں۔ (اور سنو!) جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا، اسے اس کا حسب ونسب آگے نہیں بڑھا سکے گا۔''[۳]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب البکاء عند قرآء ۃ القرآن، ح۵۰۵۹۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قرآۃ القرآن و سورۃ البقرۃ، ح۸۰۵۔

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ح۲۶۹۹۔

اس حدیث میں قرآن مجید پڑھنے پڑھانے کی فضیلت کے ساتھ اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ اللہ کے ہاں معیارِ فضیلت نیک اعمال کی کثرت ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے پڑھانے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتا تو پھر اس کی تلاوت یا اس کا حسب ونسب یا مال ودولت وغیرہ اللہ کے ہاں اس کی قدر ومنزلت نہیں بڑھا سکتے۔

(٤) : ((عن جابر قال قال رسول الله ﷺ :اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهُ اَمَامَهُ قَادَهُ اِلَی الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ سَاقَهُ اِلَی النَّارِ))[1]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: قرآنِ مجید (روزِ قیامت اپنے پڑھنے والوں کی) سفارش کرے گا اور اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اور (اپنے پڑھنے والے کے حق میں) یہ جھگڑا کرے گا اور اس کی بات مانی جائے گی۔ جس نے اس قرآن کو اپنا رہبر ورہنما بنالیا، اسے یہ جنت میں لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈال دیا، اسے یہ جہنم میں لے جائے گا۔''

قرآن پر عمل اور ہماری صورتحال

نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ قرآن پر عمل ہماری زندگیوں سے غائب ہے۔ ہم نے قرآن مجید کو محض دم درود، تعویذ گنڈے اور ایصالِ ثواب کی کتاب سمجھ رکھا ہے۔ آفات وبلیات اور نزع کی سختیاں دور کرنا مقصود ہو یا میت کی بخشش اور اسے ثواب پہنچانا مطلوب ہو، ہم چند ٹکے دے کر دوسروں سے قرآن پڑھوا لیتے ہیں جب کہ انفرادی واجتماعی زندگی میں وہ تبدیلی جس کا قرآن مجید اصلاً ہم سے مطالبہ کرتا ہے، پیدا کرنے کے لیے تیار نہیں!

ہماری گھریلو (خانگی) زندگی قرآنی اَحکام سے یکسر خالی ہے، تجارت ومعیشت میں ہم قرآنی احکام کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں، ہماری سیاست قرآنی اصولوں کی دھجیاں بکھیر رہی ہے، ہماری تعلیمی پالیسیوں میں قرآن سے استفادہ نہیں کیا جارہا، ہمارا رہن سہن اور طرزِ معاشرت قرآن کے مطابق نہیں رہا۔ گویا قرآن مجید کی موجودگی کے باوجود ہم اس سے فیض اٹھانے سے محروم ہیں۔ یہ ہماری بدبختی ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو اپنی عملی زندگی سے خارج کر رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم دنیا میں ذلت ورسوائی اور تنزل وپستی کا شکار ہو چکے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ))

''اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے بعض لوگوں کو بلندی عطا کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے بعض لوگوں کو ذلت اور پستی میں دھکیل دیتے ہیں۔''[2]

١۔ صحیح ابن حبان، ج١ ص٣٣١۔

٢۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ، ح٨١٧۔

جولوگ اس قرآن کو انفرادی واجتماعی ہرلحاظ سے کتاب ہدایت سمجھتے ہوئے اسے اپنی زندگیوں میں نافذ کرلیں، اسے اپنا ہادی ورہنما قرار دے لیں، اس کے اَحکام وتعلیمات کی روشنی سے اپنے معاشرے منور کرلیں تو یقیناً انہیں اس قرآن پر عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ عزت وبلندی عطا فرمائیں گے اور جولوگ ایسا نہیں کریں گے، انہیں دنیا وآخرت ہر جگہ ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قرآن مجید میں چند ایسے بدنصیبوں کا ذکر ہے جو قرآنی اَحکام سے روگردانی کرتے رہے اور روزِ قیامت جب انہیں عذاب دیا جائے گا تو وہ حسرت کے ساتھ کہیں گے کاش! ہم نبی کی بات مانتے اور اس کے راستے پر چلتے۔ نبی کریم ﷺ بھی ان کے خلاف اللہ کی عدالت میں یہ گواہی دیں گے کہ یا اللہ! ان لوگوں نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا يَٰوَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا وَقَالَ الرَّسُولُ يَٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾[سورة الفرقان: ۲۷تا۳۰]

''اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا: ''ہائے کاش! میں نے اللہ کے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی، ہائے افسوس! کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے تو مجھے گمراہ کردیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔'' اور رسولؐ کہے گا: ''اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''

یہی نہیں بلکہ خود قرآن بھی ایسے لوگوں کے خلاف گواہ بن کر کھڑا ہوگا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

(۱) : ((عن ابی مالك الاشعریؓ قال قال رسول الله ﷺ :اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْعَلَيْكَ))[۲]

''حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآنِ مجید (روزِ قیامت) تمہارے حق میں گواہی دے گا یا پھر تمہارے خلاف گواہی دے گا۔''

مطلب یہ کہ اگر تم قرآن مجید سے محبت رکھو گے، اسے پڑھو گے، اس کی تعلیمات پر عمل کرو گے تو روزِ قیامت یہ تمہارے حق میں گواہ بن جائے گا اور اللہ کے دربار میں تمہاری سفارش کرے گا اور اگر تم اس سے اعراض کرو گے اور اس کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل چھوڑ دو گے تو روزِ قیامت یہ تمہارے خلاف اللہ کی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہوگا۔

ایک چھوٹی سی مثال

قرآن مجید سے ہماری بے رغبتی کا حال کیا ہے، اس کا اندازہ اس چھوٹی سی مثال سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ مجھے لاہور کے ایک پبلشر نے بتایا کہ ''ایک روز خلاف معمول میں گھر سے جلدی دکان پر چلا گیا۔ صبح ہی صبح ایک ضعیف العمر شخص میری دکان

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء، ح ۲۲۳۔ احمد، ج ۵ ص ۳۴۲۔

پر آیا اور کہنے لگا چھوٹے سائز میں سب سے سستا قرآن مجید دکھاؤ۔ میں نے چھوٹے سائز کے کئی نسخے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے اور ساتھ ہی ان کی قیمت بھی بتادی۔ اس نے ان میں سے سب سے کم قیمت والا نسخہ اٹھایا اور اسے کھول کر ورق گردانی کرنے لگا۔ اسی دوران اس نے کسی شخص کا نام لے کر اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور گالی نکالتے ہوئے کہنے لگا: اب میں دیکھوں گا کہ وہ یہ مقدمہ کیسے جیتے گا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے قرآن مجید بھی الٹا پکڑ رکھا تھا، چنانچہ میں نے یہ کہتے ہوئے قرآن مجید کا وہ نسخہ اس کے ہاتھ سے واپس کھینچ لیا کہ بابا! یہ اللہ کی کتاب ہے اور تم اسے ہاتھ میں پکڑ کر گندی گالیاں بک رہے ہو۔''

اندازہ کیجیے کہ نہ ہمیں قرآن مجید پڑھنے آتا ہے اور نہ اس کے آداب کا کچھ خیال ہے اور جھوٹی گواہی دینے یا جھوٹی قسم کھانے کے لیے ہم بلا سوچے سمجھے اسے اٹھا لیتے ہیں......!!

اللہ کے رسول کا قرآن مجید پر عمل

قرآن مجید جبریل امین کے ذریعے نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا اور آپ قرآن مجید کے ہر حکم پر سب سے پہلے خود عمل کرتے۔ قرآن مجید پر آپ کے عمل کی نوعیت ایسی تھی کہ جب سعد بن ہشام بن عامرؒ نامی ایک تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر یہ سوال کیا کہ ''مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق و کردار کے بارے میں بتایئے؟'' تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہنا پڑا کہ ''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟'' اس نے کہا: کیوں نہیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

((فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ كَانَ الْقُرْآنَ))

''قرآن مجید ہی تو اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق تھا۔''[1]

مطلب یہ کہ جو کچھ قرآن مجید میں کہا گیا، وہ سب اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں دکھائی دیتا تھا کیونکہ آپ صرف زبانی طور پر قرآن مجید کی تعلیم دینے ہی نہیں آئے تھے بلکہ امت کے لیے ایک عملی نمونہ بنا کر بھی بھیجے گئے تھے۔ اس لیے قرآن مجید میں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا، آپ خود سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر ان پر عمل کرتے۔ جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا گیا، آپ خود سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان سے اجتناب فرماتے۔ جن صفاتِ حسنہ کو اپنانے کا حکم دیا گیا، آپ سب سے پہلے اپنے آپ کو ان سے متصف فرماتے۔ جن اخلاقِ سیئہ سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا، آپ خود سب سے پہلے ان سے اجتناب فرماتے اور دوسروں کے لیے بھی انہیں ناپسند فرماتے۔

قرآن مجید کے بہت سے احکام ایسے ہیں کہ جب تک ان کے بارے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں کیسے سمجھا اور ان پر کیسے عمل کیا، تب تک ہم بھی انہیں نہ صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی منشاءِ خداوندی کے مطابق ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے قرآن فہمی کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت کا مطالعہ بھی ضروری ہے تاکہ آپ کے اقوال و افعال کی روشنی میں قرآنی احکام کو سمجھا جا سکے۔ آئندہ سطور میں اس سلسلہ میں چند مثالیں اور عملی نمونے ذکر کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل......، ح٧٤٦۔

پہلی مثال

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی عبادت کا حکم دیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴾[سورة الزمر:٦٦]

''بلکہ اللہ ہی کی عبادت کیجیے اور شکر گزاروں میں سے ہو جائیے۔''

عبادت کے بارے میں ایک طرف یہ قرآن مجید کا عمومی حکم ہے، ادھر نبی کریم ﷺ کی سیرت کا ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرض عبادت کے علاوہ نفل عبادت کا بھی اس قدر اہتمام فرماتے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم آپؐ سے کہتے کہ اے اللہ کے رسول! جب اللہ نے آپؐ کے اگلی پچھلی سارے لغزشیں معاف فرما دی ہیں تو پھر آپ اتنا تکلف اور اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾

''(جب اللہ نے مجھ پر اتنا انعام و اکرام کیا ہے) تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ بن کر نہ دکھاؤں۔''(۱)

دوسری مثال

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار ہا اپنی حمد و تسبیح کا حکم دیا مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴾[سورة الحجر:٩٨]

''پس اپنے رب کی حمد بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔''

اس قرآنی حکم کے بعد جب ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اٹھتے بیٹھے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے غرضیکہ ہر وقت اللہ کی حمد و ثنا کرتے اور لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتے۔ آپ کی رفیقۂ حیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا صحیح نقشہ کھینچا ہے، آپؓ فرماتی ہیں کہ

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ))

''اللہ کے رسول ﷺ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے تھے۔''(۲)

اس قرآنی حکم پر عمل کرنے کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو سکتی ہے.....!

تیسری مثال

قرآن مجید میں عدل کا حکم دیا گیا ہے اور یہاں تک کہا گیا کہ اپنے دشمنوں سے بھی انصاف کرو مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب اکثار الاعمال، ح۲۸۱۹، ۲۸۲۰۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب ذکر اللہ تعالیٰ فی حال الجنابة وغیرها، ح۳۷۳۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ [سورة المائدة:۸]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر انصاف پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ تقویٰ (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے) کے بہت قریب ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

جب ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کے عدل وانصاف سے متاثر ہوکر دشمن بھی حیران وششدر رہ گئے۔ ایک موقع پر ایک بڑے اور معزز خاندان کی عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی چنانچہ بطور سزا آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر دیا مگر اس خاندان کے لوگوں نے اسے اپنے خاندان کی توہین سمجھا اور کوشش کی کہ کسی طرح سے یہ عورت سزا سے بچ جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ایک محبوب صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ آپؐ سے معافی کی سفارش کرے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ يَا اُسَامَة؟...... وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا))

''اے اسامہ! کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟......اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی، تو محمدؐ اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''[1]

عمل بالقرآن کی یہ کتنی بڑی مثال ہے۔ کیا آج کے دور میں ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے......؟!

چوتھی مثال

قرآن مجید میں سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾ [سورة الحج:۳۰]

''جھوٹی باتوں سے اجتناب کرو۔''

جب ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جھوٹ سے سخت نفرت تھی اور آپ کی سچائی کا یہ عالم تھا کہ دشمن بھی آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے، اس لیے کہ آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں۔

پانچویں مثال

قرآن مجید میں عہد کی پابندی کا حکم دیا گیا اور عہد شکنی سے سخت منع کیا گیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) : ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ [المائدة :۱]

۱۔ صحيح بخاری، كتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة فی الحد اذا رفع الى السلطان ، ح ٦٧٨٨۔ صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره، ح ١٦٨٨۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدوں کی پوری پابندی کرو۔''

(۲) : ﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾[سورۃالنحل :۹۱]

''وعدہ (عہد و پیمان) کی پابندی کرو۔ بے شک وعدہ کے بارے میں جواب دہی ہوگی۔''

(۳) : ﴿ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾[سورۃ الانفال:۷]

''اگروہ (مسلمان) تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے، سوائے ان لوگوں کے مقابلے میں کہ تم میں اور ان میں کوئی عہد ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ دیکھنے والا ہے۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ وعدے کی پابندی کے سلسلہ میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ قریش اور مسلمانوں کے درمیان طے ہونے والی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ سے کوئی شخص بھاگ کر مسلمانوں کے پاس مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص بھاگ کر مکہ آجائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدۂ صلحِ حدیبیہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ ابوجندل بن سہیل بیڑیاں گھسیٹتے مسلمانوں کے پاس آ پہنچے مگر کفار کے سفیر سہیل نے ابوجندل کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو ہم نے معاہدہ لکھا ہی نہیں پھر واپسی کا مطالبہ کیوں؟ مگر سہیل اسی پر مصر رہے کہ ابوجندل واپس کیا جائے گا تو صلح کا معاہدہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے مجبوراً ابوجندل کی واپسی کا فیصلہ کر لیا تو ابوجندل کہنے لگے: مسلمانو! تم مجھے ان مشرکوں کی طرف واپس کر رہے ہو جو مجھے میرے دین کے متعلق فتنہ میں ڈال دیں گے؟ مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں واپس کرتے ہوئے فرمایا:

((اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَّكَ وَلِمَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا اِنَّا قَدْ صَالَحْنَا هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ وَجَرٰى بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الْعَهْدُ وَاِنَّا لَا نَغْدِرُ......))

''ابوجندل! صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ دیگر کمزوروں کے لیے رہائی اور پناہ کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور بنائے گا۔ ہم چونکہ ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ صلح کر رہے ہیں اور ہمارے اور ان کے درمیان صلح کی گفت وشنید بھی ہو چکی ہے، اس لئے اب ہم غدر نہیں کر سکتے۔''(۱)

چنانچہ ابوجندل کو واپس کفار کی قید میں دے دیا گیا۔ اسی طرح اس معاہدہ کے بعد ایک اور صحابی یعنی ابوبصیر کفارِ مکہ کی قید سے بھاگ نکلے اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاس مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے سے کفارِ مکہ کے دو آدمی انہیں واپس لے جانے کا مطالبہ لیے پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے وفائے عہد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابوبصیر کو ان کے سپرد کر دیا۔(۲)

آپ ﷺ نے وعدہ خلافی کو اتنا ناپسند کیا کہ اسے نفاق کی علامت قرار دیا، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

۱۔ سیرت ابن هشام، ۴۴۲/۳۔ السنن الکبریٰ للبیهقی، ۲۲۷/۹۔ مسند احمد، ۳۲۵/۴۔

۲۔ ابوبصیر کے واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری، ۴۴۰/۷ تا ۴۵۷۔ ابن هشام، ۴۴۹/۳۔ زادالمعاد، ۱۲۵/۲۔ ابو داؤد، ح ۲۷۶۲۔

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ :اِذَاحَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَاوَعَدَ أَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

''منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔''(۱)

ایک اور حدیث میں یہ وضاحت بھی ہے کہ

((وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ))

''(جس میں یہ علامتیں پائی جائیں، وہ منافق ہے) خواہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے!''(۲)

صحابہ کرامؓ کا قرآنِ مجید پر عمل

یہی صورتحال ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاں قرآن مجید سیکھا، وہاں اس پر عمل کرنے کی روایت بھی اَخذ کی۔ ذیل میں اس بارے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱)۔ ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ ایک تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ

((حَدَّثَنَا الَّذِيْنَ كَانُوْا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ كَعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍؓ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ وَغَيْرِهِمَا اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا تَعَلَّمُوْا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ آيَاتٍ لَمْ يَتَجَاوَزُوْهَا حَتّٰى يَعْلَمُوْا مَافِيْهَامِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ قَالُوْا:فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيْعًا))

''ہمیں ان لوگوں نے بیان کیا جو قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے مثلاً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کہ ان لوگوں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ دس آیتیں بھی پڑھتے تو اس وقت تک اس سے آگے نہ بڑھتے جب تک کہ ان آیات میں موجود علم و عمل کو پوری طرح اپنا نہ لیتے۔ اور وہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے قرآن مجید اور اس کے علم و عمل، سب کو ایک ساتھ حاصل کیا ہے۔''(۳)

۲)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص جب قرآن مجید کی دس آیات سیکھتا تو اس وقت تک اس سے آگے قدم نہ اٹھاتا تھا، جب تک وہ یہ نہیں جان لیتا کہ ان کا معنی و مفہوم کیا ہے اور ان میں کن چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(٤)

۳)۔۔۔۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جب ہم میں سے کوئی شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ جاتا تو ہماری نگاہوں میں اس کا رتبہ بہت بلند ہو جاتا۔''(٥)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، ح ٣٣۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق، ح ٥٩۔
۲۔ صحیح مسلم، ایضاً، ح٥٩۔
۳۔ تفسیرطبری، ج١ ص ٦٠۔ ابن ابی شیبہ، ح١١٧١٦۔ بحوالہ: الاتقان فی علوم القرآن، ج٢ص٤٣٧۔
٤۔ تفسیرطبری، ایضاً۔
٥۔ مسند احمد، ج٣ص ١٢٠، ٢٢٢، ٢٤٥۔ صحیح ابن حبان، ح٧٤٤۔ الاتقان، ج٢ص٤٣٧۔

یہاں ان سورتوں کو محض پڑھنا مراد نہیں بلکہ ان میں موجود اَحکام کا علم حاصل کرنا بھی اس میں شامل ہے اور انہیں پڑھنے والے کا رتبہ اسی لیے بلند ہوجاتا کہ وہ ان میں موجود اَحکام سے آگاہ ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرنے میں آگے نکل جاتا۔

۴)..... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک خالہ زاد بھائی تھے جن کا نام مِسْطَحْ تھا، ان کی غربت و ناداری کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خوشی سے ان کی معاشی کفالت کا ذمہ اٹھا رکھا تھا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے ایک تہمت لگائی تو کئی مخلص مسلمان بھی ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے۔ حضرت مِسْطَحْ بھی انہی میں سے تھے۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی پر قرآن مجید کی آیات نازل فرمادیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصے میں آکر یہ قسم کھالی کہ اب وہ مِسْطَحْ کی کسی قسم کی مالی مدد نہیں کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[سورة النور:۲۲]

''تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں، انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو اللہ کی خاطر نوازنے سے (انکار کی) قسم نہیں کھالینی چاہیے، بلکہ معاف کردینا اور درگزر کرلینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمادے؟ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مہربان ہے۔''

اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ (کسی سے غلطی ہوجائے) تو معاف کردینا اور درگزر کرلینا چاہیے، تم اللہ کے بندوں سے درگزر کروگے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں تمہاری غلطیوں پر تم سے درگزر کریں گے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیات سنیں تو فوراً پکار اٹھے:

((بَلَىٰ وَاللَّهِ يَا رَبَّنَا! إِنَّا لَنُحِبُّ أَنْ تَغْفِرَ لَنَا))

''کیوں نہیں، اے ہمارے رب! ہم تو اسی کے امیدوار ہیں کہ تو ہمیں ضرور معاف فرمادے۔''(۱)

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس قرآنی حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنی قسم توڑی اور مسطح کی پھر سے مالی امداد شروع فرمادی۔

۵)..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عُيَيْنَه بِنْ حِصْن مدینہ تشریف لائے اور اپنے بھتیجے حُرّ بِنْ قَيْس بِنْ حِصْن کے ہاں قیام کیا۔ حُرّ بِنْ قَيْس (صاحبِ علم ہونے کی وجہ سے) ان لوگوں میں سے تھے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس مشاورت میں شریک کر رکھا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت میں وہی لوگ شریک تھے جو قرآن مجید کے عالم و فاضل ہوتے، قطع نظر اس سے کہ وہ جوان ہیں یا بوڑھے۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے حُرّ بِنْ قَيْس سے کہا: بھتیجے! کیا تمہیں امیر المؤمنین کی مجلس میں اتنا اثر و رسوخ حاصل ہے کہ تم میرے لیے ان کے یہاں حاضری کی اجازت لے دو؟ حُرّ نے کہا، میں آپ کے لیے اجازت مانگوں گا۔ پھر انہوں نے عیینہ کے لیے اجازت مانگی اور (اجازت ملنے پر) جب عیینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں پہنچے تو ان سے کہنے لگے:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ۱۱ حدیث ۴۷۵۷۔

''اے ابن خطاب! اللہ کی قسم نہ تو آپ ہمیں کھل کر عطا کرتے ہیں اور نہ ہی ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔'' یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آ گئے، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے سزا دینے کا ارادہ کر لیا۔ اتنے میں حُرّ نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ فرمایا ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾[سورة الاعراف:١٩٩]

''آپ معاف کرنے کا طریقہ اختیار کریں، بھلائی کے کام کی تلقین کریں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں۔'' اور یہ شخص جاہلوں میں سے ہے۔ (اس لیے اس سے اعراض فرمائیں)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((فَوَ اللّٰهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِيْنَ تَلَاهَا عَلَيْهِ وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ))

''اللہ کی قسم! جب ان کے سامنے حر نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں رک گئے (اور سزا دینے کا ارادہ فوراً ترک کر دیا) کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت یہ تھی کہ وہ اللہ کی کتاب کا حکم سن کر فوراً سر خم تسلیم کر لیتے تھے۔''[1]

قرآن مجید اور اہل ایمان

قرآن مجید کے ساتھ ایک مومن کا یہی تعلق ہونا چاہیے کہ قرآن مجید کا حکم سنتے ہی اس کا ایمان تازہ ہو جائے، اللہ کے خوف سے اس کا دل دہل جائے اور وہ فوراً کتاب اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ اہل ایمان کا یہی وصف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا ہے:

(١) : ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ [سورة الانفال:٢ تا ٤]

''بے شک ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر (ان کے سامنے) کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو مزید بڑھا دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں، اور وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بڑے درجے ہیں اور عزت اور مغفرت کی روزی ہے۔''

١۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، ح٧٢٨٦۔

(۲): ﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ هُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ [سورۃ المائدۃ:۸۳تا۸۵]

''اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام الٰہی) کو سنتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگتی ہیں، اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔(اور کلام الٰہی سن کر) وہ کہتے ہیں کہ ''اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے، اس پر ایمان نہ لائیں اور ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی رفاقت میں داخل کردے گا۔'' ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی وجہ سے ایسے باغوں سے نوازے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلاتے رہے، وہ لوگ جہنم والے ہیں۔''

(۳): ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ [سورۃ الزمر:۲۳]

''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام (یعنی قرآن پاک) نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں والی ہے، جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں، پھر ان کے جسم اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف نرم ہوجاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، جسے چاہے وہ ہدایت سے نوازے اور جسے وہ گمراہ کردے تو پھر اس کو راہ دکھانے والا کوئی نہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

باب ۴

فرشتوں پر ایمان

فصل ۱

فرشتوں پر ایمان

فرشتوں کے وجود کو تسلیم کرنا ایمان بالملائکۃ کہلاتا ہے اور یہ ایمان کے چھ اساسی ارکان میں سے ایک رکن ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کے درج ذیل دلائل سے واضح ہے:

(۱) : ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ﴾[سورة البقرة : ۱۷۷]

''ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا شخص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، (اللہ کی) کتاب پر اور (اس کے) نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔''

(۲) : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾[سورة النساء : ۱۳۶]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسولؐ پر اُتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے انکار کرے، وہ تو بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''

(۳) : ﴿ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ......قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ ؟ قَالَ : أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ ﴾

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ایک دن ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے اس نے (آنحضرتؐ سے) کہا: مجھے ایمان کے متعلق آگاہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (ایمان یہ ہے) کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور تقدیر کے اچھا یا برا ہونے پر ایمان لا۔''[1]

معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چھ کی چھ چیزیں ایمان کے بنیادی اَرکان ہیں اور کوئی شخص اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ان چھ چیزوں پر ایمان نہ لے آئے اور یہ بھی واضح رہے کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

۱۔ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان الايمان والاسلام، ح۸۔ ومثله في البخاري، ح۵۰۔

فرشتے کب پیدا کئے گئے؟

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ انسان (یعنی آدم علیہ السلام) کی تخلیق سے پہلے فرشتے موجود تھے مگر وہ کتنا عرصہ پہلے پیدا کیے گئے، اس کی تعیین نہ تو قرآن مجید میں مذکور ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں۔ (واللہ اعلم!)

فرشتے کس چیز سے پیدا کئے گئے؟

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خُلِقَتِ الْمَلَا ئِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ))

''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، جنات کو آگ سے پیدا کیا گیا اور آدم علیہ السلام کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جو تمہیں بتا دی گئی ہے۔''[1] (یعنی مٹی سے، دیکھیے سورۃ الاعراف: آیت ۱۲)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا نور ہے جس سے فرشتوں کو پیدا کیا گیا؟ تو اس سوال کا جواب قرآن وسنت میں کہیں مذکور نہیں اور نہ ہی عقلی طور پر ہم اس کا ادراک کر سکتے ہیں کہ وہ کون سا نور تھا۔ لہٰذا اس نور کے بارے خاموشی ہی مناسب ہے۔ (واللہ اعلم!)

فرشتوں کو دیکھنا ممکن ہے؟

فرشتے نورانی مخلوق ہیں جنہیں ان کی اصلی شکل وصورت میں دیکھنا انبیاء ورسل کے علاوہ کسی اور کے لیے ممکن نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اردگرد لاتعداد فرشتے اپنے کاموں میں مصروف ہیں مگر ہمیں وہ دکھائی نہیں دیتے۔ تاہم اگر وہ انسانی شکل اختیار کر کے سامنے آئیں تو پھر انہیں دیکھنا ممکن ہے اور اس کی کئی ایک مثالیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ!

فرشتوں کا قد وقامت اور جسمانی ہیئت کیسی ہے؟

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے انسان کی بہ نسبت عظیم مخلوق ہیں اور خود فرشتوں میں بھی بعض چھوٹے ہیں بعض بڑے۔ بعض کے دو دو پر ہیں اور بعض کے چھ چھ سو، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [سورۃ فاطر: آیت ۱]

''اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو (ابتداءً) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا قاصد (پیغام بر) بنانے والا ہے۔ تخلیق میں، وہ جو کچھ چاہتا ہے، زیادتی کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب فی احادیث متفرقة، ح ۷۴۹۵۔

۱)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (جبریل علیہ السلام کے بارے میں) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّمَا هُوَجِبْرِيْلُ لَمْ أَرَهُ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمَ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ))

''وہ جبریل علیہ السلام ہی تھے، میں نے انہیں ان کی اصلی پیدائشی صورت میں صرف انہی دو مرتبہ دیکھا ہے۔ میں نے انہیں آسمان سے جب اترتے دیکھا تو ان کا وجود آسمان سے لے کر زمین تک پھیلا ہوا تھا۔'' [بعض روایات کے مطابق:] ''ان کے وجود نے سارا افق ہی گھیر رکھا تھا، اور ان کے چھ سو پر تھے۔''(۱)

۲)......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو جب ان کی اصلی شکل میں دیکھا تو ان کے چھ سو پر تھے اور ہر پر نے اُفق کو گھیر رکھا تھا۔ ان کے پروں سے مختلف رنگ اور قیمتی موتی بکھر رہے تھے۔(۲)

۳)......اسی طرح وہ فرشتے جنہوں نے عرش اٹھا رکھا ہے، ان کے قد و قامت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''مجھے ان میں سے ایک فرشتے کی قد و قامت بیان کرنے کی اجازت ملی ہے (اور اس کا وجود کتنا بڑا ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ) اس کے کان کی لو سے کندھے تک کا درمیانی حصہ اتنا لمبا ہے کہ جتنی سات سو سال کی مسافت''۔(۳)

۴)......اسی طرح ایک اور فرشتے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ایک مرغ (اس سے مراد مرغ نما فرشتہ ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے واضح ہے) کے بارے میں بتانے کی مجھے اجازت دی ہے۔ اس کے پاؤں زمین کے اندر چلے گئے ہیں اور اس کی گردن عرش کے نیچے مڑی ہوئی ہے اور اس حالت میں وہ (تسبیح بیان کرتے ہوئے) کہتا ہے: ''یا اللہ! تو پاک ہے۔ یا رب! تو کس قدر عظیم ہے''۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جواب دیا جاتا ہے کہ ''جو میرے نام کے ساتھ جھوٹی قسم کھاتا ہے (کیا) اسے معلوم نہیں؟!''(٤) یعنی تم تو میری عظمت جانتے ہو مگر میرے نام کے ساتھ جھوٹی قسمیں کھانے والے میری عظمت کو بھول جاتے ہیں!

۵)......ایک اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عرش کو اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے بارے میں مجھے بتانے کی اجازت دی گئی ہے، اس کے پاؤں سب سے نچلی زمین میں ہیں اور اس کے سینگوں پر عرش ہے اور اس کے دونوں کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان اتنی دوری ہے کہ اسے طے کرنے کے لیے پرندے کو سات سو سال کی پرواز چاہیے۔ وہ فرشتہ کہتا ہے: ((سُبْحَانَكَ حَيْثُ كُنْتَ)) ''یا اللہ! تو پاک ہے جہاں بھی ہے''۔(۵)

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ: "ولقد رآہ نزلة اخری"، ح۱۷۷۔ نیز دیکھئے: بخاری، بدء الخلق، ح۳۲۳۲تا۳۲۳۵۔

۲۔ البدایة والنهایة، ۴۷/۱۔ ابن کثیرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ بحوالہ "عالم الملائکة الابرار" از: دکتور عمر سلیمان الاشقر، ص ۱۳۔

۳۔ ابوداؤد، باب فی الجهمیة، ح۴۷۲۷۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة، ۱۵۱۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور جس میں ہے کہ ''اس کے کان کی لو سے ہنسلی کی ہڈی تک پہنچنے کے لیے ایک تیز رفتار پرندے کو ستر ہزار سال کی مدت درکار ہوگی'' اسے ضعیف کہا ہے۔ دیکھئے: الضعیفة ۹۲۷۔

٤۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة، ح ۱۵۰۔ ۵۔ صحیح الجامع الصغیر، ح۹۸۵۳۔

فرشتے خوبصورت ہیں؟

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر فرشتے خوبصورت ہیں مگر ان میں سے بعض فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہیبت ناک شکلیں بھی عطا کررکھی ہیں مثلاً مومن کی موت کے وقت آنے والے فرشتوں کی شکل وصورت بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِيْ إِنْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِّنَ الْآخِرَةِ نَزَلَ إِلَيْهِ مَلَائِكَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ بِيْضُ الْوُجُوْهِ كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ مَعَهُمْ كَفَنٌ مِّنْ أَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَحُنُوْطٌ مِّنْ حُنُوْطِ الْجَنَّةِ))

''جب مومن بندہ اس دنیا سے رخصت ہوکر آخرت کو سدھار رہا ہوتا ہے تو آسمان سے اس کے پاس فرشتے آتے ہیں، ایسے روشن چہرے والے گویا کہ ان کے چہرے سورج ہیں۔ ان کے پاس جنت سے لایا ہوا کفن ہوتا ہے اور جنت ہی کی لائی ہوئی خوشبو بھی۔''(۱)

اس حدیث میں فرشتوں کی خوبصورتی کی طرف اشارہ ہے جبکہ ایک حدیث میں بعض فرشتوں کی ہیبت ناک وخوفناک شکل کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

((إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ ،أَوْ قَالَ: أَحَدُكُمْ ، أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ النَّكِيْرُ......))

''جب میت دفنائی جاتی ہے (یا آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کی میت دفنائی جاتی ہے) تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ کے، نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں، ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔''(۲)

بعض روایات میں انہی فرشتوں کے بارے میں ہے کہ ''ان کی آنکھیں تانبے کی دیگچیوں کے برابر ہیں، دانت گائے کے سینگ کی طرح ہیں اور آواز بجلی کی کڑک کی طرح (گرج دار) ہے۔''

فرشتے مذکر ہیں یا مؤنث؟

مشرکینِ مکہ فرشتوں کو مؤنث تصور کرتے تھے اور انہیں ''اللہ کی بیٹیاں'' کہا کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تصور کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ أَلَآ إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ فَأْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾[سورة الصافات :۱٤۹تا۱٥٥]

۱۔ احمد، ۲۸۷/٤۔ مشکوٰۃ ،کتاب الجنائز، باب ما يقول عند من حضره الموت، الفصل الثالث، ح۱٦۳۰۔

۲۔ ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ح۱۰۷۱۔

''(اے نبیؐ!) آپ اُن سے دریافت کیجئے کہ کیا آپ کے رب کی بیٹیاں ہوں اور ان کے (اپنے لیے) بیٹے؟ یا یہ اس وقت موجود تھے جب کہ ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا؟ آگاہ رہو کہ یہ لوگ صرف اپنی طرف سے جھوٹ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی ہے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟ کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے ؟ یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے؟ اگر سچے ہو تو جاؤ اور اپنی ہی کتاب لے آؤ۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر مشرکین کے اس تصور کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ‎ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔــلُوْنَ ﴾[الزخرف:۱۸،۱۹]

''کیا (اللہ کی اولاد لڑکیاں ہیں) جو زیورات میں پلیں اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکیں؟ اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے عبادت گزار ہیں، عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی۔''

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ فرشتے مؤنث نہیں ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ آیا پھر یہ مذکر ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں مذکر بھی نہیں کہا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عباد الرحمٰن یعنی رحمٰن کے بندے قرار دیا ہے۔ اس لیے فرشتوں کے مذکر یا مؤنث ہونے کی بحث میں ہمیں پڑنا ہی نہیں چاہیے!

کیا فرشتے شادی بیاہ کرتے ہیں؟

شادی بیاہ یا جنسی تعلق کی ضرورت مذکر کو مؤنث سے یا مؤنث کو مذکر سے ہوتی ہے اور جب فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مؤنث تو پھر صاف ظاہر ہے کہ وہ شادی بیاہ نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان میں جنسی خواہشات پیدا کی ہیں۔

کیا فرشتوں کی اولاد ہے؟

جب فرشتوں میں شادی بیاہ کا سلسلہ نہیں تو پھر ان میں اولاد کیسے پیدا ہو۔ لہٰذا فرشتوں کی نسل نہیں بڑھتی بلکہ یہ اتنے ہی ہیں جتنے پیدا فرما دیئے ہیں۔ فرشتے کتنے ہیں؟ اور کیا ان کی تعداد میں کمی ہوتی ہے؟ ان سوالوں کے جواب آگے آ رہے ہیں۔

کیا فرشتے کھاتے پیتے ہیں؟

جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں شادی بیاہ کی حاجت نہیں رکھی اسی طرح انہیں کھانے پینے سے بھی بے نیاز کر دیا ہے۔ اس کی وضاحت قرآن مجید میں مذکور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے تو آپ علیہ السلام ان کے لیے فوراً گوشت لے آئے مگر انہوں نے اسے تناول نہ کیا۔ یہ واقعہ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر مذکور ہے مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴾[سورة هود:٦٩، ٧٠]

''اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغامبر (یعنی فرشتے) ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے اور سلام کہا تو انہوں نے بھی جوابِ سلام دیا اور بغیر کسی تاخیر کے گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ اب جو (ابراہیم علیہ السلام نے) دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (گوشت) کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انہیں اَنجان پا کر دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔ ان (فرشتوں) نے کہا کہ ڈرو نہیں ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں۔''

ان آیات کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف رقمطراز ہیں کہ

''حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت میں آئے ہیں اور کھانے پینے سے معذور ہیں بلکہ انہوں نے انہیں مہمان سمجھا اور فوراً مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لا کر ان کی خدمت میں پیش کیا۔ نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ مہمان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو موجود ہو حاضر خدمت کر دیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھ ہی نہیں رہے تو انہیں خوف محسوس ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ چیز معروف تھی کہ آئے ہوئے مہمان اگر ضیافت سے فائدہ نہ اٹھاتے تو سمجھا جاتا تھا کہ آنے والے مہمان کسی اچھی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغمبروں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام غیب دان ہوتے تو بھنا ہوا بچھڑا بھی نہ لاتے اور ان سے خوف بھی محسوس نہ کرتے۔ (ابراہیم علیہ السلام کے) اس خوف کو فرشتوں نے محسوس کیا یا تو ان آثار سے جو ایسے موقعوں پر انسان کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں یا اپنی گفتگو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا اظہار فرمایا، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے: ﴿ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴾[سورة الحجر:٥٢]

''ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے''۔ چنانچہ فرشتوں نے کہا ڈرو نہیں، آپ جو سمجھ رہے ہیں ہم وہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ہم قومِ لوط کی طرف جا رہے ہیں۔''[1]

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فرشتے قوم لوط کی طرف جا رہے تھے تو پھر وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس کیوں رکے؟ اس کا جواب قرآن مجید کے دوسرے مقام پر یہ دیا گیا کہ فرشتے آپ کو بیٹے کی خوشخبری دینے کے لئے رُکے تھے، چنانچہ ارشادِ باری ہے:

﴿ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴾[سورة الحجر:٥٣]

''انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تمہیں ایک صاحبِ فہم فرزند کی بشارت دیتے ہیں۔''

کیا فرشتے تھکتے اور بیمار ہوتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بیماری، سستی، کاہلی، دکھ، تکلیف، تھکاوٹ اور اکتاہٹ وغیرہ سے محفوظ رکھا ہے اور وہ دن رات اپنے کاموں میں مصروف و مشغول ہیں۔ اس کی وضاحت قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے ہوتی ہے:

١۔ تفسیر احسن البیان، ص ٥٦٠/٥٦١۔

(۱) : ﴿ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴾[سورة الانبياء:۱۹،۲۰]

''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی اللہ کا ہے اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ وہ دن رات (اس اللہ کی) تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی نہیں کرتے۔''

(۲): ﴿ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهُ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ﴾[سورة فُصِّلَت:۸]

''پھر اگر یہ کفر وغرور کریں تو وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ تو رات دن اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور کسی (وقت بھی) نہیں اکتاتے۔''

کیا فرشتے سوتے اور آرام کرتے ہیں؟

آرام اور نیند، تھکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ہوتی ہے اور جب یہ واضح ہو گیا کہ فرشتے نہ تھکتے ہیں اور نہ سست پڑتے ہیں تو پھر لامحالہ ان کے لیے نیند اور آرام کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ فرشتے سوتے ہیں نہ آرام کرتے ہیں۔ علاوہ اَزیں ان کے مشاغل کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر لحہ اللہ کے کاموں اور اس کی تسبیح وتحمید میں مصروف رہتے ہیں۔

فرشتے بے ہوش ہوتے ہیں؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا قَضَى اللّٰهُ الْاَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلٰى صَفْوَانٍ (قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ: صَفْوَانٍ) ---"يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ"--- فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ قَالُوا لِلَّذِیْ قَالَ: اَلْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ))

''جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں تو اس سے اس طرح آواز پیدا ہوتی ہے جیسے کسی صاف چکنے پتھر پر زنجیر کے مارنے سے پیدا ہوتی ہے (علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ سفیان راوی کے سوا دیگر راویوں نے یہ لفظ بھی بیان کئے ہیں) ینفذھم ذلك (اس آواز سے ان فرشتوں پر دہشت طاری ہو جاتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ اپنا حکم فرشتوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ جب ان کے دلوں سے ڈر اور دہشت دور ہو جاتی ہے تو دوسرے فرشتے نزدیک والے فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا ہے؟ نزدیک والے فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جو فرمایا بجا ارشاد فرمایا اور وہ بڑا عالی شان اور عظمت والا ہے''۔ (۱)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: "الامن سترق السمع فاتبعه شهاب مبين" تفسير الحجرات، ح۴۷۰۱۔ ابوداود، ح۳۹۸۹۔ ترمذی، ح۳۲۲۳۔ ابن ماجه، ح۱۹۴۔ ابن حبان، ح۳۶۔

مذکورہ بالا روایت میں بعض فرشتوں کی ایسی سخت گھبراہٹ کا بیان ہے جس سے وہ اللہ کا حکم سننے کی بھی تاب نہ لا سکیں جب کہ بعض دوسری روایات میں بعض فرشتوں کا اس موقع پر بے ہوش ہو جانے کا بھی ذکر ہے۔ اس کی وضاحت حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی معاملے کو وحی کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے گفتگو کرتے ہیں تو اس وحی سے آسمانوں میں زلزلہ برپا ہو جاتا ہے...... اللہ سے خوف کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے...... جب اہل آسمان (یعنی فرشتے) اس وحی کی آواز کو سنتے ہیں تو وہ بھی بے ہوش ہو کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حسب منشاء ان سے اپنی وحی سے کلام فرماتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام [دوسرے فرشتوں سے] فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حق بات کہی اور وہ عالی شان ہے۔''(۱)

فرشتے کہاں رہتے ہیں؟

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے عام طور پر آسمانوں میں رہتے ہیں(۲) اور اللہ کے حکم سے مختلف کاموں کے لیے زمین پر آتے ہیں اور پھر واپس آسمان پر چلے جاتے ہیں مثلاً قرآن ایک مقام پر خود فرشتوں کی یہ بات مذکور ہے کہ

﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ﴾[سورة مريم :٦٤]

''ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے کہا:

((مَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَزُوْرَنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرَنَا ؟ !))

''آپ کو کیا رکاوٹ ہے کہ آپ ہمارے پاس اس سے زیادہ مرتبہ آئیں جتنا کہ اب آپ آتے ہیں؟''

تو اس پر یہ آیت (مذکورہ بالا) نازل ہوئی۔(۳)

اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ شب قدر کے موقع پر اللہ کے حکم سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴾[سورة القدر:٤]

''اس (شب میں ہر کام) کے سرانجام دینے کے لیے اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح امین (یعنی جبریل علیہ السلام) اترتے ہیں۔''

فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟

فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟ اس بارے میں قرآن وسنت میں کوئی عدد مذکور نہیں۔ اسی طرح انسانوں اور جنوں کی حتمی تعداد

۱۔ تفسير ابن كثير، ٧/٤۔ السنة، لابن ابی عاصم، ١۔٢٧٧۔

۲۔ دیکھئے: سورة الانبیاء۔آیات ١٩، ٢٠۔سورة فصلت، آیت ٣٨۔ سورة شوریٰ، آیت ٥۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر: باب قوله: "وما نتنزل الا بأمر ربك......، ح ٤٧٣١۔

کے بارے بھی قرآن وسنت کے نصوص خاموش ہیں بلکہ قرآن مجید میں تو یہ بات بیان کی گئی ہے کہ

﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ﴾ [سورة المدثر:۳۱]

''تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا اور کوئی جانتا ہی نہیں۔''

بعض اَحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسانوں اور جنوں سے بھی ان کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ اَحادیث درج ذیل ہیں:

۱)..... حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے (واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا:

((فَرُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرُ مَا عَلَيْهِمْ))

''پھر مجھے بیت المعمور دکھایا گیا، میں نے جبریل علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ یہ بیت المعمور ہے اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ نماز پڑھتے ہیں اور ایک مرتبہ جو فرشتے نماز پڑھ کر اس سے نکل جاتے ہیں تو پھر کبھی داخل نہیں ہو پاتے۔''(۱)

۲)..... حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ لِلّٰهِ سَاجِدًا))

''آسمانوں میں کہیں چار انگلیاں جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو۔''(۲)

۳)..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّونَهَا))

''قیامت کے روز جہنم کو اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کی ستر (۷۰) لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ کر لا رہے ہوں گے۔''(۳)

کیا فرشتوں کو موت آتی ہے؟

جس طرح انسانوں کی پیدائش اور موت کے مختلف مراحل ہیں، فرشتوں کے لیے یہ مراحل نہیں ہیں یعنی دنیا میں نئے انسان پیدا ہوتے ہیں اور پہلے سے موجود انسان فوت ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس کے برعکس جب سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا ہے، تب سے وہ زندہ ہیں اور قیامت قائم ہونے تک زندہ رہیں گے اور اللہ کی طرف سے انہیں جو ذمہ داریاں دی گئی ہیں انہیں وہ پورا کرتے رہیں گے لیکن جب قیامت آجائے گی تو یہ فرشتے بھی موت سے دوچار ہوں گے اور ایک ایسا وقت آئے گا جب کائنات میں اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی اور زندہ نہ ہوگا اسی صورتحال کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

۱۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ح۳۲۰۷۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الأسراء برسول اللهﷺ، ح۱۶۲۔

۲۔ ترمذی، کتاب الزهد، ح۲۳۱۲۔ ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الحزن و البکاء، ح۴۱۹۰۔ مسند احمد، ج۵ص۱۷۳۔

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة ونعیمها، باب جهنم اعاذنا الله منها، ح۲۸۴۲۔

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴾[سورة الرحمن:٢٦،٢٧]
''زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں،صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اورعزت والی ہے،وہی باقی رہ جائے گی۔''
اسی طرح قرآن مجید کی ایک اورآیت میں ہے:
﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴾[سورة آل عمران :١٨٥]
''آخرکار ہر نفس (جان) کو مرنا ہے۔''
ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ ساری کائنات تباہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ذی روح موت سے دوچار ہوگا۔ یہ منظر کس طرح برپا ہوگا،اس سلسلہ میں حافظ ابن کثیرؒ سورۂ زمر کی آیت ۶۸ کے تحت رقمطراز ہیں:
''اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اورزمین والے سب بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ یہ دوسرا صور ہوگا جس سے ہر زندہ مرجائے گا خواہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں مگر وہ (نہیں مرے گا) جسے اللہ چاہے۔جیسا کہ نَفْخُ فِي الصُّوْرِ کی مشہور حدیث میں ہے۔پھر باقی بچنے والوں کی روحیں قبض کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ سب سے آخر میں ملک الموت مرے گا اور صرف اللہ تعالیٰ ہی باقی رہ جائے گا جو حی وقیوم ہے، جو اوّل سے ہے اور آخر میں بھی ہمیشگی اور بقا کے ساتھ رہے گا۔اور اللہ تعالیٰ (اس وقت) کہیں گے: آج کس کی بادشاہت ہے؟ تین مرتبہ یہی بات کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے آپ کو جواب دیں گے کہ آج صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے جو اکیلا اور قہار ہے۔(نیز اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) پہلے بھی میں اکیلا ہی تھا اور اب بھی میں ہی ہر چیز پر غالب ہوں اور میں نے ہر چیز کو فنا ہو جانے کا حکم دے دیا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کریں گے اور انہیں حکم دیں گے کہ وہ صور پھونکیں۔ یہ تیسرا [اور بعض اہل علم کے بقول دوسرا] صور ہوگا،جس سے وہ ساری مخلوق جو مردہ تھی،زندہ ہو جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾[سورة الزمر:٦٨]
''پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ (سب) کھڑے ہوکر دیکھنے لگ جائیں گے۔''[1]
بعض روایات میں چار بڑے فرشتوں کی موت کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:
۱)......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:
﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾
''پھر صور میں پھونکا جائے گا تو اس سے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی سوائے اس کے جسے تیرا رب چاہے۔''
تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ (پہلے صور پھونکنے کے وقت) مرنے سے مستثنیٰ کردیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ تفسیر ابن کثیرؒ، ج ٤ ص ٩٦۔

"وہ جبریل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام اسرافیل علیہ السلام اور ملک الموت علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے (اس وقت) پوچھیں گے (جب وہ پہلا صور پھونک چکے ہوں گے) کہ میری مخلوق میں سے کون کون باقی رہ گیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا سب سے زیادہ علم ہے، چنانچہ ملک الموت کہیں گے: اے پروردگار! جبریل، میکائیل، اسرافیل اور یہ تیرا ضعیف بندہ ملک الموت باقی رہ گئے ہیں۔ اللہ فرمائیں گے کہ اسرافیل اور میکائیل کی جان بھی نکال لو چنانچہ (ملک الموت حکم کی تعمیل کریں گے اور) یہ دونوں فرشتے بھی دو بڑے بڑے پہاڑوں کی طرح گر پڑیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرمائیں گے کہ تم خود بھی مر جاؤ چنانچہ وہ بھی مر جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ اے جبریل! اب کون باقی رہ گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام کہے گا: اے بلند و بالا، برکت وعظمت اور جاہ وجلال والے اللہ، آپ ہی کا چہرہ باقی ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا اور یا پھر یہ جبریل باقی رہ گیا ہے جو مرنے اور فنا ہو جانے والا ہے۔ اللہ فرمائیں گے: اے جبریل! تیرا مرنا بھی ضروری ہے! چنانچہ اسی وقت جبریل علیہ السلام سجدہ ریز ہو جائیں گے اور ان کے پر پھڑ پھڑانے لگیں گے اور وہ سبحانك ربی تبارك وتعاليت ياذالجلال والاكرام کہتے ہوئے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دیں گے۔"[1]

۲) ..... حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے آپس میں جھگڑا کیا اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔ ایک ان میں سے مسلمان تھا اور دوسرا یہودی۔ مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا والوں پر بزرگی دی۔ جبکہ یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام دنیا والوں پر بزرگی عطا کی۔ اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے طمانچہ دے مارا۔ وہ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان کے ساتھ اپنا یہ جھگڑا آپ کے سامنے بیان کیا۔ آپؐ نے اس مسلمان کو بلوایا اور اس سے بھی اس واقعہ کی تفصیل پوچھی۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری بات بتا دی (کہ یہ یہودی آپؐ کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو افضل قرار دیتا تھا اس لیے میں نے اسے مارا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے حضرت موسیٰ پر ترجیح نہ دو، لوگ قیامت کے روز بے ہوش کر دیئے جائیں گے۔ میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ بے ہوشی سے ہوش میں آنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا لیکن میں اٹھتے ہی دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرش کا کنارہ پکڑا ہوگا، اب مجھے معلوم نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش ہونے والوں میں ہوں گے اور مجھ سے پہلے انہیں ہوش آ چکا ہوگا یا پھر یہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔"[2]

۳) ..... حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی میں ایک مرتبہ کوہِ طور پر نورِ الٰہی کی کرن پڑنے سے بے ہوش ہوئے تھے۔ اس لیے مسلم کی اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "مجھے معلوم نہیں کہ کوہِ طور کے موقع پر موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی کو آج کی بے ہوشی کے برابر کر کے انہیں چھوڑ دیا گیا ہے یا پھر وہ بے ہوش ہوئے ہیں اور اسکے باوجود مجھ سے پہلے انہیں ہوش آ گیا؟!"

۱۔ تفسیر قرطبی، بذیل: سورۃ زمر۔ آیت ۶۸، نیز دیکھئے: تفسیر درمنثور، للسیوطی، ج۵ ص ۶۳۰۔

۲۔ بخاری، کتاب الخصومات، باب ما يذكر فی... ح۲۴۱۱۔ مسلم، ح۲۳۷۳۔ ابوداؤد، ح۴۶۷۱۔ ترمذی، ح۳۲۴۰۔ اس حدیث کے پیش نظر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بعض فرشتوں پر موت اور بے ہوشی کی یہ کیفیت طاری نہیں ہوگی لیکن یہ بات غلط ہے اس لئے کہ قرآن مجید کے عموم سے یہ بات واضح ہے کہ قیامت قائم ہوتے وقت ہر ذی روح پر ایک مرتبہ موت ضرور طاری ہوگی۔ (واللہ اعلم!)

فصل۲

فرشتوں کو عطا کردہ قدرت واختیارات

مختلف شکلیں اختیار کرنے کی قدرت

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ قدرت عطا کررکھی ہے کہ وہ چاہیں تو اپنی اصلی شکل کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کرلیں۔ یہ صورت کسی ایسے انسان کی بھی ہوسکتی ہے جسے دیکھنے والے پہچان لیں اور کسی مجہول الحال شخص کی بھی ہوسکتی ہے۔انسانوں کے علاوہ کسی اور ذی روح کی صورت اختیار کرنے کی فرشتوں کو طاقت ہے یا نہیں؟اس کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی صراحت یا ذکر نہیں ملتا البتہ ان کے انسانی شکل اختیار کرنے کے واقعات ضرور ملتے ہیں اور انہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرشتوں کو دیگر شکلیں اختیار کرنے کی بھی قدرت اللہ تعالیٰ نے عطا کررکھی ہوگی۔

فرشتوں کا انسانی شکل اختیار کرنے کے چندواقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱)..... قرآن مجید کے مختلف مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے یہ واقعہ مذکور ہے کہ ان کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے اور حضرت ابرہیم علیہ السلام ان فرشتوں کو پہچان نہ پائے پھر فرشتوں کے بتانے پر آپ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہ انسان نہیں ہیں۔(یہ واقعہ پچھلے باب میں گزر چکا ہے۔)

۲)..... حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں ہے کہ ان کے پاس انسانی شکل میں فرشتے آئے تھے،ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ وَجَآءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِن قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّـَٔاتِ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِى هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِى ضَيْفِىٓ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِى بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ قَالَ لَوْ أَنَّ لِى بِكُمْ قُوَّةً أَوْ ءَاوِىٓ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ قَالُوا يٰلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوٓا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴾[ھود:۷۷تا۸۱]

''جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہوگئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے اور ان کی قوم ان کے پاس آ پہنچی وہ (قوم) تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی۔لوط علیہ السلام نے کہا:اے قوم کے لوگو!یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمہارے لیے بہت ہی پاکیزہ ہیں۔(اگر تم ان سے نکاح کرنا چاہو تو،اور) اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوانہ کرو۔کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے!انہوں نے جواب دیا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ ہمیں تو تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں ہے اور تو ہماری اصلی چاہت سے بخوبی واقف ہے۔لوط علیہ السلام نے کہا:کاش کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی

زبردست کا آسرا پکڑتا۔اب فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں۔ پس تو اپنے گھر والوں کو لے کر کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو۔تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیے۔سوائے تیری بیوی کے (جو کافر تھی) اس لیے کہ اسے بھی وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا، یقیناً ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح کا ہے، کیا صبح بالکل قریب نہیں؟!''

۳)...... حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں تشریف لائے جیسا کہ سورۃ مریم[۱۶تا۱۹] میں ہے۔

۴)...... حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی مرتبہ انسانی شکل میں تشریف لایا کرتے تھے۔اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''ایک دن ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے۔نہ تو اس پر سفر کے آثار دکھائی دیتے تھے اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے جانتا تھا۔وہ آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا لیے اور اپنے ہاتھ رانوں پر رکھ کر کہا: اے محمدؐ! مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر حج کی استطاعت ہو تو حج کرو۔اس آدمی نے (یہ جواب سن کر) کہا کہ آپ واقعی سچ کہتے ہیں۔(راوی حدیث) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس بندے پر تعجب ہوا کہ وہ آپؐ سے سوال بھی پوچھ رہا ہے پھر (خود ہی) تصدیق بھی کر رہا ہے!

پھر اس نے کہا کہ مجھے بتائیے کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے کہا کہ (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں، رسولوں، آخرت کے دن پر اور تقدیر کے اچھا یا برا ہونے پر ایمان لاؤ (یعنی ان چھ چیزوں کو تسلیم کرو) اس نے کہا، آپ سچ کہتے ہیں پھر اس نے کہا کہ مجھے بتائیے احسان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ (احسان یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس تصور سے کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے تو (یاد رکھو کہ) وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔پھر وہ چلا گیا، میں ابھی آپؐ کے پاس ہی بیٹھا تھا کہ آپؐ نے مجھے مخاطب کیا: اے عمرؓ! جانتے ہو یہ سائل کون تھا؟ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے اور تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔''[۱]

انسانوں سے کئی گنا زیادہ قوت

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو انسانوں سے کئی گنا زیادہ قوت وطاقت عطا کر رکھی ہے جیسا کہ درج ذیل دلائل سے معلوم ہوتا ہے:

۱)...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو دین کی دعوت دی مگر انہوں نے الٹا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وجبر کی انتہا کر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لہولہان ہو گئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب ۱، ح۸۔ بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبیؐ ......، ح۵۰۔

((فلم استفق الا وانا بقرن الثعالب فرفعت رأسي فاذا انابسحابة قداظلتني فنظرت فاذافيها جبريل فناداني فقال :ان الله قد سمع قول قومك ومارد واعليك وقد بعث الله اليك ملك الجبال لتأمره بماشئت فيهم فناداني ملك الجبال فسلم علي ثم قال : يامحمدؐ ! فقال :ذلك فيماشئت ان شئت ان اطبق عليهم الاخشبين؟ فقال النبیؐ :بل ارجو ان يخرج الله من اصلابهم من يعبد الله وحده لايشرك به شيئا))

''قرن الثعالب مقام پر جب مجھے کچھ ہوش آیا تو میں نے اپنا سر اٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ بدلی کا ایک ٹکڑا میرے اوپر سایہ کئے ہوئے ہے اور میں نے دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس میں موجود ہیں۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں آپ کی قوم کی باتیں سن چکا ہے اور جو انہوں نے آپ کے خلاف اقدام کیا (وہ بھی دیکھ چکا ہے) آپ کے پاس اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے آپ ان لوگوں کے بارے میں جو چاہیں اس کا اس (فرشتے) کو حکم دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کا فرشتہ مجھ سے مخاطب ہوا، اس نے مجھ سے سلام کیا اور کہا: اے محمدؐ! پھر اس نے بھی یہی بات کہی کہ آپؐ جو حکم دیں گے (میں اس کی تعمیل کروں گا) اگر آپؐ چاہیں تو میں دونوں طرف کے پہاڑ ان پر لا کر ملا دوں (جن سے یہ پس جائیں؟) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تو اس کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔''[1]

۲)......اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام کی قوت وطاقت کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

﴿ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ...... ﴾ [سورة النجم : ٥،٦]

''اسے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو زبردست طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے جو زورآور ہے۔''

۳)......جن فرشتوں نے عرش اٹھا رکھا ہے ان کا قد وقامت اور قوت بہت زیادہ ہے۔ (اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)۔

سرعتِ رفتار

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حد سے زیادہ رفتار کی قوت عطا کر رکھی ہے یہ پلک جھپکنے میں آسمان سے زمین پر اور زمین سے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں عہد نبویؐ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ کوئی سائل آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات دریافت کرتا اور اسی وقت جبریل علیہ السلام اللہ کی طرف سے وحی لے کر پہنچ جاتے مثلاً ایک مرتبہ حضرت خولہ بنت مالک کو ان کے خاوند اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ دیا کہ ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔'' یہ جملہ عہد جاہلیت میں طلاق دینے کے لیے بولا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت خولہؓ پریشان ہو کر آنحضرتؐ کے پاس جا پہنچی اور اپنا ماجرا کہہ سنایا۔ ابھی وہ فارغ ہی ہوئی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو وحی دے کر بھیجا اور اٹھائیسویں پارے کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں چنانچہ آپؐ نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کو گھر جانے سے پہلے ہی مسئلہ بتا دیا (کہ یہ طلاق نہیں بلکہ ظہار ہے)[1]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، ح۳۲۳۱۔ مسلم، کتاب الجهاد، ح۱۷۹۵۔

۲۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظهار۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب وکان الله سمیعا بصیرا۔

اسی طرح کئی واقعات ایسے ملتے ہیں کہ کسی مجلس میں کوئی آپؐ سے سوال کرتا اور ابھی مجلس برخواست بھی نہ ہوتی کہ جبریل علیہ السلام وحی لے کر پہنچ جاتے مثلاً صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جب خبر ملی کہ اللہ کے رسول ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں آپ سے ایسی تین چیزوں کے متعلق پوچھوں گا جنہیں نبی کہ علاوہ کوئی شخص نہیں جانتا۔ (اور اگر آپؐ نے مجھے ان کے بارے میں صحیح جواب دیا تو میں مسلمان ہو جاؤں گا، پھر اس نے پوچھا کہ) قیامت کی سب سے پہلی علامت کیا ہے؟ وہ کون سا کھانا ہے جو سب سے پہلے جنتیوں کو دیا جائے گا؟ اور کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہہ ہوتا ہے؟

آپ نے اس کے سوال سن کر فرمایا: ((اخبرنی بهن آنفا جبریل)) ''تمہارے ان سوالوں کے جواب ابھی ابھی مجھے جبریل علیہ السلام نے بتا دیئے ہیں'' ...... پھر آپؐ نے اس کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

قیامت کی سب سے پہلی علامت ایک آگ کی صورت میں ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔ اور سب سے پہلا کھانا جو اہل جنت کی دعوت کے لیے پیش کیا جائے گا وہ مچھلی کی کلیجی پر جو ٹکڑا الٹکا رہتا ہے، وہ ہوگا اور بچے کی مشابہت کا جہاں تک تعلق ہے تو جب مرد عورت سے قربت کرتا ہے تو اس وقت اگر مرد کی منی پہل (غلبہ) کر جائے تو پھر بچہ مرد ہی کی شکل وصورت پر ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی پہل کر جائے تو پھر بچہ عورت کی شکل وصورت پر ہوتا ہے۔ (یہ سن کر) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پکار اٹھے: اشهد انك رسول الله میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں''۔ (۱)

وہبی علم

انسانوں کو علم کے لیے مشق اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ مختلف فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے حسبِ منصب بغیر کسی محنت اور کسب کے علم عطا کر رکھا ہے۔ اور جتنا علم اللہ تعالیٰ نے انہیں القا فرما دیا ہے اس سے زیادہ نہ وہ جانتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اسے حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں خود فرشتوں کی یہ بات موجود ہے کہ تخلیقِ آدم علیہ السلام کے موقع پر انہوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہا:

﴿ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴾[سورة البقره: ۳۱،۳۲]

''انہوں نے کہا: تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں ماسوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ بلاشبہ تو علم اور حکمت والا ہے۔''

۱۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم و ذریته، ح۳۳۲۹۔

فصل ۳

فرشتوں کی عادات وصفات اور اَخلاق وکردار

فرشتے انتہائی معزز ومکرم ہیں، چند دلائل سے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) : ﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴾ [سورة الانبياء:٢٦]

''بلکہ وہ سب (فرشتے) اس (اللہ) کے باعزت بندے ہیں۔''

(۲) : ﴿ بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ ۢ بَرَرَةٍ ﴾[سورة عبس:١٥، ١٦]

''(قرآن مجید تو) ایسے لکھنے والوں (فرشتوں) کے ہاتھوں میں ہے، جو بزرگ اور پاکباز ہیں۔''

فرشتے گناہوں سے پاک ہیں

اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کا نام 'گناہ' ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتے ہیں، وہ فوراً اسے بجالاتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

(۱) : ﴿ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾[سورة التحريم:٦]

''وہ (فرشتے) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جاتا ہے (اسے وہ) بجالاتے ہیں۔''

(۲) : ﴿ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴾[سورة الانبياء: ٢٧]

''وہ (فرشتے) کسی فرمان میں اللہ کی بات پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں۔''

اسی طرح فرشتوں کی پاکبازی کی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں گواہی دی ہے:

(٤) : ﴿ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾[الواقعه : ٧٧، ٧٩]

''بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب (لوحِ محفوظ) میں درج ہے جسے صرف پاکباز لوگ (یعنی فرشتے) ہی چھوتے ہیں۔''

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر فرشتوں سے گناہ سرزد نہیں ہوتا تو پھر ہاروت وماروت اور ابلیس سے گناہ اور باری تعالیٰ کی حکم عدولی کیوں ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاروت وماروت کے بارے میں جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے کوئی گناہ ہوا تھا، وہ روایات ہی سنداً صحیح ثابت نہیں اور ابلیس سے اگرچہ گناہ ہوا مگر وہ فرشتوں میں سے نہیں بلکہ جنات میں سے تھا۔

فرشتے شرم وحیا سے متصف ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ میرے گھر میں آرام فرمارہے تھے اور آپ ﷺ کی رانوں یا پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ اس اثنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور گھر آنے کی اجازت چاہی، آپؐ نے انہیں

اجازت دی اور اپنے اس حال ہی میں (یعنی کپڑا درست کیے بغیر) ان سے گفتگو شروع کر دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے اسی حالت میں (کپڑا درست کیے بغیر) انہیں بھی اندر آنے کی اجازت دے دی اور پھر گفتگو کرنے لگے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اجازت طلب کی، آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کیے پھر (انہیں اجازت دی اور) وہ گھر میں داخل ہوئے پھر آپؐ نے گفتگو شروع کر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب وہ چلے گئے تو میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ آئے تھے تو آپؐ نے اپنی حالت بدلنے کی طرف بالکل توجہ نہ دی مگر جب عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے بھی درست کر لیے (آخر اس کی کیا وجہ تھی)؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا:

((أَلَا أَسْتَحِيِیْ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِیْ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ))[1]

''آخر جس شخص سے فرشتے حیا کرتے ہوں، بھلا اس سے میں کیوں نہ حیا کروں۔''

فرشتے نظم وضبط کے پابند ہیں

فرشتے اپنے ہر کام میں نظم وضبط کی پابندی کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی یا سستی اور کاہلی وغیرہ کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ جن فرشتوں کی جب اور جہاں ڈیوٹی شروع ہوتی ہے وہ اس وقت وہاں پہنچ جاتے ہیں اور اپنے کسی کام میں ہلہ گلہ اور شور وغوغا برپا نہیں کرتے۔ چند ایک دلائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱)..... حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ (ایک مرتبہ) ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ''تم اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں کرتے ہیں؟ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! فرشتے کس طرح اپنے رب کے سامنے صف بندی کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: وہ پہلے اگلی صفوں کی تکمیل کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔''[2]

۲)..... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اس کے کھول دینے کا مطالبہ کروں گا (یا اس پر دستک دوں گا) تو نگران کہے گا: آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا کہ میں محمد ﷺ ہوں۔ تو وہ نگران فرشتہ کہے گا کہ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ ﷺ کے لیے ہی جنت کا دروازہ کھولوں اور آپ ﷺ سے پہلے کسی اور کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔''[3]

۳)..... اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے روز فرشتے قطار در قطار منظم انداز میں آئیں گے اور اسی طرح صفوں کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجِائَءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ﴾

۱۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عثمان بن عفانؓ، ح ۲٤٠١۔
۲۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الامر بالسکون فی الصلاة ... ح ٤٣٠۔
۳۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبیؐ: أنا أول الناس فی الجنة، ح ١٩٧۔

''یقیناً جس وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کردی جائے گی اور تیرا رب (خود) آ جائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر (آ جائیں گے) اور اس دن جہنم بھی لائی جائے گی۔''[سورۃ الفجر:۲۱ تا ۲۳]

﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ﴾

''جس دن روح (یعنی جبریل علیہ السلام) اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے (اور) کوئی کلام نہیں کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے (گا)۔ یہ دن حق ہے۔''[سورۃ النبأ:۳۸،۳۹]

فرشتے بحث ومباحثہ بھی کرتے ہیں

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے آپس میں مختلف امور پر بحث ومباحثہ بھی کرتے ہیں اگرچہ بعض جگہ اس مباحثہ کے لیے مخاصمہ (جھگڑا) کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں مگر اس سے مراد وہ جھگڑا نہیں جو حسد وکینہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور نہ ہی بحث ومباحثہ میں وہ اَخلاقی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ فرشتوں کی اس صفت کی طرف قرآن مجید میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ اِنْ يُّوْحٰى اِلَيَّ اِلَّا اَنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [سورۃ ص: ۶۹،۷۰]

''(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) مجھے ان بلند قدر فرشتوں کی (بات چیت کا) کوئی علم نہیں جب کہ وہ تکرار (بحث و مباحثہ) کر رہے تھے۔ میری طرف فقط اسی لیے وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صاف آگاہ کردینے والا ہوں۔''

اس آیت میں فرشتوں کے کس مباحثے کی طرف اشارہ ہے؟ اس کے جواب میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ان آیات کے بعد چونکہ تخلیقِ آدم کا قصہ مذکور ہے، اس لیے بعض مفسرین کے بقول فرشتوں کی اِس بحث وتکرار سے مراد وہ گفتگو ہے جو تخلیق آدم کے وقت ہوئی تھی۔ حافظ ابن کثیرؒ، مفسر قرطبیؒ اور امام شوکانیؒ وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ واللہ اعلم!

فرشتے اللہ کے خوف سے ڈرتے ہیں

قرآن مجید میں فرشتوں کے بارے میں مذکور ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾[سورۃ النحل :۴۹،۵۰]

''یقیناً آسمان وزمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے اور وہ (فرشتے) اپنے اس رب سے جو ان کے اوپر ہے، کپکپاتے رہتے ہیں اور جو حکم مل جائے، وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴾[سورۃ الانبیاء:۲۸]

''وہ (فرشتے) تو خود اللہ کی ہیبت سے لرزاں وترساں ہیں۔''

فصل ۴

فرشتوں کا مقصدِ پیدائش

(عبادت، اطاعت اور فرمانبرداری)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی عبادت اور اطاعت وفرمانبرداری کے لیے پیدا کیا ہے، فرشتے ہر آن اللہ وحدہ لاشریک کی تسبیح وتحمید اور تقدیس وکبریائی میں مصروف رہتے ہیں اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کی فوراً تعمیل کرتے ہیں۔فرشتوں میں اللہ تعالیٰ نے گناہ، نافرمانی، حکم عدولی، سستی، کاہلی اور لاپروائی وغیرہ جیسے منفی خصائل پیدا ہی نہیں کیے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ذمہ داری میں کوئی غفلت نہیں برتتے۔

تسبیح وتحمید

فرشتے ہر دم بغیر کسی تکلیف ومشقت کے اللہ کی تسبیح وتحمید میں مصروف رہتے ہیں جیسا کہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

(۱) : ﴿ يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴾[سورة الانبياء: ۲۰]

''وہ (فرشتے) دن رات اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور کبھی دم نہیں لیتے۔''

(۲) : ﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴾

''جو (فرشتے) عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے بخشش مانگتے ہوئے (کہتے) ہیں: اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے لہٰذا جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی اتباع کی، انہیں بخش دے اور جہنم کے عذاب سے بچا لے۔'' [سورۃ مؤمن: ۷]

رکوع وسجود

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَتَسْمَعُوْنَ مَا اَسْمَعُ؟))

''کیا تم بھی وہ (آواز) سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''ہمیں تو کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی'' ۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنِّیْ اَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَاءِ وَمَا تُلَامُ اَنْ تَئِطَّ وَمَا فِیْهَا مَوْضِعُ شِبْرٍ اِلَّا عَلَیْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ اَوْ قَائِمٌ))

''میں آسمان کے لرزنے کی آواز سن رہا ہوں اور اس کے لرزنے اور کانپنے کا کوئی خوف نہیں۔ آسمان میں کہیں ایک ہاتھ جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ ریز یا حالتِ قیام میں نہ ہو۔''[1]

حج وطواف

جس طرح زمین والے بیت اللہ کا حج کرتے ہیں، اسی طرح آسمان والے (فرشتے) ساتویں آسمان پر موجود بَیْتُ اللّٰہ جسے بَیْتُ الْمَعْمُوْر کہا جاتا ہے، کا حج کرتے ہیں۔ اس جگہ کتنے فرشتے عبادتِ حج کے لیے جمع ہوتے ہیں اس کا اندازہ حدیثِ معراج میں نبی ﷺ کے ان الفاظ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے:

((فَرُفِعَ لِیَ الْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ یُصَلِّیْ فِیْهِ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ اِذَا خَرَجُوْا لَمْ یَعُوْدُوْا اِلَیْهِ آخِرَ مَا عَلَیْهِمْ))

''پھر مجھے بَیْتُ الْمَعْمُوْر دکھایا گیا، میں نے جبریل علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ یہ بَیْتُ الْمَعْمُوْر ہے، اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ نماز پڑھتے ہیں اور ایک مرتبہ جو فرشتے نماز پڑھ کر اس سے نکل جاتے ہیں تو پھر کبھی اس میں داخل نہیں ہو پاتے۔''[2]

گویا فرشتوں سے ہر وقت بھرے رہنے کی وجہ سے اس عبادت خانہ کو مَعْمُوْر (بھرا ہوا) کہا گیا اور اس کی عظمت اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اپنے قرآن میں کھائی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴾[سورة الطور: ٤]

''قسم ہے بیتِ معمور (آباد گھر) کی۔''

خوف وخشیتِ الٰہی

خوف وخشیت بھی عبادت کا حصہ ہے اور فرشتے اس عبادت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴾[سورة الانبیاء: ٢٨]

''وہ (فرشتے) تو اللہ کی ہیبت سے لرزاں ہیں!''

......☆......

١۔ مشکل الآثار، ٤٣/٢۔ المعجم الکبیر، ١٥٣/١۔ حلیة الاولیاء، ح٦٢٦٩۔ السلسلة الصحیحة، ح٨٥٢۔

٢۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ح٣٢٠٧۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الأسرا برسول اللہ، ١٦٢۔

فصل ۵

چار مشہور فرشتے اور ان کی ذمہ داریاں

(۱)......حضرت جبریل علیہ السلام کی فضیلت

حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معزز ترین فرشتوں میں سے ہیں۔ بعض اہل علم کے بقول آپ تمام فرشتوں کے سردار ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جن فرشتوں نے جنگوں میں شرکت فرمائی ان کی قیادت حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمائی۔ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام سردار تھے تو قیادت فرماتے تھے۔

اسی طرح شب قدر کے موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں فرشتے زمین پر اترتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کے سردار ہیں۔

اسی طرح بعض ضعیف روایات میں ہے کہ ساری مخلوق میں سے حضرت جبریل علیہ السلام آخر میں فوت ہوں گے اور ان کا وجود بھی تمام فرشتوں سے بڑا ہے۔ اور بعض صحیح روایات میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں۔

بعض اہل علم تین فرشتوں (یعنی حضرت جبریل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، اور حضرت اسرافیل علیہ السلام) کو تمام فرشتوں کا سردار قرار دیتے ہیں جبکہ بعض ان میں ایک چوتھے فرشتے یعنی ملک الموت علیہ السلام کو بھی شامل کرتے ہیں۔ ان تین فرشتوں کو سردارانِ ملائکہ قرار دینے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ کی یہ دعا مذکور ہے:

((اللهم رب جبرائيل وميكائيل وسرافيل فاطر السموت والارض عالم الغيب والشهادة انت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون اهدني لما اختلف فيه من الحق باذنك انك تهدى من تشاء الى صراط مستقيم))

"اے اللہ! اے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، مخفی اور ظاہر کو جاننے والے، جن چیزوں میں تیرے بندے اختلاف کرتے ہیں ان میں تو ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔ تو اپنے حکم سے مجھے اختلافی باتوں میں سے اس چیز کی طرف ہدایت عطا فرما جو حق ہے۔ یقیناً تو جسے چاہتا ہے، سیدھے راستے کی ہدایت عطا کرتا ہے۔"[1]

دراصل فرشتے انسانوں اور جنوں کے مقابلے میں عظیم مخلوق ہیں اور ان میں سے چار فرشتے دیگر فرشتوں کی نسبت زیادہ عظمت وفضیلت کے حامل ہیں پھر ان چار فرشتوں میں سے حضرت جبریل علیہ السلام افضل ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی تمام فرشتوں پر فضیلت اس بات سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ بڑے عمدہ انداز سے کیا ہے مثلاً ایک جگہ ان کا ذکر اپنے متصل بعد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ﴾[التحريم : ٤]

۱۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، ح ۷۷۰۔ ترمذی، ح ۳٤۲۰۔ احمد، ٦/۱٥٦۔ ابن حبان، ح ۲٦۰۰۔ ابن ماجه، ح ۱۳٥۷۔

''یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک ایمان دار اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔''

اور ایک جگہ حضرت جبریل علیہ السلام کی امانت و دیانت اور قوت و شوکت کو اس طرح بیان کیا:

﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ الْمَكِينِ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴾ [سورة التكوير: ۱۹تا۲۱]

''یقیناً یہ ایک بزرگ پیغامبر کا کہا ہوا ہے جو قوت والا ہے، عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے (اور وہ) امین ہے۔''

جبریل کا تلفظ

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لفظ جبریل کے دس تلفظ ذکر کئے ہیں یعنی:

(۱) جَبْـرَئِـلُ (۲) جَبْـرَئِـلَ (۳) جَبْـرَئِـيْـلُ (۴) جَبْـرَئِلُ (۵) جَبْرَئِلّ (۶) جَبْرَائِلُ (۷) جِبْرَائِيْلُ (۸) جِبْرِيْـلُ (۹) جَبْرَئِيْنُ (۱۰) جِبْرِيْنُ [1]

جبریل کا ایک نام 'الروح' بھی ہے

قرآن مجید میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ''روح'' بھی کہا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴾

''اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپؐ کے دل پر (یہ) اترا ہے تاکہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے بن جائیں۔'' [سورة الشعراء: ۱۹۲، ۱۹۴]

نزولِ قرآن سے متعلقہ یہی بات قرآن مجید کی ایک اور آیت میں اس طرح بیان کی گئی کہ

﴿ قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ [سورة البقرة: ۹۷]

''(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجیے کہ جو کوئی جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو (تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے) بلاشک اس (جبریل علیہ السلام) نے تو اس (قرآن اور خدا کے پیغام) کو آپؐ کے دل پر اتارا ہے۔''

سورۃ مریم (آیت: ۱۷) اور سورۃ قدر (آیت: ۴) میں بھی آپ کو 'روح' کہا گیا ہے۔

جبریل کا ترجمہ

جبریل علیہ السلام، میکائیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام کس زبان کے لفظ ہیں، اس کے بارے اہل علم کا اختلاف ہے۔ اسی طرح ان کے معانی کی تعیین میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں لیکن ان کا حاصل قریب قریب ہے مثلاً امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ

"وقال عكرمة: جبر وميك وسراف: عبد، ايل، الله "[2]

۱۔ تفسیر قرطبی، ج۲ ص ۳۸، ۳۹۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب من كان عدوا لجبريل۔

''عکرمہ فرماتے ہیں کہ لفظ جبر، میک اور سراف تینوں کے معنی بندہ (عبد) کے ہیں اور لفظ ایل (عبرانی زبان میں) اللہ کے معنی میں ہے۔''

یعنی ان تینوں کا معنی ہوا 'عبداللہ' (اللہ کا بندہ) یہی بات امام قرطبیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ پھر موصوف، امام ماوردیؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جبریل کا معنی ہے عبداللہ اور میکائیل کا معنی ہے عبید اللہ۔ (یہ پہلے کی تصغیر ہے) نیز فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین کے بقول اسرافیل کے معنی ہیں عبدالرحمٰن (یعنی رحمان کا بندہ)(۱)

حضرت جبریل علیہ السلام کی ذمہ داری

حضرت جبریل علیہ السلام کو بنیادی طور پر انبیاء کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام (وحی) پہنچانے پر مامور کیا گیا اور آپ علیہ السلام ہر نبی پر اللہ کی طرف سے پیغام لے کر آیا کرتے تھے جیسا کہ درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اَحادیث میں بھی صراحت کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام کی یہ ذمہ داری بیان کی گئی ہے مثلاً ایک روایت میں ہے کہ کچھ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''ہر نبی کے پاس فرشتوں میں سے ایک فرشتہ اللہ کی طرف سے پیغام اور وحی لے کر آیا کرتا ہے، آپؐ کے پاس کون سا فرشتہ آتا ہے تاکہ ہم آپ کی اتباع (کے بارے میں فیصلہ) کر سکیں؟'' آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ تو وہی ہے جو (ہمارے بارے میں) جہاد و قتال کا حکم لے کر آتا ہے لہٰذا یہ تو ہمارا دشمن ہے! اگر آپؐ میکائیل علیہ السلام کا نام لیتے جو بارش اور رحمت لے کر آتا ہے تو پھر ہم آپ کی ضرور اتباع کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾[سورة البقرة :۹۷]

''(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجیے کہ جو کوئی جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو (تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے) بلاشک اس (جبریل علیہ السلام) نے تو اس (قرآن اور خدا کے پیغام) کو آپؐ کے دل پر اتارا ہے۔''(۲)

ایک روایت میں ہے کہ ان یہودیوں نے کہا:

''جبریل علیہ السلام تو وہ فرشتہ ہے جو جہاد و قتال کا اور عذاب کا حکم لے کر آتا ہے لہٰذا یہ تو ہمارا دشمن ہے البتہ اگر آپ میکائیل علیہ السلام کا نام لیتے جو رحمت، نباتات اور بارش لے کر آتا ہے تو پھر ٹھیک تھا۔''(۳)

(۲)......حضرت میکائیل علیہ السلام اور ان کی ذمہ داری

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں (سورۂ بقرۃ/آیت ۹۸ کے تحت) لفظ میکائیل کے چھ تلفظ بیان کیے ہیں یعنی:

۱۔ تفسیر قرطبی، ۳۹/۲۔

۲۔ تفسیر قرطبی، ۳۷/٤۔ السنن الکبریٰ، للنسائی، ح۹۰۷۲۔ احمد، ۱۰۸/۳۔۲۱۱۔

۳۔ مسند احمد، ۲۷٤/۱۔

(۱) مِيْكَايِيلُ (۲) مِيْكَائِيْلُ (۳) مِيْكَالُ (۴) مِيْكَئِيْلُ (۵) مِيْكَايِيلُ (۶) مِيْكَاءَ لُ [۱]

حضرت میکائیل علیہ السلام بھی صاحب عظمت فرشتے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کا ذکر سورۃ بقرۃ میں خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾[سورة البقرة :۹۸]

''جو شخص اللہ تعالیٰ ،اس کے فرشتوں ،اس کے رسولوں اور جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کا دشمن ہو (وہ کافر ہے) اور یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔''

حضرت میکائیل علیہ السلام کی ذمہ داری بارش برسانے پر ہے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی ذمہ داری سے متعلقہ اَحادیث میں ان کی اس ذمہ داری کے بارے میں بھی ذکر ملتا ہے مثلاً ایک حدیث میں تھا کہ جب یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا:

''جبریل علیہ السلام تو وہ فرشتہ ہے جو جہاد وقتال کا اور عذاب کا حکم لے کر آتا ہے لہٰذا یہ تو ہمارا دشمن ہے البتہ اگر آپ میکائیل علیہ السلام کا نام لیتے جو رحمت ،نباتات اور بارش لے کر آتا ہے تو پھر ٹھیک تھا۔''[۲]

تو آپؐ نے ان یہودیوں کی اس بات کی نفی نہ فرمائی۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میکائیل کی واقعی یہی ذمہ داری ہے اور اگر ان کی ذمہ داری کچھ اور ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی اس بات کی بھی تردید فرمادیتے۔

(۳)......حضرت اِسرافیل علیہ السلام اور ان کی ذمہ داری

گزشتہ صفحات میں حضرت اسرافیل علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ بھی ایک عظیم المرتبت فرشتہ ہے۔ان کی ذمہ داری کے بارے اہل علم میں مشہور ہے کہ قیامت برپا کرنے اور پھر تمام مردوں کو زندہ کرنے کے لیے انہیں 'صور' (نرسنگھا، بگل نما آلہ) دیا گیا ہے جسے وہ اپنے منہ میں لیے حکم الٰہی کے منتظر ہیں۔جب انہیں حکم ملے گا وہ اس میں پھونکیں گے اور اس سے خوفناک آواز پھیلے گی جسے سننے والا ہر ذی روح مر جائے گا۔پھر تمام لوگوں کو زندہ کرنے کے لیے بھی وہی دوبارہ اللہ کے حکم سے صور پھونکیں گے۔

یاد رہے کہ صور پھونکے جانے کے بارے میں قرآن وسنت میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔اسی طرح اَحادیث میں یہ وضاحت بھی ہے کہ ایک فرشتہ صور پھونکنے کی ذمہ داری ادا کرے گا مگر یہ فرشتہ کون ہے؟ بعض روایات کے مطابق یہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں اور بعض اہل علم بغیر کسی اختلاف کے شروع سے اس فرشتے کا نام اسرافیل ہی بتاتے چلے آرہے ہیں۔واللہ اعلم۔

۱۔ تفسیر قرطبی، ج۲ ص۳۹۔

۲۔ مسند احمد، ج۱ ص۲۷۴۔

(۴)......حضرت ملک الموت (عزرائیل) علیہ السلام اوران کی ذمہ داری

ملک الموت کا معنی ہے 'موت کا فرشتہ'۔ یعنی وہ فرشتہ جسے اللہ تعالیٰ نے روح قبض کرنے پر مامور فرمارکھا ہے۔اگرچہ عرف عام میں ملک الموت علیہ السلام (فرشتے) کے لیے لفظ عزرائیل مشہور ہو چکا ہے مگر قرآن وحدیث میں کہیں بھی یہ لفظ استعمال نہیں ہوا جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں کہ

" وامامللك الموت فليس بمصرح باسمه فى القرآن ولافى الاحاديث الصحاح وقد جاء تسميته فى بعض الآثار بعزرائيل والله اعلم !"

''ملک الموت (موت کے فرشتے) کا نام کیا ہے؟ اس کی صراحت قرآن مجید یا صحیح احادیث میں مذکور نہیں تاہم بعض آثار میں اس کا نام عزرائیل بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم!''(۱)

ملک الموت کے بارے قرآن مجید میں اس طرح تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ﴾[سورة السجده : ۱۱]

''(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجئے کہ تمہاری روحیں وہ موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذی روح کی روح قبض کرنے کی ذمہ داری ملک الموت کی ہے مگر بعض آیات میں قبضِ روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی گئی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ﴾[سورة الزمر: ۴۲]

''لوگوں کے مرنے کے وقت اللہ تعالیٰ ان کی روحیں قبض کر لیتے ہیں۔''

اور بعض آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قبضِ روح کا کام صرف ملک الموت علیہ السلام نہیں کرتا بلکہ ان کے علاوہ کئی اور فرشتوں کی بھی یہ ذمہ داری لگائی گئی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى اِذَا جَاءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴾

''اور وہی اپنے بندوں پر غالب و برتر ہے اور تم پر نگہداشت رکھنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔'' [الانعام: ٦١]

مذکورہ بالا تینوں طرح کی آیات سامنے رکھنے سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ روح اللہ تعالیٰ نکالتے ہیں یا ملک الموت علیہ السلام یا کئی اور فرشتے بھی؟ مفسرین نے اس اشکال کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ زندگی اور موت چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی موت کا فیصلہ کرتا ہے اس لیے قبض روح کی نسبت اللہ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعلِ حقیقی ہے۔ ملک الموت علیہ السلام کی طرف نسبت اس لیے ہے کہ یہ ذمہ داری انہیں سونپی گئی ہے اور وہ اللہ کا حکم ملنے پر روح قبض کرتے ہیں جبکہ دیگر فرشتوں کی طرف یہ نسبت اس لیے کی گئی ہے کہ وہ ملک الموت کے معاون ہیں۔(۲)

۱۔ البداية والنهاية، ج۱ ص ۵۱۔

۲۔ دیکھیے: تفسیرابن کثیر، قرطبی، تفسیر فتح القدیر/بذیل آیات مذکورہ۔

فصل ۲

فرشتوں کے حقوق اور ہماری ذمہ داریاں

فرشتوں پر ایمان لانا

ایمان کے بنیادی ارکان میں ایک یہ بات بھی شامل ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان لائیں۔فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم کریں کہ......

''فرشتے اللہ کی معزز مخلوق ہیں،ان کے جسم نورانی اور انتہائی لطیف ہیں،وہ غیبی مخلوق ہیں،عام حالات میں ہم انہیں نہیں دیکھ پاتے،وہ ایسی شکلیں اختیار کرنے پر قادر ہیں جو ہمیں نظر آتی ہیں،فرشتوں کو بے پناہ قوت حاصل ہے،ان کی تعداد کا کوئی شمار نہیں،انہیں اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی عبادت اور اطاعت کے لیے پیدا کیا ہے،وہ اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں،وہ اللہ کی لمحہ بھر بھی نافرمانی نہیں کرتے،ان کا کام صرف وہ ہے جو اللہ انہیں حکم فرمائے،وہ شادی بیاہ نہیں کرتے،ان کی اولاد نہیں،انہیں کھانے پینے یا دیگر شہوات کی خواہش نہیں،وہ نہ مذکر ہیں نہ مؤنث،بلکہ وہ اللہ کے عبادت گزار اور معزز ومکرم بندے ہیں''۔

گزشتہ صفحات میں ان تمام چیزوں کی تفصیل دلائل کے ساتھ گزر چکی ہے۔اب ہم فرشتوں کے وہ حقوق ذکر کریں گے جو ہم انسانوں پر عائد ہوتے ہیں۔

فرشتوں سے محبت کرنا

جس طرح فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح ان سب سے محبت کرنا اور ان کے بارے اچھے جذبات رکھنا بھی ضروری ہے۔یہودیوں نے بعض فرشتوں سے بغض وعداوت کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنا دشمن قرار دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾

''جو شخص اللہ تعالیٰ،اس کے فرشتوں،اس کے رسولوں اور جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہو(وہ کافر ہے)اور یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔''[سورۃ البقرۃ:۹۸]

فرشتوں کو برا بھلا نہ کہنا

جو شخص فرشتوں کو گالی دے یا ان کی عیب جوئی کرے،اس کے بارے میں ائمہ اسلاف نے بڑے سخت فتوے دیئے ہیں مثلاً قاضی عیاضؒ امام سحنونؒ کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ

''جس شخص نے کسی فرشتے کو گالی دی، اس کی سزا قتل ہے۔''(۱)

اسی طرح امام سیوطیؒ امام قرافی ؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ

''واضح رہے کہ ہر مکلف (بالغ وصاحب اختیار) شخص پر لازم ہے کہ وہ تمام انبیاء کی تعظیم کرے، اسی طرح تمام فرشتوں کی بھی تعظیم کرے۔ اور جس شخص نے ان کی تعظیم کے منافی کوئی کام کیا اس نے گویا کفر کیا۔ خواہ صراحتاً ایسا کرے یا اشارۃً۔ لہٰذا کسی شخص نے اگر انتہائی جبار آدمی کو دیکھ کر یہ کہا کہ یہ جہنم کے داروغے 'مالک' سے بھی زیادہ سخت دل ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے انتہائی بدصورت شخص کو دیکھ کر یہ کہا کہ یہ منکر ونکیر سے بھی زیادہ وحشت ناک ہے تو وہ بھی کافر ہے۔ بشرطیکہ اس طرح کہنے والے نے بطور تنقیص (عیب جوئی کی خاطر) یہ بات کہی ہو''۔(۲)

معلوم ہوا کہ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے جب کہ ہمارے ہاں عام طور پر فرشتوں کی تعظیم کے حوالے سے یہ بات مدنظر نہیں رکھی جاتی اور ایسے جملے عیب جوئی کے طور پر عام کہہ دیئے جاتے ہیں حالانکہ ان سے اجتناب اور احتیاط بہت ضروری ہے۔

نماز میں دائیں جانب تھوکنے سے اجتناب کرنا

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللّٰهَ مَادَامَ فِي مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ فَإِنَّ عَنْ يَمِينِهِ مَلَكًا وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ فَيَدْفِنُهَا))

''جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ جب تک وہ نماز والی جگہ پر ہوتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے دائیں جانب بھی نہ تھوکے کیونکہ دائیں جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ البتہ اپنے بائیں جانب یا قدم کے نیچے تھوک لے پھر اسے دفن کر دے۔''(۳)

جن چیزوں سے لوگ نفرت کرتے ہیں ان سے احتیاط کرنا

عام طور پر وہ تمام اشیاء جنہیں نیک لوگ ناپسند کرتے ہیں مثلاً گندگی، بدبو، فحش حرکتیں، گالی گلوچ وغیرہ ان سب چیزوں کو فرشتے بھی ناپسند کرتے ہیں اور ان کا ارتکاب دیکھ کر انہیں اذیت بھی ہوتی ہے۔ اس لیے ان تمام چیزوں سے احتیاط کرنی چاہیے تاکہ ہمارے دائیں بائیں موجود فرشتے ہم سے نفرت نہ کریں اور نہ ہی انہیں ہم سے کوئی اذیت پہنچے۔ فرشتوں کو جن چیزوں سے اذیت ہوتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نماز سے پہلے آدمی لہسن، پیاز اور اس طرح کی بو والی کوئی چیز (سگریٹ وغیرہ) استعمال کر کے مسجد میں آئے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''جو شخص یہ بدبودار درخت (یعنی کچا پیاز، لہسن وغیرہ) کھائے وہ (اس کی بدبو ختم ہونے سے پہلے) ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ جن چیزوں سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، ان سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے''۔(۴)

۱، ۲۔ الحبائك فی اخبار الملائك، از سیوطیؒ، ص ۲۵٤۔ بحوالہ: "عالم الملائکۃ الابرار" از عمر سلیمان الاشقر، ص ۷۷، ۷۸۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب دفن النخامۃ فی المسجد، حدیث ٤۱٦۔

٤۔ مسلم، کتاب المساجد، باب نهی من اکل ثوبا او بصلا..... ح ٥٦٤۔

باب ۵

جنات وشیاطین کا بیان

انسانوں اور فرشتوں کی طرح جنات بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ انہیں بھی فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ نے سرعت رفتار، طاقت، شکلوں کی تبدیلی وغیرہ جیسے بعض اختیارات سے نواز رکھا ہے لیکن فرشتوں کے برخلاف انہیں نیکی اور بدی کے معاملے میں اسی طرح مختار بنایا گیا ہے جس طرح انسان کو۔ آئندہ سطور میں جنات کے حوالے سے ضروری تفصیلات ذکر کی جارہی ہیں۔

جنات اور شیاطین

جن عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی میں پوشیدگی کا تصور پایا جاتا ہے۔ جنات چونکہ عام حالات میں ہم سے پوشیدہ رہتے ہیں اور ہمیں نظر نہیں آتے اس لیے انہیں جنات کہا جاتا ہے۔ 'شیطان' بھی عربی زبان کا لفظ ہے اور اہل عرب ہر اس چیز کو شیطان کہہ دیتے تھے جو انتہائی سرکش اور باغی ہو خواہ وہ انسان ہو یا جن یا کوئی جانور وغیرہ۔ انسانوں کی نسبت جنات چونکہ زیادہ سرکش ہوتے ہیں اس لیے ان کے لیے یہ لفظ زیادہ استعمال ہوا ہے اور قرآن مجید میں ایک ایسے جن کا ذکر ہمیں ملتا ہے جو پہلے فرشتوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا مگر جب اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے صاف انکار کر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کیا کہ مجھے قیامت تک کے لیے مہلت دے دی جائے تا کہ میں انسانوں کو گمراہ کر کے یہ ثابت کر دکھاؤں کہ ان کی اکثریت تیری نافرمان ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ مطالبہ اور چیلنج قبول کیا اور اسے قیامت تک کے لیے زندگی دے دی۔

اس 'جن' کے لیے قرآن مجید میں 'ابلیس' اور 'شیطان' کے لفظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ چونکہ اس نے قیامت تک زندہ رہنا ہے اور اتنی لمبی زندگی اللہ کی نافرمانی وسرکشی میں گزارنی ہے، اس لیے اس سے بڑا سرکش اللہ کی مخلوق میں اور کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ہی عام طور پر شیطان کہا جاتا ہے حالانکہ اس کے علاوہ اور شیاطین کا ذکر بھی ہمیں قرآن وحدیث میں ملتا ہے مثلاً سرکش جنات کو شیاطین کہا گیا ہے۔ اسی طرح اَحادیث کے مطابق ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اسے گمراہ کرنے اور برائی کی ترغیبات دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے۔ اس فرق کے پیش نظر ابلیس کو 'شیطان اکبر' کہنا زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔

جنات کو اللہ نے آگ سے پیدا کیا ہے

جنات کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) : ﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ﴾ [سورۃ الرحمن:۱۵]

''اور اس (اللہ) نے جنات کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا ہے۔''

(۲) : ﴿وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ [الحجر:۲۷]

''اور جنوں کو ہم نے اس سے پہلے خالص آگ سے پیدا کیا۔''

جنات وشیاطین اور ان کا دین وایمان

بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے جنات کو بھی انسانوں ہی کی طرح اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور اس عبادت کے لیے انہیں اختیار بھی دیا ہے لیکن جس طرح انسان اس اختیار کو صحیح استعمال کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں یا پھر کفر کی راہ اختیار کر لیتے ہیں، اسی طرح بعض جن بھی اللہ تعالیٰ کے مطیع فرمان بن کر مسلمان ہو جاتے ہیں، جبکہ بہت سے جن اسلام میں داخل نہیں بھی ہوتے۔ اس سلسلہ میں خود قرآن مجید میں جنوں کا یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ

﴿وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾

''ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض ظالم ہیں پس جو مسلمان ہو گئے انہوں نے تو راہِ راست کا قصد کیا اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔'' [سورۃ الجن:۱۴،۱۵]

جنات کی خوراک

صحیح اَحادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جن بھی انسانوں کی طرح کھانے پینے والی مخلوق ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنات اپنی خوراک دو طرح سے حاصل کرتے ہیں:

۱)...... ایک تو وہ خوراک جو انسان کھاتے ہیں اور یہ جنات بھی چوری چھپے ان کے ساتھ شامل ہو کر اسے کھا لیتے ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب کھانا کھاؤ تو دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور جب پانی پیو تو دائیں ہاتھ سے پیو کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہی سے پیتا ہے۔[۱]

۲)...... اس کے علاوہ بھی جنات کی باقاعدہ خوراک کا تذکرہ اَحادیث میں ملتا ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنوں نے مجھ سے اپنی خوراک کے بارے میں سوال کیا تو میں نے کہا:

''ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا جائے، وہ تمہاری خوراک ہے اور اللہ کا نام لینے کی برکت سے وہ تمہارے ہاتھوں میں گوشت سے بھرپور ہو جائے گی اور مینگنیاں تمہارے جانوروں کا چارہ ہیں...... پھر اللہ کے رسول ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو کیونکہ یہ ہمارے ان بھائیوں (یعنی مسلمان جنوں) کی خوراک ہے۔''[۲]

۱۔ مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام ...... ح۲۰۲۰۔

۲۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الجھر بالقراءۃ فی الصبح، ح۴۵۰۔

جنات کی رہائش

جنات عموماً ویران مقامات، کھنڈرات، جنگلوں اور صحراؤں میں رہائش رکھتے ہیں جبکہ ان میں سے مسلمان اور متقی جنات خاص طور پر بیت اللہ کا قرب و جوار، مکہ و مدینہ جیسے معزز و افضل شہروں اور مسجدوں وغیرہ جیسی پاک جگہ کو اپنی رہائش کے لیے منتخب کرتے ہیں اور ان کے برعکس شریر اور غیر مسلم جن، گندی جگہوں مثلاً بیت الخلاء، کوڑا کرکٹ کے ڈھیر اور کفر و شرک کے اڈے وغیرہ جیسی معنوی یا حسّی طور پر نجاست سے لبریز جگہوں کو اپنی رہائش کے لیے پسند کرتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم بیت الخلاء میں داخل ہونے لگو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))

''یا اللہ! میں جنوں اور جنیوں (چڑیلوں) سے بچاؤ کے لیے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''[1]

ایک روایت میں واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ

''ان گندی جگہوں پر شیطان رہتے ہیں لہٰذا جب کوئی بیت الخلاء میں جائے تو یہ دعا (درج بالا) پڑھ لیا کرے۔''[2]

جنات جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟

اس بارے امام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں کہ ''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر جن جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور جمہور اہل علم کے بقول مسلمان جن جنت میں جائیں گے۔''[3]

کیا جن اپنی شکل تبدیل کر سکتا ہے؟

قرآن و سنت سے ثابت ہے کہ جن اپنی شکل تبدیل کر سکتے ہیں چند دلائل ملاحظہ ہوں:

(۱): ﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ اِنِّي اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّي اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾

''ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اِتراتے ہوئے اور لوگوں میں خودنمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر لینے والا ہے جبکہ ان کے اَعمال، شیطان انہیں زینت دار دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ میں خود بھی تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں جماعتیں نمودار ہوئیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا کہ میں تو تم سے بری ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔'' [سورة الانفال: ٤٧]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الوضو، باب مایقول عندالخلاء۔

۲۔ حاکم، ج۱ ص۱۸۷۔ امام حاکمؒ اور ذہبیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ۳۔ مجموع الفتاوی، ج۱۹ ص۳۸۔

ان آیات کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مشرکینِ مکہ جنگ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو شیطان سراقہ بن مالک نامی ایک مشرک سردار کا روپ دھار کر آیا تھا اور انہیں اپنے اور اپنے قبیلے بنوبکر بن کنانہ کے تعاون کا بھرپور وعدہ دلایا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اس نے یہ وعدہ اس لیے دلایا کیونکہ یہ قبیلہ قریش مکہ کا حریف تھا۔ (۱)

(۲) : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مدینہ میں کچھ جنوں نے اسلام قبول کرلیا ہے لہٰذا اگر تم کوئی سانپ دیکھو تو اسے تین مرتبہ اذن (حکم) دو کہ وہ چلا جائے اور اگر وہ اس کے بعد بھی نہ جائے تو اسے قتل کردو کیونکہ وہ شیطان (جن) ہے۔'' (۲)

(۳) : حضرت ابوسائب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے گیا تو وہ نماز میں مشغول تھے چنانچہ میں ان کے انتظار میں بیٹھ گیا دریں اثناء ان کے گھر کے ایک طرف ان کے بستر کے نیچے سے مجھے سانپ کی حرکت محسوس ہوئی اور میں نے دیکھا تو واقعی سانپ تھا چنانچہ میں اسے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو ابوسعیدؓ نے مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھے رہو۔ میں بیٹھ گیا اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں ایک نو بیاہتا جوڑا رہتا تھا۔ جب ہم جنگ خندق میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو اس شخص نے دوپہر کے وقت آپؐ سے اپنے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے اسے فرمایا کہ مجھے بنوقریظہ کے یہودیوں سے خطرہ ہے، لہٰذا تم اپنے ہتھیار بھی ساتھ لے جاؤ۔

جب وہ صحابیؓ اپنے گھر کے قریب پہنچا تو اس کی بیوی گھر کی دہلیز پر کھڑی تھی۔ اس صحابیؓ کی غیرت نے جوش مارا اور اس نے اس پر حملہ کرنے کے لیے اپنا نیزہ تان لیا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اپنا نیزہ دور رکھو اور پہلے گھر میں داخل ہو کر جائزہ لو کہ کس چیز نے مجھے باہر نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ بستر پر ایک بہت بڑا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے، اس نے فوراً سانپ کو اپنا نیزہ چبھویا اور اسے نیزہ میں پرو کر نیزہ صحن میں گاڑ دیا وہ سانپ نیزے پر تڑپنے لگا اور پھر یہ معلوم نہیں کہ سانپ پہلے مرا یا اسے قتل کرنے والا صحابی؟ پھر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور فرمائش کی کہ آپؐ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے ساتھی کے لیے استغفار کرو پھر فرمایا کہ مدینہ میں کچھ جنوں نے اسلام قبول کرلیا ہے لہٰذا جب تم کوئی جن (سانپ وغیرہ کی شکل میں) دیکھو تو اسے تین دن تک (اور بعض روایات میں ہے: تین مرتبہ) نکل جانے کی وارننگ دو۔ پھر اس کے باوجود اگر وہ نہ جائے تو اسے قتل کردو کیونکہ وہ شیطان ہے۔'' (۳)

۱۔ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر فتح القدیر/بذیل آیت مذکورہ۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب اجتناب المجذوم ونحوہ، ح۲۲۳۶-۱۴۱۔

۳۔ صحیح مسلم، کتاب السلام ...... ح ۲۲۳۶-۱۳۹۔

معلوم ہوا کہ وہ سانپ اصل میں جن تھا جس نے اپنا روپ بدلا ہوا تھا۔

(٤) : اسی طرح حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ایک معروف واقعہ ہے کہ وہ صدقہ کی کھجوروں کی حفاظت پر مامور تھے کہ شیطان ایک آدمی کی شکل میں آ کر چوری کرنے لگا۔ حضرت ابو ہریرۃؓ نے اسے پکڑ لیا اور اس کی منت سماجت کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا۔ تین دن مسلسل ایسا ہوتا رہا کہ وہ شیطان انسانی روپ میں آتا مگر ابو ہریرۃؓ اسے ہر مرتبہ پکڑ لیتے۔ پھر تیسرے دن اس نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسا وظیفہ بتاتا ہوں کہ اگر تم سوتے وقت اسے پڑھ لو تو صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ تمہارے لیے مقرر کر دیا جائے گا پھر اس نے کہا تم آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو۔ حضرت ابو ہریرۃؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا......خود تو جھوٹا تھا مگر تمہیں سچی بات بتا گیا ہے۔[١]

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ شیاطین / جنات اپنی شکلیں تبدیل کر سکتے ہیں لیکن یہ شکلوں کی تبدیلی کیسے اور کیونکر ہوتی ہے اس کی کنہ وحقیقت اور حالت وکیفیت ہم نہیں جانتے۔

جنات وشیاطین حضور نبی کریمؐ کی شکل اختیار نہیں کر سکتے!

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ فَإِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ))[٢]

''جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے واقعی مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا''۔

شیطان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت تو ہرگز اختیار نہیں کر سکتا مگر وہ یہ ضرور کر سکتا ہے کہ کسی اور خوب صورت شکل میں آ کر کہے کہ میں تمہارا نبی ہوں اور اس طرح لوگوں کو دھوکا دے۔ اس دھوکا سے بچاؤ کی اہلِ علم ایک تدبیر تو یہ بتاتے ہیں کہ ہم نے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ حیات میں دیکھا نہیں اس لیے ہم آپ کو پہچان ہی نہیں سکتے لہٰذا ایسا کوئی معاملہ ہو تو فوراً سمجھ لینا چاہئے کہ لامحالہ ایسی تصویر شیطان کی ہوگی۔ دوسری تدبیر یہ بتائی جاتی ہے کہ خواب میں جو صورت دکھائی گئی ہو، اگر وہ غیر شرعی حالت میں نہ ہو اور کوئی خلافِ شرع حکم بھی نہ دے تو پھر ممکن ہے کہ وہ نبی کریمؐ کی تصویر ہو، شیطان نہ ہو۔ واللہ اعلم!

جنات کی شادیاں اور اولاد

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں مذکر ومؤنث کا تصور موجود ہے اور ان میں بھی آپس میں شادی بیاہ، عشق ومحبت اور زناکاری وفحاشی وغیرہ جیسے تمام کام اسی طرح پائے جاتے ہیں جس طرح یہ کام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ جنات کی اولاد کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ

١۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ البقرۃ، ح ٥٠١٠۔

٢۔ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب من رأی النبیؐ فی المنام، ح ٦٩٩٤۔ صحیح مسلم، ح ٢٢٦٦، ٢٢٦٨۔

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾[سورة الكهف ٥٠]

''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جو جنوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کے دشمن ہیں۔ ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جنوں کی شادیاں ہوتی ہیں تبھی تو ان کی اولاد کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اسی طرح اَحادیث میں بیت الخلاء میں داخل ہونے کی جو یہ دعا مذکور ہے: ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)) ''یا اللہ! میں جنوں اور جنیوں (چڑیلوں) سے بچاؤ کے لیے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں نر اور مادہ دونوں پائے جاتے ہیں۔

سرعتِ رفتار

جنات و شیاطین کو جس سرعتِ رفتار سے نوازا گیا وہ انسانوں کو حاصل نہیں مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے:

﴿ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴾[سورة النمل:٣٨،٣٩]

''جب آپ (یعنی حضرت سلیمانؑ) نے کہا: اے سردارو! تم میں سے کوئی ہے جو ان (اہل یمن) کے مسلمان ہو کر پہنچنے سے پہلے ہی اس (ملکۂ یمن یعنی سبا) کا تخت مجھے لا دے؟ ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا کہ آپ کے اپنی اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی میں اسے آپ کے پاس لا دیتا ہوں اور یقین مانیے کہ میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔''

کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس وقت یروشلم میں تھے اور وہاں سے ملکۂ سبا کا تخت تقریباً ڈیڑھ دو ہزار کلومیٹر دور تھا اور یہ عرش تھا بھی بہت وزنی۔ مگر قوی ہیکل جن نے کہا کہ میں آپ کی یہ مجلس برخواست ہونے سے پہلے پہلے یہ عرش آپ کی خدمت میں حاضر کر سکتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک انسان بغیر مادی اسباب کے نہیں کر سکتا مگر جنوں کو اتنی سرعتِ رفتار اور قوت و طاقت سے نوازا گیا ہے......!

جنات کی فضاؤں میں اُڑان

جنات کو فضاؤں میں اڑنے اور سرعتِ رفتار سے ایک جگہ سے دوسرے جگہ جانے کی قوت بھی دی گئی ہے حتیٰ کہ جنات زمین سے آسمانوں میں بھی پہنچ جاتے ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کے ساتھ دنیوی اُمور کے حوالے سے جو مجلس ہوتی ہے، اسے سننے اور راز چوری کرنے کی یہ کوشش بھی کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل جادو جنات سے متعلقہ ہماری دوسری کتاب (**جنات کا پوسٹ مارٹم**) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

جنات کی بے پناہ قوت وطاقت، ذہانت اور عقل وشعور

درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کو بے پناہ قوت وطاقت، تجربہ وذہانت اور عقل وشعور سے نوازا گیا ہے:

﴿ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ يَعْمَلُونَ لَهُ مَايَشَاءُ مِنْ مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّسِيٰتٍ ﴾[سورۃالسبا:۱۲،۱۳]

''اور اس (حضرت سلیمانؑ) کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم کی سرتابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ جو کچھ سلیمانؑ چاہتے جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے، مجسمے، بڑے بڑے حوض جیسے لگن اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں۔''

جنات وشیاطین زبردستی کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے

اللہ تعالیٰ کے نیک، صالح بندوں پر شیاطین غلبہ نہیں پا سکتے اور نہ ہی زبردستی کسی کو گمراہ کر سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴾[سورۃ الحجر:۴۲]

''بلاشبہ میرے (صالح) بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں لیکن ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں۔''

اسی طرح جہنم میں جانے کے بعد شیطان خود جہنمی لوگوں سے کہے گا:

﴿ وَمَاكَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ...... ﴾

''میرا تم پر کچھ زور نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (اپنی طرف) بلایا تو تم نے میری بات مان لی، للہٰذا (آج) تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔'' [سورۃ ابراہیم:۲۲]

بعض نیک لوگوں سے جنات ڈرتے ہیں!

صحیح بخاری میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَالَقِيَكَ الشَّيْطَانُ قَطُّ سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ))

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب کبھی شیطان کسی راستے سے تمہیں آتا ہوا دیکھ لیتا ہے تو وہ اس راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے کی طرف بھاگ جاتا ہے۔''(۱)

اسی طرح ایک روایت میں صراحت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ

((إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَاعُمَرُ))

''اے عمرؓ! شیطان تجھ سے ڈرتا ہے۔''(۲)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس وجنوده، ح۳۲۹۴۔

۲۔ صحیح سنن ترمذی، ح۲۹۱۳۔

جنات وشیاطین قرآن جیسا معجزہ لانے سے قاصر ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انس وجن کو یہ چیلنج دیا کہ

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾

''(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا، ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔'' [سورۃ الاسراء: ۸۸]

جنات وشیاطین بند دروازے کو کھول نہیں سکتے

جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب شام کا اندھیرا پھیلنے لگے تو اپنے بچوں کو گھروں میں روک کر رکھو کیونکہ اس وقت شیاطین پھیلتے ہیں۔ البتہ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو پھر انہیں چھوڑ سکتے ہو۔ اور اللہ کا نام لے کر دروازے بند کرلو کیونکہ شیطان کسی بند دروازے کو نہیں کھول سکتا۔'' (بشرطیکہ وہ اللہ کا نام لے کر بند کیا گیا ہو)[1]

جنات وشیاطین انسانوں کی آبادی پر حملہ آور نہیں ہو سکتے

جنات وشیاطین کے حملے اگرچہ غیر مرئی شکل میں ہوتے ہیں اور کبھی کبھار کسی پر جسمانی حملے بھی یہ کرتے ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ شیطان کے کسی لشکر نے انسانوں کی بستی پر حملہ کر کے انہیں ملیامیٹ کیا ہو۔

شیطانِ اکبر، شیطانِ اصغر اور نفسِ انسانی

ابلیس تو وہ شیطان اکبر ہے جسے قیامت تک زندگی ملی ہوئی ہے جب کہ اس کے علاوہ ہر انسان کے ساتھ بھی ایک شیطان مقرر ہے جس کا تعلق شیطانِ اکبر کے ساتھ ہے اور یہ شیطانِ اکبر ہی کا کارندہ ہے۔ یہ ہمیں نظر تو نہیں آتا مگر ہمارے دل میں برے خیالاتِ پیدا کرتا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں خود انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ اس میں اچھے خیالات بھی پیدا ہوتے ہیں اور برے بھی۔ نیک جذبات بھی اٹھتے ہیں اور بد خیالات بھی۔ یہ دل انسان کو خیر کے لیے بھی آمادہ کرتا ہے اور شر کے لیے بھی۔

مزید برآں اچھے خیالات کو تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور فرشتوں کی حفاظت وغیرہ سے مزید تقویت ملتی ہے جب کہ برے خیالات سے شیطان فائدہ اٹھاتا ہے۔ انہی برے خیالات کا عملی اظہار فتنہ وفساد، حسد وکینہ، بغض وعناد، کفر وشرک، بغاوت وسرکشی، قتل وغارت گری وغیرہ کی شکل میں ہوتا ہے جس سے شیطان خوش اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ اس لیے ہر وہ کام جو اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ بنے وہ 'شیطانی' کام ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس، ح ۳۳۰۴۔ صحیح مسلم، ح ۲۰۱۲۔

شیطان کا مقصدِ پیدائش

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا تا کہ اس کے ذریعے اپنے بندوں کا امتحان لے سکے کہ کون شیطانی راہ اختیار کرتا ہے اور کون اللہ کی فرمانبرداری پر قائم رہتا ہے۔ اللہ نے نہ تو انسان کو زبردستی ہدایت کی راہ پر گامزن کیا ہے اور نہ ہی شیطان کو یہ اختیار دیا کہ وہ جبراً انسان کو گمراہی کی طرف کھینچ کر لے جائے۔

شیطان کی قوت وطاقت کی حقیقت

شیطان کی پرستش کا نظریہ اس بات پر قائم ہوا کہ شیطان جو چاہے نقصان برپا کرسکتا ہے حالانکہ یہ نظریہ ہی بدیہی طور پر غلط تھا۔ اس لیے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ اللہ ہی کے حکم و اذن سے ہوتا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر نہ ہوا میں تندی آسکتی ہے اور نہ پانی میں طغیانی۔ باقی رہا شیطان کی قوت وطاقت کا سوال تو اسے اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اسے پورا کرنے کے لیے اسے مطلوبہ حد تک پورے ہتھیار بھی عطا کر دیے ہیں تا کہ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ میرے پاس تو اسلحہ نہیں، میں کیسے انسانوں کا مقابلہ کروں گا۔ شیطان کا یہ اسلحہ درج ذیل چیزوں پر مشتمل ہے:

۱)...... یہ انسانوں کو نظر نہیں آتا۔
۲)...... انسانوں کے دلوں میں برے خیال القا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔
۳)...... انسان کے جسم میں داخل ہوسکتا ہے۔
۴)...... برائی کو انسان کے لیے مزین کرسکتا ہے۔
۵)...... ہر جگہ آنے جانے کی بے پناہ قوت اور سرعت رفتار بھی اسے حاصل ہے۔

شیطان سے بچاؤ کی تدابیر

دوسری طرف شیطان کا مقابلہ کرنے کے لیے انسانوں کو بھی مطلوبہ ہتھیار دیئے گئے جن کی نوعیت یہ ہے:

۱)...... انسان کو شیطان کی دشمنی سے متنبہ کیا گیا۔
۲)...... شیطان کے مکروفریب اور برے وسواس سے بچاؤ کے لیے وظائف بتائے گئے۔
۳)...... جس طرح ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان متعین ہے اسی طرح اس سے بچاؤ کے لیے ایک محافظ بھی فرشتے کی شکل میں ہر انسان کے ساتھ متعین کیا گیا ہے۔
۴)...... ہر برائی کے بارے میں صاف صاف آگاہ کر دیا گیا ہے کہ یہ برائی ہے۔
۵)...... اور اس سے بچنے کے لیے اس کے دل میں خدا کے غضب اور جہنم کے عذاب کا خوف بھی پیدا کیا گیا ہے۔
۶)...... گناہ ہو جانے کے بعد توبہ و استغفار کا راستہ بھی موت تک کھلا رکھا گیا۔

شیطانِ اکبر، شیطانِ اصغر اور نفسِ انسانی کی مختلف حالتوں اور شیطانی وسوسوں اور ان سے بچاؤ کی تفصیلات وغیرہ کے لیے ہماری کتاب: **انسان اور شیطان** کا مطالعہ مفید رہے گا۔

باب۶
تقدیر (قضاوقدر رقسمت) پر ایمان

فصل ا

عقیدہ قضا وقدر

تقدیر (قضا وقدر / قسمت) کیا ہے؟

تقدیر اور قسمت کے لیے قرآن وحدیث اور عقیدہ وکلام کی کتابوں میں قضا اور قدر کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ یہ دونوں الفاظ عام طور پر ہم معنی ہی استعمال ہوتے ہیں، البتہ بعض اوقات اہل علم ان میں کچھ فرق بھی بیان کرتے ہیں۔

قدر اور تقدیر کسی چیز کے اندازہ لگانے کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اندازہ لگانے کا عمل کسی بھی چیز کے وقوع سے پہلے ہوتا ہے اور انسانی اندازے میں یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کا اندازہ لگایا جائے، وہ ٹھیک ٹھیک اندازے کے مطابق ہی واقع ہو، بعض اوقات اندازہ بری طرح غلط بھی ثابت ہوتا ہے مگر ظاہر ہے یہ انسانی اندازے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اندازہ کبھی غلط واقع نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جب قدر اور تقدیر سے اللہ کا اندازہ مراد ہو تو اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بنائی ہوئی کائنات میں ہر چیز کا اس کی تخلیق اور وقوع سے پہلے ہی ایک اندازہ لگالیا تھا کہ یہ اس طرح واقع ہوگی، اور چونکہ اللہ کا علم کبھی غلط نہیں ہوسکتا، اس لیے وہ چیز عین اسی طرح واقع ہو کر رہتی ہے، جس طرح اللہ کے اندازے میں تھی۔

'قضا' کا لفظ حکم دینے، فیصلہ کرنے، کسی چیز کو قولی یا عملی طور پر مکمل کر لینے یا کسی چیز کے ارادہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ تقدیر اور قسمت (یا دوسرے لفظوں میں عقیدہ وکلام) کے پس منظر میں استعمال ہو تو پھر اس کا معنی ومفہوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز کے بارے میں اس کے وقوع سے پہلے ہی یقینی اور قطعی طور پر جانتے ہیں کہ وہ کب، کیسے اور کس طرح واقع ہوگی اور پھر وہ ٹھیک اسی وقت اور اسی طرح سے واقع ہوتی ہے جس طرح سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی اور اسی کا نام 'قضا' ہے کہ وہ چیز اللہ کے پیشگی اندازے اور علم کے عین مطابق واقع ہو۔

'قضا وقدر' کے بارے اہل علم کی آراء

حافظ ابن حجرؒ 'قضا وقدر' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی تخلیق سے پہلے ہی ان کے بارے میں اندازہ کرلیا تھا کہ وہ کس وقت اور کس طرح واقع ہوں گی، پھر اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو اپنے اسی پیشگی علم کے مطابق وجود بخشا، پس جو کچھ ہمارے سامنے ظاہر ہوتا ہے وہ سب اللہ کے علم، اس کی قدرت اور اس کے ارادے کے عین مطابق ہوتا ہے۔ یہ بات دین اسلام میں قطعی اور واضح دلائل سے ثابت ہے اور سلف میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ اسی عقیدے پر تھے''۔ (۱)

۱۔ فتح الباری، ج۱، ص۱۱۸۔

امام سفارینیؒ ''قضاوقدر'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تقدیر سے مراد ہے اَبد تک واقع ہونے والی ہر وہ چیز جس کا پہلے سے علم ہے اور اسے قلم نے لکھ کر محفوظ کرلیا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کا اور ہر اس چیز کا جو واقع ہوگی، اَزل ہی سے اندازہ مقرر کردیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بخوبی اس بات کا علم ہے کہ فلاں چیز فلاں فلاں اَوقات میں اور فلاں فلاں صفات کے مطابق واقع ہوگی اور پھر وہ اسی اندازے (تقدیر) کے مطابق واقع ہوتی ہے''۔ (۱)

قضاوقدر میں باہمی تعلق

ابن اَثیرؒ نے قضاوقدر کے بارے میں یہ رائے دی ہے کہ

''یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ قدر سے مراد بنیاد ہے اور قضاء سے مراد عمارت۔ [یعنی ان دونوں میں وہ تعلق ہے جو بنیاد اور عمارت کے مابین ہوتا ہے]''۔ (۲)

حافظ ابن حجرؒ اس سلسلہ میں بعض اہل علم کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

"القضاء الحكم بالكليات على سبيل الاجمال فى الازل، والقدر الحكم بوقوع الجزئيات التى لتلك الكليات على سبيل التفصيل"

''قضاء سے مراد وہ کلیات ہیں جن کے بارے میں اِجمالی طور پر اَزل ہی سے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کردیا ہے اور قدر سے مراد ان کلیات کی وہ جزئیات ہیں جو اللہ کے حکم سے تفصیل کے ساتھ [اپنے مقررہ وقت پر] ظاہر ہوتی ہیں''۔ (۳)

بعض اہل علم اس کے الٹ مراد لیتے ہیں یعنی ان کے بقول قدر سے مراد کلیات اور قضا سے مراد اس کی جزئیات ہیں۔ (٤)

قضاوقدر کے باہمی تعلق کو اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک کا تعلق ابتدائی خاکہ سے ہے اور دوسرے کا تعلق اس کی عملی تنفیذ سے۔

بعض اہل علم کے بقول 'قضا' سے مراد اللہ تعالیٰ کا اشیاء کے بارے میں وہ اَزلی ارادہ ہے جس کے مطابق اَشیاء واقع ہوتی ہیں اور اَشیاء کا عین اسی ارادے کے مطابق واقع ہونا 'تقدیر' ہے جبکہ بعض اہل علم کے بقول 'تقدیر' سے مراد اللہ تعالیٰ کا اَشیاء کے بارے میں وہ اَزلی ارادہ ہے جس کے مطابق اَشیاء واقع ہوتی ہیں اور اَشیاء کا عین اسی ارادے کے مطابق واقع ہونا 'قضا' ہے۔

۱۔ عقيدة السفارينى، ج۱، ص۳٤۸۔

۲۔ النهاية فى غريب الحديث، ج٤ ص۷۸۔

۳۔ فتح البارى، ج۱۱ ص۱٤۹۔

٤۔ ايضاً۔

تقدیر پر ایمان، اَرکانِ ایمان میں شامل ہے

تقدیر پر ایمان لانا، ایمان کے چھ بنیادی اَرکان میں شامل ہے۔ ایمان کے پانچ ارکان کا بیان قرآن مجید میں یکجا ملتا ہے جب کہ چھٹے رکن کا بیان رکن کی حیثیت سے تو اَحادیث میں مذکور ہے، البتہ اس کے ایمانیات میں سے ہونے کی تائید کئی ایک آیات سے بھی ہوتی ہے، جنہیں ہم یہاں ذکر کریں گے۔

قرآنِ مجید کی درج ذیل آیات میں ایمان کے پانچ ارکان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

(۱) : ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ﴾ [سورة البقرة : ۱۷۷]

''ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ (قرآن) پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو''۔

(۲) : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾ [سورة النساء : ۱۳۶]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، اس کی کتاب (قرآن) پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس (قرآن) سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہے، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا''۔

قرآن اور ایمان بالقدر

اب ذیل میں وہ آیات ذکر کی جا رہی ہیں جن میں تقدیر کے بارے میں کسی نہ کسی پہلو سے ذکر ملتا ہے اور ایمان بالقدر کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے:

(۱)...... ﴿ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ﴾ [سورة الحديد: ۲۲،۲۳]

''کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہاری جانوں کو پہنچتی ہے، وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی کتاب میں (یعنی تقدیر میں لکھی ہوئی) ہے۔ یہ بات بلاشبہ اللہ کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے ہے تا کہ جو تمہیں نہ مل سکے اس پر تم غم نہ کرو اور جو اللہ تمہیں دے اس پر فخر نہ کرو''۔

(۲)...... ﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ [سورة القمر: ۴۹]

''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) انداز ے پر پیدا کیا ہے''۔

(۳)...... ﴿ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴾ [سورة الاحزاب: ۳۸]

''اور اللہ تعالیٰ کے (سب) کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں''۔

(٤)...... ﴿ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ﴾ [سورة الانفال: ٤٢]

''لیکن اللہ کو تو ایک کام کر ہی ڈالنا تھا جو مقرر ہو چکا تھا''۔

(٥)...... ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴾ [سورة الاعلیٰ: ١ تا٣]

''اپنے بہت ہی بلند رب کے نام کی پاکیزگی بیان کر، جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی''۔

(٦)...... ﴿ وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [سورة یونس: ٦١]

''اور جو کام بھی تم کرتے ہو، ہمیں اس کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں ہے، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب ایک کھلی کتاب (یعنی تقدیر ولوح محفوظ) میں ہے''۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں واضح طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا اور ہو رہا ہے، سب اللہ کے علم میں پہلے سے موجود اور اس کے پاس لکھا ہوا ہے۔

احادیث اور ایمان بالقدر

جن صحیح احادیث میں ایمان کے چھٹے رکن یعنی تقدیر پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے چند ایک ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(١)...... ((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ...... قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ؟ قَالَ: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے...... اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایمان کے متعلق آگاہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ایمان یہ ہے) کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ، اس کی (نازل کردہ) کتابوں پر ایمان لاؤ، اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، آخرت کے دن پر ایمان لاؤ اور تقدیر کے اچھا یا برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان لاؤ''۔[1]

١۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والسلام، ح٨۔ ومثلہ فی البخاری، ح٥٠۔

مذکورہ بالا چھ چیزیں ایمان کے بنیادی ارکان ہیں۔ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اوران اُرکان میں سے ایک رکن ایمان بالقدر ہے یعنی اس بات پر ایمان لانا کہ دنیا میں انسان کے ساتھ اچھا یا برا جو کچھ پیش آتا ہے، یہ سب پہلے سے اللہ کے علم میں ہے اور اللہ نے اَزل ہی سے یہ سب لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اور اسی کی مشیت وقدرت سے سب کچھ وقوع پذیر ہوتا ہے۔

(۲)...... ((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ))[1]

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک تقدیر کے اچھا یا برا ہونے کے بارے میں ایمان نہیں لاسکتا جب تک کہ وہ یہ یقین نہ کر لے کہ جو کچھ اسے مصیبت پہنچی ہے، وہ لازماً اسے پہنچ کر رہنی تھی اور جو چیز اس تک نہیں پہنچی، وہ اس تک کسی صورت بھی نہیں پہنچ سکتی تھی''۔

(۳)...... ''ابن دیلمیؒ بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اوران سے کہا کہ میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے، آپ مجھے کوئی حدیث سنائیں تاکہ اللہ تعالیٰ اس شبہ کو میرے دل سے نکال دے۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے ان سے (حدیث بیان کرتے ہوئے) کہا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب دینا چاہے تو وہ انہیں عذاب دے سکتا ہے اور وہ انہیں عذاب دینے میں بالکل ظالم نہ ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ تمام (آسمان والوں اور زمین والے) لوگوں پر رحم کرنا چاہے تو اس کی رحمت ان لوگوں کے عملوں سے بہتر ہوگی۔ اور اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں صدقہ کرو تو تمہارا یہ صدقہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور یہ معلوم نہ کرلو کہ جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تم سے دور نہیں ہو سکتی تھی اور جو کچھ تم سے دور ہوا ہے تم اسے پا نہیں سکتے تھے۔ اور اگر تم اس کے علاوہ کسی اور عقیدے پر فوت ہوئے تو آگ میں جاؤ گے۔ ابن دیلمی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور (ان سے اس سلسلہ میں بات کی تو) انہوں نے بھی بالکل یہی حدیث بیان کی۔ پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کی حدیث بیان کی۔ پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی نبی کریم ﷺ کے حوالے سے بالکل یہی حدیث مجھ سے بیان کی''[2]۔

(٤)...... ((عَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ: يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ بَعَثَنِي بِالْحَقِّ، وَ يُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ يُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ))[3]

۱۔ ترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء ان الایمان بالقدر خیرہ و شرہ، ح٢١٤٤۔

۲۔ ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی القدر، ح٤٦٩٩، ح ٤٧٠٠۔

۳۔ ترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء ان الایمان بالقدر خیرہ و شرہ، ح٢١٤٥۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے:

۱۔اس پر ایمان کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، مجھے اللہ نے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔

۲۔موت کے برحق ہونے پر ایمان لائے۔

۳۔اور موت کے بعد کی (اُخروی) زندگی کے برحق ہونے پر ایمان لائے۔

۴۔اور تقدیر پر ایمان لائے''۔

(۵)...... ((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ وَلَا مُؤْمِنٌ بِسِحْرٍ وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ وَلَا مُكَذِّبٌ بِقَدَرٍ))[1]

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نافرمانی کرنے والا، جادو کو جائز سمجھنے والا، شراب کا رسیا اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں نہیں جائے گا''۔(جب تک کہ اپنے گناہوں کی سزا نہ پالے)۔

(٦)...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ : يَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ خَسْفٌ وَمَسْخٌ [أَوْقَذْفٌ] وَذٰلِكَ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ))[2]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں شکلوں کے بگڑنے، زمین میں دھنسنے اور پتھروں کی بارش (کے عذاب نازل) ہوں گے اور یہ ان لوگوں پر ہوں گے جو تقدیر کو جھٹلاتے ہیں''۔

(۷)......''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میں لعنت کرتا ہوں اور اللہ نے بھی ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی نے ان پر لعنت کی ہے، وہ چھ یہ ہیں:

۱۔اللہ کی کتاب میں اضافہ کرنے والا۔

۲۔اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔

۳۔زبردستی اقتدار پر قبضہ کرنے والا تاکہ اس طرح وہ اسے عزت دے سکے جسے اللہ نے ذلیل کیا ہے اور اسے ذلیل کر سکے جسے اللہ نے عزت دی ہے۔

۴۔اللہ کے حرام کو حلال کرنے والا۔

۵۔میری آل سے اس چیز کو حلال کرنے والا جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔(یعنی قتل وخون ریزی)

٦۔میری سنت کو چھوڑنے والا''[3]۔

۱۔ مسند احمد، ج٦، ص ٤٤١۔

۲۔ ترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء فی الرضا بالقضاء، ح٢١٥٢، ح٢١٥٣۔ ابن ماجه، ح٤٠٦١۔ ابوداؤد، ح٤٦١٣۔

۳۔ ترمذی، ایضاً، باب عظام امر الایمان بالقدر، ح٢١٥٤۔

(۸)...... ''عبدالواحد بن سلیمؒ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ آیا اور وہاں عطاء بن ابی رباحؒ سے ملا اور ان سے کہا کہ اے ابو محمد! بصرہ میں کچھ لوگ تقدیر کی نفی کرتے ہیں تو حضرت عطاء نے مجھ سے کہا: بیٹا! قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے جواب دیا، ہاں۔ تو وہ کہنے لگے سورۃ الزخرف پڑھو، میں نے سورۃ الزخرف کی تلاوت شروع کردی اور ابھی اس آیت پر پہنچا تھا:

﴿ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ...... ﴾

تو عطاء مجھ سے کہنے لگے: کیا تم جانتے ہو کہ (اس آیت میں) 'ام الکتاب' سے مراد کیا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔ تو عطاء کہنے لگے کہ یہاں 'ام الکتاب' سے مراد وہ کتاب (یعنی تقدیر) ہے جسے اللہ نے آسمان اور زمین کی تخلیق سے پہلے لکھا تھا اور اسی کتاب (یعنی تقدیر) میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ ''فرعون جہنمیوں میں سے ہے'' اور اسی کتاب میں یہ بھی لکھا تھا کہ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہوگیا''۔

پھر عطاء نے مجھ (عبدالواحد) سے کہا کہ میں عبادۃ بن صامت صحابیِ رسول کے بیٹے ولید سے ملا اور اس سے پوچھا کہ تمہارے والد عبادہ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت تمہیں کیا وصیت کی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے والد نے وفات کے وقت مجھے بلایا اور کہا کہ بیٹا! اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ تم اللہ سے اس وقت تک نہیں ڈر سکتے جب تک کہ تم تقدیر کے اچھا اور برا (سب اللہ کی طرف سے) ہونے پر ایمان نہ لے آؤ۔ اگر تم (تقدیر کے مسئلہ میں) اس کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مرے تو آگ میں جاؤ گے۔ اور سنو، میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس سے کہا: 'لکھ'۔ اس نے کہا: 'کیا لکھوں؟' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تقدیر لکھو، جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، سب لکھ دو''۔ (۱)

مسئلہ تقدیر میں زیادہ غور وخوض ناپسندیدہ ہے

مسئلہ تقدیر میں زیادہ غور وخوض کرنا اور بالخصوص اس مسئلہ میں ان حدود تک جا پہنچنا جو عقل سے ماوراء ہیں، ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل اَحادیث سے معلوم ہوتا ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ ہم قضاوقدر کے مسئلہ پر بحث اور جھگڑا کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے (اور ہمیں اس حالت میں دیکھ کر) آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ سے اس طرح سرخ ہوگیا کہ جیسے (سرخ) انار کے دانے آپ کے چہرے پر نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کیا میں اسی لیے رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں؟! یاد رکھو کہ تم سے پہلی قومیں اسی لیے ہلاک کی گئیں کہ انہوں نے اس تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑنا شروع کردیا تھا۔ میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ اور پھر تاکید کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ تم تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ نہ کرنا''۔ (۲)

۱۔ ترمذی، ایضاً، باب عظام امر الایمان بالقدر، ح۲۱۵۵۔

۲۔ ترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء فی التشدید...: ح۲۱۳۳۔ صحیح الترمذی، ج۲ ص۲۲۳۔ ابن ماجه، المقدمة، ح۸۵۔

۲۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

''میں اور میرا بھائی ایک ایسی مجلس میں بیٹھے تھے جو ہمیں سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند تھی۔ ہوا یوں کہ میں اور میرا بھائی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے) آئے تو ہم نے دیکھا کہ کچھ کبار صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے پاس بیٹھے ہیں۔ ہم نے ناپسند کیا کہ ان کے درمیان جا بیٹھیں، چنانچہ ہم ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ ان صحابہ نے قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھی پھر اس میں ان کا جھگڑا شروع ہو گیا حتی کہ اس جھگڑے میں ان کی آوازیں بہت بلند ہو گئیں۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے، آپ غصہ میں تھے حتی کہ غصے سے آپ کا چہرہ سرخ ہوئے جا رہا تھا اور آپ ان پر مٹی پھینکتے ہوئے فرمانے لگے: لوگو! باز آ جاؤ، تم سے پہلی امتیں بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے اپنے نبیوں سے اختلاف شروع کر دیا اور اللہ کی کتاب کے بعض حصوں کو بعض کے ساتھ ٹکرانا شروع کر دیا۔ بے شک قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو جھٹلاتا ہو بلکہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، پس تمہیں اس سے جو سمجھ آئے اس پر عمل کرو اور جس کی سمجھ نہ آئے وہ اس کتاب کے عالم کی طرف لوٹا دو''۔[1]

ان حدیثوں میں مسئلہ تقدیر کے حوالے سے جس چیز کو قابلِ مذمت قرار دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسانی عقل محدود ہے اور مسئلہ تقدیر کے بعض پہلو یقیناً انسانی عقل وفہم سے بالا ہیں، لہٰذا انسان کو اس مسئلہ کے ان پہلوؤں کے بارے میں سوچ وبچار اور بحث ومباحثہ نہیں کرنا چاہیے جو اس کی عقل سے ماوراء ہیں۔ بالخصوص تقدیر سے متعلقہ قرآن وسنت کے وہ نصوص (متون، دلائل) جو انسان کی سمجھ سے بالا ہوں، یا جن سے قرآن وحدیث کے بارے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہوں، وہاں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ان کی حقانیت کے سامنے انسان اپنے فہم کی تقصیر وکوتاہی کو تسلیم کرتے ہوئے سر تسلیم خم کر دے۔

......☆......

۱۔ مسند احمد، ح ۶۷۰۳۔ شیخ احمد شاکرؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ و رواہ مسلم مختصرا۔

فصل ۲

عقیدۂ تقدیر اور جمہور اہلِ سنت کا نقطۂ نظر

جمہور اہلِ سنت کے نزدیک ایمان بالقدر کے چار درجات ہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اہل سنت کے علماء نے مسئلہ تقدیر کو سمجھانے کے لیے اسے چار درجات میں تقسیم کر کے اس کی تفہیم وتوضیح کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ چنانچہ اہل سنت کے نزدیک تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ درج ذیل چار چیزوں پر ایمان لایا جائے:

۱۔اس بات پر ایمان کہ اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

۲۔اس بات پر ایمان کہ اللہ نے ہر چیز کے بارے میں اپنا علم لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

۳۔اس بات پر ایمان کہ اللہ کی مشیت اور قدرت ہر چیز پر محیط ہے۔

۴۔اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔

آئندہ صفحات میں ہم انہی چار چیزوں کو بالتفصیل بیان کریں گے۔

(۱) اس بات پر ایمان کہ اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت علیم بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے بارے میں اس طرح جانتے اور علم رکھتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اور اس طرح کا علم نہیں رکھتا۔ یہ علم کیسا ہے، اس کے بارے میں قرآن وسنت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی حرکت نہیں ہوتی جس کا علم اللہ کو نہ ہو۔ جس طرح اللہ کو ماضی اور حال کا علم ہے، اسی طرح مستقبل کا بھی علم ہے۔ ہر چیز کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ کو اس کے بارے میں ہر طرح کا علم تھا۔ اللہ کی کائنات میں کوئی پتہ اور ذرہ ایسا نہیں جس کے بارے میں اللہ کو علم نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...... ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ [سورة الحشر: ۲۲]

''اللہ تعالیٰ ہی ایسی ذات ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ ظاہر وباطن (سب) سے آگاہ ہے''۔

یعنی اللہ کو ہر ظاہر اور مخفی چیز کے بارے میں علم ہے، گویا اللہ کے نزدیک کوئی مخفی سے مخفی چیز بھی پوشیدہ اور اوجھل نہیں ہے۔ اگلی آیت میں بھی یہی چیز اس طرح بیان کی گئی ہے:

(۲)...... ﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا﴾ [سورة الطلاق: ۱۲]

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبارِ علم گھیر رکھا ہے''۔

(۳)...... ﴿ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [سورة سبا: ۳]

''وہ (رب) عالم الغیب ہے، اس سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی، ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے''۔

(٤)...... ﴿ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴾ [سورة النجم: ۳۲]

''بے شک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے اور وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے (اس وقت سے) جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، پس تم اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو، وہی پرہیزگار کو خوب جانتا ہے''۔

(۲) اس بات پر ایمان کہ اللہ نے ہر چیز کے بارے میں اپنا علم لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے

قرآن مجید کی بہت سی آیات اور اسی طرح نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کائنات میں ہونے والی ہر چیز کا پہلے سے علم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں اپنا علم لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے اور دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، اسی علم کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کے اس علم میں کوئی خطا نہیں ہوتی۔ ذیل میں اس سلسلہ کے چند قرآنی دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)...... ﴿ وَالطُّوْرِ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴾ [سورة الطور: ۱ تا ۳]

''قسم ہے طور کی۔ اور لکھی ہوئی کتاب کی، جو جھلی کے کھلے ہوئے ورق میں ہے''۔

طور سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ اللہ سے ہم کلام ہوئے تھے اور لکھی ہوئی کتاب سے مراد بعض مفسرین کے بقول لوحِ محفوظ ہے جس میں ہر چیز کی تقدیر لکھی ہے۔

(۲)...... ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾

''کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ یہ سب لکھی ہوئی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے''۔ [سورۃ الحج: ۷۰]

(۳)...... ﴿ وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [سورة یونس: ٦١]

''اور جو کام بھی تم کرتے ہو، ہمیں اس کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں ہے، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب واضح کتاب میں (لکھا ہوا) ہے''۔

(٤)...... ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ

﴿وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ﴾ [سورة فاطر: ۱۱]

''لوگو! اللہ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے، پھر تمہیں جوڑے جوڑے (مرد وعورت) بنا دیا ہے۔ عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اس کے علم ہی سے ہے اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے اور جس کسی کی عمر گھٹے وہ سب کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر یہ بات بالکل آسان ہے''۔

(۵)...... ﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ﴾ [یٰسٓ: ۱۲]

''بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے۔ اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ضبط کر رکھا ہے''۔

(٦)...... ﴿مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَاؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ﴾ [سورة الحديد: ۲۲، ۲۳]

''کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہاری جانوں کو پہنچتی ہے، وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔ یہ بات بلاشبہ اللہ کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے ہے تاکہ جو تمہیں نہ مل سکے اس پر تم غم نہ کرو اور جو اللہ تمہیں دے اس پر فخر نہ کرو''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ (گھر سے) باہر تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں اللہ کے رسول، مگر یہ کہ آپ ہمیں اس بارے میں بتائیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا: یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے اور اس میں اہل جنت اور ان کے آباؤ اجداد اور قبائل وخاندان کے نام درج ہیں۔ اسے اہل جنت کے ناموں کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے اب اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ پھر آپ ﷺ نے بائیں کتاب کے بارے میں فرمایا کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے اور اس میں اہل دوزخ کے نام ہیں اور ان کے آباؤ اجداد اور کنبوں قبیلوں کے نام ہیں۔ اسے بھی بند کر دیا گیا ہے اور اس میں اب کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ یہ سن کر صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر یہ سب پہلے ہی لکھا جا چکا ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت اور جواز ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے آپ کو (شریعت اور اچھے اعمال پر) قائم دائم رکھو اور (اس طرح اللہ کا) قرب تلاش کرو کیونکہ جو جنتی ہے اس کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوتا ہے خواہ اس نے کوئی بھی عمل کیے ہوں اور جو جہنمی ہے اس کا خاتمہ اہل دوزخ کے اعمال پر ہوتا ہے خواہ اس نے کوئی بھی عمل کیے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا اور کتابوں کو رکھ دیا یعنی پیچھے ڈال دیا اور فرمایا: تمہارا پروردگار یہ لکھ کر فارغ ہو چکا ہے کہ ایک جماعت جنتی ہے اور ایک جماعت جہنمی ہے''۔[1]

۱۔ ترمذی، ابواب القدر، باب ما جاء ان الله كتب كتابا لاهل الجنة...، ح ۲۱٤۱۔ صحیح ترمذی، ج۲، ص۲۲۵۔

ایک شبہ کا ازالہ

اللہ تعالیٰ نے اگر پہلے ہی سے اپنے علم و انداز ے کے مطابق ایک چیز لکھ دی تھی تو اس سے یہ شبہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ مخلوق کو بالجبر اسی لکھے ہوئے پر مجبور کیا جاتا ہے، اگر ایسے کسی جبر کا مسئلہ ہوتا تو ہمیں ضرور نظر آ جاتا۔ مگر ایسا کوئی جبر اور دباؤ ہم پر نہیں ہے بلکہ ہمیں اختیار دیا گیا ہے کہ ہم اپنی مرضی سے جو چاہیں عمل کریں۔ کوئی طاقت زبردستی ہمیں ہماری مرضی کے عمل سے روک نہیں دیتی۔ لیکن اس کے باوجود ہم اعتراض شروع کر دیتے ہیں کہ چونکہ پہلے ہی تقدیر میں سب کچھ لکھ دیا گیا ہے، اس لیے ہم مجبور ہیں!

بعض اہل علم اسے ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ یہ کہ تقدیر کا لکھا ہوا تقریباً ایسے ہی ہے جیسے ایک استاد اپنے شاگردوں کا امتحان لینے سے پہلے ہی ان کے بارے میں جانتا اور ایک اندازہ رکھتا ہے کہ کون اس امتحان میں پاس ہوگا اور کون کون پاس نہیں ہو پائے گا۔ یہ اندازہ اسے اپنے شاگردوں کی پچھلی کارکردگی، ان کی ذہانت و فطانت اور عدم ذہانت و عدم محنت وغیرہ کی وجہ سے ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے اس علم و اندازے کو اگر کہیں لکھ بھی دے، پھر اس کے بعد وہ ان کا امتحان لے اور امتحان کے بعد ٹھیک وہی اندازہ پورا ہو جائے کہ جس کے بارے میں اس نے لکھا تھا کہ یہ پاس نہ ہوگا، وہ پاس نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ فلاں شاگرد اس لیے پاس نہ ہو سکا کہ استاد نے لکھ دیا تھا کہ یہ پاس نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی اس استاد کے ساتھ اس بات پر جھگڑا کیا جاتا ہے کہ تم نے پہلے سے اس کے فیل ہونے کا اندازہ کیوں کر لیا تھا!!

جب مخلوق کی یہ مثال ہے کہ ایک ادنیٰ سا آدمی پیشگی اندازہ لگاتا ہے اور اس کا اندازہ اکثر و بیشتر پورا ٹھیک نکلتا ہے تو پھر خالق کے اندازے کی سمجھ آ جاتی ہے کہ اس کا اندازہ کبھی غلط نہیں نکل سکتا۔ اور خالق کو پہلے ہی سے علم ہے کہ مخلوق میں سے کون کیا کرے گا اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور اس نے اپنا یہ علم لکھ رکھا ہے اور اسی کا نام تقدیر ہے۔ اب کوئی انسان اس بات کو بہانہ بنا لے کہ میری تقدیر میں چونکہ فیل اور ناکام ہونا لکھا جا چکا ہے، اس لیے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا خواہ اچھے عمل کروں یا نہ کروں، تو یہ بے وقوفی کی بات ہوگی۔

(۳) اس بات پر ایمان کہ اللہ کی مشیت اور قدرت ہر چیز پر محیط ہے

مسئلہ تقدیر پر ایمان کے حوالے سے تیسری چیز یہ ہے کہ ایک مسلمان کا اس بات پر ایمان ہونا چاہیے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ اللہ کی مشیت اور قدرت سے ہوتا ہے اور جو کچھ نہیں ہوتا، اس کے پیچھے بھی اللہ کی مشیت ہوتی ہے اور اس کے واقع نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کام پر قدرت نہیں تھی، معاذ اللہ! ، بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہر کام پر قدرت کاملہ حاصل ہے، تاہم بہت سے کاموں کے وقوع یا عدم وقوع کے پیچھے اس کی کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ آئندہ سطور میں اس نکتے پر تفصیل سے بات کی جائے گی۔

اس بحث میں تین اصطلاحات استعمال ہوں گی یعنی مشیت، قدرت اور رضا۔ اور ان تینوں کا اردو مفہوم سمجھنا ضروری ہے، ورنہ اسے نہ سمجھنے سے کئی ایک شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔

مشیئت اور اس کی قسمیں

لفظ مشیئت عربی زبان میں عام طور پر 'ارادے' کے مفہوم میں اور بعض اوقات اذن اور اجازت کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ مشیئت دو طرح کی ہے: ایک کو مشیئت کونیہ اور دوسری کو مشیئت شرعیہ کہا جاتا ہے۔ اگر مشیئت کی جگہ لفظ ارادہ استعمال کریں تو پھر اس طرح کہیں گے کہ یہ ارادہ دو طرح کا ہے: ایک 'ارادہ کونیہ' (اسے ارادہ قدریہ خلقیہ بھی کہا جاتا ہے) اور دوسرا 'ارادہ شرعیہ' ہے۔

ا۔ ارادہ کونیہ یا مشیئت کونیہ

ارادہ کونیہ یا مشیئت کونیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے پیچھے اللہ کا ارادہ کونیہ یا مشیئت کونیہ کارفرما ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ کی مشیئت کے بغیر اس کائنات میں ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرتا۔ سورج، چاند، ستارے، ارض وسما سب اللہ کے ارادے کے ماتحت حرکت کر رہے ہیں۔ بارش کا نزول، ہواؤں اور بادلوں کا چلنا، رات دن کا بدلنا، یہ سب کچھ جو اس کائنات میں ہو رہا ہے، اللہ کے ارادے اور اجازت کے تحت ہو رہا ہے اور اگر کوئی کام اللہ کی رضا اور پسند کے خلاف ہو رہا ہے مثلاً اللہ کے ساتھ کفر و شرک، بغاوت و سرکشی وغیرہ تو اس میں بھی اللہ کی حکمت پوشیدہ ہے۔

مشیئت، چاہت اور رضا

مشیئت کا لفظ اگرچہ چاہت اور رضا کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر یہاں ہم اس کا یہ مفہوم مراد نہیں لے سکتے۔ اس لیے کہ ارادہ کونیہ یا مشیئت کونیہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے کاموں کو بھی کائنات میں ہونے دیا ہے جو اللہ کی رضا، پسند اور چاہت کے خلاف ہیں مثلاً شیطان اور شر کا وجود اللہ کی پسند اور مرضی کا تقاضا نہیں مگر اس کی مشیئت اور حکمت کا فیصلہ تھا کہ شیطان اور شر بھی دنیا میں موجود رہیں تاکہ انسانوں کا امتحان صحیح طرح لیا جا سکے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾

''لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے''۔ [سورۃ الحجرات: ۷]

مطلب یہ کہ اللہ کی چاہت بھی یہی ہے کہ لوگ ایمان کی راہ اختیار کریں اور کفر و فسق کو ناپسند کریں، خود اللہ کے ہاں بھی یہ چیزیں ناپسندیدہ ہیں مگر اس کے باوجود یہ چیزیں دنیا میں موجود ہیں اور ان کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کو ان کے خاتمے پر معاذ اللہ قدرت اور طاقت حاصل نہیں بلکہ ان کی موجودگی اس کی حکمت کے تحت ہے اور اس نے اپنی مشیئت سے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے۔

۲۔ ارادہ شرعیہ یا مشیئت شرعیہ

ارادہ شرعیہ یا مشیئت شرعیہ [illegible]

ہے کہ چاہے تو خیر کی راہ اختیار کرے اور چاہے تو شر اور کفر کی۔ مگر اللہ کی مشیت شرعیہ یا دوسرے لفظوں میں اللہ کی پسند، مرضی اور چاہت اس میں ہے کہ انسان اللہ کا شکر گزار اور فرمانبردار بن کر خیر کی راہ اختیار کرے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ نے اسی بات کا حکم دیا ہے کہ انسان خیر اور دین کی راہ اختیار کرے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ [سورة النساء: ٢٦تا٢٨]

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے خوب کھول کر بیان کردے اور تمہیں تم سے پہلے کے (نیک) لوگوں کی راہ پر چلائے اور تم پر رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کردے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''۔

مشیت اور قدرت وطاقت

اللہ کی قدرت کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں موجود ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کو ملکیتِ تامہ اور قدرتِ مطلقہ حاصل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [سورة البقرة: ٢٠]

''اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

دنیا میں اگر کفر، شرک، بدعات وخرافات اور شر موجود ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تو انہیں موجود نہیں رکھنا چاہتا مگر اللہ کی طاقت کے برخلاف یہ چیزیں ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ بلکہ اللہ چاہے تو انہیں فوراً ختم کرسکتا ہے مگر اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ایک محدود وقت تک کے لیے موجود رہیں۔ اسے آپ اس مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایسے آدمی کو مصیبت یا مشکل آتی ہے جو بڑا متقی اور نیک صالح ہوتا ہے۔ اب اللہ چاہیں تو اپنے ایسے بندے کو کسی مصیبت میں مبتلا ہی نہ ہونے دیں مگر اللہ تعالیٰ اس کے باوجود نیک لوگوں کو مصائب ومشکلات میں ڈالتے ہیں اور اس میں اللہ کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ اس طرح ان لوگوں کے ایمان کا امتحان لیا جائے یا ان مصائب ومشکلات کے بدلے میں ان کے گناہ دنیا ہی میں معاف کردیے جائیں یا ان کے درجات بلند کیے جائیں۔

اسی طرح اللہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کو زبردستی مومن بنایا جائے، اس لیے لوگوں کو اپنی حکمت کے تحت اللہ نے یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ چاہیں تو ایمان کی راہ اختیار کریں اور چاہیں تو کفر وسرکشی پر کمربستہ ہو رہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾

''بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لیے پیدا کیا اور اس کو دیکھتا سنتا بنایا۔ ہم نے اسے سیدھی راہ دکھا

دی اب چاہے تو شکر کرنے والا بن جائے یا کفر کرنے والا‘‘۔[سورۃ الدھر۲:۲،۳]

اللہ کی مشیت ،قدرت اور انسانی اختیار

دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے پیچھے اللہ کی مشیت اور قدرت ضرور شامل ہوتی ہے،یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اللہ کے اذن اور مشیت کے بغیر دنیا میں کوئی کام واقع ہو۔اگر ایسا ہو تو معاذ اللہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کو چیلنج کرنے والی بات ہو اور اس کا مطلب یہ ہو کہ دنیا میں کوئی اور بھی ایسی طاقت ہے جو اللہ کی مشیت کے خلاف عمل کرتی ہے اور اللہ کی قدرت وہاں آ کر ختم ہو جاتی ہے۔معاذ اللہ!ایسی کوئی بات نہیں ہے۔جہاں تک انسان کے اختیار کی بات ہے تو اس سلسلہ میں یہ واضح رہنا چاہیے کہ اللہ ہی نے اپنی مخلوقات میں سے انسان کو کچھ اختیار دیا ہے۔وہ اختیار یہ ہے کہ انسان کو عمل میں آزادی دی گئی ہے کہ چاہے تو اچھا عمل کرے اور چاہے تو برا۔نہ اچھا عمل کرنے میں فرشتوں کی طرح وہ مجبور ہے اور نہ ہی برا عمل کرنے میں اسے مجبور بنایا گیا ہے۔

اللہ کی مشیت اور بندے کی مشیت

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اللہ کی مشیت ہے اور دوسری بندے (یا مخلوق) کی مشیت۔بندے کو جو مشیت ملی ہے وہ دراصل اللہ ہی کی طرف سے ملی ہے۔اس لیے اللہ کی مشیت اصل ہے اور بندے کی مشیت فرع۔اللہ کی مشیت خالق کی مشیت ہے اور بندے کی مشیت مخلوق کی مشیت۔اللہ کی مشیت کامل ومطلق ہے اور بندے کی مشیت محدود اور مقید۔اور ظاہر ہے جہاں اللہ کی مشیت اور بندے کی مشیت کا ٹکراؤ ہوگا،وہاں اللہ کی مشیت بندے کی مشیت پر غالب ہوگی،بندے کی مشیت اللہ کی مشیت پر کبھی غالب نہیں ہو سکتی۔

اللہ کی مشیت اور بندے کی مشیت واختیار کے سلسلہ میں تین طرح کی آیات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ایک تو وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کی مشیتِ مطلقہ کے بارے میں بیان ہوا ہے اور ان کے مطالعہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں اللہ کی مشیت کے آگے ساری مخلوق مجبور ہے۔اور جن لوگوں نے تقدیر کے سلسلہ میں 'جبر' (یعنی یہ نظریہ کہ ''انسان تقدیر کے آگے مجبور محض ہے'') کا نظریہ اختیار کیا،وہ اپنے نقطہ نظر کی تائید میں اسی قسم کی آیات سے استدلال کرتے ہیں اور ان کے علاوہ باقی دو قسم کی آیات سے یا تو صاف نظر پھیر لیتے ہیں یا پھر ان کی اس انداز سے تاویل کی کوشش کرتے ہیں کہ جس سے ان کے نقطہ نظر کی تردید لازم نہ آئے۔

دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں بندے کی مشیت اور اختیار وآزادی کا ذکر ہے۔ان کے مطالعہ سے یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید بندہ اپنی تقدیر بنانے میں کلی طور پر خود مختار ہے اور جن لوگوں نے تقدیر کے سلسلہ میں یہ نقطہ نظر اختیار کیا کہ انسان اپنے افعال کا خالق خود ہی ہے اور اپنی تقدیر بھی وہ خود بناتا ہے اور تقدیر کا پہلے سے لکھا ہوا ہونے کا تصور غلط ہے۔ان لوگوں نے اسی قسم کی آیات سے اپنے نقطہ نظر پر استدلال کیا ہے اور دیگر آیات کی تاویل کی کوششیں کی ہیں۔

تیسری قسم کی آیات وہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مشیت اور بندے کی مشیت کا ٹکراؤ ہو تو اللہ کی مشیت ہی

غالب رہتی ہے۔

ان تین طرح کی آیات کو اگر الگ الگ کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے ظاہر ہے ان تمام طرح کی آیات کو ملا کر ہی ان کے صحیح فہم تک رسائی ممکن ہے۔

وہ آیات جن میں اللہ کی مشیت مطلقہ کے بارے میں بیان ہوا ہے:

(۱)...... ﴿وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ [سورة الدهر: ۳۰،۲۹]

''اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔ اللہ یقیناً سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا ہے''۔

(۲)...... ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''یہ تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت نامہ ہے، (بالخصوص) اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے''۔ [سورة التكوير: ۲۷ تا ۲۹]

(۳)......﴿اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهِ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

''وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اتنا ہی فرماتا ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ پس وہ اللہ پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے''۔ [سورة یٰس: ۸۳،۸۲]

(٤)...... ﴿مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [سورة الانعام ۳۹]

''اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے راہ کر دے اور وہ جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگا دے''۔

بعض لوگ یہاں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اللہ کی مشیتِ مطلقہ کے تحت یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کفر یا فسق و فجور سب کچھ اللہ کی مشیت ہی سے ہے۔ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ایسا نہ کرتے۔ اللہ کی مشیت اور قدرت کے آگے ہم ہر لحاظ سے مجبور ہیں۔ حالانکہ بات یہ نہیں کہ اللہ کی مشیت کے آگے انسان اس طرح سے مجبور ہے کہ اسے عمل کی آزادی اور اختیار کی قوت سرے سے حاصل ہی نہیں، بلکہ انسان کو بھی اللہ نے ارادے اور قوت کی طاقت اور ایک دائرے کے اندر ایک حد تک عمل کی آزادی دے رکھی ہے اور انسان اس آزادی کی بنیاد پر اچھا یا برا جو چاہے کرنے میں آزاد بنایا گیا ہے۔ ذیل میں ہم ایسی آیات ذکر کر رہے ہیں جن سے انسان کی مشیت اور اختیار و آزادی کا واضح طور پر ذکر ملتا ہے۔

وہ آیات جن میں بندے کی مشیت اور اختیار و آزادی کا ذکر ہے:

(۱)...... ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾ [سورة الدهر: ۳،۲]

''بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لیے پیدا کیا اور اس کو دیکھتا سنتا بنایا۔ ہم نے اسے سیدھی راہ دکھا دی اب چاہے تو شکر کرنے والا بن جائے یا کفر کرنے والا''۔

گویا ہدایت و شکر گزاری کی راہ اختیار کرنا یا اس کے برخلاف کفر و ناشکری کی راہ پر چلنا خود انسان کے اختیار میں دیا گیا ہے۔

درج ذیل آیت میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے:

(۲)...... ﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴾

''قسم ہے نفس کی اور اسے درست کرنے کی۔ پھر (ہم نے) اس کو سمجھ دی برائی کی اور بچ کر چلنے کی۔ جس نے اسے پاک کیا، وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا، وہ ناکام ہوا''۔ [سورۃ الشمس: ۷ تا ۱۰]

(۳)...... ﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ [سورۃ الکھف: ۲۹]

''اعلان کردو کہ یہ سراسر برحق (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے''۔

(٤)...... ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴾ [سورۃ الفرقان: ٦٢]

''اسی (اللہ) نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا، اس شخص کی نصیحت کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکرگزاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہو''۔

(٥)...... ﴿ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴾ [سورۃ النبا: ۳۹]

''اب جو چاہے اپنے رب کے پاس (نیک اعمال کرکے) ٹھکانہ بنا لے''۔

وہ آیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مشیت اور بندے کی مشیت کا ٹکراؤ ہو تو اللہ کی مشیت ہی غالب رہتی ہے:

(۱)...... ﴿ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾

''یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے۔ اب جو چاہے اپنے رب کی طرف (جانے والا) راستہ اختیار کرے اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہتا ہے، اللہ یقیناً سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔'' [سورۃ الدھر: ۲۹، ۳۰]

(۲)...... ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

''یہ تو سارے جہاں والوں کے لیے ایک نصیحت ہے، تم میں سے جو بھی سیدھا چلنا چاہتا ہو اور تم چاہ نہیں سکتے مگر وہی کچھ جو اللہ رب العالمین چاہتا ہو''۔ [سورۃ التکویر: ۲۷ تا ۲۹]

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے، اس لیے کہ بندے کو جو مشیت ملی ہے، وہ دراصل اللہ کی طرف سے ملی ہے اور ظاہر ہے بندہ خالق کے مقابلہ میں کمزور اور اس کی مشیت خالق کے مقابلہ میں مغلوب ہے۔ نبی کریم ﷺ کے نبی آخر الزمان ہونے کے ناطے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ چونکہ آپ اتنے عظیم الشان نبی ہیں تو شاید آپ کو اللہ نے اپنی مشیت کے مقابلہ میں طاقتور مشیت دی ہو، چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس کسی کام کی غرض سے آیا اور اس نے دورانِ کلام آپ ﷺ سے کہا:

((مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ)) ''جو اللہ چاہے [illegible] آپ چاہیں''۔

تو نبی کریم ﷺ نے اسے فوراً [illegible]

((اَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ عِدْلًا ! وفي رواية: نِدًّا [illegible]

''کیا تم نے مجھے اللہ کے مقابلہ میں شریک بنا دیا ہے، بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ اکیلا چاہے'' (وہی ہوتا ہے)[1]۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ فُلَانٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ))[2]

''اس طرح نہ کہا کرو: 'جو اللہ چاہے اور جو فلاں چاہے'، بلکہ اس طرح کہا کرو: 'جو اللہ چاہے اور پھر جو فلاں چاہے'۔''

یعنی اس طرح نہیں ہے کہ اللہ کی مشیت کے ساتھ غیر اللہ میں سے کسی کی مشیت برابر ہو، اور نہ ہی کسی کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھنا چاہیے، ہاں انسانی مشیت اللہ کی مشیت اور اِذن کے بعد اور اس کے تابع ہوتی ہے۔

حاصلِ بحث

اس کائنات کا خالق و مالک اللہ ہے اور اللہ ہی کا حکم ساری کائنات میں جاری و ساری ہے۔ کائنات میں اس کے حکم و اِذن کے برخلاف ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا، تاہم اپنی مخلوقات میں سے انسانوں اور جنات کو اس نے ایک حد تک اختیار اور آزادیِ عمل کی محدود قوت دے رکھی ہے۔ یہ اختیار کی طاقت اور عمل کی آزادی کتنی ہے، ہم اس کی کوئی حد بندی نہیں کر سکتے، تاہم یہ اتنی ضرور ہے کہ اس کی بنیاد پر انسان سے حساب کتاب لیا جائے گا اور اپنے غلط کاموں پر وہ یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میرے پاس تو ان سے بچنے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اور نہ ہی اَعمالِ صالحہ بجا نہ لانے پر وہ یہ بہانہ کر سکے گا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں تھی۔

اگر تقدیر کے مسئلہ میں ہم یہ مان لیں کہ اللہ نے ہر انسان کو پہلے ہی سے ایک متعین راستے پر چلنے کے لیے مجبور کر رکھا ہے تو پھر جزا و سزا، جنت و جہنم، حساب کتاب سب کچھ لایعنی بلکہ ظلم و ناانصافی قرار پاتا ہے۔ اور یہ بات قطعی طور پر واضح اور قرآن و سنت کے دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ظلم و ناانصافی کے شائبہ سے بھی پاک ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾ [سورة ق: ٢٩]

''اور میں اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہوں''۔

اسی طرح ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((لَوْ أَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِّنْ أَعْمَالِهِمْ))[3]

''اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب دینا چاہے تو وہ انہیں عذاب دے سکتا ہے اور وہ انہیں عذاب دینے میں بالکل ظالم نہ ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ تمام (آسمان والوں اور زمین والے) لوگوں پر رحم کرنا چاہے تو اس کی رحمت ان لوگوں کے عملوں سے بہتر ہوگی''۔

١۔ احمد، ١/٢١٤، ٢٢٤۔ الادب المفرد، ح٧٨٣۔ المعجم الكبير، للطبراني، ج١٢، ص٢٤٤۔ السنن الكبرىٰ، للبيهقي، ٢١٧/٣۔

٢۔ ابو داؤد، كتاب الادب، باب لا يقال خبثت نفسي، ح٤٩٨٠۔ مسند احمد، ج٣ص٣٨٤۔

٣۔ ابو داؤد، كتاب السنة، باب في القدر، ح٤٦٩٩، ٤٧٠٠۔

اس حدیث کے درست اور صحیح مفہوم دو ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ چونکہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ ہے، اس لیے اللہ جو چاہے، اپنی مخلوق کے ساتھ کرے، اسے کسی صورت بھی ظالم نہیں کہا جا سکتا، خواہ وہ اپنی ساری مخلوق کو عذاب ہی کیوں نہ دے دے۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے، اپنی پیدا کی ہوئی چیز کے ساتھ کرتا ہے اور وہ خالق اور مالک ہونے کے ناطے ہر طرح کا اختیار رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے ایسے کسی کام کو عبث اور فضول بھی معاذ اللہ نہیں کہا جا سکتا، اس لیے کہ وہ حکیم و دانا ہے، اور اس کے ہاں ہر کام حکمت و دانائی کے تقاضوں کے تحت ہوتا ہے۔

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ساری مخلوق کو عذاب دینا چاہتا، تو وہ ان سے ایسے اعمال کا تقاضا کرتا جسے وہ طاقت رکھنے کے باوجود کماحقہ نہ کر پاتے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرنے اور معاف کر دینے کی بجائے پورا پورا حساب لیتے تو نتیجۃً انہیں ان کی کوتاہی پر سزا مل جاتی اور اللہ پر بھی ظالم ہونے کا الزام عائد نہ ہو پاتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ عمل اور جزا کا نظام ہی بڑا سخت اور مشکل بنا دیتے، مگر اللہ تعالیٰ نے اتنا سخت نظام بنانے کی بجائے انسانوں کے ساتھ رحم و کرم سے کام لیا ہے اور ان کی ہر طرح کی ٹوٹی پھوٹی اور ناقص عبادات واطاعات بھی اللہ قبول کر لیتے ہیں، علاوہ ازیں چھوٹی موٹی نیکیوں کے ساتھ ہی ان کے کیے ہوئے بہت سے گناہوں کو اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں معاف بھی کرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے اس حدیث میں دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر رحم کرے تو وہ رحم و کرم لوگوں کے اعمال کے مقابلے میں بہتر ہے۔ اس لیے کہ جتنا رحم و کرم اللہ کی طرف سے ہم پر ہوتا ہے، ہمارے اعمال تو اکثر و بیشتر اس کے مستحق ہی نہیں ہوتے۔ اور ہم اللہ کی عبادت واطاعت کے سلسلہ میں جو عمل بھی کرتے ہیں، یقیناً اس میں اللہ کے حقِ عبادت واطاعت کو پورا پورا ادا نہیں کر پاتے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ دنیا میں بھی رحم و کرم والا معاملہ کرتے ہیں اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب رہے گی۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جن احادیث میں یہ ذکر ملتا ہے کہ

((لَنْ يُّدْخُلَ اَحَدٌ مِّنْكُمُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ))[1]

''تم میں سے کوئی شخص بھی محض اپنے عمل کی بنیاد پر جنت میں نہیں جا سکتا''۔

ان کا معنی و مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل و کرم کے مقابلہ میں انسان اللہ کی عبادت واطاعت کے سلسلہ میں جو عمل بھی کرتا ہے، وہ ہمیشہ ناقص رہتا ہے۔ جس طرح اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کا حق ہے، وہ انسان پورا کر ہی نہیں سکتا۔ اس لیے اپنے عمل پر وہ اترانے لگے اور ازراہِ فخر یہ سمجھے کہ اب میں جنت کا پکا مستحق ہو گیا ہوں، ایسا نہیں ہے بلکہ جنت میں داخلہ اللہ کے خاص فضل و کرم کے ساتھ ہی ہوگا۔ نیز جو ٹوٹا پھوٹا عمل کرنے کی انسان کو ہمت اور توفیق ہوتی ہے، وہ بھی اللہ کے فضل سے ہوتی ہے۔

۱۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، ح٦٤٦٣۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، ح٢٨١٦۔

مشیتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ ہر کام سے پہلے ان شاء اللہ کہا جائے

اسلام میں ہمیں ایک ادب یہ سکھایا گیا ہے کہ ہم ہر اس اچھے کام کے بارے میں ان شاء اللہ کہیں جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔ان شاء اللہ کا مطلب ہے 'اگر اللہ نے چاہا'۔اس لیے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اِذن (اجازت) کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا،خواہ وہ اپنا پورا زور لگا لے۔قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو اس ادب کے حوالے سے حکم دیا گیا کہ

﴿ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴾ [سورة الكهف:٢٣،٢٤]

''اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل [یعنی آئندہ کسی وقت] کروں گا،مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا اور جب بھی [ان شاء اللہ کہنا] بھول جاؤ،اپنے پروردگار کی یاد کر لیا کرنا''۔

یعنی اگر کسی وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو یاد آنے پر فوراً ان شاء اللہ کہہ لینا،یا اللہ سے استغفار کرنا اور اس کی حمد وثنا اور ذکر کرنا۔

نبی کریم ﷺ کی کئی ایک احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان شاء اللہ کہنے کی پابندی کیا کرتے تھے اور صحابہ کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ایسی چند روایات جن میں ان شاء اللہ کہنے کی تعلیم ملتی ہے،ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔طائف کے محاصرہ کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰه))(۱)

''ان شاء اللہ (اللہ نے چاہا تو) کل ہم واپس لوٹ جائیں گے''۔

۲۔ایک پیشین گوئی کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ إِنْ شَاءَ اللّٰه))(۲)

''مدینہ میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہوں گے،ان شاء اللہ!''۔

۳۔صلح حدیبیہ کے موقع پر جہاد کے لیے بیعت کرنے والوں کے حق میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ الَّذِيْنَ بَايَعُوا تَحْتَهَا أَحَدٌ))

''جن لوگوں نے (حدیبیہ کے مقام پر) درخت کے نیچے (میری) بیعت کی تھی،ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا،ان شاء اللہ!''(۳)۔

۴۔ مکہ کی طرف سفر کرتے ہوئے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْزِلُنَا غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِخَيْفِ بَنِيْ كِنَانَةَ))[1]

''کل ہمارے پڑاؤ کی منزل خیف بنی کنانہ کا مقام ہوگا، ان شاء اللہ!''۔

۵۔ اسی طرح ایک مریض کی عیادت کے لیے آپ ﷺ تشریف لے گئے تو اس سے فرمایا:

((لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ))[2]

''(یہ بخار) تمہیں (گناہوں سے) پاک کردے گا، ان شاء اللہ!''

۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا:

''سلیمانؑ نے کہا کہ میں آج رات اپنی ستر بیویوں کے ساتھ قربت کروں گا اور ہر بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں گھوڑے پر بیٹھ کر جہاد کرے گا۔ تو فرشتے نے ان سے کہا کہ ان شاء اللہ کہو مگر سلیمان ان شاء اللہ نہ کہہ سکے۔ پھر انہوں نے ستر (یا ایک سو) بیویوں سے قربت کی مگر کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی، البتہ ایک بیوی حاملہ ہوئی مگر اس نے بھی ناقص بچہ جنم دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اگر سلیمانؑ ان شاء اللہ کہتے تو وہ سب اللہ کی راہ میں گھوڑے پر بیٹھ کر جہاد کرنے والے (پیدا) ہوتے''۔[3]

۷۔ قسم کھانے والے شخص کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ فَقَالَ : إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، فَإِنْ شَاءَ مَضٰى وَإِنْ شَاءَ رَجَعَ غَيْرَ حِنْثٍ))[4]

''جس نے قسم کھائی اور ساتھ ان شاء اللہ کہا پھر اس کے بعد وہ چاہے تو قسم پوری کرے اور چاہے تو پوری نہ کرے، ایسی صورت میں وہ قسم توڑنے والے کے طرح (کفارہ دینے والا) قرار نہیں پائے گا''۔

یعنی ان شاء اللہ کہہ لینے کے بعد اگر وہ قسم پوری نہیں کرتا تو اس پر قسم توڑنے کا کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ اسی طرح اگر وعدہ کرتے وقت کوئی شخص ان شاء اللہ کہتا ہے اور پھر اس وعدے کو پورا نہیں کر پاتا تو اس پر وعدہ خلافی کا گناہ لازم نہیں آئے گا۔

نعمت پر ماشاء اللہ کہنا چاہیے

قرآن مجید کی سورۂ کہف میں دو آدمیوں کا ایک قصہ مذکور ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے پاس دو عمدہ اور پھلدار باغ تھے مگر وہ ظالم، متکبر اور اللہ تعالیٰ کے انعامات پر شکر کی بجائے کفر کرنے والا تھا جب کہ دوسرا آدمی جو

۱۔ بخاری، کتاب التوحید، باب فی المشیئة والارادة، ح۷٤۷۹۔

۲۔ بخاری، کتاب التوحید، باب فی المشیئة والارادة، ح۷٤۷۰۔

۳۔ بخاری، کتاب الجهاد، باب من طلب الولد للجهاد، ح۲۸۱۹۔ مسلم، الأیمان، باب الاستثناء، ح۱٦٥٤۔

٤۔ ابوداؤد، کتاب الایمان، باب الاستثناء فی الیمین، ح۱٥۳۱۔ ترمذی، کتاب النذور، باب ما جاء فی الاستثناء فی الیمین، ح۱٥۳۱۔ نسائی، کتاب الایمان، باب من حلف فاستثنی۔ ابن ماجه، کتاب ح۲۱۰٥۔ احمد، ج۲ص٦۰۱، ٤۸۔

صاحب ایمان تھا، اسے کہا کرتا تھا کہ اپنے باغ دیکھ کر فخر وغرور کی بجائے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه پڑھا کرو مگر اس نے ان دعائیہ کلمات اور اللہ کی وحدانیت و کبریائی کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنی معاندانہ روش کو جاری رکھا جس کی وجہ سے بالآخر اللہ نے اس کے دونوں باغوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا ڈالا۔ ذیل میں وہ آیات ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ واقعہ مذکور ہے:

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا وَّكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّأَعَزُّ نَفَرًا وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيْدَ هٰذِهِ أَبَدًا وَّمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ إِلٰى رَبِّيْ لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰكَ رَجُلًا لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّيْ أَحَدًا وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا فَعَسٰى رَبِّيْ أَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهُ طَلَبًا وَّأُحِيْطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَا أَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّيْ أَحَدًا وَلَمْ تَكُنْ لَّهُ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴾

''اور انہیں ان دو آدمیوں کی مثال بھی سنا دے جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دے رکھے تھے جنہیں کھجوروں کے درختوں سے ہم نے گھیر رکھا تھا اور دونوں کے درمیان کھیتی لگا رکھی تھی۔ دونوں باغ اپنا پھل خوب لائے اور اس میں کسی طرح کی کمی نہ کی اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر جاری کر رکھی تھی۔ الغرض اس کے پاس میوے تھے، ایک دن اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتھے (نوکر چاکر) کے اعتبار سے مضبوط بھی ہوں۔ اور یہ اپنے باغ میں گیا اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، کہنے لگا کہ میرا نہیں خیال کہ یہ باغ کسی وقت برباد بھی ہو سکتا ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میں (اس لوٹنے کی جگہ کو) اس سے بھی زیادہ بہتر پاؤں گا۔ اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس (معبود) سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے پھر تجھے پورا آدمی بنایا لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے، میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا۔ تو نے اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہ کہا کہ [مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه] 'اللہ کا چاہا ہونے والا ہے، کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے'۔ اگر تو مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے (تو) بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اس باغ سے بھی بہتر دے اور اس پر آسمانی عذاب بھیج دے تو یہ چٹیل اور چکنا میدان بن جائے یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تیرے بس میں نہ رہے کہ تو اسے ڈھونڈ لائے۔ اور (پھر اللہ کی طرف سے) اس کے (سارے) پھل گھیر لیے گئے، پس وہ اپنے اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا، اپنے ہاتھ ملنے لگا اور وہ باغ تو اوندھا الٹا پڑا تھا اور وہ (شخص) کہہ رہا تھا کہ کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا۔ اس شخص کی حمایت میں کوئی جماعت نہ اٹھی کہ اللہ سے اس کا کوئی بچاؤ کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلہ لینے والا بن سکا۔ یہیں سے (ثابت ہوا) کہ اختیارات صرف اللہ برحق کی ذات کے لیے ہیں اور وہ ثواب دینے اور انجام کے اعتبار سے بہت ہی بہتر ہے''۔ [الکہف: ۳۲ تا ۴۴]

(۴) اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے

تقدیر پر ایمان لانے میں چوتھی چیز یہ شامل ہے کہ انسان اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اللہ کے علاوہ کائنات میں اور کوئی خالق نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ [سورة الرعد:١٦]

''تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے''۔

اسی طرح ایک اور آیت میں ہے:

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ [سورة الصافات: ٩٦]

''حالانکہ تمہیں اور جو تم کرتے ہو، اسے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے''۔

مطلب یہ کہ ہر وہ حرکت اور عمل جو انسان کرتا ہے، اس میں کرنے کا فعل تو بلاشبہ انسان کا اپنا ہوتا ہے، اور وہ اس فعل، حرکت اور عمل میں آزاد بھی ہوتا ہے مگر اس فعل، عمل یا حرکت کا خالق انسان نہیں ہوتا بلکہ خالق اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس فعل اور عمل کے پیچھے جتنے اَسباب کارفرما ہوتے ہیں، وہ تمام اَسباب اللہ ہی نے پیدا کیے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے اللہ کے علاوہ اور کوئی خالق نہیں ہے۔ نیز اگر وہ اسباب نہ ہوتے تو انسان کے لیے ممکن ہی نہ ہوتا کہ وہ اس کام کو کرسکتا جو ان اسباب کی بدولت وہ کرلیتا ہے۔

کیا شر بھی اللہ نے پیدا کیا ہے؟

دنیا میں ہمارے سامنے جو چیزیں ہیں، ان میں خیر بھی ہے اور شر بھی۔ اگر ہم یہ کہیں کہ دنیا کی ہر چیز اللہ نے پیدا کی ہے تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو مانا جاسکتا ہے کہ خیر اور اس کے تمام تر ذرائع اور اسباب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے لیکن کیا شر اور اس کے اَسباب و ذرائع کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے....؟

اس مسئلہ میں نہ صرف غیر مسلم فلاسفہ میں بلکہ مسلمان متکلمین میں بھی اختلاف رہا ہے جبکہ مجوسیوں کا اس بارے میں نقطہ نظر یہ ہے کہ خیر اور شر دونوں کے خالق جدا جدا ہیں۔ ان کے بقول خیر کے خالق کا نام 'یزداں' اور شر کے خالق کا نام 'اَہرمن' ہے۔ لیکن ظاہر ہے خیر وشر کے دو الگ خالق تسلیم کرنا کسی طرح بھی قرآن وسنت کی تعلیمات سے موافقت نہیں رکھتا کیونکہ خالق ایک ہی ہے، دو ہرگز نہیں۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ شر کا خالق کون ہے؟ اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے تو بعض اہل علم کے بقول اس سے سوئے ادبی لازم آتی ہے کیونکہ اس میں اللہ کی طرف 'شر' کی نسبت کی جارہی ہے۔ لیکن اگر شر کی نسبت اللہ کی طرف نہ کریں تو پھر بھی یہ سوال موجود ہے کہ آخر 'شر' کو کس نے پیدا کیا؟ اور آخر اللہ نے اس کی موجودگی کو کیسے 'برداشت' کرلیا......؟!

شر کی نسبت اللہ کی طرف کرنے سے چونکہ سوئے ادبی کا اظہار ہوتا تھا، اس لیے مشہور کلامی فرقہ 'قدریہ' نے یہ موقف اختیار کیا کہ انسان بذات خود اپنے افعال کا خالق ہے، وہ اچھا کرے یا برا، اسے ہر لحاظ سے کامل اختیار حاصل ہے حتی کہ وہ خود ہی اپنے افعال کا خالق ہے۔ قدریہ کے موقف کے مطابق تقدیر کچھ نہیں بلکہ انسان ہی سب کچھ ہے، وہی انسان خیر پیدا کرتا ہے اور وہی شر کو وجود میں لاتا ہے۔ اور ایک دوسرے کلامی فرقہ جبریہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے الٹا یہ موقف اختیار کرلیا کہ انسان خود کچھ بھی نہیں کرتا، بلکہ اللہ کی تقدیر کے آگے پوری طرح مجبور ہے۔ بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ خیر تو خدا پیدا کرتا ہے مگر شر کو انسان وجود بخشتا ہے۔ اسی طرح کی رائے کا اظہار مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''رہ گیا یہ سوال کہ کیا خیر وشر دونوں کا خالق ایک ہی ہے یا ان کے الگ الگ خالق ہیں؟ اگر خیر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور شر کا خالق کوئی اور ہے تو اس سے کائنات میں ثنویت لازم آتی ہے اور اگر خدا ہی خیر اور شر دونوں کا خالق ہے تو خدا جب خیر مطلق ہے تو وہ شر کا خالق کس طرح ہوسکتا ہے؟ تو اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کے اختیار وارادہ کے غلط استعمال کی وجہ سے دنیا میں شر پیدا ہوتا ہے۔ انسان اپنے اختیار کو خیر کے لیے بھی استعمال کرسکتا ہے اور وہ اس کو بدی کے لیے بھی بروئے کار لاسکتا ہے۔ یہ کائنات جن طبیعی قوانین پر قائم ہے، ظاہر ہے کہ وہ خالق کے لحاظ سے موجب خیر ہیں لیکن ان کے علم یعنی سائنس کو انسان کی خدمت میں بھی لگا دیا جاسکتا ہے اور مہلک ہتھیار بنا کر انسان کی تباہی کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، چھری پھل کاٹنے کے لیے بھی استعمال ہوسکتی ہے لیکن اس سے دوسرے انسان کو ہلاک بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ اب آپ کا اختیار ہے کہ آپ ایٹمی طاقت کو انسان کی بھلائی کے لیے استعمال کریں یا اس کی تباہی کے لیے۔ اگر آپ ایٹمی طاقت کو انسانوں پر ظلم وستم ڈھانے کے لیے اور نسل انسانی کی تباہی کے لیے استعمال کرتے ہیں تو آپ کو اس کا اختیار حاصل ہے لیکن یہ اختیار کا غلط استعمال ہوگا۔ چونکہ اختیار وارادہ کی آزادی تو بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا، یہی نعمت تو اس کا درجہ حیوانات سے بلند کرکے اسے منصبِ خلافت پر فائز کرتی ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اختیار کی آزادی سے پیدا ہونے والے شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ تو سراسر خیر ہے۔ یہ انسان کی نالائقی ہے کہ وہ اختیار کا غلط استعمال کرتا ہے اور شر کا باعث بنتا ہے۔''(۱)

لیکن اس پر پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اختیار کی طاقت جس کے غلط استعمال سے شر پیدا ہوا، وہ بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ پھر اس سے جو شر پیدا ہوا وہ بھی تو اللہ نے تقدیر میں لکھ رکھا تھا۔ پھر بذات خود انسان جو ''شر کا باعث بنتا ہے'' اسے بھی تو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔ جب بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر قسم کی خلق کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ثابت ہوتا ہے تو پھر پہلے ہی قرآن کے بقول یہ تسلیم کیوں نہ کرلیا جائے کہ

﴿ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ [سورة الرعد:١٦]

۱۔ 'المیزان'، ص۲۰۴، ۲۰۵۔ مقالہ: ''خیر وشر کا مسئلہ'' از مولانا امین احسن اصلاحی۔

''تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے''۔

شر اللہ نے پیدا کیا ہے یا انسان کا سوئے اختیار اسے پیدا کرتا ہے؟ اس اختلاف کی وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات میں شر، ضرر، مصیبت وغیرہ کی نسبت، اللہ تعالیٰ کی طرف اور بعض میں انسان کی طرف کی گئی ہے، جس سے ایک طرف ان آیات میں ظاہری طور پر تعارض کی شکل پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف مذکورہ بالا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں جمھور اھل السنة والجماعة کا موقف کیا ہے؟ اس کی ترجمانی عقیدة طحاویة کے شارح نے بڑی تفصیل وعمدگی کے ساتھ اس کتاب کی شرح میں کر دی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

"وافعال العباد ھی خلق الله وكسب من العباد"[1]

''انسانوں کے افعال، فعل ہونے کے اعتبار سے انسانوں ہی کے ہوتے ہیں مگر خلق کے اعتبار سے ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے''۔

اسے آپ یوں سمجھئے کہ بدکاری اور گناہ وغیرہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نہیں کرتا بلکہ بندے کرتے ہیں مگر یہ چیزیں پیدا تو اللہ تعالیٰ ہی نے کی ہیں۔

اب اس پر سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ یہ چیزیں یا بالفاظ دیگر انسان میں جو گناہ کی خواہش اور اختیار کے غلط استعمال کا محرک پیدا ہوتا ہے، یہ کیوں ہوتا اور کون کرتا ہے؟ کیا اس میں اللہ کا اذن یا مرضی شامل ہے یا نہیں؟؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ آزمائش اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان میں خواہشاتِ نفس پیدا نہ کر دی جاتیں اور انہیں اچھے یا برے مقصد میں استعمال کرنے کا اختیار نہ سونپ دیا جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں خواہشات بھی پیدا کیں اور ان کے اچھے یا برے استعمال کا اختیار بھی انسان کو دے دیا اور خیر وشر دونوں طرف لے جانے والے اسباب وذرائع بھی پیدا کر دیئے مگر اس کے باوجود اپنی مرضی بھی بتا دی کہ...... میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میری اطاعت کرو، خواہشات کو میری رضا کے تابع کرو، اچھائی و بھلائی کی راہ اختیار کرو۔ اور اس کے بدلہ میں، میں تمہیں جنت کی دائمی نعمتوں سے نوازوں گا...... اس کے ساتھ تاکید مزید کے لیے یہ بھی بتا دیا کہ میری نافرمانی و حکم عدولی گناہ ہے، گناہ کو میں بالکل پسند نہیں کرتا، اس کی سزا دنیوی ابتری اور اخروی عذاب کی شکل میں تمہیں ضرور دی جائے گی۔ اسی آزمائش اور امتحان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙالَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

''بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے؟''۔ [سورة الملک:۱،۲]

۱۔ العقیدة الطحاویة مع شرح ابن ابی العز، ص۴۳۸۔

شر کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کا مسئلہ

قرآن وحدیث میں شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بالعموم اس لیے نہیں کی گئی کہ اس سے کہیں اللہ کے بارے میں کوئی سوئے ادبی کا احتمال نہ ہو۔اس احتمال کے پیش نظر کہیں شر،ضرر اور مصیبت وغیرہ کو انبیاء کرام نے اپنی طرف اور کہیں شیطان کی طرف منسوب کیا ہے۔اس لیے کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں شر پھیلے، خیر ختم ہو اور لوگ شر کے ارتکاب سے اس کے ساتھ جہنم میں جائیں۔شر اور اس سے متعلقہ صورتوں کی نسبت انسان ہی کی طرف یا شیطان کی طرف کئے جانے سے متعلقہ چند آیات درج ذیل ہیں:

﴿ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ وَمَاۤ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ﴾ [سورة الكهف:٦٣]

''(حضرت موسیٰ کے غلام کہنے لگے کہ) پس میں تو مچھلی بھول گیا تھا اور دراصل شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں''۔

﴿ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴾[سورة القصص:١٥]

''حضرت موسیٰ نے اس کو مکا مارا جس سے وہ مر گیا تو موسیٰ کہنے لگے: یہ تو شیطانی کام ہے، یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے''۔

﴿ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ ﴾ [سورة الشورى :٣٠]

''اور تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے''۔

﴿ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ﴾ [سورة النساء : ٧٩]

''تمہیں جو بھلائی ملتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے نفس کی طرف سے ہے''۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز تہجد میں یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((...... وَالْخَیْرُ كُلُّهٗ فِیْ یَدَیْكَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ))[1]

''......اور ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف سے نہیں ہے''۔

مذکورہ بالا آیات اور حدیث میں شر کی نسبت اللہ کی بجائے خود انسان یا شیطان کی طرف کرنے کا مقصد ادبِ الٰہی کا لحاظ ہے ورنہ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ انسان یا شیطان شر کا خالق بن گیا ہے بلکہ حقیقی طور پر سب کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم اور اِذن سے ہوتا ہے، باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی بھی اس میں شامل حال ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اللہ کی مرضی یہ ہوتی ہے کہ انسان خیر و بھلائی کی راہ اختیار کرے اور شر کی راہ اختیار نہ کرے۔تاہم دنیا میں جو شر پیدا ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے اِذن کے بغیر نہیں ہوتا۔گویا اِذن الٰہی اور رضائے الٰہی میں فرق ہے۔

١۔ مسلم، کتاب صلاة المسافرین، :باب صلاة النبیؐ ودعائه باللیل، ح٧٧١۔

فصل ۳

تقدیر کے بارے میں پائے جانے والے شبہات اور ان کا اِزالہ

تقدیر کے بارے میں شبہات کیوں پیدا ہوتے ہیں؟

۱۔ اللہ کی صفات کے بارے کم علمی

تقدیر کے بارے میں جو مختلف شبہات پیدا ہوتے ہیں، اس کی ایک وجہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں صحیح علم نہ ہونا ہے مثلاً جبریہ فرقہ نے تقدیر کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا کہ انسان مجبور محض ہے اور اسے کسی طرح کا کوئی اختیار نہیں ہوتا بلکہ ہر کام اللہ ہی کی مشیت اور قدرت و طاقت کے بل بوتے پر ہوتا ہے۔ یہ رائے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے متعلقہ آیات سے اخذ کی جو اللہ کی مشیت عامہ اور قدرت مطلقہ پر دلالت کرتی ہیں۔ حالانکہ اللہ کی مشیت عامہ اور قدرت مطلقہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ نے انسان کو دنیا میں کوئی اختیار نہیں دیا۔ ورنہ کیا اللہ تعالیٰ معاذ اللہ ظالم تھے کہ ایک انسان کو جہنم میں اس بات پر ڈال دیں کہ اس نے اللہ کے احکام پر عمل نہیں کیا جبکہ اسے ان احکام پر عمل کرنے کا اختیار بھی نہ دیا ہو بلکہ مجبور محض بنایا ہو اور جب وہ پہلے ہی اللہ کی طرف سے مجبور محض تھا تو پھر اسے سزا کس بات کی؟!

اسی طرح قدریہ نے اللہ کی صفات کے سلسلہ میں دوسرے پہلو کو پیش نظر رکھا، وہ یہ کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے، بالخصوص شر اور برائی، یہ سب وہ اس حد تک اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھ کرتا ہے کہ ان کاموں کے پیچھے نہ اللہ کا ارادہ شامل ہوتا ہے اور نہ اس کی مشیت۔ بلکہ ان افعال کا خالق بھی بندہ خود ہی ہوتا ہے۔ اللہ نے نہ شر اور برائی کو پسند کیا ہے اور نہ اسے پیدا کیا اور نہ ہی انسان سے اس کا صدور اس کی مشیت یا ارادے کے ماتحت ہوتا ہے، بلکہ یہ انسان ہی ہے جو اپنے عمل سے اسے پیدا کرتا ہے، گویا انسان اپنے برے عمل کا فاعل بھی خود ہے اور خالق بھی خود ہی۔

حالانکہ قدریہ کے اس موقف سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ دنیا میں اللہ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے اور یہ کہ شر اور برائی کے پیچھے اللہ کی مشیت نہیں ہوتی تو بندہ اللہ کی مشیت اور ارادے کے برخلاف ایک عمل کرتا ہے اور اللہ اسے اس عمل پر روکنے سے مجبور ہوتا ہے۔ اس سے تو اللہ کی قدرت و طاقت پر حرف آتا ہے؟!

۲۔ انسانی اختیار کے بارے میں غلط فہمی

تقدیر کے بارے میں شبہات پیدا ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان خود انسانی اختیار کو سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ کبھی تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے تقدیر کے سلسلہ میں ہر طرح کا اختیار دے دیا گیا ہے اور کبھی یہ سمجھتا ہے کہ وہ تقدیر کے آگے

بالکل مجبور اور بے بس ہے۔ حالانکہ حقیقت ان دونوں چیزوں کے درمیان ہے۔ وہ یہ کہ انسان کو ایک حد تک اختیار بھی دیا گیا ہے اور ایک حد تک وہ مجبور بھی ہے۔

اختیار اسے یہ دیا گیا ہے کہ وہ اگر کھانا کھانا چاہے، پانی پینا چاہے، سفر کرنا چاہے، بات کرنا چاہے، یا کوئی بھی اور عمل کرنا چاہے تو کوئی طاقت زبردستی اسے روکتی نہیں ہے اور اگر وہ کوئی عمل نہ کرنا چاہے تو کوئی طاقت زبردستی اسے اس کام کے کرنے پر مجبور نہیں کرتی۔ اسی طرح اس کا ارادہ واختیار اور آزادیِ عمل اس حد تک ہے کہ اگر وہ دائیں طرف چلنے کا ارادہ کرے تو کوئی طاقت زبردستی اسے بائیں طرف نہیں پھیرتی، اور اگر وہ بائیں طرف چلنے پر مصر ہو تو کوئی طاقت اسے دائیں نہیں گھماتی۔ اگر وہ منہ میں نوالا ڈالنے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو کوئی طاقت اس کا ہاتھ منہ کی بجائے پاؤں کی طرف نہیں لے جاتی اور اگر وہ پاؤں پر ہاتھ لگانا چاہے تو کوئی طاقت اس کا ہاتھ زبردستی سر کی طرف نہیں پھیرتی۔

جہاں تک تقدیر کے ہاتھوں انسان کے مجبور اور بے بس ہو جانے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں اول تو یہ واضح رہنا چاہیے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس بنیاد پر انسان عمل چھوڑ کر بیٹھ جائے اور اسی پر افسوس کیے جائے کہ تقدیر ہمیں کچھ کرنے نہیں دیتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو اس حقیقت کا علم ہونا چاہیے کہ دنیا کا نظام اللہ تعالیٰ نے کچھ اصولوں پر قائم کیا ہے اور عام طور پر وہ اصول اس کائنات میں جاری وساری رہتے ہیں۔ اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان اصولوں سے ہٹ کر کوئی چیز دنیا میں رونما ہو۔ اگر ایسا ہو تو اسے معجزہ، کرامت یا اللہ کی قدرت کا اظہار کہا جاتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا قانون ہمیں تقدیر کے بارے میں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ عام طور پر انسان جس چیز کے حصول کے لیے محنت اور تگ ودو کرتا ہے، وہ اسے اپنی محنت کے بقدر پا ہی لیتا ہے مگر ایسا بھی بعض اوقات ہوتا ہے کہ انسان اپنی انسانی طاقت کی حد تک سب کچھ کر گزرتا ہے مگر وہ اس چیز کے حصول سے محروم ہی رہتا ہے اور پھر خود یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر انسانی طاقت سے اس چیز کا حصول ممکن ہوتا تو میں کم از کم اس سے محروم نہ رہتا۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ظاہر ہے اس کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کی قدرت یہاں انسانی اختیار کے آگے رکاوٹ بن جاتی ہے یا یہ کہ اس چیز کا حصول اللہ کی مشیئت نہیں ہوتی، اس لیے اس تک ساری کوششوں کے باوجود رسائی ممکن نہیں ہو پاتی۔ اگرچہ ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا، تاہم انسان کی زندگی میں اس طرح کے مواقع کئی مرتبہ پیدا ضرور ہوتے ہیں اور شاید یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ یہ انسان کو اللہ کی مشیئت، ارادہ اور قدرت وطاقت پر ایمان لانے اور اس کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ کرے۔ انسان اللہ کی عظمت اور قدرت سے غافل نہ ہو اور ہمیشہ اسی کے آگے اپنی بہتری اور نیک خواہشات کی تکمیل کے لیے دعا گو رہے۔ لیکن بعض لوگ اسی چیز کو اپنی سستی اور کوتاہی کی دلیل اور عمل کی راہ سے جی چرانے کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔

۳۔نصوص (آیات واحادیث) کوسمجھنے میں غلط فہمی

تقدیر کے بارے میں شبہات پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس موضوع کے بارے میں واردشدہ آیات واحادیث کوایک دوسرے کے ساتھ ملا کر سمجھنے اوران میں تطبیق پیدا کرنے کی بجائے انہیں علیحدہ علیحدہ سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اور ظاہر ہے اس طرح ان میں یا تو تضاداور ٹکراؤ دکھائی دیتا ہے یا پھر ایک ہی رخ غالب دکھائی دیتا ہے۔جبر یہ کو جبر کا رخ دکھائی دیا کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں کلی طور پر مجبور ہے اور قدریہ کو یہ رخ غالب نظر آیا کہ تقدیر کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ انسان خود ہی سب کچھ کرتا ہے۔

اہل سنت کا نقطہ نظر ان دونوں کے مابین اعتدال پر مبنی ہے، اس لیے کہ اہل سنت تقدیر کے بارے میں واردشدہ تمام نصوص (یعنی آیات واحادیث) میں تطبیق دیتے اور سبھی نصوص پرعمل کی کوشش کرتے ہیں۔نہ کسی صحیح حدیث کورد کرتے ہیں اور نہ کسی آیت کی دوراز کار تاویل کرتے ہیں۔

تقدیر کے بارے میں پائے جانے والے چند بڑے شبہات

ا۔تقدیر کا مسئلہ اگر انسانی فہم سے بالا ہے تو اس پر بحث کیوں کی جاتی ہے؟

تقدیر کے بارے میں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ اللہ کا مخفی راز ہے اور انس وجن وملائکہ میں سے کوئی بھی اس کی حقیقت نہیں جانتا اور نہ ہی انسانی فہم اس کی گہرائی تک جا سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک طرف اسے نہایت درجہ اہمیت دیتے ہوئے ایمانیات (ارکان ایمان) میں جگہ دی گئی ہے اور دوسری طرف بعض ایسی احادیث بھی موجود ہیں جن میں مسئلہ تقدیر پر غور وخوض سے صاف منع بھی کیا گیا ہے۔اگر اسے سمجھنا ممکن ہی نہیں تو پھر علماء ہمیشہ سے اس کے بارے میں کتابیں کیوں لکھتے رہے؟اس مسئلہ کو دینیات میں پڑھااور پڑھایا کیوں جاتا رہا ہے؟!،اس پر بحث ومباحثے کیوں کیے جاتے رہے؟؟!

جواب

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بعض احادیث میں مسئلہ تقدیر میں غور وخوض سے منع کیا گیا ہے تو یقیناً ایسی احادیث موجود ہیں۔ہم پہلے ان احادیث کو ذیل میں درج کرتے ہیں، پھر اس کے بعد انہی احادیث کے سیاق وسباق کی روشنی میں اس سوال کا جواب دیں گے۔

ا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهُ حَتّٰى كَأَنَّمَا فُقِئَ فِي وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ فَقَالَ أَبِهٰذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهٰذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِي هٰذَا الْأَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلَّا تَنَازَعُوْا فِيْهِ))

''ایک مرتبہ ہم قضاوقدر کے مسئلہ پر بحث اور جھگڑا کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے (اور ہمیں اس حالت میں دیکھ کر) آپؐ کا چہرہ مبارک غصہ سے اس طرح سرخ ہوگیا کہ جیسے (سرخ) انار کے دانے آپ کے چہرے پر نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کیا میں اسی لیے رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں؟! یاد رکھو کہ تم سے پہلی قومیں اسی لیے ہلاک کی گئیں کہ انہوں نے اس تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑنا شروع کردیا تھا۔ میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ اور پھر تاکید کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ تم تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ (جھگڑا) نہ کرنا''۔[1]

اس حدیث میں مسئلہ تقدیر کے حوالے سے جس چیز پر نبی کریم ﷺ نے غصہ فرمایا اور اس سے منع فرمایا وہ یہ ہے کہ لوگ اس مسئلہ میں جھگڑا اور مناظرہ ومباحثہ نہ کریں۔

۲۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے یہ روایت زیادہ تفصیل سے بیان ہوئی ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ

''میں اور میرا بھائی ایک ایسی مجلس میں بیٹھے تھے جو ہمیں سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند تھی۔ ہوا یوں کہ میں اور میرا بھائی (نبی کریم ﷺ سے ملنے کے لیے) آئے تو ہم نے دیکھا کہ کچھ کبار صحابہ نبی کریم ﷺ کے دروازے کے پاس بیٹھے ہیں۔ ہم نے ناپسند کیا کہ ان کے درمیان جا بیٹھیں، چنانچہ ہم ایک طرف ہوکر بیٹھ گئے۔ ان صحابہ نے قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھی پھر اس میں ان کا جھگڑا شروع ہوگیا حتی کہ اسی جھگڑے میں ان کی آوازیں بہت بلند ہوگئیں۔ ادھر نبی کریم ﷺ بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے، آپ غصہ میں تھے حتی کہ غصے سے آپ کا چہرہ سرخ ہوئے جا رہا تھا اور آپ ان پر مٹی پھینکتے ہوئے فرمانے لگے: لوگو! باز آجاؤ، تم سے پہلی امتیں بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے اپنے نبیوں سے اختلاف شروع کردیا اور اللہ کی کتاب کے بعض حصوں کو بعض کے ساتھ ٹکرانا شروع کردیا۔ بے شک قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو جھٹلاتا ہو بلکہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، پس تمہیں اس سے جو سمجھ آئے اس پر عمل کرو اور جس کی سمجھ نہ آئے وہ اس کتاب کے عالم کی طرف لوٹا دو''۔[2]

ان دونوں حدیثوں سے یہی واضح ہو رہا ہے کہ تقدیر کے مسئلہ میں مناظرہ بازی سے منع کیا گیا ہے اور علمائے اہل سنت کا شروع سے یہی عمل رہا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں جدل ومناظرہ کو ناپسند کرتے ہیں۔

اسی طرح مسئلہ تقدیر میں دوسری چیز جسے اہل علم نے ان احادیث کی بنیاد پر قابل مذمت قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسانی عقل محدود ہے اور یہ مسئلہ انسانی عقل وفہم سے بالا ہے، لہٰذا انسان کو اس مسئلہ کے ان پہلوؤں کے بارے میں سوچ وبچار اور بحث ومباحثہ نہیں کرنا چاہیے جو اس کی عقل سے اللہ نے ماورا رکھے ہیں۔

یہاں اسی موضوع کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ تقدیر کا مسئلہ اتنا پیچیدہ اور گنجلک

۱۔ ترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء فی التشدید فی الخوض فی القدر، ح۲۱۳۳۔

۲۔ مسند احمد، ح۶۷۰۳۔ ورواہ مسلم مختصرا۔ شیخ احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہے کہ بعض اوقات ایک عالم اور سمجھ دار آدمی بھی چکر کر رہ جاتا ہے۔ بالخصوص جب اس مسئلہ کو تفصیل سے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں سلامتی کی راہ یہی ہے کہ بندہ اس موقف پر اپنے آپ کو قائم رکھے جو **اهل السنة والجماعة** کا ہے کیونکہ اہل سنت نے اس مسئلہ کے بارے میں ہر اس پہلو پر سکوت اور توقف کی تلقین کی ہے جہاں انسان کی عقل وفہم کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ سکوت وتوقف نہ کیا جائے تو شاید قرآن وسنت کے کئی ایک نصوص کے بارے میں انسان شک وشبہ میں پڑ جائے اور پھر اپنی تقدیر کے سلسلہ میں بھی کئی جگہ شاید اسے اللہ سے شاکی بننا پڑے۔ **معاذ الله من ذلک!**

۲۔ سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا تو پھر عمل اور محنت کی کیا ضرورت؟

مسئلہ تقدیر کے بارے میں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے تو پھر کسی چیز کے حصول کے لیے کوشش کرنے اور مادی اسباب اختیار کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟! اگر ایک چیز نصیب میں ہے تو وہ محنت اور کوشش کے بغیر بھی مل جائے گی اور اگر وہ نصیب میں نہیں تو پھر محنت کے باوجود بھی نہیں ملے گی تو خوامخواہ سر کھپائی اور بھاگ دوڑ کیوں کی جائے۔

جواب

یہ شبہ قرآن وسنت کے ان نصوص (دلائل) سے پیدا ہوتا ہے جن میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تقدیر پہلے سے لکھ دی ہے حتی کہ انسان کی موت، رزق، وسائل، مصائب وآلام، مرض، صحت سب کچھ پہلے سے لکھا جا چکا ہے اور اسی طرح یہ اپنے وقت پر دنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی تخلیق سے پہلے ہی ان کے بارے میں ہر طرح کا علم تھا مثلاً ہر انسان کے بارے میں اللہ کو پہلے سے علم تھا کہ وہ دنیا میں کب اور کیسے پیدا کیا جائے گا، اس کی زندگی کتنی ہوگی، کتنے وسائلِ رزق اسے دیئے جائیں گے اور کس طرح دیئے جائیں گے، اس کی زندگی میں اس پر کیا کیا خوشی اور غمی آئے گی اور کب اور کس طرح آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بنیاد پر پہلے سے ایک اندازہ لگا لیا تھا اور اسے لوح محفوظ میں لکھ بھی دیا اور ظاہر ہے اللہ کا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ اللہ کا علم غلطی کرسکتا ہے۔ ایک انسان اور اس کے پیدا کرنے والے میں یہی فرق ہے کہ مخلوق کا اندازہ اور علم غلطی کرسکتا ہے مگر خالق کا اندازہ اور علم کبھی غلطی نہیں کرسکتا۔ اگر خالق کا علم واندازہ بھی غلطی کر جائے تو پھر معاذ اللہ وہ خالق کس بات کا؟!

لیکن اللہ تعالیٰ نے اگر پہلے ہی سے اپنے علم واندازے کے مطابق ایک چیز لکھ دی تھی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مخلوق کو بالجبر اسی لکھے ہوئے پر مجبور کیا جاتا ہے، اگر ایسے کسی جبر کا مسئلہ ہوتا تو ہمیں ضرور نظر آ جاتا۔ مگر ایسا کوئی جبر اور دباؤ ہم پر نہیں ہے بلکہ ہمیں اختیار دیا گیا ہے کہ ہم اپنی مرضی سے جو چاہیں عمل کریں۔ کوئی طاقت زبردستی ہمیں ہماری مرضی کے عمل سے

روک نہیں دیتی۔ لیکن اس کے باوجود ہم اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ پہلے ہی تقدیر میں سب کچھ لکھ دیا گیا ہے، اس لیے ہم مجبور ہیں!

یہی بہانہ انسان کسی بھی چیز کے بارے میں بنا سکتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر انسان نیکی اور برائی یا جنت اور جہنم کے مسئلہ میں صرف یہ بہانہ بناتا ہے ورنہ رزق وغیرہ کے سلسلہ میں آپ دیکھیں گے کہ لوگ تقدیر کا بہانہ کبھی نہیں بنائیں گے۔ کبھی آپ کو ایسا آدمی نظر نہیں آئے گا جو یہ کہہ کر گھر میں بیٹھ رہا ہو کہ میری قسمت میں روزی ہوگی تو گھر بیٹھے اور بغیر محنت کیے مجھے مل جائے گی۔ بلکہ روزی کے لیے انسان ہمیشہ بھاگ دوڑ کرتا ہے اور شاید بعض اوقات ضرورت سے زیادہ بھاگ دوڑ بھی کرتا ہے۔ ایک ماہ کا بندوبست کرنے میں کامیاب ہو جائے تو ایک سال کی پلاننگ میں مصروف ہو جاتا ہے اور ایک سال کے لیے بندوبست ہو جائے تو دس سال کی سوچنے لگتا ہے!

مگر جب نماز روزے اور نیک عمل کی بات آتی ہے تو دنیاوی کاموں میں دن رات محنت کرنے والے فوراً عذر پیش کرنے لگیں گے: جی قسمت میں جنت میں جانا ہوا تو چلے ہی جائیں گے......!

دراصل یہ شیطان کا دھوکا اور نفس کا وسوسہ ہے کہ انسان اپنی آخرت کے بارے میں بالکل غلط رخ پر سوچتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس طرح وہ دنیا کے لیے حریص ہے، اس سے کئی گنا زیادہ آخرت کے لیے حریص ہو۔ جس طرح دنیاوی مفادات کے لیے ہر طرح کے وسائل اور اسباب اختیار کرتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ آخرت کی بہتری کے لیے اسباب اختیار کرے، مگر شیطان کب چاہتا ہے کہ لوگ جنت میں جائیں، اس لیے وہ انسانوں کی آخرت تباہ کرنے کے لیے اس طرح کے الٹے پلٹے عذر اور بہانے ان کے ذہنوں میں ڈالتا رہتا ہے!

رزق تقسیم ہے تو محنت کیوں؟ چرند پرند کی مثال

رزق کے سلسلہ میں عام طور پر انسان تقدیر کو بہانہ نہیں بناتا مگر بعض بے وقوف ایسے بھی ہیں جو اس مسئلہ میں بھی تقدیر کو بہانہ بنا لیتے ہیں کہ اللہ نے قسمت میں جو رزق لکھ رکھا ہے وہ ضرور مل کر رہے گا، خواہ محنت کریں یا نہ کریں۔

حالانکہ اللہ نے انسان کی قسمت میں جو رزق لکھا ہے اس کے اسباب بھی لکھے ہیں کہ اسے فلاں فلاں سبب سے فلاں فلاں چیز ملے گی۔ اب اگر کوئی سبب کو اختیار نہیں کرتا تو گویا اس کی قسمت میں وہ رزق لکھا ہی نہیں جو ان اسباب کو اختیار کرنے سے ملنا تھا جسے اس نے اختیار نہیں کیا۔

رزق کے سلسلہ میں انسان کو جانوروں اور پرندوں سے بھی سبق حاصل کرنا چاہیے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ نے ارشاد فرما

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾

''زمین میں چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں، سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں، وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں موجود ہے''۔ [سورۃ ھود:٦]

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ چرند پرند بھی رزق کی تلاش میں کوشش کرتے ہیں اور سبب اختیار کرتے ہیں۔ پرندے بلا ناغہ گھونسلوں سے نکلتے اور روزی تلاش کرتے ہیں۔ چیونٹی اپنی روزی کے سلسلہ میں جتنی محنت کرتی ہے، انسان غور کرے تو دنگ رہ جاتا ہے۔ بعض جانور اپنا بل بنانے اور بعض پرندے اپنا گھونسلا بنانے کے لیے جتنی دوڑ دھوپ کرتے ہیں، انسانی عقل اسے دیکھ کر محوتماشا رہ جاتی ہے۔ اب حیوانات تو اپنے رزق اور وسائل وغیرہ کے حصول کے لیے بھاگ دوڑ کریں اور اَشرف المخلوقات انسان تقدیر کا بہانہ بنا کر بیٹھا رہے تو کتنی بے وقوفی اور افسوس کی بات ہے!!

اَسباب کی اہمیت

نبی کریم ﷺ نے خود اَسباب کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور انہیں اختیار کرنے کو تقدیر کے منافی نہیں بلکہ تقدیر ہی کا حصہ قرار دیا ہے مثلاً ایسی تمام احادیث جن میں نبی کریم ﷺ نے تقدیر کے حوالے سے کوئی ایسی بات بیان کی کہ سب کچھ پہلے سے لکھا جا چکا ہے حتیٰ کہ جہنمی اور جنتی ہونا بھی تقدیر میں لکھا جا چکا، قلم تقدیر لکھ کر خشک ہو چکا، وغیرہ وغیرہ تو اس پر صحابہ کو تردد ہوا اور انہوں نے یہ ضرور پوچھا کہ پھر ہمیں عمل کی کیا ضرورت؟!، چنانچہ ایسے ہی ایک موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ اَوْ مِنَ الْجَنَّةِ))

''تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں لکھا جا چکا ہے''۔

تو لوگوں نے کہا: ''یارسول اللہ! پھر ہم اسی پر بھروسہ کرلیں؟'' (یعنی عمل چھوڑ دیں)

مگر نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ نہیں کہا کہ ہاں عمل کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ آپ نے ہمیشہ یہی کہا کہ

((لَا، اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ))

''نہیں، بلکہ عمل کرو کیونکہ ہر شخص (اپنی تقدیر کے مطابق) عمل کی آسانی دیا گیا ہے''۔[1]

ایک حدیث میں ہے کہ ایسے ہی ایک سوال پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((كُلٌّ يَّعْمَلُ لِمَا خُلِقَ لَهُ اَوْ لِمَا يُسِّرَ لَهُ))[2]

'' ہر شخص وہی عمل کرتا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے''۔

ایک اور حدیث میں ایسے ہی سوال کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ))[3]

۱۔ بخاری، کتاب القدر، باب قوله : وکان امر الله قدرا مقدورا، ح٦٦٠٥۔

۲۔ بخاری، ایضاً، باب جف القلم علی علم الله، ح٦٥٩٦۔

۳۔ ترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء ان الله کتب کتابا لاهل الجنة واهل النار، ح ٢١٤١۔ صحیح ترمذی، ج٢، ص٢٢٥۔

''اپنے آپ کو (شریعت اور اچھے اعمال پر) قائم دائم رکھو اور (اس طرح اللہ کا) قرب تلاش کرو کیونکہ جو جنتی ہے اس کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوتا ہے خواہ اس نے (موت سے پہلے) کیسے بھی عمل کیے ہوں اور جو جہنمی ہے اس کا خاتمہ اہل دوزخ کے اعمال پر ہوتا ہے خواہ اس نے (موت سے پہلے) کیسے بھی عمل کیے ہوں''۔

گویا اچھے عمل جنت میں جانے کا سبب ہیں اور خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ بات بیان کی ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانے، وہ جنت میں جائے گا اور جو اس کے برخلاف کرے گا، اسے جہنم کے عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔ ایسی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱)...... ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾

''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں اور جو کوئی منہ پھیر لے، اسے وہ دردناک عذاب (سزا) دے گا''۔ [سورۃ الفتح: ۱۷]

(۲)...... ﴿ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

''اور جس نے بھی نیکی کی، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان دار ہو تو وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے''۔ [سورۃ المؤمن: ۴۰]

(۳)...... ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾ [سورة النساء: ١٢٢]

''جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ہم انہیں جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں، وہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو!''۔

اب جو کوئی نیک عمل کرتا ہے وہ گویا جنت میں جانے کا سبب اختیار کرتا ہے اور جس کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ جنت میں جائے گا، اس کی تقدیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جنت میں جانے کے لیے نیک عمل کی راہ اختیار کرے گا اور نیکی ہی پر مرے گا۔ اور جس کی تقدیر میں جہنم میں جانا لکھا ہے اس کے بارے میں یقیناً یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جہنمیوں والے عمل کرتے ہی مرے گا۔ اب اچھا یا برا عمل انسان کے اختیار میں ہے، وہ چاہے تو جنت میں جانے کے اسباب اپنا لے اور چاہے تو جہنم میں لے جانے والے ذرائع اختیار کر لے۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی کی قسمت میں اگر لکھا ہے کہ وہ صاحب اولاد ہوگا تو ظاہر ہے اس کا سبب بھی لکھا ہے کہ وہ شادی کرے گا اور پھر اسے اولاد کی نعمت سے نوازا جائے گا۔ اگر کوئی یہ سوچ کر عمل و اسباب چھوڑ دے اور شادی نہ کرے کہ ہاں اگر قسمت میں اولاد ملنا مقدر ہوا تو پھر شادی نہ کر کے بھی اولاد مل کر رہے گی تو کیا اسے اولاد ملے گی؟!

ظاہر ہے ایسے شخص کو سب بے وقوف کہیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اسباب بھی مقدر کا حصہ ہوتے ہیں مگر نجانے کیوں عمل کی دنیا میں آ کر ہم فوراً یہ بات بھول جاتے ہیں۔

لمبی زندگی اور موت کے اسباب

بعض لوگ زندگی اور موت کے سلسلہ میں اس شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ اگر پہلے سے موت کا وقت تقدیر میں طے شدہ ہے تو پھر خودکشی کرنے والا کیا اس وقت سے پہلے اپنے آپ کو مار لیتا ہے؟ اور کیا حفظانِ صحت کے اصولوں سے اس وقت میں اضافہ کر لینا بھی انسان کے اختیار میں ہوتا ہے؟؟

دراصل موت کے وقت مقررہ کے ساتھ اس کے اسباب بھی تقدیر میں لکھے ہوتے ہیں۔ یعنی اگر کسی کی موت خودکشی کے سبب آنی ہے تو وہ ایسے ہی آئے گی اور اسی وقت آئے گی جو پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ اور اگر موت کا ابھی وقت نہیں آیا تو خودکشی کرنے والا خواہ جتنی مرضی کوشش کر لے، اس وقت سے پہلے وہ مر نہیں سکتا۔ ہم کئی مرتبہ دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی مرنے کے لیے خودکشی کا ارتکاب کرتا ہے مگر اس کے باوجود اللہ اسے بچا لیتا ہے، اس لیے کہ اللہ کے ہاں (یعنی تقدیر میں) ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا تھا۔

اسی طرح حفظانِ صحت کے اصولوں کے حوالے سے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگر پہلے سے تقدیر میں لکھا ہے کہ ان اصولوں کے سبب سے کسی کی زندگی اس حد تک لمبی ہوگی تو پھر اللہ ہی اس شخص کو ان اسباب تک رسائی بھی دے دیتا ہے اور اگر اس کے برعکس کسی کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ فلاں اسباب کے ساتھ یہ بیمار ہوگا اور فلاں وقت میں مرے گا تو انہی اسباب کے ساتھ اسے اسی وقت مقرر پر موت آئے گی۔ گویا اصل چیز تقدیر ہے اور اس کے ساتھ اسباب بھی اس کا حصہ ہیں۔ اسے درج ذیل حدیث سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے:

((عَنْ اَبِیْ عِزَّةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَضَی اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهُ اِلَيْهَا حَاجَةً))[1]

''حضرت ابوعزۃ [یسار بن عبد ؓ] سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کی تقدیر میں یہ لکھا ہو کہ یہ فلاں جگہ مرے گا تو اسے اس جگہ جانے کی کوئی ضرورت ڈال دیتے ہیں''۔

علاج معالجہ کے اسباب اختیار کرنا بھی تقدیر کا حصہ ہے

بعض لوگ علاج معالجہ کے سلسلہ میں بھی تقدیر کا بہانہ بناتے ہیں کہ اگر قسمت میں شفا لکھی ہوئی تو بغیر علاج کے مل جائے گی اور نہ لکھی ہوئی تو نہیں ملے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے مگر اسلام میں شفا کے حصول کے لیے علاج سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت اسامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ

((قَالَتِ الْاَعْرَابُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اَلَا نَتَدَاوٰی؟ قَالَ نَعَمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ! تَدَاوَوْا، فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً اَوْ دَوَاءً اِلَّا دَاءً وَاحِدًا، فَقَالُوْا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا هُوَ؟ قَالَ اَلْهَرَمُ))

۱۔ ترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء ان النفس تموت حیث لا کتب لھا، ح۲۱۴۷۔

''کچھ دیہاتی لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا، اے اللہ کے رسول! کیا ہم دوا استعمال نہ کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ کے بندو! دوا استعمال کرو، بے شک اللہ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جس کی شفا اور دوا بھی ساتھ نہ اتاری ہو، سوائے ایک بیماری کے۔ انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون سی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ بڑھاپا ہے''۔[1]

نیز علاج معالجہ بھی تقدیر کا حصہ ہے، یہاں ہم ایک حدیث ذکر کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوگا کہ علاج معالجہ کے اسباب اختیار کرنا بھی تقدیر کا حصہ ہے۔

ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

((سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰى بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِيهَا، هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَيْئًا؟ قَالَ هِيَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ))[2]

''میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو ہم علاج کے لیے دوا استعمال کرتے ہیں اور دم جھاڑ وغیرہ کرواتے ہیں۔ کیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر میں کوئی تبدیلی کرتی ہیں؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ چیزیں بھی تقدیر کا حصہ ہیں''۔

اسی طرح بعض لوگ بیماری سے بچاؤ کے لیے پیشگی تحفظات کو تقدیر کے منافی سمجھتے ہیں، حالانکہ جس طرح بیماری کے بعد اس کا علاج کرانا تقدیر کے منافی نہیں، اسی طرح بیماری سے پہلے اس سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا بھی تقدیر کے منافی نہیں ہے۔
اس سلسلہ میں عہد صحابہ میں پیش آنے والا درج ذیل واقعہ بڑی واضح رہنمائی کرتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شام کے علاقے میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی، آپ کو علم نہیں تھا اور آپ صحابہ کے ساتھ ملک شام کی طرف سفر کر رہے تھے۔ راستے میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی آپ کو ملے اور انہوں نے آپ کو بتایا کہ شام میں طاعون کی وبا پھوٹی ہوئی ہے۔ تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ وہاں جائیں یا واپس لوٹ جائیں۔ مشورے میں مختلف آراء سامنے آئیں، بالآخر آپ نے مدینہ واپس لوٹنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ طاعون کی وبا سے محفوظ رہیں۔ جب حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ صورتحال دیکھی تو وہ عمرؓ سے کہنے لگے:

((أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ؟!))

''امیر المومنین! کیا اللہ کی تقدیر سے آپ بھاگنا چاہتے ہیں؟!''

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوعبیدہ! کاش آپ یہ بات نہ کرتے۔ (مراد یہ تھی کہ ابوعبیدہؓ کو تقدیر کے سلسلہ میں صحیح فہم ہونا چاہیے تھا، کوئی کم فہم یہ بات کرتا تو پھر ٹھیک تھا کہ اسے اس مسئلہ کی سمجھ نہیں)

۱۔ ترمذی، کتاب الطب، باب ما جاء فی الدواء والحث علیه، ح۲۰۳۸۔
۲۔ ترمذی، کتاب الطب، باب ما جاء فی الرقی، ح۲۰۶۵۔ القدر، ح۲۱۴۹۔ احمد، ج۳ص۴۲۱۔ حاکم، ج۴،ص۱۹۹۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک مثال دیتے ہوئے سمجھایا کہ بتایئے اگر آپ کے اونٹ ہوں اور آپ کے سامنے دو طرح کی زمینیں ہوں۔ ایک میں خوب اچھا چارہ ہو اور دوسری بنجر اور ویران ہو تو بتایئے آپ اگر اچھی چارے والی زمین میں جانوروں کو چراتے یا خشک اور بنجر زمین میں جانوروں کو چراتے تو دونوں صورتیں ہی تقدیر کا حصہ نہ ہوتیں؟ اسی دوران حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی آ گئے جو اپنے کسی کام کی وجہ سے کہیں ادھر ادھر تھے، انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو کہنے لگے کہ اس سلسلہ میں مجھے علم ہے کیونکہ میں نے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ

((اِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ))

''اگر تم سنو کہ کسی جگہ طاعون کی وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تم کسی ایسی جگہ ہو جہاں طاعون کی وبا پیدا ہو جائے تو طاعون سے بچنے کے لیے وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو''۔

یہ حدیث سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور وہاں سے واپس لوٹ آئے۔[1]

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے اعتراض پر فرمایا:

((نعم، نفر من قدر الله الی قدر الله))

''ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ ہی کی تقدیر کی طرف جا رہے ہیں''۔

مطلب یہ تھا کہ یہاں سے واپس جانا بھی تقدیر کا حصہ ہے اور آگے جانا بھی تقدیر کا حصہ۔ ہم نے واپسی کی راہ کو اختیار کیا تاکہ اس سبب کے نتیجے میں ہماری وہ تقدیر بنے جس میں اس سبب کی وجہ سے ہم طاعون کی بیماری سے بچ جائیں گے اور اگر ہم آگے جانے کا سبب اختیار کرتے تو پھر ہم بھی طاعون کا شکار ہوتے اور دونوں صورتوں میں تقدیر کے مطابق ہوتا، لہٰذا ہم نے عافیت والے سبب کو اختیار کیا اور ہمارا ایسا کرنا بھی تقدیر کا حصہ ہے۔

دعا بھی تقدیر کا حصہ اور دیگر اسباب کی طرح ایک سبب ہے

بعض لوگ دعا کے بارے میں شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ تقدیر تو پہلے سے طے شدہ ہے پھر دعا سے کیا فائدہ؟

حالانکہ دعا بھی دیگر اسباب کی طرح ایک سبب ہے، بالکل اسی طرح جس طرح شادی اولاد کے حصول کے لیے سبب ہے، یا کھانا بھوک مٹانے کا سبب ہے، دوا صحت اور شفا کے حصول کا سبب ہے۔ لہٰذا جس طرح یہ اسباب نہیں چھوڑے جاتے اسی طرح دعا کے سبب کو بھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ دعا کے بارے میں تو حکم ہے کہ دعا کی جائے اور احادیث میں ہے کہ جو شخص اللہ سے دعا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ))[2]

۱۔ بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، ح۵۷۲۹۔

۲۔ ترمذی، کتاب الدعوات، باب منه الدعاء مخ العبادة، ح۳۳۷۳۔

''جو شخص اللہ سے دعا نہ کرے اللہ اس پر غصہ کرتے ہیں''۔

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ دیگر اَسباب کے مقابلہ میں دعا زیادہ مؤثر سبب ہے۔لیکن جب دعا قبول ہوتے دکھائی نہیں دیتی تو بعض لوگ تقدیر کے سلسلہ میں کئی شبہات کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ایک شخص کہنے لگا کہ میں نے آٹھ دس ماہ مسلسل تہجد کے وقت اٹھ کر اللہ سے ایک نیک کام کی دعا کی،مگر اس کے باوجود میری دعا قبول نہ ہوئی۔ظاہر ہے میری تقدیر میں وہ چیز نہیں لکھی تھی،اس لیے دعا کے باوجود نہ مل سکی۔اور اگر وہ چیز میری تقدیر میں لکھی ہوتی تو پھر میرے دعا کرنے کے بغیر بھی مل جاتی!

یہ شبہ کئی لوگوں کو ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں اگر درج ذیل حدیث پیش نظر رہے تو یہ شبہ دور ہو سکتا ہے:

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَدْعُوْ بِدَعْوَۃٍ لَیْسَ فِیْھَا اِثْمٌ وَلَا قَطِیْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ بِھَا اِحْدٰی ثَلَاثٍ اِمَّا اَنْ تُعَجَّلَ لَہٗ دَعْوَتُہٗ وَاِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَھَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَاِمَّا اَنْ یُّصْرَفَ عَنْہُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَھَا قَالُوْا اِذًا نُکْثِرُ قَالَ: اَللّٰہُ اَکْثَرُ))[1]

''حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان بھی دعا کرے اور اس میں کوئی گناہ اور قطع رحمی کی بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا کرتے ہیں:

۱۔ یا تو اس کی دعا کے لیے جلدی کر دی جاتی ہے (یعنی دنیا میں دعا قبول ہو جاتی ہے)۔

۲۔ یا اس دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ (ثواب) بنا دیا جاتا ہے۔

۳۔ یا اس دعا کے بدلے آنے والی کسی مصیبت کو ٹال دیا جاتا ہے۔

صحابہ کہنے لگے کہ پھر تو ہم بہت زیادہ دعا کریں گے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ کے خزانے اس سے بھی زیادہ ہیں''۔

مذکورہ بالا تین صورتیں دعا کی قبولیت ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔یعنی یا تو قبولیت کی شکل یہ ہوتی ہے کہ انسان جو کچھ دنیا میں مانگتا ہے،وہی اسے مل جاتا ہے۔یا دنیا میں کچھ نہیں ملتا مگر ان تمام دعاؤں کو آخرت میں اجر وثواب بنا دیا جاتا ہے اور یا قبولیت کی تیسری شکل یہ ہوتی ہے کہ اس دعا کی برکت سے دعا کرنے والے کو آنے والی کسی اور مصیبت سے پیشگی محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

اب پہلی صورت جس میں دعا دنیا میں قبول ہوتی ہے،یہ تو سب کو معلوم ہو جاتی ہے مگر باقی دو صورتیں چونکہ ہمارے علم میں نہیں ہوتیں،اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ شاید دعا قبول نہیں ہوئی۔

اس حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انسان کو چاہیے کہ بکثرت دعا کرے،جیسا کہ صحابہ کرامؓ یہ حدیث سنتے ہی نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ پھر تو ہم بہت زیادہ دعا کیا کریں گے۔اب اگر دعا بے فائدہ چیز ہوتی تو نبی کریم ﷺ لوگوں کو نہ یہ حدیث سناتے اور نہ ان کی رغبت اور شوق کی حوصلہ افزائی فرماتے۔اسی طرح کئی اور احادیث میں آپ ﷺ نے دعا کو عبادت کی روح اور مغز قرار دیا ہے۔

۱۔ احمد، ح۱۰۷۰۹۔ صحیح الترغیب والترھیب،للالبانی، ح۱۶۳۳۔ صحیح الجامع الصغیر، ح۵۷۱۴۔

توکل اور تقدیر

اسلام میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سہارا سمجھے اور اسی پر حقیقی توکل کرے، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ [سورة المائدة:٢٣]

''اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو''۔

﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾[سورة الطلاق:٣]

''جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے، اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔''

ایسی آیات کے پیش نظر بعض لوگوں کو یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ شاید اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی ہے، حالانکہ یہ چیز توکل کے منافی ہرگز نہیں ہے۔ توکل یہ ہے کہ انسان عمل سے پہلے بھی یہی ایمان رکھے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے مقدر ہے۔ اور پھر عمل اور اسباب کو اختیار کرتے ہوئے بھی یہی سوچ کارفرما ہو کہ یہ بھی تقدیر کا حصہ ہے پھر اس کے بعد وہ اپنے عمل اور کوشش وغیرہ کے نتائج کو اللہ کے سپرد کر دے کہ جتنی محنت اور کوشش میرے لیے ممکن تھی، وہ میں نے کر لی ہے، باقی نتیجہ اب اللہ کے سپرد۔ اگر اللہ نے میری قسمت میں یہ لکھا ہوا ہے تو میری اس محنت اور کوشش کے سبب کو اختیار کرنے کے بعد یہ میرے مقدر میں ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا   پھر اس خنجر کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا:

((يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَعْقِلُهَا وَ اَتَوَكَّلُ اَوْ اُطْلِقُهَا وَ اَتَوَكَّلُ؟ قَالَ: اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ))[1]

''اے اللہ کے رسول! میں جانور (اونٹ وغیرہ) کو باندھو پھر اللہ پر توکل کروں یا اللہ پر توکل اور بھروسہ کر کے اُسے کھلا چھوڑ دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے باندھو پھر اللہ پر توکل کرو''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ توکل کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اسباب اختیار نہ کرے بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ انسان پہلے اسباب اختیار کرے اور ممکنہ حد تک خود کوشش کرے پھر نتیجے کے بارے میں اللہ پر توکل کرے۔

٣۔ کیا تقدیر بدل سکتی ہے؟

مسئلہ تقدیر کے بارے میں بعض نصوص (آیات و احادیث) سے ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تقدیر میں سب کچھ لکھا جا چکا ہے اور تقدیر میں تبدیلی نہیں ہوتی تو پھر دعا وغیرہ کے ساتھ اس میں کمی بیشی یا تبدیلی کیونکر ہوتی ہے۔

١۔ ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب حديث اعقلها و توكل، ح٢٥١٧۔

جواب

تقدیر میں تبدیلی ہوتی ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں قرآن مجید میں دو طرح کی آیات ملتی ہیں۔ ایک وہ آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور ایک وہ آیات ہیں جن میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ تقدیر میں اللہ چاہیں تو تبدیلی بھی کر دیتے ہیں۔

مثلاً تقدیر میں تبدیلی اور کمی بیشی کے بارے میں ایک آیت میں اس طرح کہا گیا ہے:

﴿ يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴾ [سورة الرعد: ٣٩]

''اللہ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح محفوظ اسی کے پاس ہے''۔

اسی طرح حضرت نوح کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

﴿ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ [سورة نوح: ٣]

''تم اللہ کی عبادت کرو، اور اسی سے ڈرو اور میرا کہا مانو تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک وقت مقررہ تک چھوڑ دے گا۔ یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا، کاش تمہیں سمجھ ہوتی!''

ان کی مطلب یہ تھا کہ اگر تم نیک عمل کرو گے تو اللہ تمہیں مزید مہلت دے گا، گویا جو مہلت پہلے تقدیر میں لکھی جا چکی ہے، اس میں اضافہ ہو جائے گا۔

جبکہ کئی ایک آیات میں ہے کہ جو چیز تقدیر میں لکھی جا چکی، اس میں ایک لمحہ ولحظہ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی، مثلاً موت کے وقت مقررہ کے بارے میں یہ حقیقت اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴾[سورة الاعراف: ٣٤]

''اور ہر گروہ کے لیے ایک میعاد معین ہے پس جس وقت ان کی میعاد معین آ جائے گی، اس وقت وہ ایک ساعت بھی نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے''۔

﴿ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴾

''کسی بستی کو ہم نے ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لیے مقررہ نوشتہ تھا۔ کوئی گروہ اپنی موت سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے رہتا ہے''۔ [سورۃ الحجر: ۴، ۵]

اسی طرح بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے ذریعے تقدیر بدل جاتی ہے جیسا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ))

''کوئی چیز تقدیر کو ٹالتی نہیں سوائے دعا کے اور نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے''[1]۔

اسی طرح بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی کے ذریعے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُبْسَطَ لَهُ فِیْ رِزْقِهٖ وَاَنْ یُنْسَاَ لَهُ فِیْ اَثَرِهٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَهُ))[2]

''جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کے نشان قدم (باقی رکھنے میں) طوالت دی جائے (یعنی عمر میں اضافہ (یا بقول بعض) برکت دی جائے) تو اسے چاہیے کہ اپنی رشتہ داری کو ملائے''۔

ایک حدیث میں ہے: ((صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ))[3]

''رشتہ داری ملانے سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے''۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''آدمی گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے اور صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے''۔[4]

تعارض کا حل

ان دو طرح کی بظاہر متعارض آیات اور اسی طرح تقدیر میں تبدیلی سے متعلقہ احادیث کے پیش نظر علمائے اہل سنت نے تقدیر اور قضا کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے؛ ایک کو قضائے مبرم کہا جاتا ہے اور دوسری کو قضائے معلق۔ قضائے مبرم سے مراد وہ تقدیر ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور یہ اللہ کے پاس ہے۔ لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے، وہ یہی تقدیر ہے اور کسی انسان، فرشتے یا جن کی اس تک رسائی نہیں ہے، یعنی اللہ کے علاوہ کوئی بھی اس کے بارے میں نہیں جانتا۔

قضائے معلق سے مراد وہ تقدیر ہے جس میں مختلف اسباب کے ساتھ تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ یہ تقدیر اللہ نے فرشتوں کے سپرد کر رکھی ہے اور جب بھی اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں ہی کو حکم دیتے ہیں کہ اس میں فلاں فلاں تبدیلی کر دو۔ جن آیات اور احادیث میں تقدیر میں تبدیل کے بارے میں ذکر ملتا ہے، ان سے مراد اسی تقدیر میں تبدیلی ہے اور اس میں جو تبدیلی کی جاتی ہے، وہ بالآخر اسی تقدیر کے مطابق کی جاتی ہے جو اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ گویا اصل تقدیر جس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، وہ وہی ہے جو اللہ کے علم میں ہے۔

صلہ رحمی کے ذریعے موت کے وقت اور رزق میں اضافہ سے متعلقہ روایت کے بارے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اَجل (یعنی موت کی مدت معینہ) دو طرح کی ہے: ایک کو اَجل مطلق کہا جاتا ہے جس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور

۱۔ ترمذی، کتاب القدر، باب ما جاء لا یرد القدر الا الدعاء، ۲۱۳۹۔
۲۔ بخاری، کتاب الادب، باب من بسط له فی الرزق بصلة الرحم، ح۵۹۸۵۔
۳۔ صحیح الجامع الصغیر، ح۳۷۶۶۔ الصحیحة، ح۱۹۰۸۔
۴۔ مسند احمد، ج۵ ص۲۷۷۔

دوسری کو اجل مقید کہا جاتا ہے، یہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرشتے کو حکم دیتے ہیں کہ وہ بندے کی اجل (مدت معین) لکھ دے اور اگر بندہ صلہ رحمی کی نیکی کرتا ہے تو اللہ فرشتے کو حکم دیتے ہیں کہ اس کی اس مدت اور رزق میں اضافہ کر دو۔ فرشتے کو تو علم نہیں ہوتا کہ اس تقدیر میں یہ تبدیلی کی جائے گی یا نہیں لیکن اللہ کو قطعی طور پر اس کا علم ہوتا ہے (کہ اس کی مدت فلاں حد تک ہے) اور جب (اللہ کے علم کے مطابق) وہ مدت آ جاتی ہے تو پھر اس میں نہ جلدی کی جاتی ہے اور نہ مہلت دی جاتی ہے''۔ (۱)

حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھتے ہیں:

''جو کچھ اللہ کے علم میں پہلے سے موجود ہے، اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، جس تقدیر میں تبدیلی ہوتی ہے، یہ وہ ہے جو لوگوں کے سامنے کسی عمل کرنے والے کے عمل کے بارے میں ظاہر ہوتی ہے اور اس کا تعلق انسان کے ساتھ مامور فرشتوں کے ساتھ ہے (جن کے پاس انسان کی تقدیر لکھی ہوتی ہے) پس جو تقدیر ان فرشتوں کے پاس ہے، اس میں تبدیلی اور ردو بدل ہوتا ہے مثلاً عمر میں کمی بیشی وغیرہ۔ اور جو تقدیر اللہ کے علم میں ہے، اس میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ کوئی حک واضافہ اور اصل علم اللہ ہی کے پاس ہے''۔ (۲)

دوسرا اسلوب

بعض اہل علم اس مسئلہ میں یہ رائے دیتے ہیں کہ تقدیر ایک ہی ہے جو لکھی جا چکی، اور اسباب کے ذریعے اس میں تبدیلی سے متعلقہ آیات یا احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ اس تقدیر میں تبدیلی ہوتی ہے، بلکہ اس سے مراد:

۱۔ یا تو برکت اور عدم برکت ہے یعنی عمر یا رزق میں حسی طور پر اضافہ نہیں ہوتا بلکہ معنوی طور پر برکت ہوتی ہے۔

۲۔ یا اگر برکت کا مفہوم مراد نہ لیا جائے بلکہ حقیقتاً تبدیلی ہی مراد لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اسباب اور ان کے ذریعے ہونے والی تبدیلی بھی اسی تقدیر میں پہلے سے لکھی جا چکی ہے۔ لہٰذا جو شخص اسباب اختیار کرتا ہے، اس کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے کہ یہ فلاں فلاں اسباب اختیار کرے گا اور اس کے نتیجے میں اس کی تقدیر یہ بنے گی۔ اور جو اسباب اختیار نہیں کرتا، اس کی تقدیر ہی مین لکھا ہوتا ہے کہ یہ فلاں فلاں اسباب اختیار نہیں کرے گا اور اس کے نتیجہ میں اس کے ساتھ یہ کچھ ہوگا جو اسباب اختیار نہ کرنے کی وجہ سے بالعموم متوقع ہوتا ہے۔

۴۔ تقدیر اور ہدایت و گمراہی کا مسئلہ

قرآن مجید کی بعض آیات اور اسی طرح بعض صحیح احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ کے حکم سے ہے اور انسان اس سلسلہ میں مجبور ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے کسی کی گمراہی کا فیصلہ کر دیا گیا ہے تو پھر وہ کبھی راہ ہدایت نہیں پا سکتا اور اگر اللہ کی طرف سے ہدایت کی توفیق ہو جائے تو پھر کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اس مفہوم کی چند آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مجموع الفتاوی، ج۸، ص۵۱۷۔ ۲۔ فتح الباری، ج۱۱، ص۴۸۸۔

(۱)...... ﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ﴾ [سورة الانعام:۱۲۵]

''پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ (سیدھے) راستہ پر ڈالنا چاہے، اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہے، اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے''۔

یعنی جس طرح آسمان کی طرف قدم اٹھا کر اوپر چڑھنا ممکن نہیں، اسی طرح بے راہ کے لیے راہ ہدایت کی طرف آنا ممکن نہیں۔

(۲)...... ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ﴾ [سورة الاعراف: ۱۵۵]

''یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جسے چاہے ہدایت پر قائم رکھے''۔

(۳)...... ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴾ [سورة الكهف:۱۷]

''اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے، وہ راہ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے، ناممکن ہے کہ آپ اس کے لیے کوئی کارساز اور رہنما پائیں''۔

(٤)...... ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [سورۃ فاطر:۸]

''یقیناً اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے''۔

یہی مضمون بعض احادیث میں بھی بیان ہوا ہے۔ ان آیات اور احادیث کو جب تک اسلام کے وسیع دائرے اور دیگر آیات و احادیث کے ساتھ ملا کر نہ سمجھا جائے تب تک اس کا صحیح معنی و مفہوم واضح نہیں ہو سکتا بلکہ صرف اسی یک طرفہ مفہوم کو اخذ کر لینے سے بہت سے اور شبہات اور اعتراضات پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً:

۱۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے پوری صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے۔ اب اگر پہلے ہی سے اللہ نے کسی کے لیے گمراہی کا فیصلہ کر دیا ہے تو پھر اس گمراہی کی راہ پر چلنے والے کو اس بات پر سزا دینا یقیناً ظلم ہے کہ تم نے گمراہی کی راہ اختیار کیوں کی؟ اور اللہ کی عدالت میں وہ کہہ سکتا ہے کہ یا اللہ! مجھے تیری طرف سے اختیار ہی نہ تھا کہ میں ہدایت کی راہ پر چلتا، اس لیے مجھے سزا کس بات کی؟!

بلکہ قرآن مجید میں بعض کفار کی ٹھیک یہی بات کئی جگہ بیان بھی کی گئی کہ انہوں نے اللہ پر اعتراض کرتے اور اپنی تقدیر کا بہانا بناتے ہوئے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک اور گمراہی کی راہ اختیار نہ کرتے، جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے:

﴿ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾

''یہ مشرکین (یوں) کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز

کوحرام کہہ سکتے۔(اللہ فرماتے ہیں)اسی طرح جولوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی''۔

۲۔ اسی طرح اس یک طرفہ موقف پرایک یہ اعتراض بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے پہلے سے فیصلہ کرلیا ہے کہ اتنے لوگوں کو گمراہی اور جہنم کی راہ پر ڈالنا ہے اوراتنوں کو جنت کی،تو پھر گمراہی اور جہنم کی راہ پر جانے والوں سے قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے کہ گمراہی اور جہنم کی راہ پر نہ چلو، بلکہ ہدایت اور جنت کی راہ پر چلو۔یہ تو عجیب بات ہے کہ ایک بندے کوخود ہی ایک راہ پر زبردستی چلا دیا جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جائے کہ اس پر نہ چلو، بلکہ دوسری راہ پر چلواور ادھر دوسری راہ پر چلنے بھی نہ دیا جائے......!!

یہ رویہ تو ایک انسان بھی دوسرے کے ساتھ اختیار کرے تو اس کی سخت مذمت کی جاتی اور اسے برا سمجھا جاتا ہے تو پھر اللہ کے بارے میں یہ کیسے فرض کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی انسانوں کے ساتھ اس طرح کا رویہ اختیار کرتے ہیں،معاذ اللہ ایسا تو سوچنا بھی نہیں چاہیے!

اصل حقیقت کیا ہے؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کوخیر اور توحید کی فطرت پر پیدا کیا ہے۔جب کہ اس کا ماحول،معاشرہ،حالات اور والدین وغیرہ اسے یا تو اسی فطرت پر قائم رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ خود بھی اس فطرت پر قائم ہوں یا پھر یہ سب مل کر یا ان میں سے کوئی ایک چیز اس انسان کی فطرت سلیمہ کو مسخ کر کے اسے غلط راہ پر چلنے کا سبب بن جاتی ہے۔اس بات کی تائید درج ذیل دو حدیثوں سے ہوتی ہے:

۱۔ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ)) (۱)

''ہر نومولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین (اگر یہودی ہوں) تو اسے یہودی بنا دیتے ہیں (عیسائی ہوں تو) عیسائی بنا لیتے ہیں (اور مجوسی ہوں تو) مجوسی بنا لیتے ہیں''۔

۲۔دوسری حدیث حضرت عیاض رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَاِنِّىْ خَلَقْتُ عِبَادِىْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَاِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَاَمَرَتْهُمْ اَنْ يُشْرِكُوْا بِىْ مَا لَمْ اُنْزِلْ بِهٖ سُلْطَانًا......)) (۲)

۱۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب ماقیل فی اولاد المشرکین، حدیث ۱۳۸۵۔

۲۔ مسلم، کتاب الجنة، باب الصفات التی یعرف بھا فی الدنیا اھل الجنة واھل النار، ح ۲۸۶۵۔

''بے شک میں نے اپنے بندوں کو شرک سے پاک (یعنی دینِ فطرت پر) پیدا کیا ہے پھران کے پاس شیطان آئے جنھوں نے انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں، وہ شیطانوں نے ان کے لیے حرام کر دیں اور شیطانوں نے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ یہ میرے ساتھ شرک کریں، جب کہ اس شرک کے حق میں، میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری''۔

اب ان دلائل سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ نے انسان کو ہدایت اور خیر کی فطرت پر پیدا کیا ہے مگر انسان شیطانی ہتھکنڈوں، اپنے نفس کے وسوسوں اور نفسانی خواہشات یا غلط سوسائٹی اور برے ماحول کی وجہ سے گمراہی کی راہ پر چل نکلتا ہے اور گمراہی کی راہ پر چلتے چلتے بعض اوقات وہ اتنی دور نکل جاتا ہے کہ واپسی کا سوچنا بھی اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہی نہیں کہ میں خیر اور ہدایت کی راہ پر واپس پلٹ آؤں۔ اور ظاہر ہے جو خود ہی یہ فیصلہ کر لے تو پھر اللہ بھی غنی اور بے پرواہ ہے، اللہ کو کیا ضرورت کہ اسے زبردستی ہدایت کی راہ پر لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون نہیں کہ انسانوں کو اختیار دینے کے بعد زبردستی ہدایت کی راہ پر لایا جائے اور نہ ہی زبردستی اللہ انہیں گمراہی کی راہ پر دھکیلتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کی جن آیات میں گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے، ان میں اکثر و بیشتر آیات میں اس کی وضاحت بھی ملتی ہے کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں بات کی گئی ہے جو خود ہی گمراہی کو پسند کر لیتے ہیں۔ ایسی چند آیات ذیل میں ملاحظہ کریں:

(۱)...... ﴿ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ﴾ [سورة البقرة: ۱۰]

''ان (کافروں) کے دلوں میں بیماری تھی، پس اللہ نے انہیں بیماری میں اور بڑھا دیا''۔

یعنی ان کے دلوں میں پہلے ہی بیماری تھی اور وہ خود ہی ایک چیز کو نہیں چاہتے تھے، اس لیے اللہ نے بھی ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ انہی کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے:

(۲)...... ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾ [سورة البقرة:۷]

''اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے''۔

(۳)...... ﴿ وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴾ [سورة البقرة: ۲٦]

''اور اللہ اس (مچھر وغیرہ کی مثال) کے ساتھ صرف فاسقوں ہی کو گمراہ کرتا ہے''۔

(٤)...... ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ﴾ [سورة المائدة:۱۳]

''پھر ان (بنی اسرائیلیوں) کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرما دی اور ان کے دل سخت کر دیے''۔

یعنی اگر وہ عہد شکنی کا جرم نہ کرتے تو اللہ کی لعنت اور دلوں کی سختی کی سزا سے بچ جاتے اور ہدایت پاتے۔

(٥)...... ﴿ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ [سورۃ النساء: ۱۱۵]

''اور جو کوئی باوجود راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بھی رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے تو ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا، اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے''۔

یہ آیت اپنے موضوع پر بالکل واضح ہے کہ جو خود ہی غلط راہ کو پسند کر لیتا ہے، پھر اللہ بھی اسے اسی طرف دھکیل دیتے ہیں۔

(٦)...... ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [سورۃ المائدۃ: ٥١]

''اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا''۔

(٧)...... ﴿فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [سورۃ الاعراف: ٣٠]

''بعض لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی ہے، (یہ گمراہ ہونے والے وہ ہیں کہ) ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنالیا ہے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ راہ راست پر ہیں''۔

اب ظاہر ہے ایک شخص خود ہی شیطان کی پیروی پر راضی ہو جائے تو پھر اللہ کو کیا ضرورت کہ اسے زبردستی اپنی راہ پر چلائے۔

(٨)...... ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [سورۃ الصف: ٥]

''پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا''۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے ہدایت کا راستہ انہی لوگوں سے بند کیا جاتا ہے جو پہلے ہی اسے اپنے لیے بند کیے بیٹھے ہوں اور خود ہی اس طرف آنا پسند نہ کرتے ہوں ورنہ جو لوگ ہدایت کی راہ پسند کرتے ہیں اور اس طرف قدم اٹھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہدایت کی راہ کو اور واضح اور آسان بنا دیتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا وَمَنْ آتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً))

''اگر میرا بندہ میری طرف ایک بالشت (انگوٹھے سے چھنگلی انگلی تک کی مقدار) برابر آتا ہے، میں اس کی طرف ایک بازو (گز) برابر آتا ہوں اور جو میری طرف ایک بازو برابر آتا ہے، میں اس کی طرف دونوں بازوؤں کے پھیلاؤ برابر آتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے''۔[1]

١۔ بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ: ویحذرکم اللہ نفسہ۔

فصل ۴

تقدیر پر ایمان لانے کے فوائد

تقدیر کے بارے میں اسلام نے جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے، اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ ان میں سے چند ایک کی طرف یہاں اشارہ کیا جارہا ہے:

اللہ کی وحدانیت وعظمت کا اقرار اور شرک سے بچاؤ

تقدیر پر ایمان لانے سے انسان کے ذہن میں اللہ کی وحدانیت اور اس کی قدرت وعظمت اُجاگر ہوتی ہے۔ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس دنیا میں اللہ ہی کی فرمانروائی قائم ہے، کوئی اور طاقت اس کے مقابلہ میں کھڑی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کوئی اس کی مشیت کے بغیر یہاں کچھ کرسکتا ہے۔ جہاں تک انسانی اختیار کی بات ہے تو اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ اختیار بھی اس اللہ ہی نے ایک محدود دائرے اور محدود وقت تک کے لیے دنیا میں اپنے بندوں کو خود دیا ہے کہ وہ اپنی اس محدود مرضی اور اختیار سے خیر یا شر جو راہ چاہیں اپنائیں اور روزِ قیامت اسی اختیار کی بنیاد پر انسان سے اس کے اعمال کا حساب کتاب لیا جائے گا۔

جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ شر کا خالق انسان ہے یا کوئی اور طاقت ہے جو شر پیدا کرتی ہے تو دونوں صورتوں میں انہوں نے گویا اللہ کے ساتھ شریک تسلیم کرلیا حالانکہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ ہر چیز کا خالق وہ اکیلا ہے، یہ الگ بات ہے کہ خیر کی طرح شر کا وجود بھی اس کی حکمت سے خالی نہیں بلکہ یہ بھی اس کی حکمتوں کے تابع ہے اور انسان کو اختیار دے کر وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ انسان خیر کی راہ اپناتا ہے یا شر کی، اور اگر کوئی شر کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا روزِ قیامت مؤاخذہ کیا جائے گا۔

صبر وشکر

تقدیر پر ایمان لانے سے انسان میں صبر وشکر والا رویہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تقدیر کو تسلیم کرنے والا انسان جانتا ہے کہ اسے جو نعمت ملتی ہے وہ اللہ کا فضل ہے، گو کہ اس میں اس کی اپنی محنت بھی شامل ہوتی ہے مگر ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ یہ محنت بھی تبھی کارگر ثابت ہوتی ہے جب اللہ کی طرف سے اس کا بارآور اور فائدہ مند ہونا مقدر ہو ورنہ ہزاروں محنتیں اللہ نہ چاہے تو رائیگاں بھی چلی جاتی ہیں۔

اسی طرح تقدیر پر ایمان رکھنے والا ایک مسلمان نقصان اور مصیبت پہنچنے پر یہی یقین رکھتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے مقدر تھا، اس لیے ایسا ہو کر ہی رہنا تھا۔ یہ رویہ اور سوچ انسان کو عاجز کردینے اور عمل سے روک رکھنے کی بجائے ایک طرف اسے صبر اور حوصلہ دلاتی ہے اور دوسری طرف اس میں مزید اس بات کی رغبت پیدا کرتی ہے کہ اسے پھر سے اللہ پر توکل کرکے محنت کرنی چاہیے کیونکہ ضروری نہیں کہ اس کے مقدر میں ہمیشہ نقصان اور خسارہ ہی لکھا ہو۔

شکر اور صبر کے اس رویے کو درج ذیل حدیث میں ایک مومن شخص کے لیے عمدہ ترین چیز قرار دیا گیا ہے:

((عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ فَصَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ))[1]

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بے شک مومن کا معاملہ اتنا عمدہ ہے کہ کوئی غیر مومن اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اگر مومن شخص کو کوئی خوشی ملتی ہے تو وہ اس پر (اللہ کا) شکر ادا کرتا ہے اور یہ (اللہ کا شکر) اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے بہتر ہے''۔

اطمینانِ قلب

اسی طرح تقدیر پر ایمان رکھنے والا مسلمان آدمی اپنے سے زیادہ مالدار، صحت مند، خوشحال اور خوش شکل کو دیکھ کر حسرت اور افسوس کی وادیوں میں گم ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ یہ ایمان رکھتا ہے کہ یہ سب اللہ کی تقسیم ہے جو دنیا کی حد تک ہے اور اسے میں اپنی قوت اور زورِ بازو سے بدل نہیں سکتا، اس لیے مجھے اسی پر صبر کرنا چاہیے اور اپنی آخرت کو بہتر بنانے کے لیے اللہ کے اَحکام پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اُخروی زندگی میں مجھے وہ سب مل جائے جس کا دنیا میں کوئی انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ رویہ اور سوچ اس کی زندگی میں سکون اور راحت پیدا کرتی ہے اور اسے قلبی طور پر ایک ایسا اطمینان حاصل ہوتا ہے جو بڑے بڑے شاہوں اور مالداروں کو بھی کم ہی نصیب ہوتا ہے۔ لیکن جس شخص کو تقدیر پر یقین نہ ہو یا یقین کمزور ہو تو وہ چھوٹی چھوٹی مشکلات پر اتنا غم لے لیتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ کئی جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

خشیتِ الٰہی

تقدیر پر ایمان رکھنے والا چونکہ اس حقیقت کو سمجھتا ہے کہ اچھا اور برا سب کچھ اللہ کی طرف سے مقدر ہوتا ہے، اس لیے وہ ہمیشہ اللہ کے حضور عاجزی اختیار کرتا اور اس کا متقی بندہ بن کر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے اگر مال و دولت اور عزت و شہرت ملتی ہے تو وہ سرکشی اور بغاوت کی راہ اختیار نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ اللہ کے حضور خشوع و خضوع اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قارون کی اور حضرت سلیمانؑ کی مثالوں سے سمجھا دیا کہ ایک سرکش بندہ مال و دولت اور عزت و شہرت پا کر کیا راہ اختیار کرتا ہے اور ایک اللہ کا فرمانبردار بندہ ایسی صورت میں کیا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔

مثبت سوچ

تقدیر پر ایمان رکھنے والا ہمیشہ مثبت سوچ اپناتا ہے۔ نقصان ہو جانے پر وہ یہ سوچ کر جدوجہد چھوڑ نہیں دیتا کہ میری تو قسمت ہی ایسی تھی۔ یا اپنے آپ کو اور ان ذرائع کو کوستا اور لعن طعن نہیں کرتا رہتا جن کی وجہ سے اسے کوئی مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے

۱۔ مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب امر المومن کلہ خیر، ح۲۹۹۹۔

اور نہ ہی اسی دکھ اور پریشانی میں اپنی انرجی ضائع کرتا ہے بلکہ مصیبت پر وہ یہی کہتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ایسا ہی مقدر تھا اور پھر مزید مثبت سوچ کے ساتھ وہ تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ایک نقصان ہوا تو اس کی تلافی کے لیے پہلے سے زیادہ محنت اور توجہ سے کام لیتا ہے اور جن مادی اسباب کی وجہ سے وہ نقصان ہوا، آئندہ ان سے بچاؤ کی تدابیر کرتا ہے اور اس سلسلہ میں خود اپنی سستی اور کاہلی کو بھی دور کرتا ہے۔

عزیمت و استقامت

تقدیر پر ایمان رکھنے والا بندہ ہمیشہ عزیمت و استقامت کی راہ اختیار کرتا ہے، اس لیے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ زندگی، موت، صحت، بیماری، خوشی، غمی، عزت، ذلت ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وقت سے پہلے کوئی موت نہیں دے سکتا۔ جو لقمہ منہ میں جانا ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے چھین نہیں سکتی۔ اگر اللہ نے عزت رکھنی ہے تو دنیا والے اس عزت کو ذلت میں بدل نہیں سکتے۔

اس لیے ہر نازک اور پر خطر موقع پر ایسا بندہ اللہ پر توکل کرتا ہے اور حق کے لیے ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کے لیے عزیمت و استقامت کی راہ پر چلنا آسان بنا دیتے ہیں۔

یہی وہ عقیدہ ہے جس نے مسلمانوں کو ہمیشہ حق کی راہ میں لڑ مرنے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہر طاقت سے ٹکرا جانے کا حوصلہ دیا......!!

فصل ۵

تقدیر، قسمت شناسی اور مستقبل بینی

تقدیر کے بارے میں اب تک جتنی بحث کی گئی ہے، اس سے کم از کم یہ حقیقت سمجھ آ جانی چاہیے کہ تقدیر اللہ کا راز ہے، جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے تقدیر شناسی اور مستقبل بینی کی ہر وہ کوشش جس سے انسان اپنی تقدیر پیشگی معلوم کر سکے، سراسر جھوٹ اور حماقت کی بات ہے۔ سچے خواب کے ذریعے انسانی تقدیر یا مستقبل کے کسی معاملہ کی طرف اشارہ ممکن ہے مگر خوابوں پر انسان کو کوئی طاقت اور قوت حاصل نہیں۔ اسی طرح دعا کے علاوہ انسان کے پاس کوئی اور ایسی طاقت نہیں ہے کہ جس کے ذریعے وہ اپنی تقدیر میں حسب منشا کوئی تبدیلی کر سکے۔ دعا سے بھی وہ تقدیر تبدیل ہوتی ہے جو فرشتوں کے پاس لکھی ہوتی ہے اور جسے فقہی وکلامی لٹریچر میں 'تقدیر معلق' کہا جاتا ہے اور یہ تبدیلی بھی اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، انسان کی مرضی اور چاہت سے نہیں۔ یعنی ایسا نہیں کہ انسان جب چاہے اور جو چاہے دعا کے ذریعے اس میں تبدیلی کروا لے۔ دعا کرنا اور اس کا قبول ہو جانا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں لینا چاہیے کہ دعا بے فائدہ ہے اور انسان کو دعا نہیں کرنی چاہیے۔ دعا کرنی چاہیے اور اس کے اسلامی آداب وضوابط کے ساتھ کرنی چاہیے۔

ہمارے ہاں جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بعض علوم ایسے ہیں جن سے انسان اپنی قسمت معلوم کر لیتا ہے۔ بالخصوص دست شناسی، اعداد و جفر اور علم نجوم وغیرہ کو اس سلسلہ میں مؤثر علوم کی حیثیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی چیز بھی مستند اور مؤثر نہیں ہے۔ ان علوم کی پوری تفصیل تو ہماری دوسری کتاب: ''انسان اور کالے پیلے علوم'' میں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں، یہاں صرف اختصار کے ساتھ چند چیزوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ!

۱۔ دست شناسی/Palmistry اور قسمت وتقدیر

جاہل اور وہمی قسم کے لوگوں میں دست شناسی (پامسٹری) کو غیب دانی اور مستقبل بینی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ پیشہ وَر دست شناس (پامسٹ/Palmist) حضرات تو اسے ایک سائنٹیفک علم ثابت کرتے نہیں تھکتے۔ یہ لوگوں کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر ان کے ماضی اور اَخلاق و کردار کے بارے میں یا ان کے مستقبل اور قسمت کے بارے میں غیبی معلومات کا دعویٰ کرتے ہیں اور مستقبل کے حوالے سے پیش گوئیاں بھی کرتے ہیں۔

پامسٹ حضرات کا کہنا ہے کہ انسان کے ایک ہاتھ کی لکیروں میں اس کے ماضی کا ریکارڈ ہوتا ہے، دوسرے میں مستقبل کا اور دونوں کو ملا کر دیکھنے سے اس کے سیرت و کردار کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا واقعی دست شناسی کے حوالے سے یہ بات درست ہے؟ اگر درست ہے تو کس بنیاد پر؟ اور بحیثیت مسلمان

کیا ہمیں اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کے ثبوت کے لیے قرآن وحدیث سے کوئی دلیل مانگیں؟

دست شناس تو قرآن وحدیث کے حوالے سے اپنے حق میں ہمیں کوئی دلیل نہیں دیتے مگر جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان دست شناسوں کے موقف کے خلاف بے شمار دلائل ملتے ہیں مثلاً قرآن مجید میں بارہا یہ کہا گیا کہ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ تقدیر اور قسمت اللہ نے طے کر رکھی ہے اور اس کا علم بھی کسی کے پاس نہیں۔ لہٰذا اگر ہاتھوں کی لکیروں میں ماضی یا مستقبل کی کسی غیبی بات کا اشارہ ہوتا تو اللہ کے آخری پیغمبرؐ، جن پر دین مکمل کر دیا گیا، وہ ضرور اس بارے میں ہمیں کچھ نہ کچھ بتا دیتے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی تائید میں امت کو کچھ نہیں بتایا بلکہ ایسے لوگوں کے پاس جانے ہی سے سخت منع فرمایا ہے۔ [ایسی احادیث ہم آگے ذکر کریں گے۔]

دست شناسوں کے دلائل

جب دست شناسوں سے اس پہلو سے بات کی جاتی ہے تو ان کے پاس سوائے چند ٹوٹکوں کے کوئی معقول ومستند جواب نہیں ہوتا۔ دست شناس اپنے علم (پامسٹری) کے جواز میں جو دلائل دیتے ہیں، وہ بنیادی طور پر دو ہی ہیں۔

۱)...... ایک تو یہ کہ ان کے بقول دست شناسی مشاہداتی اور سائنسی علم ہے۔ جس طرح بہت سے سائنسی علوم بحیثیت علم اسلام آنے کے بہت بعد معلوم ہوئے ہیں، اسی طرح یہ علم بھی بارہا مشاہدات کے بعد معلوم کیا گیا ہے۔ اور اس کے سائنٹیفک ہونے کی دلیل وہ مشاہدات ہیں جو ہاتھوں کی لکیروں اور ان کے ابھاروں کی بنیاد پر بارہا کیے گئے اور (دست شناسوں کے بقول) بے شمار مرتبہ درست ثابت ہوئے ہیں۔

دست شناسی کو سائنٹیفک علم قرار دینے کی یہ دلیل اتنی کمزور ہے کہ خود بہت سے دست شناسوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ واقعتاً کوئی سائنسی علم ہوتا تو اس کے اصول وضوابط اور نتائج ہمیشہ ایک سے ہوتے اور سب دست شناس انہیں من وعن تسلیم کرتے، مگر دست شناسی کی دنیا میں ایسا نہیں ہے۔ دست شناسوں کے ہاں کئی مکتب فکر ہیں، ہر ایک کے اصول وضوابط دوسرے سے مختلف ہیں اور ظاہر ہے جب اصول وضوابط مختلف ہوں گے تو نتائج بھی مختلف ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دست شناس کے ہاں ایک لکیر اگر فرض کیا خوش قسمتی کی علامت ہے تو دوسرے کے ہاں وہی بدقسمتی کی علامت ثابت ہو رہی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی اسے سائنٹیفک علم قرار دینے پر مصر ہو تو اس کی سوچ پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

۲)...... پامسٹری سے تعلق رکھنے والے حضرات اپنی حمایت میں دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ہاتھوں پر جو خطوط اور لکیریں پیدا کی ہیں یہ بلا مقصد پیدا نہیں کی گئیں کیونکہ اللہ کا کوئی کام بھی بلا مقصد اور فضول نہیں ہوتا۔ پھر خود ہی ان لکیروں کا مقصد تجویز کرتے ہوئے پامسٹ حضرات کہتے ہیں کہ ان لکیروں کو اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ ان کے ذریعے ماضی، مستقبل اور قسمت وتقدیر کے بارے میں معلوم کر لیا جائے۔

دست شناس حضرات کے اس استدلال سے یہاں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہاتھوں کے خطوط اور اُبھار انسانی

قسمت کے رموز و اشارات ہیں تو جسم کے دیگر حصوں پر موجود خطوط اور لکیروں سے یہ کام کیوں نہیں لیا جاتا؟ مثلاً پاؤں پر بھی خطوط ہوتے ہیں، دست شناس ان سے کیوں نہیں کام لیتے؟ کیا دست شناسوں کے نزدیک پاؤں کے خطوط، لکیریں اور ابھار، اللہ تعالیٰ نے بلا مقصد پیدا کئے ہیں؟

کوئی پتہ نہیں کہ یہ بے وقوف آئندہ زمانے میں 'ماہر دست شناس' کی جگہ 'ماہر قدم شناس' اور 'ہاتھ بولتے ہیں' کی جگہ 'پاؤں بولتے ہیں' کے بورڈ بھی آویزاں کرلیں اور جس طرح انہوں نے 'دست شناسی' میں تخمینے اور اندازے قائم کر رکھے ہیں اسی طرح 'قدم شناسی' کے نام سے پاؤں کے خطوط اور لکیروں کو بھی انسانی قسمت کا 'رازداں' قرار دینا شروع کر دیں۔ بلکہ سنا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کام بھی شروع کر دیا ہے!

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کسی چیز کو بھی بلا مقصد پیدا نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض چیزوں کی حکمتیں اور مقاصد ہمیں معلوم کروا دیئے ہیں اور بعض ہم سے مخفی رکھے گئے ہیں۔ ہاتھوں کی لکیریں اور خطوط بھی انہی امور سے تعلق رکھتے ہیں جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے۔ البتہ اگر غور کیا جائے تو ان کی کئی ایک فیزی کل (Physical) حکمتیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً ہاتھ سے جس طرح کے کام لیے جاتے ہیں، ان میں اسے بار ہا کھولنا اور بند کرنا پڑتا ہے اور ہاتھوں کی لکیریں اس مقصد کے لیے کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔

دست شناسی جھوٹ، فریب اور کبیرہ گناہ

گزشتہ ایک صدی میں دست شناسی کے حوالے سے بے شمار کتابیں مارکیٹ میں آئی ہیں جن میں ہاتھوں کی لکیروں اور ابھاروں کے ساتھ مال و دولت، مرض و صحت، فرحت و مسرت، شادی و طلاق، خوش بختی و بدبختی وغیرہ جیسے غیبی اور تقدیر سے متعلقہ معاملات کو اپنے زعم باطل میں قطعی طور پر مربوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور نشاندہی کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ فلاں فلاں خطوط اور اُبھار فلاں فلاں معاملات کے لئے یقینی اور حتمی علامتوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ سب جھوٹ اور فریب ہے اور ایک لحاظ سے کبیرہ گناہ بھی۔ اس کے جھوٹا ہونے کے ہمارے پاس تین طرح کے دلائل ہیں جو ذیل میں بالترتیب پیش کیے جارہے ہیں۔

۱)......پہلی دلیل

اگر انسانی ہاتھ کی لکیروں، خطوط اور اُبھاروں میں ہی انسانی قسمت اور تقدیر مخفی ہوتی تو اسلامی شریعت اس کی طرف ضرور ہماری رہنمائی کرتی لیکن پورے قرآن مجید اور مکمل ذخیرہ اَحادیث میں ایسی کوئی ایک آیت یا حدیث دکھائی نہیں دیتی جس میں دست شناسی کے حصول کی رغبت یا اس کے فائدے کی طرف کوئی اشارہ ہی ملتا ہو۔ آنحضرت ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینِ عظام، محدثین و مفسرین کرام میں سے کسی ایک شخصیت کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے کسی کا ہاتھ دیکھ کر یا اپنا ہاتھ دکھا کر کسی غیبی معاملے تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس لئے اگر دست شناسی واقعی کوئی شرعی اور

مستند علم ہوتا تو کم از کم نبیوں کے سردار پیغمبر جناب محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس سے ہرگز محروم نہ رکھا جاتا......!

۲)......دوسری دلیل

دست شناسی کوئی مشاہداتی، تجرباتی یا سائنسی علم بھی ہرگز نہیں کیونکہ مشاہداتی علم وہ ہوتا ہے جس میں ہر بار مشاہدہ و تجربہ ایک ہی نتیجہ پیدا کرتا ہے حتیٰ کہ اگر ایک جیسی خاصیات کی حامل مختلف چیزوں کے بارے میں سو تجربات کیے جائیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے اصولوں اور نتیجوں سے ہٹ جائے تو اسے سائنسی علم قرار نہیں دیا جاتا۔

اس لحاظ سے اگر جائزہ لیا جائے تو دست شناسوں کی تضاد بیانیاں ہی یہ واضح کر دیتی ہیں کہ ان کا علم محض اندازوں اور تخمینوں پر مبنی ہے اور اس میں دو جمع دو، برابر چار، والی کوئی بات نہیں۔ پامسٹ حضرات کے پاس جانے اور پامسٹری سے متعلقہ کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو کسی پامسٹ کا بیان سو فیصد دوسرے پامسٹ سے ملتا ہے اور نہ ہی پامسٹری پر لکھنے والے کسی ایک مصنف کی باتیں دوسرے سے میل کھاتی ہیں بلکہ بہت سی باتیں تو واضح طور پر متضاد اور متناقض ہوتی ہیں۔

اس حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے کہ دست شناسی جھوٹ اور تکے بازی کا مرکب ہے، آپ ملک کے چند بڑے دست شناس حضرات کے پاس یکے بعد دیگرے حاضر ہوں اور اپنا ہاتھ دکھا کر معلومات حاصل کریں۔ راقم دعوے کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک طرف تو ان 'غیب دانوں' کی اکثر و بیشتر باتیں اور پیش گوئیاں تقریباً جھوٹی ہی نکلیں گی اور دوسری طرف ان میں سے کسی ایک 'ماہر دست شناس' کا بیان بھی دوسرے دست شناس سے من وعن مطابقت نہیں رکھتا ہوگا۔ یہاں میں اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں۔

پاکستان کے ایک شہری جو کاروبار وغیرہ کے سلسلہ میں ایک مغربی ملک میں رہائش اختیار کیے ہوئے ہیں، نے میری کتاب ''عاملوں، جادوگروں اور جنات کا پوسٹمارٹم'' پڑھنے کے بعد مجھ سے رابطہ کیا کہ میں آج کل پاکستان میں ہوں اور آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میں گزشتہ پچیس (۲۵) برس سے روحانی عملیات سے وابستہ ہوں اور مختلف ماورائی علوم کے ساتھ دست شناسی کے بارے میں جتنا لٹریچر میں نے پڑھا ہے، اتنا کسی بڑے سے بڑے دست شناس نے بھی کم ہی پڑھا ہوگا۔ پھر روحانیت کے حوالے سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ وہ کہنے لگے کہ میں کم و بیش بیس سال سے ماہر دست شناس کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ اس پیشے سے میں نے بہت دولت اور شہرت پائی ہے۔ اب میں پیشے کی حیثیت سے اسے چھوڑ چکا ہوں، تاہم شوق کے طور پر ابھی بھی دست شناسی سے دلچسپی رکھتا ہوں۔

انہوں نے صاف طور پر بتایا کہ دست شناسی کوئی سائنٹیفک علم نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد مشاہدے اور تکے بازی پر ہے اور میرے اپنے تکے بھی ساٹھ فیصد تک کام کرتے ہیں۔ اس لیے اس سلسلہ میں قرآن کی بات حتمی ہے کہ غیب کا علم اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور جو نجومی یا دست شناس یہ دعویٰ کرے کہ میں ماضی اور مستقبل کی غیبی باتیں سو فیصد یقین سے معلوم کر لیتا ہوں، وہ سراسر جھوٹا اور فریبی ہے۔ یہی بات ان دنوں P.T.V پر ایک اور دست شناس بھی کر رہا تھا جو ماہر نفسیات بھی

ہے۔اس کاٹی۔وی انٹرویو بعد میں اخبارات میں بھی شائع ہوا۔اس کے تراشے میرے پاس محفوظ تھے لیکن اتفاق کہ اس وقت وہ میری کتابوں کے ذخیرے میں کہیں دفن ہیں،اس لیے اس سے کوئی اقتباس نہیں دیا جا سکتا۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ مذکورہ صاحب سے گفتگو کے آخر میں، میں نے ان سے کہا کہ آپ میرا ہاتھ دیکھ کر اپنی معلومات کا اظہار کریں۔میں نے یہ اس لیے کہا کہ وہ شخص ابھی بھی دست شناسی کے حوالے سے یہ سوچ رکھتا تھا کہ یہ علم مشاہدات پرمبنی ہے اور مستقبل کی باتیں تو اس سے کم معلوم ہوتی ہیں،تاہم ماضی اور انسانی کردار کے حوالے سے اس سے بہت سے باتیں معلوم بھی کی جا سکتی ہیں۔مجھے یقین تھا کہ دو گھنٹے کی تفصیلی و تعارفی نشست کے باوجود یہ میرے بارے میں کئی باتیں غلط ہی بتائے گا اور اس طرح اس کی جب غلطی واضح ہو جائے گی تو شاید دست شناسی کے حوالے سے اس کے جو شکوک و شبہات ابھی باقی ہیں،وہ دور ہو جائیں اور میں اسے صحیح اسلامی نقطہ نظر پر قائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔

میرا ہاتھ دیکھنے کے بعد انہوں نے تین طرح کی پیش گوئیاں کیں۔ایک تو میرے ماضی کے بارے میں،ایک مستقبل کے بارے میں اور ایک سیرت و کردار کے بارے میں۔مستقبل کی پیش گوئیوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں تھی جو آئندہ پانچ سال سے پہلے سے تعلق رکھنے والی ہو،اس لیے اس کے بارے میں انہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔تاہم ماضی اور سیرت و کردار کے حوالے سے انہوں نے جتنی باتیں بیان کیں،ان میں سے زیادہ تر غلط ہی تھیں اور جو تھوڑی بہت صحیح تھیں وہ صرف کردار، ذہانت وغیرہ کے بارے میں تھیں اور میں پورے شرحِ صدر سے یہ سمجھتا ہوں کہ وہ بھی اس لیے صحیح تھیں کہ دو گھنٹے کی نشست میں اس حوالے سے انہوں نے میری کئی باتیں نوٹ کر لی تھیں۔اگر شروع ہی میں وہ ہاتھ دیکھتے تو اس حوالے سے بھی ان کے اکثر تکے غلط ہی ثابت ہوتے۔

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ دست شناسی تکے بازی کا کھیل ہے اور تکے بازی،انکل پچو وغیرہ کو قرآن مجید نے نہایت ناپسند کیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ [سورة الاسراء :٣٦]

''جس چیز کا تمہیں علم نہیں،اس کے پیچھے نہ پڑو۔''

اب اس کے باوجود کوئی شخص ایسی چیز کے پیچھے پڑتا ہے تو گویا وہ اس قرآنی حکم کی صاف خلاف ورزی کر رہا ہے۔

۳)......تیسری دلیل

یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ دست شناسی اور پامسٹری کے ذریعے مختلف غیبی معاملات پر اظہار خیال کیا جاتا ہے اور لوگوں کی موت و حیات،سعادت و شقاوت،کامیابی و ناکامی وغیرہ جیسے غیبی امور بتانے اور مستقبل بینی کی سعیِ لاحاصل کی جاتی ہے۔ اب ہم قرآن و سنت کے حوالے سے یہ جائزہ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی 'غیب دان' ہو سکتا ہے؟ اور نیز ایسے لوگوں کے پاس جانے،اپنا ہاتھ دکھانے اور ان جھوٹے دست شناسوں،نجومیوں،کاہنوں اور عاملوں کو سچا تسلیم کرنے والے شخص کے بارے میں ہمارا دین ہمیں کیا بتاتا ہے؟

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی غیب دان نہیں مثلاً ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ [سورة النمل :٦٥]

''کہہ دیجئے کہ آسمان والوں اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی غیب نہیں جانتا، اور یہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے''۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ہر ایسے شخص کے پاس جانے سے منع فرمادیا ہے جو غیب دانی کا کسی طرح بھی مدعی ہو۔اس سلسلہ میں چند ایک احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱)...... ((عَنْ صَفِيَّةَ عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً)) (۱)

''حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی عراف (کاہن رنجومی ر پامسٹ وغیرہ) کے پاس آیا اور اس سے کسی (غیبی) چیز کے متعلق سوال کیا تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوتی''۔

(۲)...... ((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ أَتٰى كَاهِنًا أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ)) (۲)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کاہن یا عراف کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو گویا اس نے اس چیز (دین) کا کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی''۔

(۳)......((عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍؓ الانصَارِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ))

''حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کتوں کے (کاروبار)، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی (کمائی) سے منع فرمایا ہے''۔ (۳)

(٤)...... ((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ وَمَنْ عَقَدَ عُقْدَةً وَمَنْ أَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ)) (٤)

۱۔ مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان، ح٢٢٣٠۔ احمد، ج٤ ص٦٨۔ حلية الاولياء، ج١٠ ص٤٠٦۔ بيهقي، ج٨ ص١٣٨۔ المعجم الاوسط، ح١٤٢٤۔ مجمع الزوائد، ج٥ ص١١٨۔

۲۔ مسند احمد، ج٢ ص٤٢٩۔ مستدرك حاكم، ج١ ص٨۔ طحاوی، ج٣ ص٤٤۔ ارواء الغليل، ج٥ ص٦٩۔

۳۔ مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب و حلوان الكاهن ومهرالبغي، ح١٥٦٧۔ نیز: بخاری، كتاب الطب، ح٥٧٦١۔

٤۔ المعجم الكبير للطبراني، ج١٨ ص٣٥٥۔ مسند بزار، ح٣٠٤٣۔ ح٣٠٤٤۔ مجمع الزوائد، ج٥ ص١١٧۔

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو بدفالی لے یا اس کے لیے بدفالی کا عمل کیا جائے یا جو شخص کاہن بنے یا اس کے لیے کہانت کا عمل کیا جائے یا جو جادو کرے یا جادو کروائے یا گرہ لگائے ایسے لوگوں کا ہم سے کوئی تعلق نہیں اور جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے''۔

(۵)...... ((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: مَنْ أَتٰی عَرَّافًا أَوْ سَاحِرًا أَوْ كَاهِنًا فَسَأَلَهُ فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ)) (۱)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی عراف، جادوگر یا کاہن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی''۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ دست شناسوں، عاملوں، عرافوں، کاہنوں، نجومیوں، جوتشیوں، جوگیوں، نام نہاد پروفیسروں، سادھوؤں، بنگالی بابوؤں وغیرہ کے پاس جانا اسلام میں سخت منع کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے پاس جانے والوں اور ان پر یقین رکھنے والوں کا ایمان بھی خطرے میں رہتا ہے اور پھر حقیقت بھی یہ ہے کہ انسانی تقدیر اور قسمت معلوم کر لینے کے حوالے سے ان کے پاس کوئی علم بھی نہیں۔ دوسری طرف ایسے تمام نام نہاد عاملوں اور دست شناسوں کی کمائی بھی حرام کی کمائی ہے۔ اس لیے انہیں بھی سنجیدگی سے اپنے اس پیشہ کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اللہ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

۲۔ علمِ جفر، عدد، اَسرارُ الحروف اور انسانی قسمت

دراصل یہ تمام علوم مختلف حروفِ تہجی (خواہ اردو حروفِ تہجی ہوں یا عربی یا انگریزی یا ہندی یا لاطینی وغیرہ) اور مختلف عددوں مثلاً ۱، ۲، ۳ یا 1,2,3 وغیرہ کے گرد گھومتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا تعلق ان حروف کے مخفی اَسرار سے بتایا جاتا ہے (اگرچہ یہ صاف جھوٹ ہے جس کی وضاحت آئندہ صفحات میں آ رہی ہے) اور بعض کا تعلق محض گنتی کے استعمال سے، خواہ گنتی کا یہ استعمال ظاہری طور پر ہو یا رموزی (رمزی) طور پر۔

اس لحاظ سے علم جفر، علم اسرار الحروف اور علم سیمیا تو تقریباً مترادف المعنی ہیں جب کہ 'علم عدد' (یا علم اَبجد وغیرہ) ان سے جدا ہے۔ علاوہ ازیں اعداد کو رموز اور شعار وغیرہ کے لئے استعمال کرنا صحیح ہے جبکہ انہیں انسانی قسمت کے لیے مؤثر سمجھ کر تعویذ گنڈے، شگون اور فال نامے وغیرہ کے لئے استعمال کرنا غلط اور ناجائز ہے۔ اب آئندہ سطور میں تفصیلات ملاحظہ فرمائیے۔

علم جفر

حاجی خلیفہ 'علم جفر' کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

۱۔ المعجم الکبیر، للطبرانی، ج۱۰ ح۱۰۰۰۵۔ مسند ابی یعلیٰ، ج۹ ح۵۴۰۸۔ مسند بزار، ح۳۰۴۵۔ مجمع الزوائد، ج۵ ص۱۱۸۔

''اس سے مراد لوحِ محفوظ (یعنی تقدیر) کے اس علم کا حصول ہے جس میں ماضی اور مستقبل کی جزوی اور کلی معلومات درج ہیں۔ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ نے بسط اعظم کی ترتیب سے ایک چمڑے (جفر) پر اٹھائیس (28) حروف لکھے اور ان حروف سے مخصوص شرائط کے ساتھ کچھ ایسے الفاظ نکالے جو تقدیر کا راز مہیا کرتے ہیں اور پھر یہی علم اہل بیت اور ان سے محبت کرنے والوں کو ورثہ میں حاصل ہوا اور اہل بیت اس علم کو دوسرے لوگوں سے چھپا کر رکھتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان حروف کے اَسرار و رموز کو مہدیٔ منتظر (شیعوں کے بقول ان کا بارہواں امام جو کسی غار میں چھپ گیا تھا اور قیامت کے قریب ظاہر ہوگا) کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔[۱]

معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے ہاں علم جفر سے مراد 'حروف' کا ایسا علم ہے جس میں حروف کے مخفی اَسرار کے ساتھ تقدیر کی بابت معلومات حاصل کی جاتی ہیں[۲]۔

اور جن لوگوں نے اسے 'علم جفر' قرار دیا، ان کے نزدیک اسے 'علم جفر' اس لئے کہا جاتا ہے کہ ''حضرت علیؓ نے سب سے پہلے ان حروف کو جفر (یعنی چمڑے) پر لکھا تھا''[۳]۔

علم جفر کے حوالے سے اردو دائرۃ المعارف میں لکھا ہے کہ

''ایک عددی علم ہے جس میں مخفی معانی کی مدد سے واقعات، خصوصاً آنے والے واقعات کی تعبیر یا ان کی اطلاع حاصل کی جاتی ہے۔ یہ کشفی یا باطنی روایت بعض خاص حلقوں میں بڑی مقبول ہوئی۔ خلافت کے لئے بعض حلقوں کی سرتوڑ کوشش کے دوران میں جو ابتداء ہی سے باہمی اختلافات سے کمزور ہو گئے تھے اور بالخصوص المتوکل کے عہدِ خلافت میں سخت جبر و تشدد کا شکار بنے رہے۔ ۲۳۷ھ/۷۵۱ء میں ایک کشفی اور اِلقائی ادب کا آغاز ہوا۔ یہ ادب مختلف شکلوں میں منظر عام پر آیا جس پر بحیثیتِ مجموعی جفر کے اسم کا عام اطلاق ہوتا ہے۔ اکثر اس کے ساتھ اسم جامعہ یا صفت جامع کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ جفر کا رجحان مافوق الفطرت اور کائناتی پیمانے پر رؤیت عالم کی طرف ہے۔ اپنی ابتدائی صورت میں اِلہامی نوعیت کے ایسے علم باطنی سے ہٹ کر جو ائمہ یعنی حضرت علیؓ کے وارثوں اور جانشینوں سے مخصوص تھا، اب یہ پیشگوئی کے ایک ایسے طریق کار سے منسوب ہونے لگا جس تک ہر حسب و نسب کے معقول آدمی خصوصاً صوفیاء حضرات کی رسائی ہو سکے''۔[٤]

اسی طرح 'الجفر' نامی ایک کتاب بھی اس علم کے حوالے سے لوگوں (بالخصوص شیعہ وصوفیا) میں معروف ہے جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فرقہ زیدیہ کے سردار ہارون بن سعید العجلی کے پاس ایک کتاب تھی جس کی اشاعت وہ امام جعفر صادقؒ کی سند پر کیا کرتا تھا اور اس میں مستقبل کی اطلاعات درج تھیں[٥]۔

۱۔ کشف الظنون، ج۱ ص ۵۹۱۔
۲۔ دیکھیے: المنجد، لسان العرب، تاج العروس بذیل مادہ جفر۔
۳۔ کشف الظنون، حوالہ مذکور۔
٤۔ اردو دائرۃ المعارف، ج۷ ص ۳۱۱۔
٥۔ دیکھیے: کشف الظنون، ج۱ ص ۵۹۱۔ اردو دائرۃ المعارف، ج۷ ص ۳۱٤۔

ہمارا تبصرہ

مذکورہ اقتباسات سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں کہ

۱۔ بعض کے بقول یہ علم حضرت علیؓ سے شروع ہوا جبکہ بعض کے بقول یہ امام جعفر صادقؒ سے شروع ہوا۔
حالانکہ ان میں سے کسی ایک شخصیت تک بھی اس کی کوئی سند یا ثبوت نہیں ملتا، اس لیے یہ کہنا ہی مناسب ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت جعفر صادقؒ کی طرف بعض لوگوں نے اسے ازخود منسوب کر دیا ہے۔

۲۔ بعض لوگوں کے بقول ان حروف کے اَسرار کو مہدیِ منتظر کے سوا کوئی نہیں جانتا جبکہ دیگر لوگوں کے بقول اہل بیت اور صوفیاء اسرارِ حروف کے ماہر ہیں۔
حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اول تو اس علم کی کوئی سند نہیں اور دوم یہ کہ گنتی یا لغت کے حروف یا قرآنی حروفِ مقطعات وغیرہ کے بارے میں شریعت نے کوئی اسرار اور راز نہیں بتائے بلکہ ایسا دعویٰ گویا غیب دانی کے دعویٰ کے مترادف ہے اور ایک مسلمان کو اچھی طرح یہ معلوم ہونا چاہیے کہ غیب کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جفر، رمل، نجوم، دست شناسی وغیرہ کی بنیاد پر غیب کا دعویٰ کرنے والے شخص کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ

((مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً))[1]

''جو شخص کسی عراف (کاہن) کے پاس آیا اور اس سے کسی (غیبی) چیز کے متعلق سوال کیا تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوتی''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس حدیث کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

''ہر وہ شخص عراف ہے جو علم نجوم، کہانت، رمل اور اس سے ملتی جلتی کسی ایسی چیز سے عمل کرے جس سے 'غیب' کا علم حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے''۔[2]

علم الحروف یا علم اَسرار الحروف یا علم سیمیا

یہ تینوں تقریباً مترادف المعنی الفاظ ہیں۔ اردو دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار کے بقول:

''علم الحروف، جفر کی ایک شاخ (ہے) جس کا شروع میں صحیح مفہوم محض ناموں سے فال نکالنا تھا لیکن بعض باطنی فرقوں میں اس نے ایک ساحرانہ عمل کی شکل اختیار کر لی۔ اس حد تک کہ ابن خلدونؒ نے اسے سیمیا کا نام دیا ہے جو بالعموم سحر حلال (جادو کی ایک قسم White Magic) کے لئے مستعمل ہے۔ یہ علم حروفِ ہجا، نیز اسماء الحسنیٰ اور اسمائے ملائک کے حروف کے سری خواص پر مبنی ہے''۔[3]

۱۔ مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ...، ح ۲۲۳۰۔ احمد، ج ٤ ص ٦٨۔ بیھقی، ۸/ ۱۳۸۔ مجمع الزوائد، ج ٥ ص ۱۱۸۔

۲۔ مجموع الفتاویٰ، ج ۱۸ ص ۱۰٦۔

۳۔ دائرۃ المعارف، ایضاً۔

آئندہ سطور میں ہم پہلے اعداد اور حروف سے غیب معلوم کرنے کے وہ طریقے بیان کریں گے جو ان علوم کے ماہرین نے بیان کیے ہیں، اس کے بعد اسلامی نقطۂ نظر سے ان پر تبصرہ کریں گے، ان شاء اللہ!

عربی حروف تہجی کے خواص معلوم کرنے کا طریقہ

اس علم کے دعوے دار حضرات عربی حروف تہجی کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ **آتشی حروف:** یعنی ایسے حروف جن کی مدد سے سردی اور ٹھنڈک کو کم کیا جاتا ہے یا مزید گرمائش اور آتش بھڑکائی جاتی ہے۔ اس کے لئے درج ذیل حروف استعمال کئے جاتے ہیں:

ا، ھ، ط، م، ف، ش، ذ، جن کا مجموعہ اھطم فشذ ہے۔

۲۔ **آبی حروف:** یعنی ایسے حروف جنہیں ایسی خرابیوں کی پیشگوئی اور مدافعت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کا تعلق گرمی سے ہو مثلاً بخار کی مختلف اقسام، نیز سردی کے اثر میں اضافہ کرنے کے لئے جہاں اس کی ضرورت درپیش ہو۔ اس عمل کے لئے عامل حضرات درج ذیل حروف استعمال کرتے ہیں:

ج، ز، ک، س، ق، ث، ظ، جن کا مجموعہ جز کس قثظ ہے۔

۳۔ **بادی حروف:** انہیں بھی مختلف مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس میں درج ذیل حروف شامل ہیں:

ب، و، ی، ن، ص، ت، ض، ان کا مجموعہ بوین صتض ہے۔

۴۔ **خاکی حروف:** اس میں درج ذیل حروف شامل ہیں:

د، ح، ل، ع، ر، خ، غ، جن کا مجموعہ دحل عرخغ ہے۔

اسے بالاختصار درج ذیل جدول سے بھی نمایاں کیا جاتا ہے:

نمبر شمار	کواکب	آتشی	بادی	آبی	خاکی
۱	زحل	ر	ب	ج	د
۲	مشتری	ہ	و	ز	ح
۳	مریخ	ط	ی	ک	ل
۴	سورج	م	ن	س	ع
۵	زہرہ	ف	ص	ق	ر
۶	عطارد	ش	ت	ث	خ
۷	قمر	ذ	ض	ظ	غ

عربی حروفِ تہجی کی عددی قیمت

مذکورہ حروفِ تہجی کی عددی قیمت بھی معین کی گئی ہے، اگرچہ اس عددی قیمت میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے، تاہم درج ذیل عددی قیمت کو کسی حد تک معیاری خیال کیا جاتا ہے۔

اکائیاں	دہائیاں	سیکڑے	ہزار
الف-1	ی-10	ق-100	غ-1000
ب-2	ک-20	ر-200	
ج-3	ل-30	ش-300	
د-4	م-40	ت-400	
ھ-5	ن-50	ث-500	
و-6	س-60	خ-600	
ز-7	ع-70	ذ-700	
ح-8	ف-80	ض-800	
ط-9	ص-90	ظ-900	

مذکورہ حروف اور ان کی عددی قیمت کے مجموعے کو 'حروفِ ابجد' بھی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب نے اٹھائیس حروفِ تہجی کو نو نو حرفوں کے تین متواتر سلسلوں میں تقسیم کر رکھا تھا یعنی پہلے سلسلہ میں الف سے ط تک کو اکائیوں کے لئے، دوسرے سلسلہ میں ی سے ص تک دہائیوں کے لئے اور تیسرے سلسلہ میں ق سے ظ تک سیکڑوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ ہزار کے لئے صرف ایک حرف یعنی 'غ' مقرر تھا۔ علاوہ ازیں ان تمام حروف کو درج ذیل مجموعہ جات میں تقسیم کر رکھا تھا:

" ابجد، ھوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ "

یہ اہل مشرق کے وضع کردہ مجموعہ جات ہیں جبکہ اہل مغرب کے وضع کردہ مجموعہ جات اس سے قدرے مختلف ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

" ابجد، ھوز، حطی، کلمن، صعفض، قرست، ثخذ، ظغش"

اہلِ عرب کے ہاں یہ حروف اور ان کے عددی اشارے (یا قیمتیں) روایتی طور پر چلے آتے ہیں جبکہ ان کے آغاز کی تاریخ اور پس منظر قطعی طور پر معلوم نہیں۔ اس سلسلہ میں بعض نے کہا ہے کہ مدین کے چھ بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے ان مجموعہ جات کو اپنے ناموں کے لئے وضع کیا تھا۔ بعض کے بقول یہ مختلف دیوتاؤں کے نام ہیں۔ بعض کے بقول یہ ہفتے کے دنوں کے

نام ہیں۔اس کے علاوہ بھی کئی توجیہات منقول ہیں لیکن یہ سب اَفسانوی بیانات ہیں۔

عامل حضرات ان اعداد کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ سائل کا نام، اس کے والد کا نام اور بسا اوقات اس کی تاریخِ پیدائش وغیرہ بھی معلوم کی جاتی ہے پھر اس کے نام کے حروف کی عددی قیمت نکال کر جمع کیا جاتا ہے اور اس کے بعد حسبِ سوال کبھی دو پر کبھی تین یا پانچ یا بارہ پر تقسیم کیا جاتا ہے، پھر تقسیم سے باقی بچنے والے اعداد کے انہوں نے اپنی طرف سے کچھ فرضی جواب مقرر کیے ہوتے ہیں اور وہی جواب سائل کو بتا دیا جاتا ہے۔گویا کوئی بھی فرضی جواب مقرر کیا جا سکتا ہے۔

انگریزی حروفِ تہجی سے خواص معلوم کرنے کا طریقہ

علم جفر کے دعوے دار ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہر زبان کے حروفِ تہجی اور اعداد کی مناسبت سے لوگوں کی قسمت، اخلاق وکردار وغیرہ معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔انگریزی میں اس کے لئے درج ذیل چارٹ استعمال کیا جاتا ہے:

1	2	3	4	5	6	7	8	9
A	B	C	D	E	F	G	H	I
J	K	L	M	N	O	P	Q	R
S	T	U	V	W	X	Y	Z	

یعنی جب بھی A,J اور S کا عدد نکالنا ہوگا تو وہ '1' نکالا جائے گا۔اسی طرح T-K-B میں سے کوئی حرف استعمال ہو تو اس کے لئے 2 کا عدد تصور کیا جائے گا۔اسے سمجھنے کے لئے درج ذیل مثال پر غور کریں:

''فرض کریں کہ ہمیں ایک مشہور نام 'لنڈن بینس جانسن' (LYNDON BAINES JOHNSON) کا عددی ارتعاش معلوم کرنا ہے چنانچہ اس کے لئے سب سے پہلے اس کے مساوی حروف کے مساوی اعداد جمع کیجئے۔یہ نام درج ذیل طریقے کے مطابق لکھا جائے گا، نیچے مساوی اعداد بھی درج ہیں:

L	Y	N	D	O	N	-	B	A	I	N	E	S	-	J	O	H	N	S	O	N
3	7	5	4	6	5	-	2	1	9	5	5	1	-	1	6	8	5	1	6	5

ان تمام اعداد کو جمع کیا جائے تو ان کا مجموعہ 85 بنتا ہے جسے اگر مختصر کیا جائے یعنی 5+8 تو 13 جمع ہوئے۔اب اسے مزید مختصر کیا جائے یعنی (3+1) تو چار (4) جواب آیا۔گویا 'مسٹر جانسن' کا سائیکل نمبر 4 ہے جس سے اس کی زندگی کے ارتعاش یا زیر و بم کا بخوبی پتہ لگایا جا سکتا ہے''[1]۔

۱۔ پراسرار اعداد، مترجم: اظہر کلیم، ص۸۔

گویا اس طرح ہر نام کا اختصار کر کے ایک عدد نکالا جاتا ہے جسے اس شخص کا سائیکل نمبر قرار دیا جاتا ہے اور ان سائیکل نمبروں کی تعداد ایک (1) سے نو (9) تک ہے اور ہر سائیکل نمبر کے تحت اس کی خاصیات یعنی قسمت کا مکمل حال درج کر دیا جاتا ہے اور اسی کا نام 'علم جفر' وغیرہ ہے۔

بیلنس نمبر

بیلنس نمبر، سائیکل نمبر ہی کی مزید اختصاری شکل سے حاصل ہوتا ہے یعنی مذکورہ نام (لنڈن بینس جانسن) کے حامل شخص کا بیلنس نمبر اس طرح نکالا جاتا ہے کہ اس کے نام کے تین ٹکڑے کر لئے جائیں یعنی (1) لنڈن (2) بینسن (3) جانسن۔ اور ہر ٹکڑے کا صرف پہلا حرف لے کر اس کا نمبر نکالا جائے یعنی لنڈن (LYNDON) کا L، بینس (BAINES) کا B اور جانسن (JOHNSON) کا J، اب ہمیں درج ذیل جواب حاصل ہوا:

3	=	L
2	=	B
1	=	J
6	=	+

پھر سائیکل نمبر ہی کی طرح بیلنس نمبر بھی ایک سے نو (9) تک مقرر ہیں اور ہر ایک بیلنس نمبر میں تقدیر و قسمت اور اخلاق و کردار سے متعلقہ کچھ چیزیں ذکر کر دی جاتی ہیں۔

لکی (قسمت) نمبر

بیلنس نمبر کے علاوہ ایک قسمت نمبر بھی معروف ہے اور اسے نکالنے کا طریقہ بھی ان سے ملتا جلتا بتایا جاتا ہے مثلاً کسی شخص کا قسمت نمبر معلوم کرنا ہو تو اس کی مکمل تاریخ پیدائش معلوم کریں مثلاً کسی شخص کی تاریخِ پیدائش اگر 27 اگست 1908 ہے تو اب یہ دیکھئے کہ اگست سال کا کون سا مہینا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ آٹھواں مہینا ہے لہٰذا:

8	=	مہینا
27	=	تاریخ
1908	=	سال
1943	=	اعداد کا مجموعہ

اب ان اعداد کو پہلے ہی کی طرح جمع کریں یعنی:

17=3+4+9+1

اور 17 کو مزید مختصر کیا یعنی:

8=1+7

تو معلوم ہوا کہ ان صاحب کا قسمت نمبر 8 ہے۔

پھر بیلنس اور سائیکل نمبر کی طرح قسمت نمبر بھی 1 سے 9 تک ہیں جن میں ہر قسمت کے نمبر کے تحت قسمت کا حال درج کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح 'ماہانہ نمبر'، 'سالانہ نمبر'، 'خوش نصیبی نمبر'، 'زندگی کا سپیشل نمبر' وغیرہ جیسے کئی اور نمبر بھی مقرر کئے گئے ہیں اور ان میں بھی ایک سے نو تک مختلف اعداد نکال کر ان سے 'لوحِ محفوظ' دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے......!

از راہِ اختصار اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اب ہم ان نمبروں کا شرعی نقطہ نظر سے جائزہ لیتے ہیں:

ہمارا تبصرہ

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس علم میں واضح طور پر 'غیب' جاننے کی کوشش کی جاتی ہے اور قرآن وسنت میں وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کر دی گئی ہے کہ ''اللہ کے سوا کوئی غیب دان نہیں''۔

۲۔ قرآن وسنت میں کہیں بھی اس علم کی مذکورہ اِفادیت بیان نہیں کی گئی بلکہ اگر اس علم کی واقعی کوئی ایسی وقعت اور حیثیت ہوتی تو آنحضرت ﷺ اپنے سفر، جہاد، دعوت وتبلیغ وغیرہ جیسے ہر اہم کام میں اسے بروئے کار لاتے جب کہ آپ ﷺ کی زندگی سے بلکہ صحابہ کرام، تابعین عظام، محدثین ومفسرین کرام وغیرہ میں سے بھی کسی شخصیت سے ایسی کوئی بات منقول نہیں۔

۳۔ اگر اس طرح کے علوم سے تقدیر کا پیشگی علم حاصل کیا جا سکتا ہوتا تو ہمیں بار ہا تقدیر پر ایمان لانے اور اس پر صبر کرنے کی تلقین نہ کی جاتی بلکہ اس کے برعکس ایسے کسی علم کے حصول کی رغبت دلائی جاتی تاکہ ہم اپنی زندگی میں تمام معاملات کو پیشگی معلوم کر کے اس علم سے فائدہ اٹھاتے۔

۴۔ اگر یہ کوئی حتمی اور قطعی علم ہوتا تو کم از کم اس علم کے دعوے داروں میں اختلاف اور تضاد نہ ہوتا لیکن اس علم پر مشتمل کتابیں پڑھنے سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی عدد کے خواص ایک صاحب کے نزدیک کچھ اور ہیں اور دوسرے صاحب کے نزدیک کچھ اور۔

۵۔ بعض اوقات تو ایک ہی مصنف کی باتوں میں مطابقت دکھائی نہیں دیتی۔ ایک شخص کے قسمت نمبر میں الگ خصوصیات دکھائی جاتی ہیں اور 'خوش قسمتی نمبر' میں اس کے برعکس۔ جبکہ قسمت اور خوش قسمتی میں کوئی ایسا بڑا فرق نہیں کہ انہیں جدا جدا بیان کیا جائے۔ اسی طرح سائیکل نمبر، بیلنس نمبر اور قسمت نمبر وغیرہ تمام کا تعلق تقدیر سے ہے لیکن انہیں الگ الگ نمبروں اور خاصیتوں میں بیان کیا جاتا ہے حالانکہ ہر شخص کی ایک ہی 'تقدیر' ہے جو پیدائش سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ نے طے کر رکھی ہے جب کہ 'پراَسرار حروف' کے دعوے داروں کے نزدیک انسان کی کئی الگ الگ تقدیریں دکھائی دیتی ہیں۔

۶۔ اس پر بھی طرفہ تماشا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا 'قسمتی نمبر' برا ہو تو وہ اپنا نام تبدیل کر لے اور اس طرح نام کی تبدیلی سے اس کا

'قسمت نمبر' بھی تبدیل ہو جائے گا حالانکہ یہ چیز محال ہے اس لئے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی!

۷۔ یہ بات اس طرح بھی ناممکن ہے کہ اگر ان حروف کے ساتھ ہر شخص اپنی تقدیر کا حال معلوم کر سکتا ہو تو دنیا میں کوئی بدقسمت اور دکھوں، تکلیفوں کا شکار دکھائی ہی نہ دے گا بلکہ ہر شخص ایسا نام رکھنے کی کوشش کرے گا جس کے عدد خوش قسمتی کی علامت ہوں تا کہ اس طرح وہ خوش قسمت بن سکے۔

۸۔ اگر کسی عدد میں 'بادشاہ' یا حاکم ملک بنانے کی تاثیر ہو تو پھر ہر شخص ہی بادشاہ اور حاکم بننے کی کوشش کرے گا۔ اب بتایئے کہ اگر بالفرض صرف ایک ملک میں 100 آدمی بادشاہ رحاکم بننے کے لئے اپنا نام اس عدد کے مطابق کر لیں تو ان میں سے بادشاہ رحاکم کون بنے گا؟

۹۔ اس علم پر یقین کرنے والے بھی عجیب احمق ہیں کہ یہ ایسے لوگوں کو جن کا عدد ناموافق ہو، ہر دم احتیاط کی تاکید کرتے ہیں حالانکہ اگر ان کے بقول نام کی تبدیلی سے عدد کی تبدیلی اور عدد کی تبدیلی سے قسمت کی تبدیلی ممکن ہے تو پھر یہ 'احتیاط' کی نصیحت کیوں فرماتے ہیں؟ انہیں چاہیے کہ نام کی تبدیلیاں کر کے لوگوں کی قسمتوں کو تبدیل کرتے رہیں بلکہ پھر تو بغیر کسی خرچ کے ہر بدقسمت گھر بیٹھے خود ہی خوش قسمت بن جانا چاہیے، بیمار کو خود ہی اپنے نام کی تبدیلی سے صحت حاصل کر لینی چاہیے۔ اس طرح نہ کسی ڈاکٹر و حکیم کی ضرورت رہے گی نہ کسی ہسپتال کی۔ نہ محافظوں، سپاہیوں اور فوج کی ضرورت رہے گی، نہ محنت مزدوری اور کام کاج کی۔ بلکہ پھر تو نہ دنیا میں کوئی پریشانی رہے اور نہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی ضرورت رہے، معاذ اللہ!

۱۰۔ حروف کی تاثیر کے قائلین کے نزدیک علم جفر کی مدد سے عملیات کے لئے بسا اوقات تاریخ پیدائش کا جاننا ضروری ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی کو اپنی تاریخ پیدائش یاد نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے گا؟ کیونکہ بہت سے لوگوں کو اپنی تاریخ پیدائش یاد نہیں ہوتی (اگرچہ بعض نام نہاد عاملوں نے اس کے بھی کئی من گھڑت طریقے وضع کر رکھے ہیں لیکن ان کی بھی کوئی حقیقت نہیں)۔

حروفِ ابجد کا درست استعمال

یہ تو ثابت ہو چکا کہ کسی حرف یا عدد میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جس کے ذریعے کسی انسان کی قسمت، اَخلاق یا مستقبل کے غیبی حقائق معلوم کئے جا سکیں البتہ اگر ان حروف اور اعداد کو مختلف رموز، کنائے اور اشارہ جات یعنی کوڈ ورڈ (Code Word) کے لئے استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں مثلاً حروفِ اَبجد ہی سے یہ بات سمجھیے کہ بعض اساتذہ امتحانی نمبر لگانے کے لئے طالب علم کا امتحان لیتے ہوئے اس کے سامنے اس کے نمبر لگا دیتے ہیں لیکن اس طالب علم کو بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ میرے نمبر کتنے ہیں کیونکہ استاد حروفِ ابجد کے ذریعے نمبر لگاتا ہے اور شاگرد حروفِ ابجد کے استعمال کو نہیں جانتا مثلاً کسی طالب کے نمبر اگر بیاسی (82) لگانے ہوں تو 82 کی جگہ استاد، ف اور ب (فب) ڈال دے گا کیونکہ ف کی عددی

قیمت اسی (80) اور ب کی دو (2) ہے۔

اسی طرح جنگوں میں بعض ایسے کلمات، حروف اور اَعداد استعمال ہوتے ہیں جنہیں صرف مخصوص افراد ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ دوسرے لوگوں کے سامنے وہ محض کوئی حرف، عدد یا عام لفظ ہے لیکن اسے پہچاننے والے ان کے ذریعے مخصوص لوگوں تک اپنا کوئی پیغام پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآنِ مجید میں حروفِ رموز واَوقاف استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً ج، ز، ط، لا، وغیرہ اور ان کا مقصود قرآنِ مجید کے ابتدائی یا آخری صفحات میں ذکر کر دیا جاتا ہے کہ 'ج' وقف جائز کی علامت ہے..... 'ط' وقف مطلق کی علامت ہے..... وغیرہ وغیرہ۔ گویا ان قواعد کو ایک ہی مرتبہ لکھ دیا جاتا ہے اور جہاں کہیں ان میں سے کسی قاعدے اور اصول کا اطلاق ہو، وہاں اس سے متعلقہ رمزیہ حرف، ج، ز، ط، وغیرہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اور ایسا اختصار کے لیے کیا جاتا ہے اور شرعی اعتبار سے اس میں کوئی حرج نہیں۔

حروفِ اَبجد کے استعمال کی ایک ناجائز صورت

بعض لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مکمل لکھنے کی بجائے ان کے اعداد نکال کر محض (۷۸۶-786) لکھ دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی کاغذ پر پوری بسم اللہ لکھ دی جائے تو عین ممکن ہے کہ اس کاغذ کو ردی کی ٹوکری یا زمین وغیرہ پر پھینک دیئے جانے سے بسم اللہ کی توہین ہو، لہٰذا اس توہین سے بچنے کے لیے بسم اللہ کے اعداد یعنی '۷۸۶' لکھنے چاہییں۔

حالانکہ یہ بھی بسم اللہ کی توہین ہے کہ اسے اصل حالت میں لکھنے کی بجائے اس طرح اعداد کی صورت میں لکھا جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے کہ آپؐ نے جب بھی خطوط لکھوائے ان پر پوری بسم اللہ تحریر کروائی اور ایسے کئی خطوط کافر بادشاہوں کی طرف بھی روانہ کئے گئے بلکہ ایران کے بادشاہ (کسریٰ) 'خسرو پرویز' کا تو واقعہ مشہور ہے کہ اس بدبخت نے آپ ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر دیا تھا۔ اگرچہ حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی اندیشہ ہوگا کہ کہیں کوئی کافر بسم اللہ کی توہین نہ کرے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے بسم اللہ کی جگہ اعداد وغیرہ کبھی نہیں لکھوائے جبکہ آپؐ کے عہد مبارک میں عرب کے ہاں اعداد کا طریقہ بھی مروج تھا۔ اس لئے قرآنی آیات اور مسنون وظائف واَوراد کو من وعن اسی طرح پڑھا لکھا جائے جس طرح کہ یہ قرآن وحدیث کی صورت میں محفوظ ذرائع کے ساتھ ہم تک منتقل ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں بعض اہل علم کے بقول بسم اللہ کو ۷۸۶ (786) کی عددی صورت میں لکھنا ہندوانہ اَثرات کا نتیجہ ہے، اس لئے کہ ہندوؤں کے ایک معبود کرشن کے نام کا نعرہ 'ہرے کرشنا' ہے اور اس کے اعداد کا مجموعہ بھی 786 ہے۔ اور اسی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد کا مجموعہ بھی 786 بنتا ہے۔ گویا ہندو 786 لکھ کر 'ہرے کرشنا' سے فریاد رسی کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو ان کے اس شرکیہ مذہبی شعار کی مشابہت سے بہرصورت بچنا چاہیے۔ باقی رہا بسم اللہ لکھی تحریر کی بے حرمتی کا مسئلہ تو اس کے لیے کوئی معقول حفاظتی تدابیر اختیار کرنی چاہییں۔ اللہ ہمیں ہدایت دے، آمین!

۳۔علم نجوم/ASTROLOGYاور انسانی قسمت

سورج، چانداور ستارے دیگر مخلوقات کی طرح، اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ اَجرامِ فلکی ہیں۔ دیگر اشیاء کی طرح انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے خاص مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے مثلاً مختلف ستاروں کی مدد سے سمت اور وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔ سورج سے روشنی اور حرارت حاصل کی جاتی ہے۔ چاند کے ذریعے بھی وقت اور تاریخ کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ علاوہ ازیں سمندروں کے مدوجزر اور پھلوں کی مٹھاس وغیرہ میں دیگر عوامل کی طرح چاند بھی ایک مؤثر عامل بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اجرامِ فلکی سے آسمان کی زیب وزینت اور شیطانوں کو مار بھگانے کے لیے ہتھیار کا کام بھی لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے اَجرامِ فلکی کی رفتار وحرکات کے ساتھ مندرجہ بالا چیزوں کو مربوط کر رکھا ہے اور جب انسانوں نے ان سیاروں اور ستاروں کی حرکات کا بغور مشاہدہ کرنا شروع کیا تو انہوں نے انسانی تاریخ کے آغاز ہی میں دن رات کا فرق، دنوں کی تقسیم، ماہ وسال کا اندازہ، سمتوں کا تعین، موسموں کی تقسیم وغیرہ جیسی بنیادی چیزوں کو معلوم کر لیا اور پھر جیسے جیسے ان فلکی اجرام کے گہرے مشاہدے کیے گئے، ویسے ویسے انسان ان سے متعلقہ ایسی بہت سی چیزوں کا ادراک کرتا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے تخلیقی مقاصد میں شامل کر رکھا تھا اور بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت واذن ہی سے ممکن ہوا۔

ان معلومات کو علم فلکیات (Astronomy)، علم ہیئت، علم النجوم، علم صناعة التنجم وغیرہ ناموں سے موسوم کیا جاتا رہا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ لوگوں نے ان اجرامِ فلکی کے ساتھ بہت سی ایسی چیزوں کو مربوط کرنا شروع کر دیا جن کا ان اجرام سے قطعی طور پر کوئی تعلق نہ تھا مثلاً ان اجرامِ فلکی کی حرکت ورفتار کے ساتھ لوگوں کی قسمت کے فیصلے وابستہ کیے جانے لگے۔ انسانی زندگی میں عروج وزوال، صحت وبیماری، فقر وغنیٰ، غمی وخوشی، کامیابی وناکامی، فتح وشکست، وغیرہ جیسی بہت سی چیزوں میں بھی ان اجرام کو قطعی مؤثر سمجھا جانے لگا۔ ان کی حرکت وگردش کے ساتھ غیب کے دعوے اور مستقبل کی خبریں دی جانے لگیں۔ پھر رفتہ رفتہ توہم پرست انسان نے اپنی زندگی کے ہر معاملے کو دینی ومذہبی تعلیمات کی بجائے انہی اجرامِ فلکیہ سے وابستہ کر لیا اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ انہیں خدائی کا درجہ دیا جانے لگا اور ان کی پرستش کی جانے لگی...... معاذ اللہ!!

قرآن مجید میں ایک مقام پر اجرامِ فلکی کی پرستش سے منع کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ [سورة حٰمٓ السجدة:۳۷]

''دن اور رات، اور سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تم واقعی اس اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہو تو۔''

کواکب پرستی کی ایک ادنیٰ سے مثال یہ بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ ہفتہ کے دنوں کے نام انہی اجرامِ فلکی سے منسوب کر کے رکھے گئے جیسے انگریزی زبان میں اتوار کو سنڈے (Sunday) کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہے 'سورج کا دن' یعنی اس دن کو

سورج دیوتا کا دن قرار دیا گیا۔ سوموار کو منڈے (Monday) کہا جاتا ہے یعنی چاند کا دن۔ گویا سورج کی طرح چاند کو بھی دیوتا تسلیم کیا گیا ہے اور اس دن کو چاند کی طرف منسوب کیا گیا۔ منگل کو ٹیوز ڈے (Tyuesday) سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ٹیو، دیوتا کا دن اور کہا جاتا ہے کہ یہ ٹیو دراصل مریخ سیارے کے دیوتا کا نام ہے جس کی طرف اس دن کی نسبت کی گئی ہے۔ اسی طرح بدھ کو ویڈنس ڈے (Wednesday) سے موسوم کیا گیا ہے اور Weden دراصل عطارد سیارے کے دیوتا کا نام ہے جس کی طرف یہ دن منسوب ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ Weden دیوتا کے ایک بیٹے کا نام (Thor) ہے جو رعد (گرج کڑک) کا دیوتا تھا، اسے سیارہ مشتری کا دیوتا قرار دے کر اس کے نام سے جمعرات کو Thursday سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اور weden دیوتا کی بیوی کا نام فرگ (Frigg) یا (Friga) تھا جو زہرہ سیارے کی دیوی تھی اور اسی مناسبت سے جمعہ کو (Friday) یعنی 'فرگ' دیوی کا دن کہا جانے لگا۔ ہفتہ کو سیچر ریسٹر ڈے (Saturday) کہا جاتا ہے اور (Satur) دراصل زحل سیارے کا نام ہے اور یہی اس کا دیوتا ہے۔ چنانچہ اسی سیارے کی طرف ہفتہ کا دن منسوب کر دیا گیا۔

اسی طرح ہندوؤں کے ہاں بھی ہفتہ کے دنوں کو مختلف سیاروں کی طرف منسوب کیا گیا ہے مثلاً اہل ہند زہرہ سیارے کو 'شکر' کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے جمعہ کو 'شکروار' سے موسوم کیا جاتا ہے اور زحل کو سینچر نام سے پکارتے ہیں اور اسی نسبت سے ہفتہ کو سینچر وار سے پکارتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی مہینوں کے نام بھی مختلف سیاروں کی طرف منسوب کر کے رکھے گئے ہیں مثلاً پہلا انگریزی مہینہ جنوری (January) کہلاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ (جنوری) اہل مغرب کے معتقدات کے مطابق، جینس نامی رومن دیوتا کی چونکہ یاد تازہ کرتا ہے لہٰذا اسی دیوتا کی طرف اس مہینے کو منسوب کر دیا گیا۔

مذکورہ بالا تقویموں میں ہفتہ وار دنوں کے نام چونکہ دیوی دیوتاؤں اور سیاروں، ستاروں کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے شرک کا پہلو نمایاں کرتے تھے، اس لیے اسلام نے شرک کی بیخ کنی کرتے ہوئے ان دنوں کی نسبت کسی بھی مخلوق کی طرف کرنے کی بجائے محض عدد پر ان کی بنیاد رکھی تاکہ ان میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو۔ اسلامی تقویم کے مطابق ہفتہ وار دنوں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ یوم الجمعہ (جمعہ)

۲۔ یوم السبت (ہفتہ)

۳۔ یوم الاحد (اتوار)

۴۔ یوم الاثنین (سوموار)

۵۔ یوم الثلثاء (منگل)

۶۔ یوم الاربعاء (بدھ)

۷۔ یوم الخمیس (جمعرات)

اجرام فلکی کے تین بنیادی مقصد

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو بنیادی طور پر تین مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ آئندہ سطور میں ان مقاصد ثلاثہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

۱)......راستوں اور سمتوں کی معلومات اور وقت کے تعین کے لیے

قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں:

(۱) : ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ [سورة الانعام :۹۷]

''اور اسی ذات باری تعالیٰ نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کے ذریعے سے اندھیروں میں، خشکی میں اور دریا میں راستہ معلوم کرو بلاشبہ ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں؛ ان لوگوں کے لیے جو فہم وشعور رکھتے ہیں''۔

(۲): ﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ [سورة يونس:٦]

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ پیدا نہیں کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتا رہا ہے جو علم ودانش رکھتے ہیں۔''

یاد رہے کہ ستاروں اور دیگر اجرام فلکی کے تخلیقی مقاصد میں سے یہی ایک مقصد انسانوں کے لیے مختلف چیزوں کی معلومات کے لیے مفید اور مشروع (جائز) ہے اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس کا تعلق بھی علم ہیئت کی ان مختلف شاخوں سے ہے جن کے ذریعے ماہ وسال کا تعین، اوقات کا تقرر، کیلنڈروں کی تیاری اور سمتوں کے تعین وغیرہ میں مدد اور فائدہ حاصل کیا جاتا ہے جبکہ لوگوں کی تقدیر، کامیابی وناکامی، فتح وشکست، وغیرہ جیسی غیبی اور مستقبل کی مخفی باتوں میں ان ستاروں اور سیاروں کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ ان معاملات میں انہیں مؤثر سمجھنا شرک ہے جیسا کہ آگے احادیث میں آ رہا ہے۔

۲)......آسمان کی زیب وزینت کے لئے

اجرام فلکی کا دوسرا مقصد آسمان کی زیب وزینت ہے، جیسا کہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

(۱) : ﴿ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨ الْكَوَاكِبِ ﴾ [سورة الصافات:٦]

''ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے آراستہ کیا''۔

(۲) : ﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ﴾ [سورة الملك:٥]

''بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت والا بنا دیا''۔

۳)......شیطانوں کو مار بھگانے کے لئے

قرآن مجید میں ستاروں کی تخلیق کا تیسرا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں ان شیطانوں کے خلاف بطورِ ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آسمانی مجلس سے کوئی بات چرانے کے لیے عالم بالا کا رخ کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾

''ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا اور حفاظت کی سرکش شیطان سے۔ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لئے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے۔ بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے مگر جو کوئی ایک آدھی بات اچک کر لے بھاگے تو (فوراً) اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے''۔[الصافات۶ تا۱۰]

ستاروں کو انسانی قسمت کے ساتھ مربوط سمجھنا شرکیہ عقیدہ ہے

گذشتہ دلائل سے معلوم ہوا کہ ستاروں کی تخلیق کے تین ہی مقاصد ہیں اور ان مقاصد سہ گانہ کے علاوہ ان کا کوئی مقصد نہیں اور نہ ہی انسانی زندگی کی تبدیلیوں یا مستقبل کی باتوں (پیشگوئیوں) سے ان کا تعلق ہے۔ انسانی زندگی میں اگر ان کا کوئی تعلق ہوسکتا ہے تو وہ یہی کچھ ہے کہ ان سے راستوں اور سمتوں کی معلومات اور وقت کے تعین میں مدد لی جاتی ہے اور علم ہیئت (Astronomy) فی الحقیقت اسی مقصد کے حصول کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ علم ہیئت میں جتنی بھی ترقی کی جائے، ہرگز مذموم نہیں۔ لیکن اگر ستاروں کو کائنات کا مؤثر عامل (Factor) سمجھا جانے لگے اور ان کی بنیاد پر مستقبل کی غیبی خبروں کے حصول کے دعوے کئے جانے لگیں تو پھر اسے علم ہیئت سے موسوم نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی قطعیت وحقیقت ہے۔

ستاروں کو انسانی قسمت کے ساتھ مربوط سمجھنا اسلامی نقطۂ نظر سے ایک شرکیہ عقیدہ ہے، اسی لیے اس طرح کی چیزوں میں وقت ضائع کرنے اور دلچسپی لینے کی ہر صورت کی اسلام سخت مذمت کرتا ہے۔ آئندہ سطور میں اس حوالے سے نبی کریم ﷺ کی چند صحیح احادیث پیش کی جاتی ہیں:

۱)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنْ عِلْمِ النُّجُومِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ))[1]

''جس شخص نے 'نجوم' کے بارے میں کچھ بھی علم حاصل کیا، اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا، جتنا زیادہ علم نجوم سیکھے گا، گویا اتنا ہی زیادہ وہ جادو سیکھنے کے مترادف ہوگا۔''

۱۔ ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی النجوم، ح ۳۹۰۵۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب تعلم النجوم، ح ۳۷۲۶۔

۲)......حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ میں، ہم کو ایک صبح نماز پڑھائی۔ اس رات بارش ہوئی تھی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: معلوم ہے تمہارے رب نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پروردگار نے فرمایا ہے: آج میرے دو طرح کے بندوں نے صبح کی۔ ایک مومن ہیں اور ایک کافر۔ جس نے کہا کہ اللہ کے فضل و رحم سے بارش ہوئی وہ تو مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا اور جس نے کہا فلاں تارے کے فلاں جگہ آنے سے بارش ہوئی تو اس نے میرا کفر کیا اور وہ تاروں پر ایمان لایا''(۱)۔

۴۔ فالنامے اور انسانی قسمت

'فال' کیا ہے؟ اس کے بارے میں حاجی خلیفہ بیان کرتے ہیں کہ ''یعنی فال ایسا علم ہے جس کے ذریعے مستقبل کے بعض واقعات کو معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کسی شخص سے اچانک کوئی بات سننے یا قرآن مجید کھولنے یا قرآن کے علاوہ دیگر کتابیں مثلاً دیوانِ حافظ اور مثنوی وغیرہ کھولنے کے ساتھ یہ عمل کیا جاتا ہے''(۲)۔

دورِ جاہلیت میں لوگ اپنے سفر، کاروبار، شادی اور دیگر معاملات میں عموماً تیروں کے ذریعے فال نکالتے اور ان تیروں پر ہاں، کرلو وغیرہ کے الفاظ ہوتے یا اس کے برعکس نہیں، نہ کرو وغیرہ جیسے الفاظ ہوتے اور بعض تیر بالکل خالی ہوتے۔ اگر ایسا تیر نکلتا جس پر مطلوبہ کام کرنے کا مشورہ ہوتا تو وہ لوگ اس کے مطابق مطلوبہ کام کرتے، اگر نہ کرنے کا تیر نکلتا تو اس کام کو چھوڑ دیا جاتا اور اگر سادہ تیر نکلتا تو دوبارہ قسمت آزمائی کے لئے فال نکالی جاتی۔

فال کی دو قسمیں

فقہاء و علماء نے فال کی دو قسمیں بیان کی ہیں جیسا کہ امام قرافی لکھتے ہیں کہ

''فال کی دو قسمیں ہیں، ایک مباح و جائز ہے (یعنی جس میں اچھے کلمات کی بنیاد پر حسن ظن قائم کیا جاتا ہے) اور وہ حدیث کہ نبی کریم ﷺ اچھی فال کو پسند کیا کرتے تھے، اسے اسی مباح قسم پر محمول کیا جائے گا اور دوسری قسم حرام ہے جیسا کہ امام طرطوشی فرماتے ہیں کہ قرآن سے یا علم رمل سے یا قرعہ وغیرہ سے فال لینا یہ سب حرام ہے کیونکہ یہ استقسام میں شامل ہے اور استقسام یہ ہے کہ اہل عرب کے پاس فالنامے کے تیر ہوتے۔ ایک پر افعل (کرلو) اور دوسرے پر لاتفعل (نہ کرو) اور تیسرے پر غفل (یعنی کچھ لکھا نہ) ہوتا۔ اگر پہلا تیر نکلتا تو وہ مطلوبہ کام کرتے، دوسری قسم کا نکلتا تو وہ

۱۔ بخاری، کتاب الاذان، باب یستقبل الامام الناس اذا سلم، ح۸٤٦۔۱۰۳۸۔مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء ح۷۱۔احمد، ج٤ ص۱۱۷۔موطا، ج۱ ص۱۹۲۔

۲۔ کشف الظنون، ج ۲ ص ۱۲۱٦۔ مفتاح السعادة، ج ۲ ص ۳۳۷۔

مطلوبہ کام نہ کرتے اور تیسری قسم کا تیر نکلتا تو دوبارہ پھر تیر سے فال نکالتے۔ یہ غیب معلوم کرنے کی ایک قسم ہے اور اسے استقسام اس لئے کہا گیا ہے کہ اس سے اچھی قسم (یعنی ہاں والے تیر) کی تلاش کی جاتی اور بری قسم (یعنی نہ کروالے تیر) کی وجہ سے مطلوبہ کام نہ کیا جاتا۔ یہ وہی استقسام بالازلام ہے جس کی حرمت قرآن مجید میں موجود ہے لہٰذا ایسی فال نکالنے کا عمل حرام ہے''۔ [الفروق للقرافی، ج۴ص۲۴۰،۲۴۱۔]

جائز فال کون سی ہے؟

فال کی ایک قسم جائز ومباح ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی اچھے کلمہ کو سن کر اچھا گمان کرنا مثلاً بیمار شخص کسی سے 'تندرست' یا 'صحت' یا 'سالم' اور صحیح وغیرہ کا لفظ سن کر یہ گمان کرے کہ وہ عنقریب صحت مند ہو جائے گا یا کوئی لشکر لفظ غنیمت سن کر یہ فال لے کہ انہیں اس معرکہ میں کامیابی حاصل ہوگی یا کوئی طالب علم امتحان سے پہلے لفظ نجات (نجاح وغیرہ) سن کر یہ حسن ظن قائم کرے کہ وہ امتحان میں کامیاب ہو جائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جس طرح خوشبو سے انسانی ذہن فرحت وتازگی محسوس کرتا ہے، اسی طرح اچھے کلمات سے بھی انسان طبعی طور پر خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے اچھے کلمات سے فال لینا یعنی اچھا گمان قائم کرنا بالکل مستحب ہے بلکہ اس لحاظ سے اسے سنت بھی کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اچھے کلمات سے فال لینا (یعنی حسن ظن قائم کرنا) پسند کیا ہے اور آپؐ نے فال کی تعریف ہی یہ کی کہ اس سے مراد اچھا کلمہ (الكلمة الطيبة يا الكلمة الصالحة) ہے اور درج ذیل احادیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

(۱)...... ((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَالُ، قَالُوا وَمَا الْفَالُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا اَحَدُكُمْ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بدشگونی کی کوئی اصل نہیں اور اس سلسلہ میں بہترین چیز 'فال' ہے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! فال کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فال وہ عمدہ بات (نیک اور اچھی بات) ہے جو تم میں سے کوئی (اچانک) سنتا ہے''[۱]۔

(۲)...... ''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کسی چیز سے بُرا شگون نہیں لیا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کسی شخص کو ذمہ دار بنا کر کہیں روانہ فرمانا چاہتے تو اس کا نام دریافت کرتے۔ اگر اس کا نام آپ کو پسند آتا تو آپ خوش ہوتے اور خوشی سے آپ کا چہرہ مسکرا اٹھتا لیکن اگر آپ اس نام کو ناپسند کرتے تو ناپسندیدگی کے آثار بھی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہو جاتے۔ اسی طرح جب آپ ﷺ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس بستی کا نام دریافت فرماتے، اگر وہ نام آپ کو پسند آتا تو آپ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار دکھائی دیتے اور اگر وہ نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرہ مبارک پر کراہت کے آثار نمایاں ہوتے''[۲]۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الفال، ح۵۷۵۵۔

۲۔ ابو داؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرة۔ نیز دیکھیے: احمد، ج۵ص۳۴۸۔ابن حبان، ح۱۴۳۰۔ السلسلة الصحیحة، ح۷۶۲۔

(۳)......((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَتَفَاءَلُ وَلَا یَتَطَیَّرُ وَیُعْجِبُهُ الْاِسْمُ الْحَسَنُ))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ فال لیا کرتے تھے اور براشگون نہیں لیتے تھے اور آپ ﷺ کو اچھا نام پسند تھا''۔ (۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اچھے کلمات سن کر اچھا گمان کرنا ہی 'فال' ہے کیونکہ فال کی یہی تعریف حضور ﷺ سے منقول ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ اچھے ناموں کو پسند فرماتے اور اچھے نام رکھنے کی ترغیب دلاتے اور اگر کسی کا نام برا ہوتا تو آپ اسے تبدیل فرما دیتے جبکہ مشرک لوگ' فال سے فالنامہ مراد لیتے اور اچھے اور برے دونوں طرح کے معاملات کی پیشگی معلومات کے لئے تیروں کی قرعہ اندازی پر اعتماد کرتے۔ اگر ان کی فال اور قسمت آزمائی میں ناپسندیدہ چیز برآمد ہوتی تو وہ بدظنی کا شکار ہو جاتے اور اس بدظنی کے پیچھے کوئی معقول وجہ بھی نہ ہوتی۔ اس لئے اسلام نے اس چیز کو ناپسند کرتے ہوئے اس سے منع فرما دیا ہے۔

فال کی ناجائز قسم

فال کی دوسری قسم وہ ہے جس میں فالناموں وغیرہ کے ذریعے قسمت آزمائی کی جاتی ہے۔ اس فال کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان کسی کام سے پہلے محض توہم پرستی یا اٹکل پچو سے اس کے اچھے یا برے نتائج معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ قسم نہ صرف ناجائز اور ممنوع ہے بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر و شرک کا مرتکب بھی بنا دیتی ہے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ مختلف ظاہری اسباب و عوامل اور سابقہ تجربات کے ذریعے کسی کام کے پیشگی اثرات و نتائج معلوم کرنا فالنامہ میں داخل نہیں بلکہ یہ ظاہری اسباب پر موقوف ہے۔ اس لئے تجربات سے فائدہ اٹھانا قطعی طور پر درست اور بصیرت و دانائی کی علامت ہے مثلاً کوئی شخص خاص قسم کا کاروبار کرنا چاہتا ہے تو وہ اس سلسلہ میں ایسے لوگوں سے رابطہ کرتا ہے جو پہلے سے یہ کاروبار کر رہے ہیں یا کسی وقت کرتے رہے ہیں تاکہ اس کاروبار کے تمام اچھے، برے پہلو واضح ہو جائیں، تو یہ اقدام بلاشبہ جائز ہے لیکن 'فٹ پاتھ' پر بیٹھے سارے جہان کی خاک پھانکنے والے، دوکوڑی کے محتاج احمق عامل کے پاس بیٹھ کر کسی کاغذ پر آنکھیں بند کر کے انگلی پھیرنا اور ہاں یا ناں میں اپنے مقصد کا حل تلاش کرنا اور غیب جاننے کی کوشش کرنا حماقت اور بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے......؟!

......☆......

۱۔ مسند احمد، ج۱ ص ۲۵۷، ۳۰۴۔ طیالسی، ح۲۶۹۰۔شرح السنة، ح۳۲۵٤۔سلسلة الاحادیث الصحیحة، ح۷۷۷۔

باب ۷

آخرت پر ایمان

فصل ا

موت کا بیان

موت ایک اٹل حقیقت ہے

اس بات سے آج تک کوئی انکار نہیں کر سکا کہ 'موت ایک اٹل حقیقت ہے'۔ جسے زندگی ملی، اسے موت سے بھی دوچار ہونا پڑا، جو آج زندہ ہے کل کو اسے مرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [آل عمران:۱۸۵]

''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیے جاؤ گے''۔

﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ [سورة النساء:۷۸]

''تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ پکڑے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ ہو''۔

زندگی اور موت حادثاتی کھیل نہیں

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اور یہ کائنات حادثاتی طور پر خود بخود پیدا ہوگئی تھی، موت کے بارے میں بھی ان کی سوچ یہی ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود فنا ہو جائے گا۔ لیکن اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ نہ یہ کائنات حادثاتی طور پر بنی ہے اور نہ ہی انسان خود بخود پیدا ہو گیا ہے، بلکہ اس کائنات کا ایک خالق و مالک ہے جس نے خاص مقصد کے تحت اس کائنات اور اس میں بسنے والوں کو وجود بخشا ہے۔ اسی کے حکم سے انسان پیدا ہوتا اور اسی کے حکم سے مرتا ہے۔ انسان کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرے اور جو زندگی اسے ملی ہے، اسے اپنے خالق و مالک کے حکم کے مطابق بسر کرے۔ گویا زندگی انسان کے لیے ایک مہلت ہے اور اس میں انسان کی آزمائش بھی ہے کہ وہ اسے اللہ کے حکم کے مطابق گزارتا ہے یا من مانی کرتا ہے۔ یہی بات قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [سورة الملك:۲]

''جس (اللہ) نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے''۔

جب انسان کی روح نکال لی جاتی اور اسے موت دے دی جاتی ہے تو اسی لمحے یہ مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ اس مہلت سے اگر انسان نے فائدہ اٹھایا اور اگلی زندگی کی بہتری کی کوشش کی تو وہ کامیاب اور اگر اس مہلت سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکا تو اگلی زندگی میں بھی وہ نقصان اٹھانے والوں کی صف میں ہوگا۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ زندگی کی یہ مہلت ہر شخص کو صرف ایک ہی مرتبہ ملتی ہے، دوبارہ یہ مہلت نہیں ملتی۔ قرآن مجید کے

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی جب موت آتی ہے تو وہ دنیا میں جانے اور نیک عمل کرنے کی مہلت مانگتا ہے، اور فاسق کو جب موت آتی ہے تو وہ بھی اپنے گناہوں سے توبہ کی مہلت مانگتا ہے، مگر دونوں میں سے کسی کو بھی مہلت نہیں دی جاتی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴾ [سورة المؤمنون: ۹۹، ۱۰۰]

''جب ان (گنہگاروں) میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو وہ کہتا ہے: ''اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے تاکہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کروں''۔ (مگر اللہ فرماتے ہیں) ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے، (اب) ان کے پس پشت تو ایک حجاب (برزخ) ہے، ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک''۔

ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے مگر اسے معلوم نہیں

یہ زندگی چونکہ امتحان کے لیے ہے، اس لیے اس زندگی کے خاتمہ سے پہلے کسی انسان کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ اس کا کتنا وقت اور کتنی عمر باقی رہ گئی ہے تاکہ وہ یہ نہ سوچے کہ جب زندگی بالکل اختتام کو پہنچ جائے گی تب توبہ کر کے اللہ کے مطیع فرمان بندوں میں شامل ہو جاؤں گا اور اس سے پہلے جو چاہوں من مانی کرتا رہوں۔ بلکہ انسان سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ ہر لحہ موت کے لیے تیار رہے۔ اور اس بات کا علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے کہ ایک انسان کو کب، کہاں اور کیسے موت آئے گی، تاہم ہمیں یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ جب موت کا وقت آ جائے گا تو پھر اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی، حتی کہ ایک لحہ اور ایک سانس کی بھی مہلت نہیں دی جائے گی۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے مختلف آیات میں اس طرح بیان کیا ہے:

(۱)...... ﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ﴾ [سورة آل عمران: ۱۴۵]

''کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا، موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے''۔

(۲)...... ﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ [سورة الاعراف: ۳۴]

''اور ہر گروہ کے لیے ایک میعاد معین ہے پس جس وقت ان کی میعاد معین آ جائے گی اس وقت وہ ایک ساعت بھی نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے''۔

انسانی عمر کی اوسط حد کیا ہے؟

کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی کل عمر کتنی ہے اور نہ ہی کوئی شخص یہ جان سکتا ہے کہ اسے کب اور کس لمحے موت آ جائے گی، لیکن اتنا ضرور ہے کہ عام طور پر ایک انسان کو تقریباً ساٹھ سے ستر سال کی عمر دی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَعْمَارُ اُمَّتِیْ مَا بَیْنَ السِّتِّیْنَ اِلَی السَّبْعِیْنَ اَقَلُّھُمْ مَنْ یَّجُوْزُ ذٰلِكَ))(۱)

''میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر (سال) کے درمیان ہیں اور بہت کم ایسے ہوں گے جو ستر سے تجاوز کریں گے''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَمَّرَہُ اللّٰہُ سِتِّیْنَ سَنَةً فَقَدْ اَعْذَرَ اللّٰہُ اِلَیْہِ فِی الْعُمُرِ))(۲)

''جسے اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال عمر دے دی، تو اس کے لیے پھر عمر کے سلسلہ میں کوئی عذر نہیں چھوڑا''۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں جانے کے بعد ہی اخروی زندگی کی تیاری کرے، اور اس سے پہلے موت، آخرت اور اللہ کی پکڑ سے غافل ہو جائے، بلکہ یہ ہر اس شخص کے لیے حماقت اور بے وقوفی کی بات ہے جو ایسا کرتا ہے، اس لیے کہ موت اس سے پہلے بھی آ سکتی ہے۔

موت کو ہمیشہ یاد رکھنا اور ہر دم اس کے لیے تیار رہنا چاہیے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ ایک انصاری آدمی آیا اور اس نے نبی کریم ﷺ سے سلام کہا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مومنوں میں سے کون سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا: مومنوں میں سے سب سے زیادہ عقل مند کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

((اَكْثَرُھُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَ اَحْسَنُھُمْ لِمَا بَعْدَہُ اِسْتِعْدَادًا، اُولٰئِكَ الْاَكْیَاسُ))(۳)

''جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور موت کے بعد آنے والے وقت کے لیے خوب اچھی طرح تیاری کرے وہ سب سے زیادہ عقل مند ہے''۔

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَكْثِرُوْا ذِكْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ یَعْنِی الْمَوْتَ))(۴)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لذتوں کو مٹانے والی چیز، یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو''۔

لمبی عمر اور اچھے عمل؛ سعادت مندی کی علامت ہے

اگر کسی انسان کو لمبی عمر ملے تو اسے چاہیے کہ اس عمر سے فائدہ اٹھائے اور زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرے۔ ایسے لوگوں کو سعادت مند قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة، للشیخ ناصر الدین الالبانیؒ، حدیث ۷۵۷۔ ۲۔ ایضاً، بذیل حدیث ۱۰۸۹۔

۳۔ ابن ماجة، کتاب الزھد، باب ذکر الموت و الاستعداد له، حدیث ۴۲۵۹۔

۴۔ سنن ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی ذکر الموت، ح ۲۳۰۷۔ سنن نسائی، ح ۱۸۲۳۔ سنن ابن ماجه، ح ۴۲۵۸۔

((اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِكُمْ ؟ خِيَارُكُمْ اَطْوَلُكُمْ اَعْمَارًا وَاَحْسَنُكُمْ اَعْمَالًا))[1]

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں بہترین (سعادت مند) لوگ کون ہیں؟ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کی عمر نسبتاً لمبی ہو اور عمل کے لحاظ سے بھی وہ تم میں سب سے اچھے ہوں''۔

زندگی کو غنیمت سمجھیں

زندگی تھوڑی ہو یا زیادہ، اسے غنیمت سمجھنا چاہیے اور یہی کوشش کرنی چاہیے کہ موت سے پہلے جتنا زیادہ ممکن ہو نیک عمل کر لیے جائیں، نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو یہی نصیحت کیا کرتے تھے، جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبِيَّ فَقَالَ: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ: اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ))[2]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑا اور فرمایا: ''عبداللہ! دنیا میں مسافر یا راہ چلنے والے کی طرح زندگی گزارو''۔ چنانچہ (اس کے بعد) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خود بھی کہا کرتے تھے کہ (لوگو!) اگر شام کر لو تو صبح کا انتظار مت کرو اور اگر صبح کر لو تو شام کا انتظار نہ کرو اور صحت کو بیماری سے پہلے، اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو''۔

موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے سوائے دو صورتوں کے

اسلام نہ تو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ انسان دنیا کی مشکلات سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے لگے اور نہ ہی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ موت سے فرار کی راہیں سوچتا اور اس کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ گھبراتا رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ اَنْ يَّزْدَادَ خَيْرًا وَاِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهُ اَنْ يَّسْتَعْتِبَ))[3]

''تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہوگا تو امید ہے کہ اس کے اعمال میں اور اضافہ ہو جائے اور اگر وہ برا ہے تو ممکن ہے کہ وہ (مرنے سے پہلے) توبہ ہی کر لے''۔

ایک اور روایت میں ہے:

((لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهٗ))

۱۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة، ح۱۲۹۸۔

۲۔ بخاری، كتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ كن في الدنيا كانك غريب، ح۶۴۱۶۔

۳۔ بخاری، كتاب المرضٰى، باب تمنى المريض الموت، ح۵۶۷۳۔ مسلم، كتاب الذكر، باب كراهة الموت...، ح۲۶۸۲۔

''تم میں سے کوئی شخص موت آنے سے پہلے اس کی تمنا ہرگز نہ کرے اور نہ ہی موت کی دعا مانگے''[1]۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ دو صورتوں میں موت کی تمنا کی جا سکتی ہے:

۱)...... ایک تو شہادت کی موت کی تمنا کی جا سکتی ہے، اس لیے کہ اس کی گنجائش شریعت میں موجود ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے بھی شہادت کی دعا کی ہے، جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے، میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے راستہ میں شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں''۔[2]

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ شہادت کی یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ))[3]

''یا اللہ! مجھے اپنے رسول کے شہر میں شہادت کی موت نصیب فرما''۔

بعض روایات میں یہ دعا الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ اس طرح مروی ہے:

((اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ))

''اے اللہ میں تجھ سے تیرے راستے میں شہادت کا سوال کرتا ہوں اور یہ بھی سوال کرتا ہوں کہ مجھے موت تیرے رسول کے شہر میں آئے''[4]۔

۲)...... دوسری صوت یہ ہے کہ اگر انسان کسی ایسی بڑی آزمائش سے دوچار ہو جائے کہ اس کے لیے دین و ایمان پر قائم رہنا بھی مشکل ہو جائے تو پھر ایسی حالت میں موت کی تمنا کی گنجائش نکل آتی ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اگر کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو اس تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا ہرگز نہ کرے، لیکن اگر بہت مجبور ہو جائے تو اس طرح کہہ لے:

((اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیَاةُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ مَا کَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ))[5]

۱۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، ایضاً۔

۲۔ بخاری، کتاب الجهاد، باب تمنی الشهادة، ح۳۷۹۷۔ مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الجهاد، ح۱۸۷۶۔

۳۔ بخاری، کتاب الجهاد، باب الدعاء بالجهاد والشهادة۔

٤۔ بخاری، کتاب فضائل المدینة، باب ۱۲، ح۱۸۹۰۔

٥۔ بخاری، کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت ح۵۶۷۱۔ مسلم، ح۲۶۸۰۔

''الٰہی! جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب موت بہتر ہو تو مجھے اٹھا لے''۔

اللہ سے ملاقات کی خواہش رکھنی چاہیے

موت کی تمنا تو درست نہیں مگر اللہ سے ملاقات کی خواہش ضرور ہونی چاہیے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

۱)...... ((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ صَامِتٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ))[۱]

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں''۔

۲)...... ((عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ ؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِثْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ))[۲]

''حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: دو چیزوں کو ابن آدم (یعنی انسان) ناپسند کرتا ہے: پہلی چیز موت ہے حالانکہ موت مومن کے لیے فتنوں کے مقابلے میں بہتر ہے۔ دوسری چیز مال کی کمی ہے حالانکہ مال کی کمی (قیامت کے روز) آسان حساب کا سبب بنے گی''۔

۳)...... ''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا کسی اور نے (یہ فرمان سن کر) عرض کیا کہ مرنا تو ہم بھی ناپسند کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بات یہ نہیں جو تم نے سمجھی ہے، بلکہ یہ ہے کہ مومن کو جب موت آتی ہے تو اسے اللہ کی رضا اور اس کے ہاں اس کی عزت کی خوشخبری دی جاتی ہے اور جب اس کے سامنے یہ چیز ہوتی ہے تو اس وقت مومن کو کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز نہیں ہوتی، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہش مند ہو جاتا ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی وعید سنائی جاتی ہے، جب وہ یہ چیز دیکھتا ہے تو اس وقت کوئی اور چیز اس کے دل میں اس سے زیادہ ناگوار نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں''۔[۳]

۱۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب من احب لقاء الله احب الله لقائه، ح۶۵۰۷۔ مسلم، کتاب الذکر، باب من احب لقاء...، ۲۶۸۴۔

۲۔ السلسلة الصحيحة، ح۸۱۳۔ ۳۔ بخاری، ۶۵۰۷۔ مسلم، الذکر، ۲۶۸۴۔ ترمذی، ح۱۰۶۷۔ نسائی، ح۱۸۳۷۔

اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھنا چاہیے

((عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ وَفَاتِهٖ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللّٰهِ الظَّنَّ))

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تین دن پہلے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کو اس حالت میں موت آنی چاہیے کہ وہ اللہ پر حسن ظن رکھنے والا ہو''[1]۔

یعنی یہ حسن ظن کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ خیر و بھلائی والا معاملہ فرمائیں گے، اس کی بخشش فرمائیں گے اور اسے اپنی جنت میں جگہ دیں گے۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک قریب المرگ نوجوان کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا: تم کیا محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ڈرتا بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے (اچھی) امید بھی رکھتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس موقع پر جب کسی کے دل میں خوف اور امید جمع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا کرتے ہیں جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اسے اس چیز سے محفوظ فرما دیتے ہیں جس سے وہ ڈرتا ہے۔[2]

خودکشی حرام ہے

بعض لوگ زندگی کی چھوٹی بڑی مشکلات کو دیکھ کر موت کی تمنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض تو اس حد تک دل برداشتہ ہو جاتے ہیں کہ اپنے آپ کو قتل کر بیٹھتے ہیں مگر اسلام اس بات سے سخت منع کرتا ہے اور خودکشی کو حرام قرار دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ [النساء : ۲۹] ''اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کی، وہ جہنم کی آگ میں بھی یہی سزا دیا جائے گا کہ اپنے آپ کو بلندی سے نیچے گراتا رہے۔ اور جس نے زہر پی کر خودکشی کی، اسے (سزا کے لیے) جہنم کی آگ میں زہر پکڑا دیا جائے گا اور وہ اسے پیتا رہے گا۔ جس نے لوہے کے کسی ہتھیار کے ساتھ خودکشی کی تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اس ہتھیار کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا''۔[3]

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جس نے جس چیز کے ساتھ خودکشی کی، اسی چیز کے ساتھ اسے قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا''۔[4]

۱۔ مسلم، کتاب الفتن، باب الامر بحسن الظن باللہ تعالیٰ عندالموت، ح۲۸۷۷۔

۲۔ صحیح سنن ترمذی، ح۷۸۵۔

۳۔ بخاری، کتاب الطب، باب شرب السم والدواء بہ وبما یخاف منہ، ح۵۷۷۸۔ مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ، ح۱۰۹۔

۴۔ مسلم، ایضاً، ح۱۱۰۔

ایک مسلمان کو موت سے گھبرانا نہیں چاہیے

جس طرح موت کی تمنا یا خودکشی درست نہیں اسی طرح یہ بات بھی ٹھیک نہیں کہ انسان موت سے گھبرا کر اس سے فرار کا سوچنے لگے، بلکہ جب موت کا وقت آ جائے تو جرأت سے اس کا سامنا کرنا چاہیے۔ اور ایک مومن کو تو یہ یقین ہونا چاہیے کہ موت کے بعد وہ دنیا کے قید خانہ سے نکل کر ابدی راحتوں والی زندگی کی طرف جا رہا ہے۔ اسی لیے موت کو مومن کے لیے ایک تحفہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تُحْفَةُ الْمُؤمِنِ الْمَوْتُ))[1]

''موت تو مومن شخص کے لیے ایک تحفہ ہے۔''

اسی طرح حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سے ایک جنازہ گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، آرام پانے والا ہے یا اس سے آرام حاصل کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! آرام پانے والا اور جس سے آرام حاصل کیا گیا ہے، اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَّصَبِ الدُّنْيَا وَاَذَاهَا اِلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ))[2]

''مومن آدمی دنیا کی تھکاوٹوں اور اذیتوں سے چھٹکارہ حاصل کر کے اللہ کی رحمت میں آرام پاتا ہے اور فاجر و فاسق آدمی سے لوگ، آبادیاں، درخت اور حیوانات بھی آرام پاتے ہیں''۔

موت کی سختی

بعض لوگوں کو چلتے پھرتے اور بغیر کسی مرض کے موت آ جاتی ہے اور یوں انہیں موت کی سختیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ یہ استثنائی صورتیں ہوتی ہیں، مگر عام حالات میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اکثر و بیشتر لوگوں کو موت کی سختیوں کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی موت کی سختیوں کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ [سورة ق:١٩]

''موت کی سختی حق لے کر آن پہنچی، یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا''۔

موت کی سختیوں کے بارے میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ فَاِنَّ هَوْلَ الْمُطَّلَعِ شَدِيْدٌ))[3]

١۔ الترغیب والترھیب، ح٥١٢٣۔ مجمع الزوائد، ج٢، ص٣٢٠۔ حسنه الھیثمیؒ۔

٢۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت، ح٦٥١٢۔ مسلم، الجنائز، ماجاء فی مستریح...، ح٩٥٠۔

٣۔ الترغیب والترھیب، ح٤٩٣١۔ احمد، ج٣، ص٣٣٢۔ مجمع الزوائد، ج١٠، ص٢٠٣، حسنه الھیثمیؒ۔

''موت کی تمنا مت کرو کیونکہ جان کنی کی تکلیف بڑی سخت ہے۔''

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ خود آنحضرت ﷺ کو بھی اس تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

((مَاتَ النَّبِيُّ ﷺ وَاِنَّهُ لَبَيْنَ حَاقِنَتِيْ وَذَاقِنَتِيْ فَلَا اَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِاَحَدٍ اَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ))[1]

''نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ میری ہنسلی اور تھوڑی کے درمیان (سر رکھے ہوئے) تھے۔ آپ ﷺ (کی موت کی سختی دیکھنے) کے بعد اب میں کسی کے لیے بھی موت کی شدت کو برا نہیں سمجھتی''۔

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو موت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہائے میرے والد کی تکلیف! یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا كَرْبَ عَلٰى اَبِيْكِ بَعْدَ الْيَوْمِ اِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ اَبِيْكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ اَحَدًا، الْمُوَافَاةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[2]

''آج کے بعد تمہارے والد کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، بے شک تیرے والد پر وہ وقت (یعنی موت کا وقت) آ گیا ہے جس سے کوئی بچنے والا نہیں ہے اور اب ملاقات قیامت کے روز ہوگی''۔

شہید کو قتل کے وقت صرف چیونٹی کے کاٹنے کے برابر تکلیف ہوتی ہے

شہادت کی موت کئی لحاظ سے عظیم ترین موت ہے۔ بظاہر تو انسان کا جسم چیر پھاڑ کا شکار ہوتا ہے مگر اسے تکلیف اس سے زیادہ نہیں ہوتی جتنی ایک چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا يَجِدُ الشَّهِيْدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ مَسَّ الْقَرْصَةِ))

''شہید کو قتل کے وقت صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے''۔[3]

اچانک پن کی موت مومن کے لیے رحمت اور کافر کے لیے زحمت ہے

کسی مومن کو اگر موت کی سختیوں کا سامنا کیے بغیر اچانک موت آ جائے تو یہ اس کے لیے رحمت ثابت ہوتی ہے، اس لیے کہ مومن تو ہر وقت اللہ کے حضور توبہ واستغفار کرتا رہتا اور ہر دم موت کے لیے گویا تیار ہی رہتا ہے، جب کہ فاسق وفاجر کے لیے یہ ایک طرح سے آزمائش ہے، اس لیے کہ اسے توبہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس کی مہلت نہیں مل پاتی۔ چنانچہ حضرت عبید اللہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَوْتُ الْفَجْأَةِ اَخْذَةُ اَسَفٍ))

۱۔ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، ح٤٤٤٦۔

۲۔ ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته ودفنه، ح١٦٢٩۔ السلسلة الصحيحة، ح١٧٣٨۔

۳۔ ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل المرابط، ح١٦٦٨۔ ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب فضل الشهادة ٢٨٠٢۔

''اچانک پن کی موت اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے ایک پکڑ (سزا) ہوتی ہے''۔[1] دوسری روایت میں ہے:

((مَوْتُ الْفَجْأَةِ رَاحَةٌ لِلْمُؤْمِنِ وَاَخْذَةُ اَسَفٍ لِلْفَاجِرِ))[2]

''اچانک پن کی موت گنہگار شخص کے لیے اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے ایک پکڑ (سزا) ہوتی ہے جب کہ مومن کے لیے یہ رحمت ہے''۔

بری موت سے پناہ مانگنی چاہیے

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (بری موت سے بچاؤ کی) یہ۔۔۔ کہتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَالتَّرَدِّیْ، وَالْهَدْمِ وَالْغَمِّ وَالْحَرِیْقِ وَالْغَرَقِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ یَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِكَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُ بِكَ وَ اَنْ اَمُوْتَ لَدِیْغًا))[3]

''اے اللہ! میں بڑھاپے کی عمر میں مرنے اور بلندی سے گر کر مرنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور کسی چیز کے بوجھ تلے دب کر آنے والی موت اور غم سے آنے والی موت سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔ نیز آگ میں جل کر مرنے اور پانی میں ڈوب کر مرنے سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔ نیز مرتے وقت شیطان کے کسی بھی حملے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور تیری راہ میں (جہاد کرتے وقت) پشت دکھا کر مرنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور زہریلے جانور کے کاٹنے سے آنے والی موت سے بھی پناہ مانگتا ہوں''۔

زندگی اور موت کی بہتری کے لیے ایک مسنون دعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ آخِرَتِیَ الَّتِیْ اِلَیْهَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیَاةَ زِیَادَةً لِّیْ فِیْ كُلِّ خَیْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ))[4]

''یا اللہ! میرے دین کی اصلاح فرما، جو میرے انجام کا محافظ ہے۔ میری دنیا کی اصلاح فرما جس میں میرا رزق ہے۔ میری آخرت کی اصلاح فرما جہاں مجھے (مرنے کے بعد) جانا ہے۔ اور میری زندگی کو میرے لیے نیکیوں میں اضافے کا باعث بنا اور میری موت کو ہر برائی سے بچنے کے لیے باعثِ راحت بنا''۔

۱۔ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی موت الفجأة، ح ۳۱۱۰۔ صححه الالبانیؒ۔

۲۔ ضعیف الجامع، ح ۵۸۹۶۔ السنن الکبریٰ، للبیهقی، ج۳، ص۳۷۸۔ ضعفه الالبانیؒ۔

۳۔ نسائی، کتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من التردی والهدم، ح ۵۵۳۴۔

٤۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فی الادعیة، ح ۲۷۲۰۔

موت کا سفر

اللہ تعالیٰ زندگی اور موت کا مالک ہے، اور اللہ ہی کے حکم سے انسان کو موت آتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کی موت کا فیصلہ کرتے ہیں، تو اپنے فرشتے 'ملک الموت' (یعنی وہ فرشتہ جسے اللہ تعالیٰ نے روح قبض کرنے پر مامور فرما رکھا ہے) اور اس کے ساتھ معاون دیگر فرشتوں کو حکم دیتے ہیں اور یہ فرشتے اس انسان کے پاس جا کر اس کی روح کھینچ لیتے ہیں۔

ملک الموت کے بارے قرآن مجید میں اس طرح تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ﴾[سورة السجدة : ١١]

''(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجئے کہ تمہاری روحیں وہ موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذی روح کی روح قبض کرنے کی ذمہ داری ملک الموت کی ہے اور بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضِ روح کا کام صرف ملک الموت علیہ السلام اکیلا ہی نہیں کرتا بلکہ ان کے ساتھ کئی اور فرشتے بھی اس ذمہ داری پر مقرر ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴾ [سورة الانعام : ٦١]

''اور وہی اپنے بندوں پر غالب و برتر ہے اور تم پر نگہداشت رکھنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے''۔

انسان کی روح نکالنے والے فرشتے دو طرح کے ہوتے ہیں؛ ایک وہ جو اہل ایمان کی روح بڑے آرام سے نکالتے ہیں اور ایک وہ جو کافروں کی روح بڑی سختی سے نکالتے ہیں۔ سورۂ نازعات میں ان دونوں طرح کے فرشتوں کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴾[سورة النازعات : ٢،١]

''ڈوب کر سختی سے (روح) کھینچنے والوں کی قسم! گرہ کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم!''۔

گرہ کھول کر چھڑا دینے کی وضاحت حدیث میں اس طرح کی گئی ہے کہ جیسے مشکیزے کا منہ کھولا جائے تو اس میں موجود پانی بڑی آسانی کے ساتھ اس سے نکل کر بہہ پڑتا ہے جب کہ سختی سے روح کھینچنے کی وضاحت احادیث میں اس طرح کی گئی ہے کہ جیسے ململ کا کپڑا کانٹے دار جھاڑی پر ڈالا جائے اور کانٹے جب اس میں پیوست ہو جائیں تو اسے ایک طرف سے پکڑ کر اس زور سے کھینچا جائے کہ کپڑے کے چیتھڑے اڑ جائیں۔ بعض روایات میں ہے کہ گناہ گار آدمی کی روح فرشتے اس طرح سختی سے نکالتے ہیں جیسے گوشت والی نوک دار سیخ بھیگی اُون سے نکالی جائے۔

مومن اور کافر شخص کی موت کا منظر

موت کے وقت ایک طرف موت کی سختیاں ہوتی ہیں اور دوسری طرف انسان اس بات سے خائف ہوتا ہے کہ نہ جانے مرنے کے بعد اس سے کیا سلوک کیا جائے گا۔ ایک نیک صالح اور باعمل مومن شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نرمی کی جاتی ہے کہ اسے کم از کم یہ بشارت دے دی جاتی ہے کہ اس کی آخرت محفوظ اور بہتر ہے اور اس کا رب اس سے راضی ہے۔ یہ بشارت فرشتوں کے ذریعے دی جاتی ہے اور اس موقع پر آنے والے فرشتوں کے چہرے سفید، خوبصورت اور روشن ہوتے ہیں۔ ان فرشتوں اور ان کی طرف سے دی جانے والی بشارت کی طرف قرآن مجید میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾ [سورة فصلت: ۳۰ تا ۳۲]

واقعی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔ تمہاری زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو، سب تمہارے لیے (جنت میں موجود) ہے۔ غفور رحیم کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے''۔

جب کہ کافر اور فاسق و فاجر لوگوں کے ساتھ ایسی نرمی تو دور کی بات، الٹا سختی سے کام لیا جاتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ﴾ [سورة محمد: ۲۷]

''پس ان کی کیسی (درگت) ہوگی جبکہ فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوئے انکے چہروں اور ان کی کمروں پر ماریں گے''۔

ملک الموت علیہ السلام اور ان کے ساتھی فرشتے اہل ایمان اور کفار کی جان کیسے نکالتے ہیں، اس کی وضاحت درج ذیل احادیث سے بخوبی ہوتی ہے:

)...... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''ہم ایک انصاری کے جنازے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ جب ہم قبر کے پاس پہنچے تو ابھی لحد تیار نہیں تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قبلہ رو ہوکر) بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد (خاموش ہوکر اس طرح) بیٹھ گئے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے۔ آپؐ نے سر اٹھا کر دو یا تین مرتبہ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے عذابِ قبر کی پناہ مانگو!'' پھر فرمایا: ''جب مومن بندہ اس دنیا سے رخصت ہوکر آخرت کی طرف جا رہا ہوتا ہے تو آسمان سے اس کے پاس فرشتے آتے ہیں، ایسے روشن چہرے والے گویا کہ ان کے چہرے سورج ہیں۔ ان کے پاس جنت سے لایا ہوا کفن اور جنت ہی کی خوشبو ہوتی ہے۔ وہ حدِ نگاہ تک آ کر بیٹھ

جاتے ہیں۔ آخر میں مَلکُ الموت تشریف لاتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر فرماتے ہیں: ''اے پاکیزہ روح! (ایک روایت میں ہے: اے مطمئن روح!) اپنے پروردگار کی مغفرت وعنایت کی طرف چل''۔

پھر وہ روح اس طرح نکلتی ہے جیسے پانی کا قطرہ مشکیزے کے منہ سے ٹپکتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت علیہ السلام اسے لے لیتے ہیں اور آنکھ جھپکنے سے پہلے دوسرے فرشتے ان سے وصول کر لیتے ہیں، پھر اسے جنت سے لائے ہوئے کفن اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں۔ اس سے دنیا کی بہترین خوشبو کے لپکے اٹھتے ہیں۔ پھر جب فرشتے اسے لے کر اوپر جاتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے ہیں، وہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ کس کی اتنی اچھی روح ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ''یہ صاحب فلاں بن فلاں ہیں''...... یعنی وہ مرنے والے کے اس خوبصورت ترین نام سے اسے یاد کرتے ہیں جس سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا...... اسی طرح وہ فرشتے اسے لے کر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر وہ اس کی خاطر دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں تو دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر اگلے آسمان تک اس آسمان کے مقرب ترین فرشتے اسے الوداع کہہ کر آتے ہیں۔ یہی معاملہ ساتویں آسمان تک چلتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''میرے بندے کا نامۂ اعمال بلند پایہ لوگوں کے دفتر میں لکھ دو اور اس کی روح کو زمین میں اس کے جسم میں واپس کر دو۔''

(پھر قبر میں) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اسے بیٹھنے کا کہتے ہیں، پھر دونوں اس سے اس طرح سوال پوچھتے ہیں: مَنْ رَبُّکَ؟ (تیرا رب کون ہے؟) وہ جواب دیتا ہے: رَبِّیَ اللّٰہ (میرا رب اللہ ہے) وہ سوال کرتے ہیں: مَا دِیْنُکَ؟ (تیرا دین کیا ہے؟) وہ جواب دیتا ہے: دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ (میرا دین اسلام ہے) وہ سوال کرتے ہیں: جو آدمی تمہاری طرف مبعوث کیا گیا اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہ (وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) فرشتے سوال کرتے ہیں: تیری معلومات کیا ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے: میں اللہ کی کتاب پڑھ کر ایمان لایا، اور میں نے اس کی تصدیق کی۔ چنانچہ ایک منادی کرنے والا آسمان سے اعلان کرتا ہے: ''اس بندے نے سچ کہا، اس کا ٹھکانہ جنت میں بناؤ، اسے جنت کا لباس پہناؤ، اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔'' چنانچہ جنت کی ہوائیں اور خوشبو اس کے پاس آنے لگتی ہے، اس کی قبر حدِ نگاہ تک کشادہ کر دی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: ''اور اس کے پاس ایک خوش شکل آدمی آتا ہے، جس کے کپڑے بھی خوبصورت ہوتے ہیں اور خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے۔ وہ آکر کہتا ہے: تجھے خوش کُن خبر کی بشارت دیتا ہوں، اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی جواباً کہتا ہے: اللہ تعالیٰ تمہیں بھی خوش وخرم رکھے، تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو کوئی اچھی خبر ہی لاسکتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے: میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ وہ جنت کی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو درخواست کرتا ہے: اے رب قیامت جلد برپا کر دے، اے رب قیامت جلد برپا کر دے، تاکہ میں اپنے اہل وعیال تک پہنچ سکوں۔

اور جب کافر اس دنیا سے رخصت اور سفرِ آخرت کی تیاری میں ہوتا ہے تو آسمان سے اس کے پاس فرشتے آتے ہیں، جن کے

چہرے سیاہ ہوتے ہیں اوران کے پاس جہنمی ٹاٹ ہوتے ہیں۔حدِ نگاہ تک اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔آخر میں ملک الموت علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اوراس کے سر کے پاس بیٹھ کر کہتے ہیں: اے خبیث روح! اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصے کے پاس پہنچو! پھراس کے جسم میں داخل ہوکراس طرح اس کی روح نکالتے ہیں جیسے گوشت والی نوک دار سیخ بھیگی اُون سے نکالی جائے۔ملک الموت علیہ السلام روح نکال لیتے ہیں،آنکھ جھپکنے سے پہلے دوسرے فرشتے ان کے ہاتھ سے لے کراسے ٹاٹ میں رکھ لیتے ہیں۔اس ٹاٹ سے ایسی بدبو آتی ہے جیسے زمینی گلے سڑے مردار کی ہو۔فرشتے اس روح کو لے کراوپر جاتے ہیں۔ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی خبیث روح ہے؟ تو فرشتے اس کا بدترین قسم کا دنیاوی نام لے کر بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔اس طرح وہ فرشتے آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔جب اس کی خاطر دروازہ کھولنے کی درخواست کی جاتی ہے تو نہیں کھولا جاتا۔اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾

''ان کے لیے آسمان کے دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں گے،اوران کا جنت میں جانا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا''۔[سورۃ الاعراف:۴۰] پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:''اس کا نامۂ اعمال قید خانے کے دفتر میں لکھ دو،جو کہ سب سے نچلی زمین میں ہے''۔چنانچہ بہت بری طرح اس کی روح کو آسمان سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ تلاوت فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾

''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا۔اب یا تو اسے پرندے اچک لیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔''[سورۃ الحج:۳۱]

پھراس کی روح واپس کردی جاتی ہے۔(قبر میں) اس کے پاس دو (سخت مزاج) فرشتے آتے ہیں جو اسے (جھنجوڑ کر) بٹھادیتے ہیں اوراس سے سوال کرتے ہیں: من ربک؟ (تیرا رب کون ہے؟) وہ جواب میں انتہائی پریشانی سے کہتا ہے: لَا اَدْرِیْ (مجھے معلوم نہیں) پھر وہ پوچھتے ہیں: مادینک؟ (تیرا دین کیا ہے؟) وہ پھر پریشانی کے ساتھ کہتا ہے: لَا اَدْرِیْ یعنی مجھے خبر نہیں۔پھر وہ پوچھتے ہیں کہ جو آدمی تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو وہ پریشانی کے عالم میں کہتا ہے: مجھے تو خبر نہیں۔آسمان سے اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ یہ جھوٹا ہے،اس کا بستر آگ کا بنا دو۔چنانچہ اس کے پاس جہنم کی گرمی اور لُو آتی ہے۔اس کی قبر اس حد تک تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں باہم دھنس جاتی ہیں پھر اس کے پاس بدنما چہرے کا آدمی ظاہر ہوتا ہے،جس کے کپڑے بھی بہت گندے ہوتے ہیں اور بدبو کے بھبھوکے اس سے اڑ رہے ہوتے ہیں،وہ آکر کہتا ہے: ایک تکلیف دہ خبر ہے،یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔یہ (مردہ) اسے کہتا ہے: اللہ تجھے بھی تکلیف دہ چیز سے دوچار کرے،تم کون ہو؟ ایسا

چہرہ تو کوئی بری خبر ہی لاسکتا ہے۔وہ جواباً کہتا ہے: میں تیرا خبیث عمل ہوں۔تو وہ (حسرت سے) کہتا ہے: اے پروردگار، قیامت بپانہ ہو!''[1]

۲)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب مومن کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کفن لے کر آتے ہیں اور مرنے والے (کی روح) سے کہتے ہیں: اللہ کی رحمت، جنت کی خوشبو اور اپنے رب کی طرف اس حال میں (اس جسم سے) نکلو کہ تم اپنے رب سے راضی ہو اور تمہارا رب تم سے راضی ہے۔ چنانچہ وہ روح نکلتی ہے اور اس سے بہترین کستوری جیسی خوشبو آ رہی ہوتی ہے، یہاں تک کہ فرشتے ایک دوسرے سے لے کر اس کی خوشبو سونگھتے ہیں اور جب آسمان کے دروازے پر پہنچتے ہیں تو آسمان کے فرشتے آپس میں کہتے ہیں، یہ کیسی عمدہ خوشبو (والی روح) ہے جو زمین سے تمہارے پاس آ رہی ہے۔ جب یہ فرشتے اگلے آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس آسمان کے فرشتے بھی اسی طرح کہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ فرشتے اس روح کو اہل ایمان کی روحوں کی معین جگہ (جسے قرآن میں ایک جگہ عِلِّيِّيْن کہا گیا اور بعض علماء کے بقول یہ جگہ سات آسمانوں کے اوپر ہے) میں لے آتے ہیں۔ جب وہ روح یہاں پہنچتی ہے تو (پہلے سے موجود) روحوں کو اتنی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی کو اپنے گمشدہ بھائی کے واپس ملنے پر ہوسکتی ہے، چنانچہ بعض روحیں (نئی آنے والی اس روح) سے پوچھتی ہیں کہ فلاں آدمی کا کیا حال ہے؟ پھر وہ آپس میں کہتی ہیں کہ اسے ذرا چھوڑ دو، تا کہ یہ آرام کر لے کیونکہ یہ دنیا کے مصائب میں مبتلا رہا ہے۔ (تھوڑا استانے کے بعد) وہ روح جواب دیتی ہے: کیا اس کی روح (جس کے بارے میں پہلی روحیں پوچھتی ہیں) تمہارے پاس نہیں آئی، وہ آدمی تو فوت ہو چکا ہے، چنانچہ اس پر وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی ماں 'ہاویہ' (یعنی جہنم) میں لے جایا گیا ہے۔ (پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کافر آدمی کے پاس عذاب کے فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں: اے ناراض اور مغضوب روح! نکل اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضی کی طرف، چنانچہ کافر کی روح جب جسم سے نکلتی ہے تو اس سے اس طرح بدبو آتی ہے جس طرح کسی مردار سے آتی ہے۔ فرشتے اسے لے کر زمین کے دروازے کی طرف آتے ہیں تو (اس دروازے کے محافظ) فرشتے کہتے ہیں کس قدر گندی بو ہے! جیسے ہی فرشتے اگلی زمین کے دروازے پر پہنچتے ہیں تو اس زمین کے دروازے کے محافظ فرشتے بھی ایسا ہی کہتے ہیں، حتی کہ عذاب کے فرشتے (جو اس بدبخت کی روح نکال کر لا رہے ہوتے ہیں) اسے کفار کی روحوں کی معین جگہ (جسے قرآن میں ایک جگہ سِجِّيْن کہا گیا ہے اور بعض علماء کے بقول یہ جگہ سات زمینوں کے نیچے ہے) میں لے آتے ہیں''۔[2]

۱۔ الحاکم، الایمان، ۳۷/۱، ۳۸۔ احمد، ج ٤، ص ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۵، ۲۹٦۔ نیز دیکھیے: احکام الجنائز، از علامہ البانیؒ، ص ۵۹۔

۲۔ المستدرك، للحاكم، كتاب الجنائز، باب حال قبض روح المؤمن وقبض روح الكافر۔

فصل ۲

قبر اور برزخی زندگی

قبر کیا ہے؟

مرنے کے بعد انسان کی لاش جہاں کہیں دفن کی جاتی ہے، اس جگہ کو 'قبر' کہا جاتا ہے۔ چونکہ انسانی جان کے احترام کے پیش نظر اسلام نے میت کو زمین میں دفنانے کی تعلیم دی ہے، اس لیے عام طور پر قبر اس زمینی گڑھے کو کہا جاتا ہے جس میں مردے دفنائے جاتے ہیں ورنہ قبر کے وسیع تر مفہوم میں ہر وہ جگہ شامل ہے جہاں میت کا جسم ہو، خواہ یہ زمین کی مٹی ہو، یا دریاؤں اور سمندروں کا پانی، یا پرندوں اور درندوں کے پیٹ۔

برزخی زندگی

انسان کی ایک زندگی تو وہ ہے جو وہ حالت شعور اور ارادہ واختیار کی قوت کے ساتھ اس دنیا میں گزارتا ہے۔ یہ ایک محدود زندگی ہے اور اسے دنیوی زندگی کا نام دیا جاتا ہے۔ اور ایک زندگی وہ ہے جو قیامت قائم ہونے کے بعد شروع ہوگی اور کبھی ختم نہ ہوگی۔ اسے اُخروی زندگی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں طرح کی زندگیوں کے درمیان ایک اور زندگی بھی ہے مگر وہ ان دونوں سے بہت مختلف ہے اور اسے ہی برزخی زندگی کہا جاتا ہے۔ یہ برزخی زندگی موت کے بعد شروع ہوتی ہے اور اسے برزخ اس لیے کہا جاتا ہے کہ عربی زبان میں برزخ دو چیزوں کے درمیان حائل رکاوٹ کو کہتے ہیں اور چونکہ یہ زندگی دنیوی زندگی اور اُخروی زندگی کے درمیان ہوتی ہے، اس لیے اسے برزخ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں برزخ کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

﴿ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ [سورة المؤمنون: ۱۰۰]

''اور ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے، ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک''۔

یاد رہے کہ موت کا یہ مطلب نہیں کہ اب انسان ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا ہے بلکہ موت کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیوی زندگی سے نکل کر برزخی زندگی میں داخل ہوگیا ہے اور جب قیامت کے روز تمام اگلے پچھلے انسانوں کو حساب کتاب کے لیے اٹھایا جائے گا تو اُخروی زندگی شروع ہوجائے گی۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دنیوی زندگی سے نکلنے کا واحد راستہ موت ہے۔ مرنے کے بعد انسان کا اس دنیا سے وہ تعلق ختم ہو جاتا ہے جو اسے زندگی میں حاصل تھا یعنی اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے پیچھے اس کے ورثا اور لواحقین کس حال میں ہیں، اس کے دوست احباب کیسے ہیں، دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور نہ ہی وہ زندہ افراد میں سے کسی کو اپنے بارے میں کچھ بتا سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے۔ اور نہ ہی مرنے والے کی روح کو اس طرح کا کوئی اختیار حاصل

ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں جا کر جس سے چاہے ملاقات کر لے۔

جس طرح فوت ہونے والا شخص دنیوی زندگی سے بے خبر اور لاتعلق ہو جاتا ہے، اسی طرح زندہ افراد میں سے بھی کوئی شخص مرنے والے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کس حال میں ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے اور نہ ہی کسی کے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہے کہ وہ موت کے بعد والی زندگی کے بارے میں کچھ جان سکے، سوائے انبیاء و رسل کے جنہیں اللہ تعالیٰ حسبِ منشا وحی کے ذریعے جب کبھی کچھ بتانا چاہتے تو بتا دیا کرتے تھے، جیسا کہ عذاب قبر سے متعلقہ احادیث کے ضمن میں آپ پڑھیں گے کہ نبی کریم ﷺ کو بعض موقعوں پر وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ مردوں کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ یا ایک اور ذریعہ خواب ہے مگر خواب بھی سچے اور جھوٹے ہر طرح کے ہوتے ہیں، اس لیے ہر خواب پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں خواب کا آنا انسان کے اپنے بس کی بات نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے ہماری کتاب: ''انسان اور کالے پیلے علوم'' ملاحظہ کریں)

قبر کی ہولناکیاں اور تاریکیاں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ جب آپ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ آنسوؤں سے داڑھی تر ہو جاتی۔ آپ سے کہا گیا کہ جنت اور جہنم کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ اس طرح نہیں روتے جس طرح قبر کی یاد سے روتے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ، قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ))[1]

''بے شک قبر آخرت کی گھاٹیوں میں سے پہلی گھاٹی ہے، اگر کوئی شخص اس میں کامیاب ہو گیا تو اس کے بعد والی گھاٹی اس سے زیادہ آسان ہو گی اور اگر اس میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس سے بعد والی گھاٹی اس سے زیادہ سخت ہو گی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے قبر سے زیادہ کوئی وحشت ناک منظر نہیں دیکھا''۔

نبی کریم ﷺ کے دور میں رات کے وقت ایک عورت فوت ہوئی تو صحابہؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کو اطلاع دیے بغیر کہ کہیں آپ تنگ نہ ہوں، اسے دفن کر دیا۔ جب آپ ﷺ نے اس عورت کے بارے میں پوچھا اور آپ کو اس کا ماجرا بتایا گیا تو آپ نے کہا کہ مجھے اس کی قبر پر لے چلو، وہاں جا کر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا:

((إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى أَهْلِهَا، وَإِنَّ اللّٰهَ مُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ))[2]

''یہ قبریں لوگوں پر تاریک اندھیروں کی طرح ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر میری نماز جنازہ کی وجہ سے انہیں منور فرما دیتے ہیں''۔

١۔ ترمذي، كتاب الزهد، باب ماجاء في فظاعة القبر، ح٢٣٠٨۔ ابن ماجة، ح٤٢٦٧۔ حاكم، ج٤ ص٣٣٠۔

٢۔ بخاری و مسلم، بحواله، كتاب الجنائز، للالبانیؒ، ص٨٧۔

اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ قبر میں نور کیے جانے کی دعا بھی کیا کرتے تھے مثلاً ایک صحابی کے جنازے میں آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِی الْمَهْدِيِّيْنَ، وَاخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِيْنَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ، وَافْسَحْ لَهُ فِیْ قَبْرِهٖ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيْهِ))(۱)

''یا اللہ! ابوسلمہ کو بخش دے، اس کا درجہ ہدایت یافتہ لوگوں میں کر دے، اس کے لواحقین میں تو اس کا جانشین بن جا۔ یا رب العالمین! ہمیں اور اسے بخش دے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے، اور اس کے لیے اسے منور کر دے''۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ انسان کی نیکیاں اس کی قبر میں نور اور حساب کتاب میں آسانی کا ذریعہ ثابت ہوں گی اور اسے عذاب قبر سے بچائیں گی، جیسا کہ آگے 'قبر میں نیک اعمال کام آئیں گے' کے تحت حدیث مذکور ہے۔

قبر کا دبانا

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر ہر انسان کو دباتی ہے۔ حتی کہ ایک صحابی رسول حضرت سعد بن معاذؓ کے بارے میں روایات میں ہے کہ جب انہیں دفنایا گیا تو ان کی قبر نے انہیں بھی دبا لیا۔ انہی صحابیؓ کے بارے میں نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ

((هٰذَا الَّذِیْ تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ، وَفُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ السَّمَآءِ، وَشَهِدَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ))(۲)

''یہ سعد رضی اللہ عنہ ایسا شخص ہے، جس (کی وفات) پر اللہ کا عرش ہل گیا اور جس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل گئے اور جس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، اسے بھی قبر نے ایک مرتبہ دبایا، پھر چھوڑ دیا''۔

اس روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور انہی سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''بے شک قبر ایک مرتبہ دباتی ہے، اگر کسی نے اس سے بچنا ہوتا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ضرور بچتے''(۳)۔

بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ قبر صرف گناہ گاروں کو دباتی ہے اور حضرت سعد کو قبر نے صرف اس لیے دبایا تھا کہ ایک مرتبہ پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے میں ان سے کوئی بے احتیاطی ہو گئی تھی۔ بعض اہل علم کے بقول قبر ہر ایک کو دباتی ہے، البتہ گناہ گاروں کو سزا دینے کے لیے دباتی ہے اور نیک کاروں کو محبت سے دباتی ہے جس طرح کوئی چھوٹے بچے کو گود میں لے کر پیار سے دباتا ہے۔ اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک چھوٹے بچے کو قبر میں دفنایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی قبر کے دبانے سے بچ سکتا تو یہ بچہ ضرور بچ جاتا''۔(٤)

۱۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب فی اغماض المیت والدعاء له، ح ۹۲۰۔ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب تغمیض المیت، ح۳۱۱۸۔
۲۔ نسائی، کتاب الجنائز، باب ضمة القبر وضغطته، ح۲۰۵۷۔
۳۔ صحیح الجامع الصغیر، ج۲، ص۲۳٦۔ نیز ج۵، ص۷۱۔ ٤۔ ایضاً، ج۵، ص٥٦۔

قبر میں سوال و جواب

قبر میں ایک انسان کے ساتھ جو کچھ پیش آتا ہے، اسے قبر سے باہر کے لوگ نہیں جان سکتے، خواہ وہ قبر ان کے سامنے کھلی ہوئی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے قبر اور برزخ کی زندگی کے بارے میں ہم از خود کوئی رائے نہیں دے سکتے، البتہ اس سلسلہ میں قرآن وسنت میں ہمیں جو کچھ بتایا گیا ہے، اسے ہم مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن وسنت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں ہر انسان سے ایمان وعقیدہ سے متعلق کچھ بنیادی سوال کیے جاتے ہیں، آئندہ سطور میں ہم اس سلسلہ میں مروی کچھ صحیح احادیث ذکر کرتے ہیں:

۱)..... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ بنونجار (قبیلہ) کے کھجور کے ایک باغ میں گئے تو وہاں آپ نے ایک آواز سنی جس سے آپ گھبرا گئے اور پریشان ہو کر کہا: یہاں کن لوگوں کی قبریں ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ دور جاہلیت میں مرنے والے کچھ لوگوں کی قبریں ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ(و الْقَبْرِ) وَمِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ))

''آگ یا قبر کے عذاب سے اور دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو''۔

لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! قبر کے عذاب سے پناہ کیوں مانگیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب مومن آدمی کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اس سے پوچھتا ہے: ''تو کس کی عبادت کرتا تھا''؟ اگر تو اللہ اسے ہدایت دے تو وہ کہتا ہے میں اللہ کی عبادت کرتا تھا۔ پھر فرشتہ اس سے پوچھتا ہے: ''اس آدمی (یعنی حضرت محمد ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہتا تھا''؟۔ مومن آدمی جواب دیتا ہے: ''وہ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں''۔ اس کے بعد اس سے کوئی اور بات نہیں پوچھی جاتی۔ اور اسے لے جایا جاتا ہے اور جہنم میں ایک گھر دکھایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارے لیے تھا لیکن اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا ہے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں گھر عطا فرما دیا ہے، چنانچہ مومن اس جنت کے گھر کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ ذرا مجھے چھوڑو، میں اپنے گھر والوں کو خوشخبری دے دوں۔ لیکن اسے کہا جاتا ہے: ''اب یہیں ٹھہرو''۔[۱]

۲)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ، اَوْ قَالَ: اَحَدُكُمْ، اَتَاهُ مَلَكَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ يُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْاٰخَرُ النَّكِيْرُ......))

''جب میت دفنائی جاتی ہے (یا آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کی میت دفنائی جاتی ہے) تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ کے، نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں، ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ پوچھتے

۱۔ ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی المسئلة فی القبر وعذاب القبر، ح۴۷۳۸۔ السلسلة الصحيحة، ح۱۳۴۴۔

ہیں: تم اس آدمی (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ وہ جواب میں وہی کہے گا جو دنیا میں کہتا تھا یعنی: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں یقین تھا کہ تم یہی جواب دو گے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ لمبی چوڑی کر دی جاتی ہے اور اسے منور بھی کر دیا جاتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تم سو جاؤ۔ وہ کہتا ہے کہ میں واپس جا کر اپنے گھر والوں کو اطلاع کر دوں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ (نہیں بلکہ تم) نئی نویلی دلہن کی طرح سو جاؤ جسے وہی اٹھا سکتا ہے جو اس کا سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ حتی کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ اسے اسی مقام (قبر) سے اٹھائیں گے۔ اگر قبر والا منافق ہو تو (فرشتوں کے سوالوں کے جواب میں) وہ کہتا ہے: ''جیسا میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا، میں نے بھی ویسا ہی کہہ دیا (اس کے علاوہ اصل) حقیقت کا مجھے کچھ علم نہیں''۔ وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ ''ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی جواب دے گا''۔ چنانچہ پھر زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ اسے دبا کر بھینچ دے، تو زمین اسے اس قدر بھینچتی ہے کہ اس کی پسلیاں آپس میں دھنس جاتی ہیں۔ پھر اسے قبر میں مستقل عذاب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ قبر سے اپنے پاس (حساب کتاب کے لیے) اٹھا لیں گے''۔ (۱)

۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مردے کو جب قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو وہ دفنانے والوں کے (واپس لوٹتے وقت) جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اگر وہ مومن ہو تو اسے (قبر میں) کہا جاتا ہے: بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ جاتا ہے اور اسے سورج غروب ہوتا دکھایا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ وہ شخص جو تمہارے ہاں مبعوث ہوئے تھے، ان کے بارے میں تم کیا کہتے اور کیا گواہی دیتے ہو؟ مومن آدمی کہتا ہے: ''ٹھہرو، پہلے مجھے نماز عصر ادا کر لینے دو۔ (کیونکہ اسے دکھایا جاتا ہے کہ سورج غروب ہونے والا ہے)۔ فرشتے کہتے ہیں: ''یقیناً تو (دنیا میں) نماز پڑھتا رہا ہے، ہم جو بات پوچھ رہے ہیں، اس کا ہمیں جواب دو، اور بتاؤ کہ جو شخص تمہارے درمیان مبعوث کیے گئے تھے، ان کے بارے میں تم کیا کہتے اور کیا گواہی دیتے ہو؟ مومن آدمی کہتا ہے: ''وہ حضرت محمد ﷺ ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں۔ تب اسے کہا جاتا ہے کہ اسی عقیدے پر تو زندہ رہا، اسی پر مرا اور ان شاء اللہ اسی پر تم اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے اور اسے بتایا جاتا ہے کہ جنت میں یہ تمہارا محل ہے اور یہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے جنت میں تمہارے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ (یہ سب کچھ جان کر) اس کے شوق اور لذت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اس کے لیے کھولا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا ٹھکانہ ہوتا اگر تم اللہ کی نافرمانی کرتے، چنانچہ اس کی خوشی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ کھول دی جاتی اور منور کر دی جاتی ہے۔ اس کے جسم کو پہلے والی حالت میں لوٹا دیا جاتا ہے، اور اس کی روح کو پاکیزہ اور خوشبودار بنا دیا جاتا ہے اور یہ پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں پر اڑتی ہے''۔ (۲)

۱۔ جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ح ۱۰۷۱۔ ۲۔ الترغیب والترھیب، ح ۵۲۲۵۔

نیک اعمال قبر میں کام آئیں گے

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی زندگی میں انسان جو نیک اعمال انجام دیتا ہے، وہ قبر میں اس کے کام آئیں گے اور اسے قبر کے فتنے اور عذاب سے بچائیں گے، مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مردے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ دفن کر کے واپس پلٹنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اگر مرنے والا مومن ہو تو نماز اس کے سر کے پاس، روزہ دائیں طرف، زکوٰۃ بائیں طرف اور دوسرے نیک اعمال مثلاً صدقہ وخیرات، لوگوں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک وغیرہ پاؤں کی طرف سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب اس کے سر کی طرف سے (عذاب یا عذاب کا فرشتہ) آتا ہے تو نماز آگے سے (رکاوٹ بنتے ہوئے) کہتی ہے کہ میری طرف سے راستہ نہیں ہے۔ پھر جب دائیں طرف سے (عذاب یا عذاب کا فرشتہ) آتا ہے تو زکاۃ (اس کا دفاع کرتے ہوئے) کہتی ہے کہ میری طرف سے راستہ نہیں ہے۔ پھر (عذاب یا عذاب کا فرشتہ) پاؤں کی طرف سے آتا ہے تو دوسری نیکیاں یعنی صدقہ وخیرات، صلہ رحمی، لوگوں کے ساتھ خیر وبھلائی اور حسن سلوک وغیرہ (اس کا دفاع کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے راستہ نہیں ہے''۔ (۱)

قبروں میں جسموں کی حالت

مرنے کے بعد انسانی جسم مٹی میں مٹی بن کر ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک ریڑھ کی ہڈی کے علاوہ انسان کا باقی سارا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے اور قیامت کے روز اسی ہڈی سے انسان کی تخلیق ہوگی''۔ (۲)

مگر انبیاء کے جسموں کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرما دیتے ہیں اور ان کے جسموں کو مٹی نقصان نہیں پہنچاتی جیسا کہ حضرت اَوس بن اَوس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جمعہ کا دن سب دنوں سے افضل ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن اٹھنے کا حکم ہوگا۔ لہٰذا جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو، تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: 'اے اللہ کے رسول! آپ کی ہڈیاں تو بوسیدہ ہو چکی ہوں گی، یا (راوی کہتا ہے کہ صحابہؓ نے اس طرح) کہا کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک تو مٹی میں مل چکا ہوگا تو پھر ہمارا درود آپ کے سامنے کیسے پیش کیا جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسم زمین پر حرام کر دیئے ہیں''۔ (۳)

۱۔ الترغیب والترهیب، ح۵۲۲۵۔

۲۔ ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر للقبر والبلیٰ، ح۴۲۶۷۔ ۳۔ صحیح سنن ابی داؤد، ح۹۲۵۔

اسی طرح دیگر نیک لوگوں کے جسم بھی جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں محفوظ رہتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک کی دیوار گری تو اسے دوبارہ تعمیر کرتے وقت ایک پاؤں نظر آیا، لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ شاید یہ نبی کریم ﷺ کا پاؤں مبارک ہے اور کوئی ایسا آدمی بھی وہاں موجود نہیں تھا جسے یقینی طور پر معلوم ہوتا کہ یہ آنحضرت ﷺ ہی کا پاؤں مبارک ہے، حتیٰ کہ حضرت عروہ بن زبیر (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں) نے لوگوں سے کہا: ''بخدا! یہ نبی اکرم ﷺ کا پاؤں مبارک نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کا پاؤں ہے''۔ (۱)

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری سلمی رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی ہیں اور اُحد کے شہیدوں میں سے ہیں، یہ دونوں ایک ہی قبر میں مدفون تھے۔ ان کی قبر کو پانی کے بہاؤ نے اکھیڑ دیا کیونکہ ان کی قبر پانی کے بہاؤ کے پاس تھی، تو ان کے لیے الگ جگہ قبر کھودی گئی تاکہ ان کو دوسری جگہ دفن کیا جا سکے۔ (جب ان کو پہلی قبر سے نکالا گیا تو) اس وقت بھی ان دونوں حضرات کے جسم بالکل سلامت تھے اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ابھی کل ہی شہید ہوئے ہوں۔ ان میں سے ایک صحابی کو جب زخم لگا تھا تو انہوں نے (تکلیف کی وجہ سے) اپنا ہاتھ زخم پر رکھ لیا تھا، اور ابھی تک وہ ہاتھ اسی جگہ پر تھا، لوگوں نے ان کا ہاتھ ہٹا کر سیدھا کیا تو وہ پھر وہیں (زخم کی جگہ) واپس آ لگا۔ قبر کھودنے کا یہ واقعہ جنگ اُحد کے چھیالیس (۴۶) سال بعد پیش آیا تھا''۔ (۲)

قبر کی نعمتیں اور عذاب

عقیدہ طحاویہ کی شرح میں علامہ ابن ابی العزؒ رقم طراز ہیں کہ

''نبی کریم ﷺ سے مروی احادیث اس سلسلہ میں متواتر کے درجہ کو پہنچتی ہیں کہ قبر میں انسان کو عذاب (سزا) یا راحت؛ دونوں میں سے جس کا بھی) وہ مستحق ہو، ملتی ہے اور دو فرشتے اس سے سوالات کرتے ہیں، لہٰذا عقیدہ کے طور پر اسے قبول کرنا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ البتہ اس چیز کی کیفیت ہم نہیں سمجھتے، اس لیے کہ عقل انسانی کی اس کی کیفیت تک رسائی ممکن نہیں'' .... ''یہ بات یاد رکھو کہ عذاب قبر ہی کا دوسرا نام عذاب برزخ ہے، لہٰذا ہر وہ مرنے والا جو عذاب کا مستحق ہو، تو اسے یہ عذاب ضرور ملے گا، خواہ وہ قبر (زمینی گھڑے) میں دفن کیا گیا ہو یا نہیں، اور خواہ اسے پرندے کھا گئے ہوں، یا وہ جل کر راکھ ہو گیا ہو اور ہوا میں اڑ گیا ہو، یا سولی دیا گیا ہو، یا سمندر میں غرق ہو گیا ہو''۔ (۳)

قبر کے عذاب اور نعمتوں کے بارے میں شارح طحاویہ نے بجا فرمایا ہے کہ اس سلسلہ میں متواتر کے درجہ میں احادیث مروی ہیں۔ انہی میں سے ایک حدیث ذیل میں درج کی جاتی ہے:

۱۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ۔
۲۔ موطا، کتاب الجهاد، باب الدفن فی قبر واحد من ضرورة۔
۳۔ شرح العقیدة الطحاویة، ص ۴۵۰، ۴۵۱۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی شخص مرتا ہے تو اسے صبح وشام اس کا ٹھکانہ (جنت یا جہنم میں) دکھایا جاتا ہے، یعنی اگر وہ جنتی ہے تو اسے جنتیوں والے محلات دکھائے جاتے ہیں اور اگر جہنمی ہے تو جہنمیوں والا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ ہے تیری) وہ رہائش گاہ جہاں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تجھے بھیجے گا''۔ (۱)

عذاب قبر کے حوالے سے یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ اس سلسلہ میں صرف احادیث ہی میں نہیں بلکہ قرآن مجید میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب الجنائز میں عذاب قبر کے باب [یعنی: باب ما جاء في عذاب القبر] کے شروع (عنوان) میں بعض ایسی آیات ذکر کی ہیں اور ان سے عذاب قبر کے سلسلہ میں استدلال کیا ہے۔

عذاب قبر سے متعلقہ آیات میں سے ایک یہ آیت ہے:

﴿ وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ [سورة غافر: ٤٥]

''آل فرعون پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا۔ آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح وشام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان الٰہی ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈال دو''۔

ایک عذاب تو اس قوم کو روز قیامت حساب کتاب کے بعد ہوگا، لیکن ایک عذاب انہیں روزانہ صبح وشام ہو رہا ہے اور ظاہر ہے یہ وہی عذاب ہے جسے قبر یا برزخ کا عذاب کہا جاتا ہے۔ اور جمہور اہل علم نے بھی اس آیت سے عذاب قبر / برزخ ہی کے بارے میں استدلال کیا ہے۔ (۲)

قبر میں عذاب کیوں ہوتا ہے؟

اللہ کا عذاب حقیقت میں ان گناہوں کی سزا ہے جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں۔ یہ گناہ ایمان وعقیدہ سے متعلق بھی ہو سکتے ہیں اور عمل سے متعلق بھی۔ بعض احادیث میں ان گناہوں میں سے بعض گناہوں کا نام لے کر بتایا گیا کہ ان گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مروی احادیث ذیل میں ملاحظہ فرمایئے اور کوشش کیجیے کہ ہر قسم کے گناہ سے کنارہ کش رہیں۔

۱)..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں کو (قبروں میں) عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑی بات پر نہیں ہو رہا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک چغلی کھاتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا''۔ (۳)

۱۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یعرض علیه مقعده بالغداة والعشی، ح۱۳۷۹۔

۲۔ فتح الباری، ۲۳۳/۳۔ ۳۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغیبة والبول۔

۲)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام تحفہ میں ملا جسے مِدْعَم کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایک جنگ کے موقع پر اندھا تیر آ کر اسے لگا اور وہ وہیں مر گیا۔ لوگ کہنے لگے: اسے جنت مبارک ہو مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے چرائی تھی، وہ آگ کے شعلے بن کر اس پر برس رہی ہے''۔ (۱)

قبر کے عذاب اور فتنے سے محفوظ رہنے والے خوش نصیب

بعض نیک لوگوں کو قبر میں ہر طرح کے فتنے اور عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہے، آئندہ سطور میں اس سلسلہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کے بارے میں احادیث میں صراحت کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کیا گیا ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کا عقیدہ بھی ٹھیک ہوتا ہے، اور مجموعی طور پر بھی وہ باعمل مسلمان کی حیثیت سے زندگی گذارتے ہیں۔

۱)......اللہ کے راستے میں شہادت پانے والا

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ اعزاز ہیں:

۱۔ پہلے ہی لمحے اس کی مغفرت فرما دی جاتی ہے اور اس کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔

۲۔ اسے عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ قیامت کی مصیبتوں سے وہ محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ اسے عزت و وقار کا تاج پہنایا جاتا ہے جس کا صرف ایک یاقوت ہی دنیا اور اس میں جو کچھ ہے، سب سے قیمتی ہے۔

۵۔ گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی بہتر (۷۲) حوروں سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے۔

۶۔ اس کے ستر (۷۰) رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے''۔ (۲)

حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نے بیان کیا کہ

''ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! تمام مسلمانوں کو قبر میں آزمایا جاتا ہے لیکن شہید کو کیوں نہیں آزمایا جاتا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کے لیے تو (راہِ جہاد میں) سر پر چمکتی ہوئی تلواروں کی آزمائش ہی کافی ہے''۔ (۳)

۲)......اللہ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے فوت ہونے والا

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر۔

۲۔ ترمذی، کتاب فضائل الجہاد، باب فی ثواب الشہید، ح۱۶۶۳۔ ابن ماجہ، باب فضل الشہادۃ، ح۲۷۹۹۔ احمد، ۱۳۱/۴۔

۳۔ نسائی، کتاب الجنائز، باب الشہید، ح۲۰۵۵۔

”مرنے والے شخص کے عمل کا ثواب ختم کر دیا جاتا ہے سوائے اس کے جو اللہ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے مرے۔ اس کے عمل کا اجرا سے تا قیامت ملتا رہتا ہے اور وہ فتنۂ قبر سے محفوظ رہتا ہے۔“[1]

۳)...... پیٹ کی بیماری میں فوت ہونے والا

حضرت عبداللہ بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ آئے تو لوگوں نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو پیٹ کی بیماری سے فوت ہوا تھا، یہ سن کر وہ دونوں خواہش کرنے لگے کہ کاش وہ اس آدمی کے جنازے میں شریک ہوتے۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ((مَنْ يَّقْتُلُهُ بَطْنُهُ لَمْ يُعَذَّبْ فِيْ قَبْرِهٖ)) ”جسے پیٹ (کی کوئی بیماری) قتل کر دے، اسے قبر کا عذاب نہیں ہوگا“۔ تو دوسرے نے جواب میں کہا، ہاں کہا تھا[2]۔

۴)...... جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہونے والا مسلمان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّاوَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ))[3]

”جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے بچا لیں گے“۔

۵)...... کثرت سے سورۃ الملک کی تلاوت کرنے والا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((سُوْرَةُ تَبَارَكَ هِيَ الْمَانِعَةُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ))[4]

”سورۂ تبارک (یعنی سورۃ الملک) عذاب قبر سے بچانے والی ہے“۔

عذابِ قبر سے پناہ مانگنی چاہیے

روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عذاب قبر سے پناہ کے لیے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ﴾[5]

”یا اللہ! میں تجھ سے قبر کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ یا اللہ! میں تجھ سے مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے موت وحیات کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ یا اللہ! میں تجھ سے گناہوں اور قرض (کے بوجھ) سے پناہ مانگتا ہوں“۔

۱۔ ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل من مات مرابطا، ح۱۶۲۱۔ السلسلة الصحيحة، ح۱۱۴۰۔
۲۔ نسائی، کتاب الجنائز، باب من قتله بطنه، ح۲۰۵۴۔ ترمذی، ح۱۰۶۴۔ ابن حبان، ح۲۹۳۳۔
۳۔ ترمذی، کتاب الجنائز،باب ماجاء فیمن یموت یوم الجمعة، ح۱۰۷۴۔ احکام الجنائز، ص۵۰۔
۴۔ السلسلة الصحيحة، ح۱۱۴۰۔ ۵۔ بخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء قبل السلام، ح۸۳۲۔ مسلم، ح۵۸۹۔

فصل ۳

قیامت کا بیان

قیامت سے مراد ایک ایسا وقت ہے جب اللہ کے حکم سے 'صور' (ایک سینگ نما آلہ) میں فرشتہ پھونکے گا اور اس سے نہایت خوفناک اور دھماکہ خیز آواز نکلے گی جس سے کائنات کا موجودہ نظام درہم برہم اور تباہ و برباد ہو جائے گا۔ روئے زمین پر موجود ہر ذی روح کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سورج، چاند، تارے بکھر جائیں گے۔ پہاڑ روئی کی مانند اڑائے جائیں گے۔ سمندروں کو آگ لگا دی جائے گی۔ زمین کھینچ کر چٹیل میدان کی طرح کر دی جائے گی۔ قرآن مجید میں 'قیامت' اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

پھر دوسری مرتبہ 'صور' میں پھونکا جائے گا تو پچھلے اگلے تمام کے تمام لوگ زندہ کر کے میدانِ محشر میں جمع کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے ان کے تمام چھوٹے بڑے اعمال کا انتہائی باریک بینی اور پورے عدل و انصاف کے ساتھ حساب لیں گے۔ قرآن مجید میں اسے 'یوم الدین' یعنی بدلے اور جزا کا دن کہا گیا ہے۔

حساب کتاب کے بعد نیک صالح اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ اپنی بنائی ہوئی ان جنتوں میں جگہ دیں گے جن میں ہر طرح کی نعمت، راحت اور لذت کا اہتمام ہوگا جب کہ کافروں اور نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے بنائے ہوئے جیل خانے میں ڈال دیں گے جسے جہنم کہا جاتا ہے۔ جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ ہمیشہ کے لیے وہی رہیں گے اور جو جہنم میں ڈالیں جائیں گے، ان میں سے ایسے لوگوں کو جن کا عقیدہ ٹھیک ہوگا مگر وہ کئی صغیرہ و کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے، ان کے گناہوں کے حساب سے سزا دینے کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ جنت اور جہنم کی اس زندگی کو اُخروی زندگی بھی کہا جاتا ہے۔ اس اُخروی زندگی پر ایمان لانا بھی ایمان کے چھ بنیادی ارکان میں شامل ہے۔

منکرین قیامت کی سزا

کافر و مشرک لوگوں نے قیامت کے وقوع کو ہمیشہ مذاق سمجھا اور اس سے انکار کیا، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ انہیں اس گناہ کی پاداش میں سخت سزا دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ذیل میں کچھ آیات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) : ﴿ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ﴾ [سورة الفرقان : ۱۱]

''بات یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں اور قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔''

(۲) : ﴿ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴾ [الروم : ۱۶]

''اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹا ٹھہرایا تھا، وہ سب عذاب میں پکڑوا دیئے

جائیں گے"۔

(۳) : ﴿ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴾ [سورة سبا : ٤٢]

"اور ہم ظالموں سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے رہے۔"

(٤) : ﴿ وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ [سورة الرعد : ٥]

"اگر تجھے تعجب ہو تو واقعی ان کا یہ کہنا عجیب ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے؟ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی ہیں جو جہنم کے رہنے والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

وقوعِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے

جیسا کہ درج ذیل آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

(۱) : ﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ [سورة الاعراف : ١٨٧]

"یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے، اس کے وقت پر اس کو سوائے اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری (حادثہ) ہوگا، وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی۔ وہ آپ ﷺ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیق کر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

(۲) : ﴿ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴾ [سورة طٰهٰ : ١٥]

"قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔"

(۳) : ﴿ يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ ﴾ [سورة الاحزاب : ٦٣]

"لوگ آپؐ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے"۔

(۴): حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ

"ایک دن اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سائل سے زیادہ مسئول بھی نہیں جانتا، (یعنی جیسے سائل کو علم نہیں ویسے مجھے

بھی معلوم نہیں) البتہ میں تمہیں قیامت کی کچھ نشانیاں بتاتا ہوں: ''جب لونڈی مالکہ کو جنم دے گی اور تو دیکھے گا کہ ننگے جسموں اور ننگے پاؤں والے (غریب لوگ) لوگوں کے سردار بن گئے ہیں تو یہ قیامت کی نشانیاں ہیں۔'' (دراصل) ان پانچ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی):

﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾ [سورة لقمان : ٣٤]

''بلاشبہ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بارش نازل کرتا ہے وہی جان سکتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور (اللہ کے سوا) کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ ہی کوئی نفس یہ جانتا ہے کہ وہ کس زمین پر فوت ہوگا۔''[1]

قیامت اچانک آئے گی

جب قیامت آئے گی تو اس کا وقوع اچانک اور اتنا جلد ہوگا کہ انسان کو اپنے جس کام میں مصروف ہوگا، اسے پورا کرنے کی بھی فرصت نہ ملے گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَا اِلٰى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ [سورة يٰس: ٤٨تا٥٠]

''اور یہ (کفار) پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ قیامت کب آئے گی؟ یہ لوگ جس چیز کے انتظار میں ہیں وہ تو بس ایک دھماکہ ہے جو انہیں اس حال میں آئے گا کہ یہ لوگ (دنیاوی معاملات میں) جھگڑ رہے ہوں گے، اس وقت نہ تو یہ کچھ وصیت کر سکیں گے، نہ ہی اپنے گھروں کو لوٹ سکیں گے''۔

علامات قیامت کا بیان

جس طرح عام طور پر ایک انسان کی موت سے پہلے موت کے کچھ قوی آثار نمایاں ہونا شروع ہو جاتے ہیں، تقریباً اسی طرح اس عالم فانی کی موت یعنی قیامت سے پہلے اس کی نشانیاں اور علامات ظاہر ہوں گی۔ ان علامات قیامت میں سے بعض کا ذکر قرآن مجید میں اور بعض کا نبی کریم ﷺ نے مختلف احادیث میں کیا ہے۔ ان علامات میں سے بعض کو علاماتِ صغریٰ (یعنی قیامت کی چھوٹی نشانیاں) کہا جاتا ہے اور بعض کو علاماتِ کبریٰ (یعنی قیامت کی بڑی نشانیاں)۔ چھوٹی علامتوں کا ظہور تو نبی کریم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا، جب کہ بڑی بڑی علامتوں کا ظہور بالکل آخری وقت میں ہوگا۔ اس موضوع پر چونکہ ہم ایک مفصل کتاب بعنوان: ''قیامت کی نشانیاں'' لکھ چکے ہیں، اس لیے اس کی تفصیل یہاں بیان نہیں کریں گے، لبتہ اپنی مذکورہ بالا کتاب سے قیامت کی نشانیوں کی پوری فہرست یہاں نقل کر رہے ہیں:

---

[1] بخاری، كتاب التفسير، تفسير سورة لقمان، باب قوله "اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ ...... ح٤٧٧٧۔

۱۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور
۲۔ انشقاق القمر (چاند کا دو ٹکڑے ہونا)
۳۔ نبی علیہ السلام کی وفات
۴۔ امت مسلمہ کا ظہور
۵۔ ہر گھر میں اسلام داخل ہوگا
۶۔ ہر طرف امن وامان ہوگا
۷۔ فتنوں کا ظہور
۸۔ فتنے مشرق سے ظاہر ہوں گے
۹۔ قتل عام ہوگا
۱۰۔ جنگ جمل
۱۱۔ جنگ صفین
۱۲۔ خوارج کا ظہور
۱۳۔ جھوٹے نبیوں اور دجالوں کا ظہور
۱۴۔ مال ودولت کی فراوانی
۱۵۔ بیت المقدس کی فتح
۱۶۔ طاعون کی وبا
۱۷۔ ارض حجاز سے آگ کا روشن ہونا
۱۸۔ ترکوں سے جنگ
۱۹۔ امانت ودیانت ختم اور خیانت عام ہو جائے گی
۲۰۔ جابر حکمران ہوں گے
۲۱۔ فحاشی پھیل جائے گی
۲۲۔ عورتیں کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی
۲۳۔ علم کا خاتمہ اور جہالت میں اضافہ ہو جائے گا
۲۴۔ زنا کاری عام ہوگی
۲۵۔ شراب حلال سمجھی جائے گی

۲۶۔گانا بجانا رواج پا جائے گا

۲۷، ۲۸۔رشتہ داری توڑی جائے گی اور ہمسائیگی بری ہوگی

۲۹۔لوگ اجنبی بن جائیں گے

۳۰۔جھوٹ بکثرت بولا جائے گا

۳۱۔جھوٹی گواہی دی جائے گی

۳۲۔بدعملی پھیل جائے گی

۳۳۔لوگ بخیل ہو جائیں گے

۳۴۔امت مسلمہ (میں سے بعض لوگ) شرک میں مبتلا ہو جائیں گے

۳۵۔مساجد میں (غیر ضروری) نقش و نگار اور زیب و زینت کی جائے گی

۳۶، ۳۷۔سود اور حرام مال بکثرت کھایا جائے گا

۳۸۔کاروبار میں عورتیں بھی شریک ہوں گی

۳۹۔سیاہ خضاب استعمال کیا جائے گا

۴۰۔قریش کا خاتمہ ہو جائے گا

۴۱۔کفار کی تقلید کی جائے گی

۴۲۔زلزلے بکثرت ہوں گے

۴۳، ۴۴۔صورتیں مسخ ہوں گی اور لوگ زمین میں دھنسائے جائیں گے

۴۵۔دل کا دورہ بکثرت ہوگا

۴۶۔'السلام علیکم' صرف ''معروف'' لوگوں کو کیا جائے گا

۴۷۔قرآن کو بھیک مانگنے کا ذریعہ بنایا جائے گا

۴۸، ۴۹۔دعا اور طہارت میں زیادتی کی جائے گی

۵۰۔''نااہل'' عہدے سنبھال لیں گے

۵۱۔غریب امیر ہو جائیں گے

۵۲۔فلک بوس عمارتیں بنانے میں مقابلہ بازی ہوگی

۵۳۔قرطاس وقلم کا ظہور (نشر و اشاعت)

۵۴۔عقل پرست استاد بن جائیں گے

۵۵۔زمانہ قریب ہو جائے گا

۵۶۔بازار قریب قریب ہوں گے

۵۷۔لونڈی اپنے مالک کو جنم دے گی

۵۸۔دنیا سے محبت اور موت سے نفرت ہوگی

۵۹۔نیک لوگ کم ہو جائیں گے

۶۰۔دین اجنبی ہو جائے گا

۶۱۔لوگ بدل جائیں گے

۶۲۔بارش بکثرت ہوگی مگر خیمے محفوظ رہیں گے

۶۳۔بارش بکثرت ہوگی مگر پیداوار نہیں ہوگی

۶۴۔قسطنطنیہ کی فتح ہوگی

۶۵۔روما فتح ہوگا

۶۶۔کفار مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گے

۶۷۔ہر گھر میں فتنہ داخل ہو جائے گا

۶۸۔عیسائیوں سے مل کر مسلمان تیسرے ملک سے لڑیں گے پھر انہی عیسائیوں سے جنگ ہوگی

۶۹۔رومی کثرت تعداد میں بڑھ جائیں گے

۷۰۔دریائے فرات سے سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا

۷۱،۷۲۔مرد تھوڑے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی

۷۳۔مصر، شام اور عراق اپنے پیمانے اور خزانے روک لیں گے

۷۴۔موت کی تمنا کی جائے گی

۷۵۔بیت اللہ پر چڑھائی کرنے والا لشکر زمین میں دھنس جائے گا

۷۶۔ایک قحطانی حکمران ہوگا

۷۷۔ایک جھجاہ نامی بادشاہ ہوگا

۷۸،۷۹۔حیوانات و جمادات انسان سے ہم کلام ہوں گے

۸۰۔شجر و حجر پکار اٹھیں گے

۸۱۔مؤمن کا ہر خواب سچا ثابت ہوگا

۸۲۔عرب کے دشت وصحرا باغات میں بدل جائیں گے

۸۳۔مدینہ ویران ہو جائے گا

۸۴۔امام مھدیؒ کا ظہور ہو گا

۸۵۔خروج دجال

۸۶۔نزول عیسیٰؑ ابن مریمؑ

۸۷۔یاجوج وماجوج قوموں کا ظہور

۸۸۔امن وامان کا سنہری دور آئے گا

۸۹۔مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں خسف یعنی زمین پھٹنے اور لوگوں کے اس میں دھنسنے کے واقعات رونما ہوں گے

۹۰۔ہر طرف دھواں چھا جائے گا

۹۱۔سورج مغرب سے طلوع ہو گا

۹۲۔دابۃ الارض نکلے گا

۹۳۔ہر بندہ مؤمن کی روح قبض کر لی جائے گی

۹۴۔بیت اللہ کی حرمت پامال کر دی جائے گی اور اسے شہید کر دیا جائے گا

۹۵۔زمین پر صرف بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے

۹۶۔ایک خوفناک آگ ظاہر ہو گی۔

صور پھونکا جائے گا

'صور' ایک بگل نما آلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک فرشتے (اہل علم کے بقول حضرت اسرافیل علیہ السلام) کو دیا ہے، یہ فرشتہ اسے اپنے منہ میں لیے حکم الٰہی کا منتظر ہے اور یہی اس فرشتے کی ذمہ داری ہے کہ قیامت برپا کرنے کے لیے یہ اللہ کے حکم سے اس صور میں پھونکے گا اور اس سے ایک ایسی خوفناک آواز پھیلے گی جسے سننے والا ہر ذی روح مر جائے گا۔حتیٰ کہ بعد میں دیگر فرشتوں کی موت کے ساتھ صور میں پھونکنے والے فرشتے کو بھی اللہ کے حکم سے موت آ جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ اس فرشتے کو پہلے زندہ کریں گے اور باقی لوگوں کو زندہ کرنے کے لیے اس فرشتے کو حکم دیں گے کہ صور میں پھونکو، چنانچہ یہ اللہ کے حکم سے دوبارہ اس صور میں پھونکیں گے۔اور اس آواز سے اللہ تعالیٰ پھر تمام مخلوق کو زندہ کر کے میدان محشر میں جمع کریں گے۔

صور پھونکے جانے کے بارے میں قرآن وسنت میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔آئندہ سطور میں ہم صور سے متعلق چند بنیادی نکات پر بات کریں گے۔

قرآن مجید میں صور پھونکے جانے کا تذکرہ

قرآن مجید میں صور پھونکنے کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ [سورة الزمر:٦٨،٦٩]

''اور صور پھونک دیا جائے گا، پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو (کر مر) جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی، نامۂ اعمال حاضر کئے جائیں گے اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کر دیئے جائیں گے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

سورۂ زمر کی مذکورہ بالا آیات کی تفسیر کے تحت حافظ ابن کثیرؒ رقم طراز ہیں:

''جب صور پھونک دیا جائے گا تو آسمانوں اور زمین والے سب مردہ ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ یہ دوسرا صور ہو گا جس سے ہر زندہ نفس مر جائے گا، خواہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں مگر وہ (نہیں مرے گا) جسے اللہ چاہے جیسا کہ نَفْخ فِی الصُّوْر والی مشہور حدیث میں ہے۔ پھر باقی بچنے والوں کی روحیں قبض کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ سب سے آخر میں ملک الموت مرے گا اور صرف اللہ تعالیٰ ہی باقی رہ جائے گا جو حی و قیوم ہے، جو اول سے ہے اور آخر میں بھی ہیشگی اور بقا کے ساتھ رہے گا اور اللہ تعالیٰ (اس وقت) کہیں گے: آج کس کی بادشاہت ہے؟ تین مرتبہ یہی بات کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے آپ کو جواب دیں گے کہ آج صرف اللہ کی بادشاہت ہے جو اکیلا اور قہار ہے۔ (نیز اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) پہلے بھی میں اکیلا ہی تھا اور اب بھی میں ہی ہر چیز پر غالب ہوں اور میں نے ہر چیز کو فنا ہو جانے کا حکم دے دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کریں گے اور انہیں حکم دیں گے کہ وہ صور پھونکیں۔ یہ تیسرا [اور بعض اہل علم کے بقول دوسرا (مترجم)] صور ہوگا، جس سے وہ ساری مخلوق جو مردہ تھی، زندہ ہو جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾ [سورة الزمر:٦٨]

''پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ (سب) کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے''۔[1]

احادیث میں صور پھونکے جانے کا تذکرہ

کئی احادیث میں صور پھونکے جانے کا ذکر ملتا ہے، ذیل میں اس نوع کی چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ تفسیر ابن کثیرؒ ج ٤ ص ٩٦۔

۱۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((قال اعرابی یارسول الله! ما الصُّوْرُ؟ قَالَ: قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيْهِ))[1]

''ایک دیہاتی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! 'صور' کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی''۔

۲۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((صَاحِبُ الصُّوْرِ وَاضِعٌ الصُّوْرَ عَلٰى فِيْهِ مُنْذُ خُلِقَ يَنْتَظِرُ مَتٰى يُؤْمَرُ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهِ فَيَنْفُخُ))[2]

''جس فرشتے کو صور دیا گیا ہے، وہ جب سے پیدا ہوا ہے، تب سے اس صور کو اپنے منہ پر رکھے ہوئے اس انتظار میں ہے کہ کب اسے صور پھونکنے کا حکم ملے اور وہ صور پھونکے''۔

۳۔حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كَيْفَ اَنْعَمُ وَقَدِ الْتَقَمَ صَاحِبُ الْقَرْنِ الْقَرْنَ وَحَنٰى جَبْهَتَهُ وَاَصْغٰى سَمْعَهُ يَنْتَظِرُ اَنْ يُؤْمَرَ اَنْ يَنْفُخَ فَيَنْفُخُ))

''میں کیسے بے پرواہ ہو سکتا ہوں جب کہ 'صور' والے فرشتے نے 'صور' اپنے منہ میں لیا ہوا ہے اور اپنی پیشانی کو جھکایا ہوا ہے اور وہ اپنا کان لگائے انتظار کر رہا ہے کہ کب اسے (اس میں پھونکنے کا) حکم ملے اور وہ اس میں پھونکے''[3]۔

۴۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهُ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰى لِيْتًا وَرَفَعَ لِيْتًا، قَالَ: وَاَوَّلُ مَنْ يَسْمَعُهُ رَجُلٌ يَلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِهٖ، قَالَ: فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ اَوْ قَالَ: يُنْزِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ اَوِ الظِّلُّ، --- نعمان الشاك --- فَتَنْبُتُ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُوْنَ))[4]

''پھر صور پھونکا جائے گا اور جو کوئی اسے سنے گا وہ گردن اٹھا کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔صور پھونکے جانے کی آواز سب سے پہلے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹ کے حوض کی مرمت کر رہا ہوگا اور وہ اسے سنتے ہی مر جائے گا، اسی طرح باقی تمام لوگ بھی مر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ دھند، یا شبنم کی شکل میں بارش نازل کریں گے جس سے لوگوں کے جسم (قبروں سے) اُگ آئیں گے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک تمام لوگ کھڑے ہو کر (یعنی زندہ ہو کر) حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھنے لگ جائیں گے۔ پھر آواز آئے گی: لوگو! اپنے رب کے حضور پیش ہو جاؤ اور وہاں کھڑے ہو جاؤ تمہارا حساب کتاب ہونے والا ہے''۔[5]

۱۔ ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورة الزمر، ح ٣٢٤٤۔

۲۔ صحیح الجامع الصغیر، للالبانیؒ، ح٣٦٤٦۔

۳۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الزمر، ح٣٢٤٣۔

۴۔ مسلم، کتاب الفتن، باب فی خروج الدجال، ح ٢٩٤٠۔

۵۔ مسلم، ایضاً، ح ٢٩٤٠۔احمد، ١٦٦/٢۔

صور کتنی مرتبہ پھونکا جائے گا؟

صور پھونکے جانے سے متعلقہ مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ بہت سے اہل علم نے اس سلسلہ میں یہی رائے دی ہے۔ اس رائے کی تائید جہاں دیگر دلائل سے ہوتی ہے، وہاں اس کی تائید حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا بَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ اَرْبَعُوْنَ، قَالُوْا یَا اَبَا هُرَیْرَةَ! اَرْبَعُوْنَ یَوْمًا؟ قَالَ: اَبَیْتُ، قَالُوْا: اَرْبَعُوْنَ شَهْرًا؟ قَالَ: اَبَیْتُ، قَالُوْا: اَرْبَعُوْنَ سَنَةً، قَالَ: اَبَیْتُ))[1]

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو مرتبہ صور پھونکے جانے کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! چالیس دن؟ یا چالیس ماہ؟ یا چالیس سال؟ تو ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ (ممکن ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرمؐ سے چالیس کے عدد کی تعیین نہ سنی ہو، اس لیے انہوں نے کہا کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا)''۔

بعض اہل علم نے صور پھونکے جانے سے متعلقہ آیات واَحادیث کے عموم اور ایک ضعیف روایت (جس میں ہے کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا)[2] کی بنیاد پر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ صور، تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔ علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے جبکہ بعض کے نزدیک صور چار مرتبہ پھونکا جائے گا۔ واللہ اعلم!

صور میں پھونکنے والا فرشتہ کون ہے؟

'صور' سے متعلقہ اَحادیث میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ ایک فرشتہ صور پھونکنے کی ذمہ داری پر مقرر ہے۔ یہ فرشتہ کون ہے؟ اس کے بارے میں بعض کمزور درجہ کی روایات میں ہے کہ یہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں اور بہت سے اہلِ علم بغیر کسی اختلاف کے شروع سے اس فرشتے کا نام اسرافیل ہی بتاتے چلے آرہے ہیں، مثلاً حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں تفسیر طبری سے یہ روایت نقل کی ہے: ((اِنَّ اِسْرَافِیْلَ قَدِ الْتَقَمَ الصُّوْرَ وَحَنٰی جَبْهَتَهٗ یَنْتَظِرُ مَتٰی یُؤْمَرُ فَیَنْفُخَ))

''حضرت اسرافیل نے 'صور' اپنے منہ میں لیا ہوا ہے اور اپنی پیشانی کو جھکایا ہوا ہے اور وہ انتظار کر رہے ہیں کہ کب انہیں (اس میں پھونکنے کا) حکم ملے اور وہ اس میں پھونک دیں''[3]۔

اسی طرح سورۂ انعام کی آیت ۷۳ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ''صحیح بات یہ ہے کہ اس صور سے مراد وہ نرسنگھا ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے''۔[4]

۱۔ مسلم، کتاب الفتن، باب مابین نفختین، ح۲۹۵۵۔
۲۔ دیکھیے: فتح الباری، ج۱۱، ص۳۶۹
۳۔ تفسیر ابن کثیر، ج۲ ص۲۳٤۔
٤۔ تفسیر ابن کثیر، ج۲ ص۲۳٤۔

قیامت کے چند ہولناک مناظر

صور پھونکے جانے کے ساتھ ہی قیامت برپا ہو جائے گی۔ قیامت کے مناظر انتہائی ہولناک ہوں گے۔ آئندہ صفحات میں ہم قرآن مجید کی روشنی میں قیامت کے چند ہولناک مناظر کا تذکرہ کریں گے۔

(۱)...... ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ وَّالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ﴾

''پس جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔ اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل بودا ہو جائے گا۔ اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس دن تم سامنے پیش کیے جاؤ گے، تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا۔ سو جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہنے لگے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے پس وہ ایک دل پسند زندگی میں بلند و بالا جنت میں ہوگا، جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) کہ مزے سے کھاؤ پیو، اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گذشتہ زمانے میں کیے لیکن جسے اس کے اعمال کی کتاب بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ تو کہے گا کہ کاش! مجھے تو میری کتاب (اعمال نامہ) دی ہی نہ جاتی اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے۔ کاش! کہ موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی۔ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا۔ میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو پھر اسے دوزخ میں ڈال دو پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے جکڑ دو۔ بے شک یہ اللہ عظمت والے پہ یقین نہ رکھتا تھا اور مسکین کو کھلانے پر رغبت نہ رکھتا تھا''۔ [سورۃ الحاقۃ: ۱۳ تا ۳۴]

(۲)...... ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾

''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! بے شک قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھ لو گے، ہر دودھ

پلانے والی اپنے دودھ پلاتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے، حالانکہ درحقیقت وہ مدہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے''۔[سورۃ الحج:۱،۲]

(۳)...... ﴿ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴾ [سورة التكوير: ١ تا ١٤]

''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے۔ اور جب پہاڑ چلا دیے جائیں گے اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں کھلی پھریں گی۔ اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔ اور جب جانیں (جسموں سے) ملا دی جائیں گی اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟ اور جب نامۂ اعمال کھول دیے جائیں گے اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی تو اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر وہ آیا ہوگا''۔

(٤)...... ﴿ إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴾ [سورة الانفطار: ١ تا١٩]

''جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب سمندر بہہ نکلیں گے۔ اور جب قبریں (شق کر کے) اکھاڑ دی جائیں گی۔ (اس وقت) ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے (یعنی اگلے پچھلے اعمال) کو معلوم کر لے گا۔ اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ جس (رب نے) تجھے پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھاک کیا، پھر (درست اور) برابر بنایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم تو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ یقیناً تم پر نگہبان عزت والے لکھنے والے مقرر ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔ یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش و آرام اور) نعمتوں میں ہوں گے اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ بدلے والے دن اس میں جائیں گے۔ وہ اس سے کبھی غائب نہ ہونے پائیں گے۔ تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بدلے کا دن کیا ہے؟ میں پھر (کہتا ہوں کہ) تجھے کیا معلوم ہے کہ جزا (اور سزا) کا دن کیا ہے؟ (وہ ہے) جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی کا مختار نہ ہوگا، اور (تمام تر) احکام اس روز اللہ ہی کے ہوں گے''۔

(۵)...... ﴿ إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَإِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ يَاَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيهِ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا وَيَنْقَلِبُ إِلَى اَهْلِهِ مَسْرُورًا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ وَرَآءَ ظَهْرِهِ فَسَوْفَ يَدْعُوْ ثُبُوْرًا وَيَصْلٰى سَعِيرًا﴾ [سورة الانشقاق: ۱ تا۱۲]

''جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا اور اسی کے لائق وہ ہے اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے گی اور اس میں جو ہے اسے وہ اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم پر کان لگا دے گی اور اسی کے لائق وہ ہے۔ اے انسان! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔ تو (اس وقت) جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا، اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا۔ ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ موت کو بلانے لگے گا اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا''۔

(۶)...... ﴿ اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَاُمُّهُ هَاوِيَةٌ وَمَا اَدْرٰكَ مَا هِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴾ [سورة القارعة: ۱تا۱۱]

''کھڑکھڑا دینے والی۔ کیا ہے کھڑکھڑا دینے والی۔ تجھے کیا معلوم کہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے۔ جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے، اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے؟ وہ تند و تیز آگ ہے''۔

(۷)...... ﴿ إِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ﴾ [سورة الزلزال: ۱ تا ۸]

''جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ انسان کہنے لگے گا کہ اسے کیا ہو گیا؟ اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی۔ اس لئے کہ تیرے رب نے اسے حکم دیا ہوگا۔ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (واپس) لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔ پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا''۔

فصل نہم

حشر ونشر کا بیان

قیامت برپا ہونے کے بعد تمام لوگوں کو زندہ کر کے اور ان کی قبروں سے اٹھا کر انہیں ایک بہت بڑے میدان میں اکٹھا ہونے کا حکم ہوگا۔ یہ میدان اس جگہ پر بنا ہوگا جہاں ملک شام ہے، اور اسی کھلے اور بڑے میدان کو میدانِ حشر یا محشر بھی کہا جاتا ہے۔ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا اور ان کے اعمال ہی کے حساب سے انہیں میدان حشر میں لے جایا جائے گا۔ یعنی نیک لوگوں کی نیکی کی وجہ سے ان کے ساتھ اس موقع پر ہر لحاظ سے اچھا سلوک کیا جائے گا اور برے لوگوں کے ساتھ ان کی برائی اور گناہ کی وجہ سے برا سلوک کیا جائے گا۔

قیامت کے روز لوگوں کو کس طرح قبروں سے اٹھایا جائے گا؟

قیامت کا دن انتہائی خوفناک ہوگا، تمام لوگوں کو ان کی قبروں سے ننگے پاؤں اور ننگے بدن اٹھایا جائے گا۔ جو لوگ مٹی میں دفن ہوئے ان کے بدنوں کو مٹی سے اٹھایا جائے گا۔ جو کوئی سمندر میں غرق ہوا، اس کا بدن وہیں سے نکالا جائے گا، جو پرندوں کے پیٹوں میں چلا گیا، اسے انہی پرندوں کے پیٹوں سے اکٹھا کیا جائے گا۔ شہداء کو ان کے زخموں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ ایمان پر مرنے والے کو ایمان کی حالت میں اور کفر پر مرنے والے کو کفر ہی کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔ نیک لوگوں کے ساتھ ان کی نیکی کی وجہ سے نرمی کی جائے گی جب کہ گناہ گاروں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ اب آئندہ سطور میں اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ؟ قَالَ: يَا عَائِشَةُ! اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ)) (۱)

''قیامت کے روز لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ حالت میں اکٹھے کیے جائیں گے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس طرح تمام مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! وہ دن اس قدر سخت ہوگا کہ لوگوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ رہے گا''۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ مسلم، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامة، ح ۲۸۵۹۔

((اِنَّکُمْ مُلَاقُوا اللّٰہَ حُفَاۃً عُرَاۃً مُشَاۃً غُرْلًا)) [1]

''تم لوگ (روز قیامت) ننگے پاؤں، ننگے بدن، بے ختنہ اور پیدل چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ملو گے''۔

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''جنگ احد کے موقع پر نبی کریم ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر تشریف لائے اور دیکھا کہ ان کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر صفیہ رضی اللہ عنہا (حضرت حمزہؓ کی بہن اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی) اپنے دل میں ناگواری محسوس نہ کرتیں تو میں حمزہ کو اسی حالت میں رہنے دیتا تاکہ اسے جانور کھا لیتے اور پھر قیامت کے روز انہیں ان جانوروں کے پیٹوں ہی سے اٹھایا جاتا''۔ [2]

۴۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((یُبْعَثُ الْمُؤْمِنُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ جُرْدًا مُرْدًا مُکَحَّلِیْنَ بَنِیْ ثَلَاثِیْنَ سَنَۃً)) [3]

''قیامت کے روز مومن مردوں کو اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ وہ تیس سال کی عمر کے ہوں گے اور نہ ان کی داڑھی ہو گی نہ مونچھ، جب کہ ان کی آنکھیں سرگیں ہوں گی''۔

۵۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''(میت پر) بین کرنے والی عورت اگر توبہ کے بغیر مر گئی تو وہ (اپنی قبر سے) اس حال میں اٹھائی جائے گی کہ اس کے بدن پر گندھک کا لباس اور کھجلی کی اوڑھنی ہو گی''۔ [4]

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوا، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں (اس کے لیے) زخمی ہوا ہے، وہ روزِ قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کے خون کا رنگ تو خون جیسا ہی ہو گا مگر اس کی بو کستوری جیسی ہو گی''۔ [5]

۷۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''ایک آدمی جو (حجۃ الوداع کے موقع پر) نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا، اس کی اونٹنی نے اسے (گرا کر) اس کی گردن توڑ دی اور وہ فوت ہو گیا، تو آپ ﷺ نے (اپنے صحابہؓ سے) فرمایا: اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور (احرام کے) دونوں کپڑوں میں اسے کفن دو۔ اسے خوشبو نہ لگانا، اور نہ ہی اس کا سر ڈھانپنا، کیونکہ یہ قیامت کے روز (احرام باندھے اور) تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا''۔ [6]

۱۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر، ح۶۵۲۵۔
۲۔ ترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قتلی احد، ح ۱۰۱۶۔
۳۔ مسند احمد۔ مجمع الزوائد، ح۱۸۳۴۶۔
۴۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب التشدید فی النیاحۃ، ح۹۳۴۔
۵۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب من یخرج فی سبیل اللہ۔
۶۔ مسلم، کتاب الحج، ما یفعل بالمحرم اذا مات، ح۱۲۰۶۔

۸۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ))[1]

''ہر آدمی اسی عقیدہ پر اٹھایا جائے گا جس پر وہ مرا تھا''۔

۹۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ کرتے ہیں تو ساری قوم پر عذاب نازل کر دیتے ہیں،البتہ (روزِ قیامت) ہر ایک اپنے اپنے عمل (بعض روایات میں ہے:اپنی اپنی نیت) کے مطابق اٹھایا جائے گا''۔[2]

میدانِ حشر (محشر) کہاں ہوگا؟

قبروں سے اٹھنے کے بعد تمام لوگوں کو ایک بہت بڑے میدان میں اکٹھا ہونے کا حکم ہوگا،اسے میدان حشر یا محشر بھی کہا جاتا ہے اور یہ اس دنیوی زمین پر قائم نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ زمین اور آسمان تو اللہ تعالیٰ تباہ کر دیں گے اور اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نئے آسمان وزمین بنائیں گے،جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾[سورة ابراهيم: ٤٨]

''جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی،اور سب کے سب اللہ واحد غلبے والے کے روبرو ہوں گے''۔

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ محشر اس جگہ قائم کیا جائے گا جہاں ملک شام ہے،جیسا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلشَّامُ اَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ))[3]

''شام اکٹھے ہونے اور پھر منتشر ہونے کی جگہ ہے''۔

میدانِ حشر میں لوگ کس طرح پہنچیں گے؟

میدانِ حشر میں لوگ اپنے اپنے اعمال کے حساب سے حاضر ہوں گے۔بعض لوگ پیدل چل کر جائیں گے،بعض سواریوں پر ہوں گے،بعض گناہ گاروں کو منہ کے بل چلا کر لے جایا جائے گا۔آئندہ سطور میں اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ مسلم، كتاب الجنة وصفته، باب الامر بحسن الظن بالله تعالىٰ عند الموت، ح٢٨٧٨۔

۲۔ مسلم ايضاً، ح٢٨٧٩۔

۳۔ صحيح الجامع الصغير، للالباني، ح٣٦٢٠۔

''لوگوں کو تین گروہوں میں (میدانِ حشر میں) اکٹھا کیا جائے گا۔ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو (جنت کا) شوق رکھنے والا ہوگا، دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو (جہنم سے) ڈرنے والا ہوگا۔ (یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے ہوں گے، ان میں سے کچھ تو) ایک اونٹ پر دو دو سوار ہوکر میدان حشر میں پہنچیں گے، کچھ ایک اونٹ پر تین تین سوار ہوکر پہنچیں گے، کچھ ایک اونٹ پر چار چار سوار ہوکر اور کچھ ایک اونٹ پر دس دس سوار ہوکر پہنچیں گے۔

ان کے علاوہ باقی لوگوں (یعنی تیسرے گروہ جو کافروں پر مشتمل ہوگا) کو ایک آگ ہانک کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی (اوران کی حالت یہ ہوگی کہ) جہاں کہیں یہ دوپہر کے آرام کے لیے رکیں گے، یہ آگ بھی وہاں ان کے ساتھ ہی رک جائے گی اور جہاں کہیں یہ رات بسر کرنے کے لیے ٹھہریں گے، یہ آگ بھی وہاں ٹھہر جائے گی اور جہاں یہ صبح کریں گے، وہاں یہ آگ بھی صبح کرے گی، اور جہاں یہ شام کریں گے، آگ بھی وہاں شام کرے گی''۔[یعنی یہ آگ ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گی](١)

٢۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((اِنَّ رَجُلاً قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلٰى وَجْهِهٖ؟ قَالَ: اَلَيْسَ الَّذِىْ اَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِى الدُّنْيَا قَادِرًا عَلٰى اَنْ يُمْشِيَهُ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ قَتَادَةُ! بَلٰى وَعِزَّةِ رَبِّنَا))(٢)

''ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! (روزِ قیامت) کافر اپنے منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: وہ ذات جو انسان کو دو پاؤں پر چلا سکتی ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ قیامت کے روز اسے منہ کے بل چلا دے؟ (اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد راویِ حدیث) قتادہ نے کہا: ہمارے رب کی عزت کی قسم! وہ ضرور اس بات پر قادر ہے۔''

روزِ محشر سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا اور لوگ اپنے اعمال کے حساب سے پسینے میں ڈوبے ہوں گے

جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

١۔حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

''قیامت کے روز سورج مخلوق سے میل بھر کے فاصلے پر آجائے گا اور لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، کوئی ٹخنوں تک ڈوبا ہوگا، کوئی گھٹنوں تک۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی کو منہ تک پسینہ کی لگام ہوگی''۔(٣)

١۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر، ح٦٥٢٢۔
٢۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر، ح٦٥٢٣۔
٣۔ مسلم، کتاب الجنة وصفته، باب فی صفة یوم القیامة، ح٢٨٦٤۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے روز لوگوں کا پسینہ بہتے بہتے زمین کے نیچے ۷۰ باع (یعنی تقریباً ۱۴۰ میٹر) تک چلا جائے گا۔ بعض لوگوں کے منہ تک اور بعض کے کانوں تک پسینہ ہوگا''۔ (۱)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی اس آیت: ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [سورة المطففين:٦] (جس روز لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''وہ دن ایسا (بڑا) ہوگا کہ اس کا نصف حصہ (دنیوی حساب سے) پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا لیکن اس کے باوجود مؤمن کے لیے یہ کم ہو کر اتنا رہ جائے گا جتنا سورج ڈھلنے سے لے کر غروب ہونے تک کا وقت ہوتا ہے''۔ (۲)

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَالْخَلْقُ مُلْجَمُوْنَ فِي الْعَرَقِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَهُوَ عَلَيْهِ كَالزُّكَامَةِ وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيَتَغَشَّاهُ الْمَوْتُ))

''روز حشر لوگوں کو پسینے کی لگام ڈالی گئی ہوگی، اہل ایمان کو اس کی تکلیف بس اتنی ہوگی جتنی زکام کی حالت میں ہوتی ہے جب کہ کافر کی حالت ایسی ہوگی جیسی موت کی غشی سے ہوتی ہے''۔ (۳)

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب سے اللہ تعالیٰ نے ابن آدم (یعنی انسان) کو پیدا کیا ہے، تب سے اس پر موت سے زیادہ سخت وقت کوئی نہیں آیا، جب کہ موت کے بعد کے مراحل اتنے سخت ہوں گے کہ ان کے مقابلہ میں موت کی سختی بھی کچھ نہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ لوگ حشر کے دن کی سختی کا سامنا بھی کریں گے اور اس دن لوگوں کو پسینے کی لگام لگی ہوگی اور (ہر طرف اتنا پسینہ بہہ رہا ہوگا کہ) اگر اس میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ بھی چلنے لگیں''۔ (٤)

میدانِ حشر میں لوگوں (کافروں اور باعمل و بے عمل مسلمانوں) کی کیفیت

میدان حشر میں لوگوں کو حساب کتاب کے لیے اکٹھا کیا جائے گا، اور اس مرحلہ پر بھی نیک لوگوں کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا، البتہ گناہ گاروں کے لیے یہ دن بڑا سخت اور ہولناک ہوگا اور ان کے چہرے خوف اور غم کی وجہ سے سیاہ ہو جائیں گے۔ آئندہ سطور میں ہم اس سلسلہ میں ایک جامع حدیث نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد کافروں، فاسقوں اور متقی مسلمانوں کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اس پہلو پر کچھ مزید بات کریں گے۔

۱۔ مسلم ایضاً، ح٢٨٦٣۔

٢۔ الترغیب و الترھیب، لمحی الدین دیب، ح٥٢٥٨۔ صحیح ابن حبان، ح٧٣٣٤۔ مسند احمد، ج٣، ص٧٥۔

٣۔ مجمع الزوائد، کتاب البعث، باب فی الشفاعة، ج١٠/١٨٥٠٦۔

٤۔ الترغیب و الترھیب، ح٥٢٥٨۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک اعلان کرنے والا (فرشتہ) اعلان کرے گا کہ ہر گروہ اپنے اپنے معبود کے پاس چلا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بجائے بتوں اور آستانوں کی عبادت کرنے والے سب آگ میں جا گریں گے (کیونکہ ان کے معبود آگ ہی میں ہوں گے) یہاں تک کہ پھر صرف نیک اور بد مسلمان رہ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور یا اہل کتاب باقی رہ جائیں گے۔ پھر یہودیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: 'تم کس کی عبادت کرتے تھے؟'۔ وہ کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔ ارشاد ہوگا: 'تم جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے نہ اولاد! لہٰذا اب یہ بتاؤ کہ تم چاہتے کیا ہو؟'۔ یہودی کہیں گے: 'اے ہمارے رب! ہمیں سخت پیاس لگی ہے، ہمیں پانی پلا دیجیے'۔ انہیں (جہنم میں پانی دکھاتے ہوئے اور اس طرف) اشارہ کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ادھر جا کر پیتے کیوں نہیں؟۔ چنانچہ اس طرح انہیں آگ کی طرف لے جایا جائے گا اور جہنم کی آگ انہیں سراب (ریتلی جگہ جو دور سے پانی دکھائی دے) کی طرح نظر آئے گی، حالانکہ آگ کے شعلے (اس طرح اس میں بھڑک رہے ہوں گے گویا) ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ آگ میں جا گریں گے۔ اس کے بعد عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگ کس کی عبادت کرتے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم اللہ کے بیٹے مسیح (عیسیٰؑ) کی عبادت کرتے تھے۔ انہیں کہا جائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے اور نہ اولاد۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں سخت پیاس لگی ہے، ہمیں پانی پلایا جائے۔ انہیں (جہنم میں پانی دکھاتے ہوئے اور اس طرف) اشارہ کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ادھر جا کر پیتے کیوں نہیں؟۔ چنانچہ اس طرح انہیں آگ کی طرف لے جایا جائے گا اور جہنم کی آگ انہیں سراب (ریتلی میدان جو دور سے پانی دکھائی دے) کی طرح نظر آئے گی، حالانکہ آگ کے شعلے (اس طرح اس میں بھڑک رہے ہوں گے گویا) ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی آگ میں جا گریں گے۔

اس طرح صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے نیک اور گنہگار لوگ (مومن) باقی رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایسی صورت میں آئیں گے جسے مومن پہچانتے ہی نہ ہوں گے، اور اللہ ان سے فرمائیں گے: 'ہر گروہ اپنے اپنے معبود کے پاس چلا گیا ہے تو تم لوگ اب کس انتظار میں ہو؟' وہ کہیں گے: 'اے ہمارے رب! ہم نے تو دنیا میں بھی ان (مشرکوں رکافروں) کا نہ ساتھ دیا اور نہ ہی ان سے کوئی تعلق رکھا، حالانکہ اس وقت ہم ان کے بہت محتاج بھی تھے۔ (تو آج کیسے ان کے ساتھ چلے جائیں)۔ تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: 'اچھا میں تمہارا رب ہوں'۔ یہ مومن کہیں گے: 'ہم تجھ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے'۔ مومن دو تین بار یہ کلمات دہرائیں گے حتی کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے ہی والے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: 'تم اپنے رب کی کوئی نشانی

جانتے ہو جس سے تم اسے پہچان سکو؟'۔ مومن کہیں گے ہاں۔ تب اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھولی جائے گی اور (جو شخص دنیا میں خالص اللہ کے لیے سجدہ کرتا تھا، اسے اللہ تعالیٰ سجدہ کرنے کی توفیق عطا فرما دیں گے اور وہ سجدہ ریز ہو جائے گا لیکن) جو شخص اپنی جان بچانے یا لوگوں کو دکھانے کے لیے سجدہ کرتا تھا، اس کی پیٹھ کو اللہ تعالیٰ ایک تختہ بنا دیں گے۔ جب وہ سجدہ کرنا چاہے گا تو اپنی گردن کے بل گر پڑے گا۔ پھر مؤمن لوگ اپنا سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی صورت اس شکل میں تبدیل کر لیں گے جس صورت میں اہل ایمان نے اللہ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا، اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: 'میں تمہارا رب ہوں'۔ مومن کہیں گے: 'یا اللہ! ہاں تو ہی ہمارا رب ہے'' ۔[1]

روزِ حشر کافروں کی صورتحال

ا۔ کفار اس روز سخت پریشانی اور ذلت میں ہوں گے

روز قیامت اہل ایمان پر کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا مگر کفار نہایت پریشان ہوں گے، اور اس پریشانی کے عالم میں ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی اور ان کے کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے، جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں بتایا گیا ہے:

(۱)...... ﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ﴾ [سورة المعارج: ۴۳، ۴۴]

''جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے، گویا کہ وہ کسی جگہ کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، ان پر ذلت چھا رہی ہوگی، یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔

(۲)...... ﴿وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾ [سورة عبس: ۴۰ تا ۴۲]

''بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے، جن پر سیاہی چڑھی ہوگی (اور) وہ یہی کافر اور بدکردار لوگ ہوں گے''۔

(۳)...... ﴿وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ [سورة يونس: ۲۷]

''اور جن لوگوں نے بدکام کیے، ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی اور ان کو ذلت چھائے گی، ان کو اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

(۴)...... ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ﴾

۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب معرفة طریق الرؤیة، ح۱۸۳۔

''اور انہیں بہت ہی قریب آنے والی (قیامت سے) آگاہ کر دو، جب کہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہوں گے، ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا نہ سفارشی، کہ جس کی بات مانی جاسکے''۔ [سورۃ غافر:۱۸]

۲۔ کافروں کے تمام اچھے عمل بھی ضائع ہوجائیں گے

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيْدُ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴾ [سورۃ ابراهیم: ۱۸تا ۲۱]

''ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، ان کے اعمال اس راکھ کے مثل ہیں جس پر تیز ہوا والی آندھی چلے۔ جو بھی انہوں نے کیا، (قیامت کے روز) اس میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، یہی دور کی گمراہی ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو بہترین تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے۔ اللہ پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔ سب کے سب اللہ کے سامنے روبرو کھڑے ہوں گے۔ اس وقت کمزور لوگ بڑائی والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابعدار تھے، تو کیا تم اللہ کے عذابوں میں سے کچھ عذاب ہم سے دور کر سکتے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی ضرور تمہاری رہنمائی کرتے، اب تو ہم پر بے قراری کرنا اور صبر کرنا دونوں ہی برابر ہے۔ ہمارے لیے کچھ چھٹکارا نہیں''۔

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴾ [سورۃ الکهف: ۱۰۳تا۱۰۶]

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمہیں بتاؤں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ وہ ہیں کہ جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہو گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا، اس لیے ان کے اعمال غارت ہو گئے، پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جہنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا''۔

کافر ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور حسرت اور افسوس کا اظہار کریں گے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ ﴾ [سورة الزخرف: ٦٧]

''اس (قیامت کے) دن (گہرے) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیز گاروں کے''۔

﴿ يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ وَاُزۡلِفَتِ الۡجَـنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِلۡغٰوِيۡنَ وَقِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ هَلۡ يَنۡصُرُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ فَكُبۡكِبُوۡا فِيۡهَا هُمۡ وَالۡغَاوٗنَ وَجُنُوۡدُ اِبۡلِيۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ قَالُوۡا وَهُمۡ فِيۡهَا يَخۡتَصِمُوۡنَ تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِيۡنَ وَلَا صَدِيۡقٍ حَمِيۡمٍ فَلَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾

''اور جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی، لیکن فائدے والا وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے۔ اور پرہیز گاروں کے لیے جنت بالکل قریب کر دی جائے گی اور گمراہ لوگوں کے لیے جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔ اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پوجا کرتے رہے وہ کہاں ہیں؟ جو اللہ تعالیٰ کے سوا تھے، کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں؟ پس وہ سب اور تمام گمراہ لوگ جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ اور ابلیس کے تمام لشکر بھی وہاں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے۔ جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے۔ اور ہمیں تو سوائے ان کے بدکاروں کے کسی اور نے گمراہ نہیں کیا تھا۔ اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں اور نہ ہی کوئی (سچا) غم خوار دوست۔ اگر کاش ہمیں ایک بار پھر (دنیا میں) جانا ملتا تو ہم پکے سچے مومن بن جاتے''۔ [سورۃ الشعراء: ۹۱ تا ۱۰۱]

روزِ حشر منافقوں کا انجام

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''(روزِ حشر) اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولیں گے اور ہر صاحب ایمان مرد اور عورت اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جائے گا، البتہ جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لیے سجدہ کرتا تھا، اس کی پیٹھ کو اللہ تعالیٰ ایک تختہ بنا دے گا (اور وہ سجدہ نہیں کر پائے گا)''۔ (۱)

مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''(روزِ حشر) اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھل جائے گی اور جو شخص دنیا میں خالص اللہ کی رضا کی خاطر سجدہ کرتا تھا، اسے اللہ تعالیٰ سجدہ کی توفیق عطا فرمائیں گے (اور وہ سجدہ میں گر جائے گا) لیکن جو شخص اپنی جان بچانے یا لوگوں کو دکھانے کے لیے سجدہ کرتا تھا اس کی پیٹھ کو اللہ تعالیٰ ایک تختہ بنا دے گا جب وہ سجدہ کرنا چاہے گا تو گردن کے بل گر پڑے گا''۔ (۲)

۱۔ بخاری، باب یوم یکشف عن ساق۔
۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب معرفۃ طریق الرؤیۃ، ح۱۸۳۔

روزِ حشر فاسق و فاجر (نافرمان) مسلمانوں کا انجام

قیامت کا دن اُن اہل ایمان کے لیے بھی سخت اور عذاب دہ ہوگا، جو کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا رہے ہوں گے۔ ان گناہ گاروں کو ان کے گناہوں کے بقدر سزا دی جائے گی۔ احادیث میں بطور مثال بعض ایسے گناہ گاروں اور ان کی سزا کے حوالے سے تذکرہ ملتا ہے۔ ذیل میں ایسی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

زکاۃ ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کا حشر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا، مگر اس نے اس کی زکاۃ ادا نہ کی تو وہ مال قیامت کے روز دو سیاہ نقطوں والا ایک گنجا سانپ بنا کر اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اسے (کاٹے گا اور) کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں......''۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سونے اور چاندی کا (بقدر نصاب) مالک ہو جانے کے باوجود اگر کوئی اس کا حق (یعنی زکاۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس (سونے اور چاندی) کی تختیاں بنا کر انہیں جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر ان گرم تختیوں سے اس آدمی (جو اس سونے چاندی کا مالک تھا) کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ پر داغا جائے گا۔ جب بھی (یہ تختیاں گرم کرنے کے لیے آگ میں) واپس لائی جائیں گی تو پھر دوبارہ (عذاب دینے کے لیے) لوٹائی جائیں گی اور یہ سلسلہ اس حشر کے دن جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے، اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک کہ باقی تمام انسانوں کے درمیان (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) فیصلے نہ کر دیئے جائیں گے۔ پھر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف دیکھے گا یا جہنم کی طرف۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول! اونٹوں کے بارے میں بتایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اونٹوں کا مالک ہو اور وہ ان کا حق (یعنی زکاۃ) ادا نہ کرے اور ان کے حق میں یہ بھی شامل ہے کہ جس دن انہیں پانی پلانے کے لیے لائے، اس دن ان کا دودھ دوھے (اور وہاں موجود مسکینوں کو اس میں سے پلائے)، تو اسے (جس نے یہ حق ادا نہ کیا) روزِ حشر ایک میدان میں اوندھے منہ لٹا دیا جائے گا اور اس کے تمام اونٹ خواہ کوئی چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو، اس وقت خوب موٹے تازے ہو کر آئیں گے اور وہ سب اسے اپنے کھروں (پاؤں) سے روندیں گے اور اپنے منہ سے کاٹیں گے۔ جب پہلا اونٹ (اسے روندتے ہوئے) گزر جائے گا تو پیچھے دوسرا آ پہنچے گا۔ اس طرح اس کے ساتھ یہ سلوک اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال (کے برابر) ہے، مسلسل ہوتا رہے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلے کر دیئے جائیں گے۔ پھر اس کے بعد ہی وہ اپنا رستہ دیکھ پائے گا، جو یا تو جنت کی طرف ہوگا یا جہنم کی طرف۔

۱۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، ح۹۸۷۔

عرض کیا گیا یارسول اللہ! گائے اور بھیڑ بکری کے بارے میں بھی بتایئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص گائے اور بھیڑ بکری کا مالک ہو اور وہ ان کا حق (یعنی زکاۃ) ادا نہ کرے تو روزِ حشر اسے ایک چٹیل میدان میں اوندھے منہ لٹا دیا جائے گا اور اس کی گائے اور بھیڑ بکریوں میں سے نہ کوئی کم ہوگی، نہ ان میں سے کوئی سینگ مڑی ہوگی اور نہ بغیر سینگوں کے اور نہ ٹوٹے ہوئے سینگوں کے۔ سب اسے اپنے سینگوں سے ماریں گی اور اپنے کھروں سے روندیں گی۔ جب ایک (اسے مارتے اور روندتے) گزر جائے گی تو پیچھے دوسری آجائے گی۔ اس طرح اس کے ساتھ یہ سلوک اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال (کے برابر) ہے، مسلسل ہوتا رہے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلے کر دیئے جائیں گے۔ پھر اس کے بعد ہی وہ اپنا رستہ دیکھ پائے گا، جو یا تو جنت کی طرف ہوگا یا جہنم کی طرف''۔ (۱)

ذمہ داری میں کوتاہی کرنے والے لیڈروں کا حشر

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص دس یا دس سے زائد لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا، قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوں گے۔ اب یا تو اس کا نیک طرزِ عمل اسے چھڑا لے گا یا اس کے گناہ (اور غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل) اسے ہلاک کر ڈالیں گے''۔ (۲)

غداروں اور وعدہ خلافی کرنے والوں کا حشر

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے روز ہر غدار اور وعدہ خلافی کرنے والے کی سرین (پیٹھ) پر ایک جھنڈا ہوگا''۔ (۳)

خود غرض، لالچی اور جھوٹے لوگوں کا حشر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''روزِ قیامت تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نہ بات کرے گا، نہ ان کی طرف نظرِ کرم کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ان میں ایک وہ شخص ہے جو جنگل میں کہیں رہتا ہے اور اپنی ضرورت سے زیادہ پانی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود راہ گزر کو پانی نہیں دیتا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو عصر کے بعد مال بیچے اور اللہ کی جھوٹی قسم کھائے کہ میں نے یہ مال اتنے میں خریدا ہے اور خریدار اسے سچا سمجھے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو محض دنیوی مفادات کی خاطر حاکم وقت کی بیعت کرے، اگر حاکم وقت اسے کچھ دے تو اس کے ساتھ وفا کرے ورنہ بے وفائی کرے''۔ (۴)

۱۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، ح۹۸۷۔
۲۔ مسند احمد، ح۲۲۰۴۔ [sic: ٢٢٠٤ as printed reads ح٢٢٠٤]
۳۔ مسلم، کتاب الجهاد، باب تحریم الغدر، ح۱۷۳۸۔
۴۔ مسلم، الایمان، باب بیان غلظ تحریم...، ۱۰۸۔

جھوٹے اور عیب جو کا حشر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس بندے نے جھوٹا خواب بنا کر سنایا، اسے (روز قیامت) مجبور کیا جائے گا کہ وہ جو کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگائے مگر وہ ایسا نہیں کر پائے گا، اور جس نے کسی قوم کی باتیں (چوری چھپے) سننے کی کوشش کی جب کہ وہ لوگ اسے ناپسند کرتے اور اس سے دور رہتے تھے تو ایسے بندے کے کانوں میں روزِ قیامت پگلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا''۔ (۱)

مال میں ہیرا پھیری اور خیانت کرنے والوں کا حشر

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں زکاۃ وصول کرنے کے لیے عامل مقرر کیا اور فرمایا:

''اے ابو ولید! (یہ ان کی کنیت تھی) اللہ سے ڈرو اور قیامت کے روز اس حال میں نہ آنا کہ تم (اپنے کندھوں پر) اونٹ اٹھائے ہو جو بلبلا رہا ہو یا گائے اٹھائے ہو جو آوازیں نکال رہی ہو یا بکری اٹھائے ہو جو ممیا رہی ہو۔ (آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اگر مالِ زکوٰۃ میں خیانت کی جائے تو یہ خیانت کا مال انسان کی گردن پر سوار ہو کر آوازیں لگائے گا)۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا واقعی (مالِ زکاۃ میں خیانت کرنے والے کے ساتھ) اسی طرح ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے: تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ نبی بنایا ہے، میں آپ ﷺ کے لیے کبھی بھی عامل کا کام نہیں کروں گا''۔ (۲)

قبلہ رُخ تھوکنے والے کا حشر

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے قبلہ رخ ہو کر تھوکا، وہ قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ اس کا تھوک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (یعنی پیشانی پر) ہوگا''۔ (۳)

لوگوں پر ظلم کرنے والوں کا حشر

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ)) (٤)

''جو شخص کسی پر ظلم کرتے ہوئے اس کی زمین سے کچھ حصہ بھی اپنے قبضہ میں کرے گا، تو (روز حشر) ساتوں زمینوں کو اس کے گلے میں ڈالا جائے گا''۔

۱۔ بخاری، کتاب تعبیر الرؤیا، باب من کذب فی حلمہ۔
۲۔ صحیح الترغیب والترھیب، للالبانیؒ، ح۷۷۸۔
۳۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، از علامہ البانیؒ، ح۲۲۲۔
٤۔ بخاری، المظالم، باب إثم من ظلم.. ح۲٤٥۲۔

قاتلوں کا حشر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''روز قیامت مقتول اپنے قاتل کو اس حالت میں لے کر آئے گا کہ قاتل کی پیشانی اور سر مقتول کے ہاتھ میں ہوگا اور مقتول کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور وہ کہہ رہا ہوگا: اے میرے پروردگار! اس نے مجھے قتل کیا تھا حتی کہ مقتول اپنے قاتل کو عرش کے قریب لے جائے گا''۔ (۱)

متکبروں کا حشر

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کے برابر انسانی شکل میں اکٹھا کیا جائے گا۔ ان کا حال یہ ہوگا کہ ہر طرف سے ذلت و رسوائی ان پر چھائی ہوگی اور وہ جہنم کے ایک قید خانہ میں لائے جائیں گے جس کا نام 'بولس' ہے، وہاں سخت ترین آگ انہیں گھیر لے گی اور انہیں جہنمیوں کا خون اور پیپ پلایا جائے گا''۔ (۲)

پیشہ ور بھکاریوں کا حشر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی ہمیشہ لوگوں سے بھیک مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ پر گوشت کی بوٹی تک نہیں ہوگی''۔ (۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بقدرِ کفایت مال ہونے کے باوجود لوگوں سے بھیک مانگنے والے کا چہرہ قیامت کے روز عیب دار ہوگا''۔ (٤)

روزِ حشر باعمل مومنوں کی کیفیت

قرآن مجید اور احادیث میں بڑے واضح انداز میں بتایا گیا ہے کہ روز حشر مومنوں اور نیک کاروں کو کوئی پریشانی، خوف اور غم نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس روز ایسے لوگ میدان حشر میں باقی لوگوں کے ساتھ جمع تو ہوں گے مگر ان میں سے بعض اللہ کے عرش کے سائے میں جگہ پائیں گے، بعض نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے، بعض کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور مجلس نصیب ہو جائے گی۔ آئندہ سطور میں ہم اس سلسلہ میں چند آیات اور احادیث ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النساء۔

۲۔ ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب ما جاء في شدة الوعيد للمتكبرين، ح۲٤۹۲۔

۳۔ مسلم، کتاب الزکاة، باب كراهة المسئلة، ح۱۰٤۰۔

٤۔ صحیح الجامع الصغير، ج٥، ص۲۰۸۔

اہل ایمان کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴾

''میرے بندو! آج تو تم پر کوئی خوف (وہراس) ہے اور نہ تم (بددل اور) غمزدہ ہوگے۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ (فرماں بردار) مسلمان۔ تم اور تمہاری بیویاں ہشاش بشاش (راضی خوشی) جنت میں چلے جاؤ۔ ان کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا، ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں، سب وہاں ہوگا اور تم اس میں ہمیشہ رہوگے۔ یہی وہ جنت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو۔ یہاں تمہارے لیے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہوگے''۔[الزخرف:٦٨ تا٧٣]

اہل ایمان کے چہرے روشن اور تروتازہ ہوں گے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴾ [سورة عبس، ٣٨، ٣٩]

اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے۔ (جو) ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے''۔

روزِ حشر اہل ایمان کے لیے چند لمحوں کا ہوگا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَوْمُ الْقِيَامَةِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كَقَدْرِ مَا بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ))[1]

''قیامت کا دن اہل ایمان کے لیے ظہر اور عصر کے درمیانی وقت کے برابر ہوگا''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی اس آیت: ﴿ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ [سورة المطففين:٦] (جس روز لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وہ دن ایسا (بڑا) ہوگا کہ اس کا نصف حصہ (دنیوی حساب سے) پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا لیکن اس کے باوجود مؤمن کے لیے یہ کم ہو کر اتنا رہ جائے گا جتنا سورج ڈھلنے سے لے کر غروب ہونے تک کا وقت ہوتا ہے''۔[2]

١۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة، للالبانی، ح٢٤٥٦۔

٢۔ الترغيب والترهيب، لمحی الدين ديب، ح٥٢٥٨۔ صحيح ابن حبان، ح٧٣٣٤۔ احمد، ج٣، ص٧٥۔

سات طرح کے لوگ روزِ حشر اللہ کے عرش کے سائے تلے جگہ پائیں گے

۱۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ وَاَخْفٰى حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ)) [1]

''سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ (میدان حشر/روز قیامت) اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا جب کہ اس کے (عرش کے) سائے کے علاوہ اور کہیں سایہ نہ ہوگا۔ (وہ سات خوش نصیب یہ ہیں):

(۱) عادل حکمران۔ (۲) وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی اپنے رب کی عبادت میں گزاری۔ (۳) وہ آدمی جس کا دل ہر وقت مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔ (۴) وہ دو آدمی جنہوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کی، اسی پر وہ اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے۔ (۵) وہ آدمی جسے کسی اونچے خاندان کی خوب صورت عورت نے دعوتِ گناہ دی لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۶) وہ آدمی جس نے اتنا چھپا کر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہوا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا صدقہ کیا ہے۔ (۷) وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور (اللہ کے خوف کی وجہ سے) اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے''۔

۲۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اپنے تنگ دست مقروض کو مہلت دے یا اس کے قرض میں سے کچھ معاف کر دے تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا اور اس دن اللہ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا''۔ [2]

اسلام پر عمل کی حالت میں زندگی گزارنے والے کے لیے نور ہوگا

حضرت کعب بن مرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْاِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جس شخص نے اسلام کی حالت میں زندگی بسر کی اور بوڑھا ہوا، تو یہ بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے روز نور ہوگا''۔ [3]

۱۔ بخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ وفضل المساجد، ح ٦٦٠۔

۲۔ ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی انظار المعسر والرفق بہ، ح ١٣٠٦۔

۳۔ صحیح الجامع الصغیر، ج ٥، ص ٣٠٤، ح ٦١٨٣۔

شہید کو قیامت کے دن کی مصیبتوں (گھبراہٹوں) سے محفوظ کر دیا جائے گا

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ اعزاز ہیں:

۱۔ پہلے ہی لمحے اس کی مغفرت فرما دی جاتی ہے اور اس کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔

۲۔ اسے عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ قیامت کے دن کی مصیبتوں (گھبراہٹوں) سے وہ محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ اس کے سر پر عزت اور وقار کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک ہی یاقوت دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب سے قیمتی ہے۔

۵۔ گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی بہتر (72) حوروں سے اس کی شادی کر دی جائے گی۔

۶۔ اس کے ستر (70) رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی''۔[1]

عدل وانصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا))[2]

''انصاف کرنے والے (قیامت کے دن) اللہ عزوجل کے داہنے ہاتھ نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں اور اہل وعیال میں اور ہر اس کام میں جس کی انہیں ذمہ داری سونپی جائے، عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں۔''

مؤذنوں کی گردنیں اونچی ہوں گی تاکہ وہ نمایاں نظر آئیں

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[3]

''اذان دینے والے لوگ قیامت کے روز سب سے اونچی گردنوں والے ہوں گے''۔

۱۔ ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب فی ثواب الشهيد، ح١٦٦٣۔ ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب فضل الشهادة فی سبيل الله، ح٢٧٩٩۔ مسند احمد، ج ٤ ص ١٣١۔

۲۔ مسلم، کتاب الامارة، باب فضيلة الامير العادل، ح١٨٢٧۔

۳۔ ابن ماجه، کتاب الاذان، باب فضل الاذان۔

گردنوں کے اونچے اور لمبے ہونے سے ان کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ اذان دینے کے نیک عمل کی وجہ سے باقی لوگوں میں نمایاں دکھائی دیں گے۔

نمازیوں کے وضو کے اعضاء چمکتے ہوں گے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَقُوْلُ إِنَّ أُمَّتِيْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَرِ الْوُضُوْءِ))(۱)

''میری امت کے لوگ قیامت کے روز جب بلائے جائیں گے، تو وضو کرنے کی وجہ سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں سفید اور چمکدار ہوں گے''۔

غصہ کنٹرول کرنے والوں کو بہترین حور عطا کی جائے گی

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ كَتَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُنَفِّذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ يُزَوِّجُهُ مِنْهَا مَا شَاءَ))(۲)

''جو شخص انتقام لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود غصہ پی جائے تو (روز قیامت) اللہ تعالیٰ اسے ساری مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اسے یہ اختیار دیں گے کہ جس حور سے چاہے، نکاح کر لے''۔

حسنِ اَخلاق سے پیش آنے والوں کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ساتھ نصیب ہوگا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''روزِ قیامت تم میں سے وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، معزز اور میری مجلس میں میرا مقرب ہوگا جس کا اخلاق بہت اچھا ہے اور وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور میری مجلس سے دور ہوگا جو بڑا باتونی، فضول ہانکنے والا اور تکبر کرنے والا ہو''۔(۳)

۱۔ بخاری، کتاب الوضوء، باب فضل الوضوء۔

۲۔ صحیح الجامع الصغیر، ح ۶۳۹۴۔

۳۔ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی معالی الاخلاق، ح ۲۰۱۸۔

فصل ۵

مسئلہ شفاعت کا بیان

روز قیامت مختلف لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا، اس کی تفصیل آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔ اور یہ دن کتنا سخت اور ہولناک ہوگا، اس کی وضاحت بھی گذر چکی ہے، چنانچہ لوگ چاہ رہے ہوں گے کہ حساب کتاب شروع ہو اور اس دن کی سختی سے نجات ملے لیکن اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال اور ہیبت کے پیش نظر کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے اس سلسلہ میں کوئی بات کر سکے، چنانچہ لوگ جمع ہو کر یکے بعد دیگرے مختلف انبیاء ورسل کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ وہ اللہ کے حضور سفارش کریں کہ حساب کتاب شروع کیا جائے مگر انبیاء بھی اللہ کے جلال اور ہیبت کے پیش نظر ڈر رہے ہوں گے، بالآخر نبی کریم ﷺ ہمت کریں گے اور اللہ کے حضور سفارش کریں گے اور آپ کی سفارش قبول کر کے حساب کتاب کا عمل شروع ہوگا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔ جانتے ہو ایسا کیونکر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اس روز اگلے پچھلے تمام لوگوں کو ایک ایسے چٹیل اور ہموار میدان میں اکٹھا کریں گے جہاں پکارنے والا انہیں اپنی آواز سنا سکے گا اور دیکھنے والا ان سب کو دیکھ سکے گا۔ سورج (ایک میل تک) قریب آ جائے گا۔ لوگوں کو اتنی پریشانی اور غم ہوگا کہ ان کے لیے اسے برداشت کرنا ممکن نہ رہے گا۔ لوگ آپس میں کہیں گے، دیکھتے نہیں کس مشکل اور سختی نے تمہیں گھیر رکھا ہے لہٰذا کوئی ایسا شخص تلاش کرو جو تمہارے رب کے حضور تمہاری سفارش کر سکے۔ چنانچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے کہ تمہیں اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے۔ چنانچہ لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: ''آپ ابوالبشر (تمام انسانوں کے باپ) ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے، اپنی روح آپ میں پھونکی ہے پھر فرشتوں کو حکم دیا اور انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، اور آپ کو اللہ نے جنت میں ٹھہرایا، کیا آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش نہیں کریں گے جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس قدر سخت تکلیف دہ حالت میں ہیں اور کتنی پریشانی کا سامنا کر رہے ہیں''۔

حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے کہ آج میرا رب اس قدر غصے میں ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنے غصہ میں آیا اور نہ اس کے بعد کبھی آئے گا، مجھے اللہ تعالیٰ نے (جنت) میں ایک درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا لیکن میں نافرمانی کر بیٹھا، لہٰذا مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے، ہائے میری جان! ہائے میری جان! تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ، (پھر خود ہی کہیں گے: ہاں) نوح کے پاس چلے جاؤ۔

لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: ''اے نوح! آپ اہل زمین کی طرف سب سے

پہلے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندہ کہا ہے۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس قدر سخت تکلیف دہ حالت میں ہیں اور کتنی پریشانی کا سامنا کر رہے ہیں۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیجیے''۔ حضرت نوحؑ کہیں گے، آج میرا رب اتنے شدید غصہ میں ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنے غصہ میں آیا، نہ اس کے بعد کبھی آئے گا (اور سنو کہ مجھ سے دنیا میں یہ غلطی ہوئی تھی کہ) میں نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی تھی، اس لیے آج تو مجھے بس اپنی جان کی فکر ہے، ہائے میری جان! ہائے میری جان! (تم لوگ) میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ابراہیم کے پاس چلے جاؤ۔

چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: ''اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں، اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیجیے، کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟''۔ حضرت ابراہیم کہیں گے، آج میرا رب اس قدر غصہ میں ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی اس قدر غصہ میں آیا نہ اس کے بعد آئے گا۔ میں نے (دنیا میں) تین جھوٹ [☆] بولے تھے جس کی وجہ سے مجھے اپنی جان کی فکر ہے، ہائے میری جان! ہائے میری جان! تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، موسیٰ کے پاس چلے جاؤ (شاید وہ تمہاری سفارش کر سکیں)۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: ''اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت کی فضیلت عطا فرمائی اور آپ سے ہم کلام ہو کر سارے لوگوں پر آپ کو فضیلت بخشی، آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیجیے کیونکہ آپ بخوبی دیکھ رہے ہیں کہ ہم اس وقت کس حال میں ہیں''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ آج تو میرا رب اس قدر غصے میں ہے کہ نہ اس سے پہلے اسے اتنا غصہ کبھی آیا تھا اور نہ ہی اس کے بعد آئے گا، (دنیا میں) میں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جسے قتل کرنے کا مجھے حکم نہ تھا، لہٰذا اس وجہ سے مجھے اپنی جان کی فکر ہے، ہائے میری جان! ہائے میری جان!، پھر حضرت موسیٰ کہیں گے کہ تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

☆...... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں جن تین جھوٹ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ توریہ یعنی جھوٹ کی جائز قسم سے تھے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ اپنی قوم کے بتکدے میں گھس کر آپ نے ایک بڑے بت کے علاوہ باقی سب بت توڑ دیئے لیکن جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ﴿هَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا﴾ ''یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہے''۔ (سورۃ الانبیاء: ۶۳) آپ نے ایسا اس لیے کہا تاکہ لوگ اس بڑے بت سے پوچھیں اور جب بت انہیں جواب نہ دے پائے گا تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ جو بت بول نہیں سکتا، وہ کسی کا حاجت روا اور مشکل کشا کیسے ہو سکتا ہے!

۲۔ جب لوگوں نے حضرت ابراہیم کو قومی تہوار منانے کی دعوت دی تو آپ نے ان سے کہا: ''میں تو بیمار ہوں''۔ حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے، اور آپ نے ایسا اس لیے کہا تاکہ جب قوم بستی سے باہر ہوگی تو بتکدے میں جا کر ان کے بت توڑے جا سکیں۔

۳۔ تیسرا جھوٹ یہ تھا کہ دوران ہجرت مصر سے گزرتے ہوئے جب آپ سے آپ کی بیوی کے بارے میں پوچھا گیا یہ کون ہے تو آپ نے بتایا کہ یہ میری بہن ہے۔ شاہ مصر کا قانون یہ تھا کہ ہر حسین عورت شوہر سے چھین کر اس پر دست درازی کرتا۔ آپ نے اپنی بیوی کو اس کی دسترس سے بچانے کے لیے اسے اپنی بہن کہہ دیا اور مراد اسلامی رشتہ تھا نہ کہ نسبی وخونی۔

چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: ''اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ (یعنی کلمہ کن کہنے سے پیدا ہوئے) ہیں جو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اللہ کی روح ہیں، آپ نے بچپن میں (ماں کی) گود میں لوگوں سے باتیں کیں، آج ہمارے لیے سفارش کر دیجیے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم اس وقت کتنی سخت تنگی کی حالت میں ہیں''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج میرا رب اس قدر غصے میں ہے کہ نہ اس سے پہلے اسے کبھی اتنا غصہ آیا، نہ اس کے بعد آئے گا۔۔۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر حضرت عیسیٰ کے کسی گناہ کا ذکر نہیں فرمایا۔۔۔، جواب میں حضرت عیسیٰ کہیں گے کہ ہائے میری جان! ہائے میری جان!، پھر فرمائیں گے کہ میرے علاوہ کسی دوسرے کے پاس جاؤ، (ہاں) محمد ﷺ کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ لوگ میرے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: ''اے محمد! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ اپنے رب کے حضور ہمارے لیے سفارش فرما دیجیے۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہماری کیا حالت ہو رہی ہے؟''۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور عرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رب کے حضور سجدہ میں گر پڑوں گا، اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی حمد و ثناء کے وہ کلمے میرے دل میں ڈال دیں گے جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلائے۔ پھر (اللہ کی طرف سے) ارشاد ہوگا: ''اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور سوال کریں، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی''۔ چنانچہ میں کہوں گا: ''یا رب! میری امت، یا رب! میری امت، یا رب! میری امت''۔ تو کہا جائے گا: ''اے محمد! آپ کی امت میں سے جس کے ذمہ کوئی حساب نہیں، اسے آپ جنت کے دروازوں میں سے دائیں دروازے سے جنت میں داخل کر دیں''۔ (1)

اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرح کسی کی محبت یا خوف سے مجبور نہیں

اللہ تعالیٰ نے بلا شرکت غیرے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس کا نظام بھی تن تنہا وہی چلا رہا ہے۔ جس طرح اس کائنات کو پیدا کرتے وقت اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہ تھی، اسی طرح کائنات کا نظام چلانے میں بھی وہ کسی کا محتاج نہیں۔ گویا اپنی ذات میں جہاں وہ خالق الخلق اور مالک الملک ہے، وہاں قادر مطلق اور مختار کل بھی ہے۔ مگر انسانوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ دنیا میں ایک چھوٹا سا حاکم یا بادشاہ انسان ہونے کے ناطے بہت سی خواہشات کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حاکم وقت اپنی ریاست کے کسی باغی یا مجرم کو سزا دینا چاہتا ہے مگر اس کے بیوی بچے یا وزیر مشیر یا کوئی قریبی دوست آڑے آ جاتا ہے اور مجرم کی جاں بخشی کی پرزور سفارش کر دیتا ہے اور حاکم وقت کو مجبوراً اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑ جاتا ہے۔ بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حاکم یا جج کو اپنا فیصلہ محض اس خوف سے بدلنا پڑ جاتا ہے کہ خلاف ورزی کی صورت میں اسے اپنے سے بڑے اور بااختیار کی ناراضگی مول لینا پڑ سکتی ہے۔ بعض اوقات کسی مفاد اور لالچ کے پیش نظر بھی فیصلے بدلے جاتے ہیں۔

۱۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب ذریۃ من حملنا مع نوح، ح ٤٧١٢۔ مسلم، کتاب الایمان، باب ذریۃ من حملنا مع نوح۔

محبت، خوف اور لالچ وغیرہ سے مجبور ہو کر فیصلے بدلنا انسانوں کے لیے تو ممکن ہے بلکہ بعض حالات میں تو ضروری ہو جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ان مجبوریوں اور کمزوریوں سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو کسی کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہے اور نہ کسی کا خوف اور لالچ اس کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس لیے اس کا فیصلہ قطعی اور اٹل ہوتا ہے اور مبنی بر عدل بھی۔ وہ اپنے باغیوں اور مجرموں میں سے جسے چاہے از راہِ کرم خود ہی معاف کر سکتا ہے اور اپنے نیک بندوں میں سے جس کے لیے چاہے اس کی نیکی سے زیادہ اس پر انعام و اکرام کی بارش کر دے۔ اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں، کیونکہ باقی سب اس کی مخلوق ہے اور وہ تنہا سب کا خالق ہے۔ پھر مخلوق کی کیا مجال کہ وہ خالق کے کسی کام میں مداخلت کر سکے۔

شفاعت کی ضرورت اور مقصد

حدیث میں ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔ جس طرح دنیا میں مختلف صورتوں میں اس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اسی طرح روز آخرت بھی اس کا اظہار فرمائیں گے۔ اس کے اظہار کی ایک صورت تو یہ ہوگی کہ بہت سے لوگوں کو بلا حساب جنت میں داخلہ نصیب کیا جائے گا۔ ایک صورت یہ ہوگی کہ حساب کے موقع پر بعض لوگوں کو ان کے گناہ یاد کروانے کے باوجود ان کی پردہ پوشی کی جائے گی۔ ایک صورت یہ ہوگی کہ معمولی سزا کے بعد لوگوں کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ ایک صورت یہ ہوگی کہ عمل کا بدلہ اور انعام کئی گنا زیادہ دے دیا جائے گا۔

بعض لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے کرم و نوازش کا اظہار براہ راست خود کریں گے جب کہ بعض لوگوں کے لیے اس کے اظہار کی ایک صورت شفاعت بھی ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بعض مخصوص بندوں کو یہ اجازت دیں گے کہ وہ فلاں فلاں لوگوں کی بخشش اور نجات کے لیے مجھ سے سفارش کریں، میں ان کی سفارش قبول کر کے انہیں بھی معاف کر دوں گا، چنانچہ جنہیں شفاعت کی اجازت ملے گی صرف وہی شفاعت کر سکیں گے اور وہ بھی صرف انہی لوگوں کے حق میں سفارش کریں گے جن کی سفارش کی اللہ انہیں اجازت دیں گے۔ اس شفاعت کے ذریعے دراصل اللہ تعالیٰ ایک تو اپنے بندوں کی معافی کا موقع پیدا کر دیں گے اور دوسرا یہ کہ جو لوگ سفارش کریں گے، ان کی عزت و تکریم میں اضافہ ہوگا۔

شفاعت کا سب سے بڑا موقع خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو فراہم کیا جائے گا۔ اس لیے اسے آپ کے لیے **مقام محمود** اور **الدرجة الرفيعة** قرار دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ شفاعت کا یہ مطلب نہیں کہ جنہیں شفاعت کی اجازت ملے گی، وہ معاذ اللہ، اللہ کے کسی فیصلے کو بدل دیں گے بلکہ وہ اللہ ہی کے فیصلے پر عمل کریں گے اور صرف انہی کی شفاعت کریں گے جن کی شفاعت کی انہیں اجازت ملے گی۔

اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا

اب ذیل میں وہ آیات ملاحظہ فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز کوئی شخص کسی دوسرے کے نہ کام آئے گا، نہ

اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے گا:

(۱)...... ﴿ وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا ﴾ [سورة الانعام: ٧٠]

''اور اس قران کے ذریعے نصیحت کرتے رہو تا کہ کہیں کوئی شخص اپنے کرتوتوں کی پاداش میں (اس طرح) نہ پھنس جائے کہ اسے اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و ناصر اور سفارشی موجود نہ ہو اور یہ کیفیت ہو جائے کہ اگر وہ دنیا بھر کا فدیہ دے کر چھوٹنا چاہے تو وہ بھی قبول نہ کیا جائے''۔

(۲)...... ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾ [سورة البقرة: ٢٥٤]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، ہم نے تمہیں جو رزق دیا ہے، اس سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں کوئی خرید و فروخت، دوستی اور سفارش کام نہیں آئے گی اور کافر تو ہیں ہی ظالم''۔

(۳)......﴿ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴾

''اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا، نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش ہی کسی کو فائدہ دے گی اور نہ ہی وہ مدد کئے جائیں گے''۔[سورۃ البقرۃ:۱۲۳]

(٤)......﴿ يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴾ [سورة طٰهٰ: ١٠٩]

''قیامت کے روز کوئی سفارش فائدہ نہ دے گی، سوائے اس شخص کی سفارش کے جسے رحمان نے اجازت دی ہو اور اس سفارشی کی بات اللہ تعالیٰ کو پسند بھی آئے''۔

شفاعت کی اجازت کسے ملے گی؟

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز شفاعت کی اجازت یا تو فرشتوں کو ملے گی، یا نبیوں اور رسولوں کو، یا اہل ایمان میں سے بعض نیک لوگوں کو۔ علاوہ ازیں انسان کے بعض نیک اعمال بھی اس کے حق میں سفارش کریں گے۔ اب ان کی کچھ ضروری تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

۱)......انبیاء ورسل کی شفاعت

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء ورسل کو روز قیامت شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور سب سے عظیم شفاعت ہمارے نبی کو حاصل ہوگی، چنانچہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ

مُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ))[1]

''سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں یہ بات تکبر سے نہیں کہہ رہا (بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں) نیز سب سے پہلے میں سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری سفارش قبول کی جائے گی اور اس کا ذکر میں از راہِ تکبر نہیں کر رہا۔ علاوہ ازیں قیامت کے روز حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں یہ بات تکبر اور غرور سے نہیں کہہ رہا''۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا))[2]

''ہر نبی کی ایک ایسی دعا ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے، ہر نبی نے جلدی کی اور (دنیا ہی میں) وہ دعا مانگ لی جبکہ میں نے اپنی دعا قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھی ہے، میری یہ سفارش ہر اس شخص کو پہنچے گی جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا''۔

۲)...... نیک لوگوں کی شفاعت

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے علاوہ بعض ایمان والوں کو بھی شفاعت کی اجازت دی جائے گی مثلاً شہید کو اپنے خاندان کے ستر (۷۰) افراد کی شفاعت کی اجازت دی جائے گی، جیسا کہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ اعزاز ہیں:

۱۔ پہلے ہی لمحے اس کی مغفرت فرما دی جاتی ہے اور اس کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔

۲۔ اسے عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ قیامت کے دن کی مصیبتوں (گھبراہٹوں) سے وہ مامون اور محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ اس کے سر پر عزت اور وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک ہی یاقوت دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب سے قیمتی ہے۔

۵۔ گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی بہتر (72) حوروں سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے۔

۶۔ اس کے ستر (70) رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے''۔[3]

۱۔ سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة، ح۴۳۰۸۔

۲۔ مسلم، كتاب الايمان، باب اختباء النبى دعوة الشفاعة لامته، ح۱۹۹ ۔ ابن ماجه، ح۴۳۰۷۔

۳۔ ترمذى ، كتاب فضائل الجهاد، باب فى ثواب الشهيد، ح۱۶۶۳ ۔ ابن ماجه ، كتاب الجهاد، باب فضل الشهادة، ح۲۷۹۹۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ ...... اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ یَمُوْتُ فَیَقُوْمُ عَلٰی جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا یُشْرِکُوْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِیْهِ))[1]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ان کا بیٹا فوت ہوگیا، انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام کریب سے کہا دیکھو لوگ نماز جنازہ کے لیے جمع ہوگئے ہیں؟ کریب کہتے ہیں میں باہر نکلا تو دیکھا لوگ نماز جنازہ کے لیے جمع ہوگئے ہیں چنانچہ میں نے واپس آکر انہیں بتایا تو آپ نے پوچھا کیا تمہارے خیال میں ۴۰ آدمی جمع ہوں گے؟ میں نے کہا ہاں، تو کہنے لگے اب میت کو باہر نکالو کیونکہ) میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مسلمان میت کے جنازے پر چالیس ایسے آدمی نمازِ جنازہ پڑھیں، جنہوں نے کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا ہو تو اللہ اس میت کے حق میں ان لوگوں کی سفارش قبول فرماتا ہے''۔

معلوم ہوا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی شفاعت اور دعا کو میت کے حق میں قبول کرتے ہیں۔

اہل ایمان میں سے جن نیک لوگوں کو شفاعت کی اجازت ملے گی، ان کی شفاعت کا یہ مطلب نہیں کہ ہم کسی بزرگ اور نیک مومن کے بارے میں ازخود یہ طے کرلیں کہ انہیں شفاعت کی اجازت حاصل ہوگی اور پھر ان کی شفاعت سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے انہیں منانا اور راضی کرنا ضروری سمجھ لیں۔ پھر راضی کرنے کے طریقے بھی ازخود ایجاد کرلیں۔ یہ سب چیزیں اس لیے بے معنی ہیں کہ ہم کسی کے بارے میں یہ نہیں جانتے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں، اگرچہ وہ ظاہری طور پر کتنا ہی مسلمان کیوں نہ ہو۔

اس سلسلہ میں ہمیں صحیح بخاری کی وہ حدیث بھی پیش نظر رکھنی چاہیے جس میں ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے ایک شہید، ایک عالم اور ایک سخی کو لایا جائے گا اور انہی سے جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائے گا۔ اب شہید ان لوگوں میں شامل ہے جنہیں ستر افراد کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی مگر وہ اللہ کی راہ میں اس لیے شہید ہوا ہوگا کہ لوگ اسے شہید اور بہادر کہیں۔ اس لیے اسے دوسروں کے حق میں شفاعت کی اجازت دی جانا تو دور کی بات، وہ تو خود جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

۳)......فرشتوں کی شفاعت

قرآن مجید کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھی شفاعت کی اجازت دیں گے، تاکہ اپنے بندوں کی زیادہ سے زیادہ مغفرت کرسکیں۔ ذیل میں اس سلسلہ کی دو آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱)...... ﴿وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ [سورة الانبياء: ٢٨]

''اور وہ (فرشتے) کسی کے لیے سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش سننا پسند فرمائیں اور

۱۔ مسلم، كتاب الجنائز، باب من صلى عليه اربعون شفعوا فيه، ح٩٤٨۔

ان (فرشتوں) کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ اس کے ڈر سے کانپ رہے ہوں گے''۔

(۲)...... ﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴾

''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں لیکن ان کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آ سکتی جب تک اللہ تعالیٰ انہیں کسی ایسے شخص کے حق میں اجازت نہ دیں جس کے لیے اللہ سفارش سننا چاہے اور سفارش پسند کرے''۔[سورۃ النجم:۲۶]

۴)...... نیک عملوں کی شفاعت

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے بعض نیک عمل بھی اس کے حق میں شفاعت کریں گے، مثلاً قرآن مجید اور روزہ دونوں قیامت کے روز انسان کے حق میں شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔ اسی طرح دیگر نیک عمل بھی اس موقع پر انسان کے کام آئیں گے۔

شفاعت کا فائدہ کسے ہوگا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ))[۱]

''قیامت کے روز میری شفاعت سے فیض یاب ہونے والے خوش نصیب لوگ وہ ہیں جنہوں نے خلوصِ دل سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا''۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر نبی کی ایک ایسی دعا ہے جو ضرور قبول ہوتی ہے، ہر نبی نے جلدی کی اور (دنیا ہی میں) وہ دعا مانگ لی جبکہ میں نے اپنی دعا قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھی ہے، میری یہ شفاعت ہر اس شخص کو پہنچے گی جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا''۔[۲]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و سفارش کا فائدہ بھی صرف اسے ہوگا جو عقیدہ توحید پر فوت ہوا، اور جو حالت شرک میں مرا، اسے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا فائدہ ہوگا اور نہ کسی اور کی شفاعت کا۔ اگر ہم اپنے نبی کی شفاعت کے مستحق بننا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے نبیؐ کے بتائے ہوئے طریقے اور ان کے سکھائے ہوئے دین پر عمل کرنا ہوگا۔ اسی طرح کسی اور نبی کو بھی ایسے شخص کی شفاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی جو کفر و شرک پر مرا ہو، خواہ کفر و شرک کی حالت میں مرنے والا اس کا کتنا ہی قریبی اور عزیز کیوں نہ رہا ہو چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے روایات میں

۱۔ بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، ح۹۹۔

۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب اختباء النبی دعوۃ الشفاعۃ لامتہ، ح۱۹۹۔

ہے کہ وہ اللہ کے حضور اپنے مشرک باپ کی شفاعت کی درخواست کریں گے مگر ان کی درخواست رد کر دی جائے گی، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ 'آزر' کو اس حال میں دیکھیں گے کہ اس کے منہ پر سیاہی اور گرد و غبار جما ہو گا۔ حضرت ابراہیمؑ ان سے کہیں گے: 'میں نے دنیا میں تمہیں کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو؟'۔ ان کا باپ آزر کہے گا: 'اچھا آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا'۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام (اپنے رب سے درخواست کریں گے) اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے قیامت کے روز رسوا نہیں کرے گا لیکن اس سے زیادہ رسوائی اور کیا ہو گی کہ میرا باپ تیری رحمت سے محروم ہے! اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے ابراہیم! تمہارے دونوں پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے کہ غلاظت میں لت پت ایک بجو ہے جسے ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔ (۱)

اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی (مشہور منافق) فوت ہوا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی (جو کہ مخلص صحابی تھا)، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے قمیص عطا فرمانے کی درخواست کی تا کہ اپنے باپ کو اس میں کفن دے سکے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی قمیص عنایت فرما دی، پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے باپ کی نمازِ جنازہ پڑھا دیں۔ (آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کا دامن پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے: 'اے اللہ کے رسول! آپ اس (منافق) کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے'۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (مجھے منع نہیں فرمایا بلکہ) اختیار دیا ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے: 'تم خواہ ان منافقوں کے لیے دعا کرو یا نہ کرو، اگر ستر مرتبہ بھی دعا کرو تو تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا'۔ لہٰذا میں ستر مرتبہ سے زیادہ دعا کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ تو منافق تھا۔ (رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی) اور عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ پڑھا دی، جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان منافقوں میں سے کوئی مرے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (دعا کے لیے) کھڑے ہونا''۔ (۲)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

چونکہ بعض نیک لوگوں کو قیامت کے روز شفاعت کی اجازت ملے گی، اس لیے ہمارے ہاں بعض لوگ نیک بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ضرور ہمیں جنت میں لے جائیں گے، خواہ ہم کوئی نیک عمل کریں یا نہیں۔

۱۔ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا۔

۲۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: استغفرلھم اولاتستغفرلھم......، ح ٤٦٧٠۔

یہ عقیدہ جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ اول تو کسی بھی شخص کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ خود بھی جنتی ہے یا نہیں، سوائے ان کے جن کے بارے میں اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے بشارت دی ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی بزرگ اور ولی کو بھی یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ جس کی چاہیں اللہ کے حضور شفاعت کریں بلکہ وہ صرف انہی کی سفارش کریں گے جن کی سفارش کا حکم خود اللہ تعالیٰ دیں گے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کی شفاعت کی اجازت نہیں دیں گے جو شرکیہ و کفریہ عقیدے پر مرا ہو جیسا کہ گزشتہ احادیث میں گزرا ہے۔

اور بہت سے لوگ شفاعت کے حصول کے لیے بعض ایسے کام کر جاتے ہیں جو یا تو صریح شرکیہ ہوتے ہیں یا پھر شرک کا دروازہ کھولتے ہیں مثلاً کسی بزرگ کے نام کی نذر و نیاز، قربانی یا اس کی قبر پر چراغاں اور چڑھاوا۔ بعض لوگ بزرگوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد بھی اسی طرح زندہ رہتے ہیں جس طرح مرنے سے پہلے تھے اور اب بھی وہ ہماری سنتے، ہمیں دیکھتے اور ہماری مدد پر قادر ہیں۔ چنانچہ مشکلات و مصائب میں اللہ کو پکارنے کی بجائے ان بزرگوں کو پکارا جاتا اور ان سے فریادیں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں عقیدۂ توحید کی ضد اور اس کے منافی ہیں۔

علاوہ ازیں اگر کوئی شخص کفریہ و شرکیہ عقیدہ نہ رکھتا ہو تو تب بھی اسے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ میری تو سفارش ہو جائے گی اور مجھے کفر و شرک کے علاوہ باقی گناہوں پر معافی دے دی جائے گی۔ نہیں، ایسی بات نہیں ہے، بلکہ یہ تو اللہ کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے اور شفاعت کا موقع دے دے۔ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ سزا دینے کا فیصلہ کر لے تو پھر اس فیصلے کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ علاوہ ازیں قبر میں جو سزا ملے گی وہاں تو نیک عمل کے علاوہ کوئی بھی شفاعت کے لیے نہیں آئے گا۔

فصل ۶

روزِ جزا اور مختلف مراحل

اس باب میں ہم اس پہلو پر روشنی ڈالیں گے کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے حساب کتاب لیں گے، تو اس وقت اللہ تعالیٰ کچھ ضابطے اور اصول پیش نظر رکھیں گے جن سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کے عادل ومنصف اور رحیم وکریم ہونے کا ثبوت ملتا ہے تو دوسری طرف انسان کے ہر عمل پر اس کے مواخذہ کیے جانے کی تنبیہ ہوتی ہے۔ ذیل میں پہلے ان ضابطوں کو بیان کیا جائے گا اور اسی باب کے آخر میں نامہ اعمال، حوض کوثر اور پل صراط کے بارے میں بھی ضروری تفصیل درج کی جائے گی۔

۱۔ حساب کتاب اور اس کے اصول وضوابط

۱)...... مکمل انصاف ہوگا، ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا

انسان کے ذمے دو طرح کے حقوق ہیں، ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد۔ ان دونوں طرح کے حقوق کے حساب کتاب میں عدل وانصاف کا پورا پورا لحاظ ہوگا۔ حقوق اللہ میں عدل وانساف کے حوالے سے یہ بات یاد رہے کہ تمام انسان اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے اس کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ سب کو اس اللہ نے ایک باپ (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ حسب ونسب، رنگ ونسل، مال ودولت وغیرہ اس کے ہاں شرف وعزت کا معیار نہیں بلکہ اس کے ہاں ایمان وتقویٰ اور عمل صالح معیار ہے۔ قیامت کے روز اسی معیار کی بنیاد پر تمام لوگوں کے درمیان فیصلے کیے جائیں گے۔ اچھے اعمال کا اچھا بدلہ، اور برے اعمال کا برا بدلہ اور سزا دی جائے گی۔ اور فیصلہ کرتے وقت پورے انصاف سے کام لیا جائے گا، کسی پر رائی برابر بھی ظلم وزیادتی نہیں کی جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...... ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾

''اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔ [سورة البقرة:۲۸۱]

(۲)...... ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [سورة النساء : ٤٠]

''بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا''۔

اسی طرح حقوق العباد میں بھی اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کا پوری طرح خیال فرمائیں گے، جیسا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ بِیَمِیْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ، فَقَالَ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ شَیْئًا یَسِیْرًا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَاِنْ قَضِیْبٌ مِّنْ اَرَاكٍ)) (۱)

''جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جہنم واجب کر دی اور جنت اس کے لیے حرام کر دی۔ ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! خواہ وہ معمولی سی چیز ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خواہ پیلو کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو''۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اپنے غلام کو ایک کوڑا بھی ناجائز مارا تو اس سے قیامت کے دن اس کا بدلہ لیا جائے گا''۔ (۲)

۲) ...... ترازو (میزان) میں تمام نیکیاں تولی جائیں گی

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کمال درجہ کے عدل وانصاف کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بہت بڑے ترازو (میزان) میں لوگوں کے اعمال تولیں گے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا﴾ [سورة الانبياء: ٤٧]

''قیامت کے دن ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو کو درمیان میں لا کر رکھیں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

اس آیت میں اور بعض دیگر آیات میں بھی میزان (ترازو) کا لفظ جمع کے صیغہ (یعنی موازین) کے ساتھ استعمال ہوا ہے، اس لیے بعض اہل علم کے بقول قیامت کے روز کئی ترازو لگائے جائیں گے مگر بعض اہل علم کے بقول ترازو ایک ہی ہوگا اور مختلف لوگوں کے مختلف اعمال کو بار بار اس میں تولنے کی وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ (۳)

زیادہ قرائن اسی طرف ہیں کہ یہ ایک ہی بڑا ترازو ہوگا جس کے دائیں پلڑے میں نیکیاں اور بائیں میں برائیاں تولی جائیں گی۔ بظاہر نیکی یا گناہ کوئی حسی (نظر آنے اور محسوس ہونے والی) چیزیں نہیں، مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انہیں وجود عطا کریں گے اور ان کا وزن کریں گے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان سے ادا کرنے میں بڑے آسان ہیں، مگر میزان (ترازو) میں ان کا وزن بہت زیادہ ہوگا، اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہیں، وہ کلمے یہ ہیں: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ))

''اللہ اپنی حمد کے ساتھ (ہر خطا سے) پاک ہے، عظمت والا ہے، اللہ پاک ہے''۔ (٤)

١۔ مسلم، کتاب الایمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرۃ، ح١٣٧۔

٢۔ الترغیب والترهیب، کتاب البعث، ح٥٢٨٢۔

٣۔ فتح الباری، ج٣، ص٥٣٧۔

٤۔ بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ: ونضع الموازین ......، ح٧٥٦٣۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی ٹانگیں بہت پتلی تھیں، حتی کہ جب ہوا چلتی تو وہ لڑکھڑا جاتے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا اور لوگ ان پر ہنسنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کس بات پر ہنس رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ان کی پتلی ٹانگوں کی وجہ سے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ ٹانگیں ترازو میں اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی''۔ (۱)

۳)..... کوئی انسان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ ہی دوسرے کے کام آئے گا

روزِ قیامت ہر انسان کو اپنے کیے ہوئے عملوں کا بدلہ ملے گا۔ دوسروں کے اچھے اعمال نہ تو اسے دلوائے جائیں گے اور نہ کسی اور کے برے عملوں کا بوجھ خواہ مخواہ اس پر لادا جائے گا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ اس کی نیکی سے سبق حاصل کر کے اور متاثر ہو کر جتنے لوگ وہ نیکی کریں، انہیں بھی اس نیکی کا ثواب ملے اور اتنا ہی اضافی ثواب اسے بھی مل جائے یا اس کی برائی سے جرأت پا کر دوسرے لوگ بھی وہ برائی کریں اور انہیں اس برائی پر جو گناہ ملنا ہے وہ تو ملے گا جبکہ اتنا ہی مزید گناہ اس کے نامہ اعمال میں بھی لکھ دیا جائے کیونکہ نیکی یا بدی دونوں صورتوں میں یہ سبب بنا ہے، چنانچہ بعض احادیث میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے:

''جس شخص نے اسلام میں کسی اچھے کام کی بنا ڈالی، اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس (کی وجہ سے اس کام) پر جس نے بھی عمل کیا، اتنا ہی مزید ثواب پہلے بندے کو بھی ملے گا جب کہ دوسرے لوگوں کے ثواب میں بھی کمی نہیں آئے گی اور جس نے اسلام میں کسی غلط کام کی بنا ڈالی، اسے اس کا گناہ ملے گا، اور (اس کی وجہ سے) جس نے بھی اس گناہ کے کام کو کیا، اتنا ہی گناہ پہلے بندے کو بھی ہوگا اور دوسروں کے گناہوں میں بھی کمی نہیں کی جائے گی''۔ (۱)

قرآن مجید میں ایک مقام پر کچھ ایسے کافروں کے بارے میں جن کی وجہ سے اور لوگ گمراہی کی راہ پر چل نکلے، یہ ذکر ملتا ہے کہ دوسروں کو گمراہی اور غلط کاری پر ڈالنے کی وجہ سے اپنے گناہوں کے ساتھ مزید اتنا ہی اوروں کے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر لادا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ﴾ [سورة العنكبوت: ۱۳]

''یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے''۔

اسی طرح روز قیامت یہ بھی ممکن نہیں ہوگا کہ کوئی شخص کسی کی محبت یا خوف کی وجہ سے اپنی نیکیاں اسے دے دے اور اس کے گناہ بھی اپنے سر لے لے۔ یہ بات اتنی یقینی بنادی جائے گی کہ سگے اور خونی رشتہ دار بھی ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے، والدین اپنی اولاد کو اور اولاد والدین کو ایک نیکی دینے کے لیے تیار نہ ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ النهاية، لابن كثير، ج۲ ص۲۹۔

۲۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقۃ۔

(۱)......﴿ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾[سورة الانعام: ١٦٤]

''اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا''۔

(۲)...... ﴿ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴾ [سورة المعارج: ٨ تا١٦]

''جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے۔ اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ (حالانکہ) ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے، گناہ گار اس دن کے عذاب کے بدلے فدیئے میں اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا کہ پھر (اس کے بدلہ میں) یہ اسے نجات دلا دے (مگر) ہرگز یہ نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلہ والی (آگ) ہے، جو منہ اور سر کی کھال کو کھینچ لانے والی ہے''۔

(۳)...... ﴿ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴾ [سورة عبس: ٣٣تا٣٧]

''پس جب کان بہرے کر دینے والی (قیامت) آ جائے گی، اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر (دامن گیر) ہوگی جو اس کے لیے کافی ہو''۔

۴)......لوگوں کے مقدمات میں نیکیوں اور گناہوں کے ساتھ فیصلے کیے جائیں گے

قیامت کے روز مجرموں کو ان کے جرائم کی سزا دی جائے گی، کسی کا جرم اور گناہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو از خود معاف فرما دیں گے، ورنہ اگر کوئی یہ چاہے کہ جہنم سے بچاؤ کے لیے کوئی فدیہ اور تاوان دے کر جان بخشی کرالوں جیسا کہ دنیا میں کئی جرائم میں ایسا ہوتا ہے، تو یہ صورت اللہ کی عدالت میں قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی کسی کے پاس اس وقت مال و دولت ہوگا، اور اگر بالفرض ہو بھی تو وہاں وہ کام نہیں آئے گا، جیسا کہ قرآن مجید میں کافروں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ﴾

''جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں، ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے، گو فدیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا''۔ [سورۃ آل عمران: ۹۱]

اسلام نے حقوق العباد کی پاسداری کی بڑی تاکید کے ساتھ تلقین کی ہے۔ بہت سی احادیث میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز حقوق العباد میں فیصلہ کے وقت نیکیوں اور گناہوں کے ساتھ حساب برابر کیے جائیں گے، اس سلسلہ میں چند

احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ...... ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ))[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی بھائی کی بے عزتی کی ہو یا کوئی اور ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ آج (یعنی دنیا میں ہی) اس سے معاف کروالے، اس دن کے آنے سے پہلے جس دن دینار ہوگا نہ درہم، البتہ اگر اس کے پاس نیک عمل ہوگا تو اس بے عزتی یا ظلم کے برابر وہ اس سے لے لیا جائے گا (اور مظلوم کو دے دیا جائے گا) اور اگر بے عزتی یا ظلم کرنے والے کے پاس اتنی نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کی برائیاں ظالم پر ڈال دی جائیں گی''۔

(۲)...... ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دِينَارٌ أَوْ دِرْهَمٌ قُضِيَ مِنْ حَسَنَاتِهِ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ))[2]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کے ذمہ درہم و دینار تھے (یعنی قرض تھا) تو (قیامت کے روز) وہ درہم و دینار کا حساب اس کی نیکیوں سے پورا کیا جائے گا، اس لیے کہ وہاں تو درہم و دینار نہیں ہوں گے''۔

(۳)...... ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے صحابہؓ سے) فرمایا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ''ہم میں سے مفلس تو وہی ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ دینار ہو اور نہ ہی دنیاوی ساز وسامان ہو۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری امت کا (حقیقی) مفلس تو وہ ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ جیسے نیک اعمال لے کر آئے گا لیکن اس کے ساتھ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، چنانچہ حق داروں کے درمیان اس کی نیکیاں تقسیم کردی جائیں گی، اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور حقدار آتے رہے تو حق داروں کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور اس طرح وہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔[3]

۵)...... گناہ اور جرائم کا ریکارڈ انسان کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا

ایک انسان اس دنیا میں جو کچھ کرتا ہے، روز آخرت اسے اس کا حساب دینا ہے۔ اچھے کاموں کا اسے اچھا بدلہ

۱۔ بخاری، کتاب المظالم، باب من کانت له مظلمة عن الرجل فحللهاله، ح۲٤٤۹۔
۲۔ ابن ماجه، ح۲٤۱٤۔ صحیح الجامع الصغیر، ح٦٤۳۲۔
۳۔ مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظلم، ح۲٥۸۱۔

(یعنی انعام) اور برے کاموں کا اسے برابدلہ (یعنی سزااور عذاب) ملے گا۔ یہ حساب وہ ذات لے گی جس کے علم سے انسان کا کوئی قول یا فعل مخفی نہیں۔ انسان کی ہر ارادی وغیر ارادی حرکت سے وہ آگاہ ہے۔ خفیہ کام بھی اس پر مخفی نہیں اور چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے بارے میں بخوبی جانتا ہے کہ اس نے زندگی میں کیا عمل کیے ہیں۔ کتنی اچھائیاں اور کتنی برائیاں کی ہیں۔ کتنے گناہ اور کتنی نیکیاں کی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو پوری امانت اور ذمہ داری کے ساتھ نیکیوں اور بدیوں کا ریکارڈ مرتب کرتے ہیں۔ کسی شخص کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی یا بدی کو وہ ریکارڈ کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔ یہ ریکارڈ خود انسان کے خلاف حجت قائم کرنے کے لیے ہے۔ روز قیامت ریکارڈ کے یہ رجسٹر انسان کے سامنے کھول دیے جائیں گے اور اسی کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا تا کہ کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ میرے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ اب اس سلسلہ میں چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱)...... ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَّلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ [سورة الكهف: ٤٧تا٤٩]

''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین کو تو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا اور تمام لوگوں کو ہم اکٹھا کریں گے، ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے۔ اور سب کے سب تیرے رب کے سامنے صف بستہ حاضر کیے جائیں گے۔ یقیناً تم ہمارے پاس اسی طرح آئے جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا لیکن تم اسی خیال میں رہے کہ ہم ہرگز تمہارے لیے کوئی وعدے کا وقت مقرر نہیں کریں گے اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ پس تو دیکھے گا کہ گنہگار اس (کی تحریر) سے خوف زدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا (گناہ) چھوڑا ہی نہیں، سب کچھ گھیر لیا ہے۔ اور جو کچھ عمل انہوں نے کیے تھے سب وہاں موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہ کرے گا''۔

(۲)......﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا﴾

''جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا، اور آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی''۔ [سورۃ آل عمران: ۳۰]

(۳)...... ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [سورة الاسراء: ١٣]

''ہم نے ہر انسان کی برائی و بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے اور بروز قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامہ اعمال نکالیں

گے جسے وہ (اپنے اوپر) کھلا ہوا پالے گا۔ (اور ہم کہیں گے) لے! خود ہی اپنی کتاب (اعمال نامہ) آپ پڑھ لے۔ آج تو تو خود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے''۔

۶)......گنہگاروں پر مختلف چیزوں کے ساتھ شہادتیں قائم کی جائیں گی

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ [سورة يونس: ٦١]

''اور جو کام بھی تم کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور تیرے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں، نہ کوئی چھوٹی چیز اور نہ کوئی بڑی، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے''۔

انسان اس دنیا میں جو کچھ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا آیت قرآنی سے معلوم ہو رہا ہے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے تمام اعمال کے بارے میں چاہیں تو خود بھی بتا سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کمال حکمت کے پیش نظر انسانوں کے اعمال پر ایسی چیزوں کو گواہ بنا کر حجت قائم کریں گے کہ انسان کے لیے ان کی گواہی سے انکار کرنا ممکن ہی نہ ہوگا مثلاً جب زمین انسان کے خلاف گواہی دے گی کہ اس پر اس نے یہ یہ برے کام کیے ہیں، اور خود انسان کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے تو انسان ان کی گواہی سے آخر کیسے انکار کر پائے گا۔ ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ ان گواہوں کے بارے میں قرآن وسنت سے دلائل ذکر کرتے ہیں جو انسان کے خلاف گواہی دیں گے۔

۱۔ انبیاء ورسل

انبیاء ورسل کو ان کی نافرمان امتوں کے خلاف گواہی کے لیے پیش کیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ﴾ [سورة النحل: ٨٩]

''اور جس دن ہم ہر امت میں انہی میں سے ان کے مقابلے پر گواہ کھڑا کریں گے اور تجھے ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے''۔

۲۔ امت محمدیہ

امت محمدیہ کو سابقہ امتوں کے کافروں کے خلاف گواہی کے لیے پیش کیا جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [سورة البقرة: ١٤٣]

''اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط (بہترین/درمیانی امت) بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دو اور رسول تم پر گواہی دے''۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ قیامت کے روز کسی نبی کو لایا جائے گا اور اس کے ساتھ ایک ہی مسلمان امتی ہوگا، کسی نبی کے ساتھ دو ہوں گے اور کسی کے ساتھ کچھ زیادہ ہوں گے۔ ان نبیوں کی امتوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا ان نبیوں نے تم تک میرا پیغام پہنچایا تھا؟ تو وہ کہیں گے نہیں۔ جب نبی سے پوچھا جائے گا تو وہ کہے گا کہ میں نے تو پیغام پہنچا دیا تھا، تو کہا جائے گا کہ تمہارے حق میں گواہی کون دے گا؟ تو اس موقع پر امت محمدیہ کے لوگ ان نبیوں کے حق میں گواہی دیں گے۔ ان (امت محمدیہ کے لوگوں) سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں اس کا کیسے علم ہوا؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمیں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے بتایا تھا کہ نبیوں اور رسولوں نے اللہ کا پیغام پہنچایا تھا، اس لیے ہم ان نبیوں کی تصدیق کر رہے ہیں [1]۔

((عن عبداللہ بن عمرؓ قال: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَّا الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ)) [2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''کافروں اور منافقوں کے بارے میں گواہی دینے والے (یعنی فرشتے، اولیاء اور صلحاء وغیرہ) کھلے عام گواہی دیں گے۔ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا۔ خبردار رہو! ایسے ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے''۔

۳۔ فرشتے

انسان کے اعمال نوٹ کرنے والے فرشتے بھی اس کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ﴾ [سورۃ ق: ۲۱]

''اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہمراہ لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا''۔

اس آیت میں سائق (ہانک کر لانے والا) اور شہید (گواہی دینے والا) سے مراد بعض مفسرین کے بقول دو فرشتے ہیں۔ [3]

۴۔ زمین

یہ زمین بھی انسان کے اعمال پر گواہی دے گی، جیسا کہ سورۃ الزلزال میں ہے:

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا﴾ [سورۃ الزلزال: ۱ تا ۵]

''جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ انسان کہنے لگے گا کہ اسے کیا ہو گیا؟ اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی۔ اس لئے کہ تیرے رب نے اسے حکم دیا ہوگا''۔

۱۔ دیکھیے: فتح الباری، ج۸، ص۱۷۲۔

۲۔ بخاری، کتاب المظالم، باب قول اللہ تعالیٰ: الالعنۃ اللہ علی الظالمین، ح۲۴۴۱۔

۳۔ دیکھیے: تفسیر طبری، بذیل تفسیر آیت مذکور۔

۵۔اعضائے بدن

انسان کے اپنے اعضائے بدن بھی اس کے برے اعمال پر اس کے خلاف گواہی دیں گے، جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں ہے:

(۱)...... ﴿ وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ حَتَّى إِذَا مَا جَآءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [سورة حم السجدة: ١٩ تا٢٣]

''اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اور ان (سب) کو جمع کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آ جائیں گے، ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی قوت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے اور تم (اپنی بداعمالیاں) اس وجہ سے پوشیدہ رکھتے ہی نہ تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی، ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اس میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے۔ تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمہیں ہلاک کر دیا اور بالآخر تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے''۔

(۲)...... ﴿ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴾ [سورة النور: ٢٤، ٢٥]

''جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور (وہی) ظاہر کرنے والا ہے''۔

۷)......نیکیوں کا ثواب بڑھا کر دیا جائے گا مگر گناہ کی سزا بقدرِ گناہ ہی دی جائے گی

اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکیوں کا ثواب اور گناہوں کا عذاب مقرر ہے۔ عدل کا تقاضا تو یہ ہے کہ نیکی کے بقدر اس کا ثواب ملے اور گناہ کے بقدر اس کی سزا ملے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ خصوصی فضل اور احسان ہے کہ گناہ کی سزا تو گناہ کے بقدر ہی لکھی جاتی اور دی جائے گی جبکہ نیکیوں میں اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا ثواب ایک کی بجائے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اور اس سے بھی زیادہ دے دیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴾

''جو شخص ایک نیکی لے کر آیا اس کے لیے اس کا بدلہ دس گنا ہے اور جس نے کوئی برا کام کیا، اسے اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا''۔ [سورۃ الانعام:۱۶۰]

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں ہر نیکی کا ثواب دس گنا یا اس سے بھی بڑھا کر دوں گا اور ایک گناہ کے بدلے ایک ہی گناہ لکھا جائے گا اور میں چاہوں تو وہ بھی معاف کر دوں گا''۔ (۱)

اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کا ثواب سات سو گنا تک ملتا ہے اور اللہ چاہیں تو اسے اس سے بھی زیادہ کر کے دیتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ [سورة البقرة:٢٦١]

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے''۔

اسی طرح کئی اور نیکیوں کے بارے میں احادیث میں ذکر ملتا ہے کہ ان کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے بلکہ ایک حدیث میں تو یہ ذکر ملتا ہے کہ

((كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف))(۱)

''ابن آدم کے ہر عمل کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے''۔

۸)...... بعض گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا جائے گا

اللہ تعالیٰ بہت غفور رحیم ذات ہے، اور اللہ تعالیٰ کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنے بندوں پر زیادہ سے زیادہ احسان واکرام کیا جائے۔ اسی احسان واکرام ہی کی یہ مثال ہے کہ سچی توبہ کرنے والے بندے کے سابقہ گناہ نہ صرف یہ کہ معاف کر دیے جاتے ہیں بلکہ اللہ چاہیں تو انہیں نیکیوں میں بھی بدل دیتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴾ [سورة الفرقان: ٧٠، ٧١]

''مگر وہ لوگ جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیتا ہے، اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے''۔

۱۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة، ح ١٢٨۔ ومثله فى صحيح البخارى، كتاب الايمان، باب حسن اسلام المرء۔

۲۔ بخارى ومسلم، بحواله: مشكوٰة المصابيح، كتاب الصوم، حديث ١٩٥٩۔

اسی طرح روز جزا بھی اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان و اکرام کا اظہار کریں گے، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں جانتا ہوں کہ اہل جنت میں سے سب سے آخر میں کون شخص جنت میں داخل ہوگا اور سب سے آخر میں جہنم سے کسے نکالا جائے گا۔ یہ وہ آدمی ہے کہ اسے جب قیامت کے دن (اللہ کے حضور) لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کے کبیرہ گناہوں کی بجائے صغیرہ گناہ کھول کر اس کے سامنے پیش کیے جائیں اور پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن یہ یہ صغیرہ گناہ کیے تھے، تو وہ کہے گا کہ ہاں ایسا ہی ہے، کیونکہ اس کے لیے ان گناہوں سے انکار ممکن ہی نہ ہوگا اور وہ ڈر رہا ہوگا کہ اس طرح کہیں میرے کبیرہ گناہ نہ پیش کر دیے جائیں۔ پھر اسے کہا جائے گا کہ تیرے ہر گناہ کو ہم نیکی سے بدل دیتے ہیں۔ وہ کہے گا: یارب! میں نے بعض ایسے گناہ بھی کیے تھے جو مجھے یہاں کہیں دکھائی نہیں دے رہے۔ [اس آدمی کا مطلب یہ تھا کہ میرے کبیرہ گناہ پیش نہیں کیے گئے، وہ بھی پیش کیے جاتے تاکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتے!] ...... یہ بات کہتے ہوئے آنحضرت ﷺ مسکرا اٹھے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں دکھائی دینے لگیں''۔[1]

۹)...... ہر انسان سے اللہ تعالیٰ خود حساب لیں گے

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز تم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کھڑا ہوگا، اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب ہوگا نہ کوئی ترجمان۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے: 'کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا؟' وہ جواب دے گا کیوں نہیں، دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ سوال کریں گے: 'کیا میں نے تمہاری طرف رسول نہیں بھیجا تھا؟' وہ جواب دے گا کیوں نہیں، بھیجا تھا۔ (پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ) انسان (اس وقت) اپنے دائیں دیکھے گا تو آگ دکھائی دے گا اور بائیں دیکھے گا تو ادھر بھی آگ ہی نظر آئے گی۔ لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو آگ سے بچنا چاہیے خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے آگ سے بچو، اگر کھجور کا ٹکڑا نہ ملے تو اچھی بات کہہ کر آگ سے بچو''۔[2]

۱۰)...... انسان سے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا

قیامت کے روز انسان سے ان تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا جو وہ دنیا میں کرتا رہا ہے تاکہ اچھے اعمال کا اسے اچھا صلہ اور برے اعمال پر سزا دی جائے۔ اس حساب کتاب کی بنیاد یہ ہوگی کہ انسان نے جو عمل کیے ہیں، وہ اللہ کے حکم کے مطابق کیے ہیں یا اللہ کے احکام و فرامین سے بے رخی اختیار کرتے ہوئے کیے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

1۔ مسلم، کتاب الجنة، باب ادنی اهل الجنة منزلة فيها، ح۱۹۰۔

2۔ بخاری، کتاب الزکاة، باب الصدقة قبل الرد، ح۱٤۱۳۔

﴿ فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [سورة الحجر:۹۲]

''قسم ہے تیرے پالنے والے کی! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے''۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتّٰى يُسْئَالَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَا اَنْفَقَهُ وَمَا ذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ))[1]

''قیامت کے روز انسان کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹنے دیئے جائیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے گا۔ (وہ پانچ چیزیں یہ ہیں) ۱۔ عمر کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اس نے عمر کہاں صرف کی؟ ۲۔ جوانی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اسے کس کام میں بسر کیا؟ ۳۔ مال کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ کہاں سے کمایا؟ ۴۔ اور یہ بھی پوچھا جائے گا کہ مال کہاں خرچ کیا؟ ۵۔ اسی طرح یہ پوچھا جائے گا کہ اسے جو علم حاصل تھا، اس پر اس نے کہاں تک عمل کیا؟''۔

۱۱)......انسان کو عطا کی گئی نعمتوں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا

انسان کو دنیا میں جن نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے مالا مال کیا ہے، ان کے بارے میں بھی اس سے سوال کیا جائے گا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کیا اور ان پر اللہ کا شکر ادا کیا، یا ناشکری اور بغاوت کا رویہ اختیار کیے رکھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ [سورة التكاثر: ۸]

''پھر اس (قیامت کے) دن تم سے نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا''۔

اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں میں جہاں مال و دولت، امن و امان، اطمینانِ قلب وغیرہ شامل ہیں، وہاں ہاتھ پاؤں، کان، آنکھیں اور اعضاء بدن کی صحت و سلامتی وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں، بلکہ قرآن مجید میں ایک مقام پر خصوصی طور پر ان اعضاء کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ [سورة الاسراء : ۳۶]

''بے شک کان، آنکھ، اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے''۔

۱۲)......بعض نیک لوگوں سے حساب نہیں لیا جائے گا؟

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نیک لوگوں سے حساب نہیں لیا جائے گا، بلکہ انہیں بغیر حساب کتاب اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرما دیں گے۔ اس سلسلہ میں ذیل میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب في القيامة، ح۲٤١٦۔

۱۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ میری امت میں سے سب سے پہلے کون سا گروہ جنت میں داخل ہوگا؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔تو آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے فقیر مہاجر (صحابہ) جنت میں جائیں گے۔ جب قیامت کے روز وہ جنت کے دروازے پر آئیں گے اور دروازہ کھولنے کا کہیں گے تو وہاں موجود دربان ان سے پوچھے گا: کیا تمہارا حساب ہوگیا ہے؟ یہ لوگ کہیں گے: ہم کس چیز کا حساب دیں!، ہم تو اللہ کی راہ میں اس طرح نکلے تھے کہ ہماری تلواریں ہماری گردنوں میں رہیں اور اسی حال میں ہمیں موت آئی!، چنانچہ ان کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور یہ باقی لوگوں کے مقابلے میں چالیس سال پہلے ہی جنت میں داخل ہو جائیں گے''۔ (۱)

۲۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ خواب میں مجھ پر تمام امتیں پیش کی گئیں، بعض نبی (میرے سامنے سے) گزرتے اور ان کے ساتھ (ان کی اتباع کرنے والا) صرف ایک ہی شخص ہوتا۔ اور بعض گزرتے تو ان کے ساتھ دو شخص ہوتے اور بعض کے ساتھ پوری جماعت ہوتی اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہ ہوتا۔ پھر میں نے ایک بڑی جماعت دیکھی جس سے آسمان کا کنارہ ڈھک گیا تھا، میں نے سمجھا یہ میری ہی امت ہوگی لیکن مجھ سے کہا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے لوگ ہیں۔

پھر مجھ سے کہا گیا کہ اِدھر دیکھو! اِدھر دیکھو! میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے تمام اُفق گھیر رکھا ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ تمہاری امت ہے اور اس میں ستر ہزار لوگ وہ ہوں گے، جو بغیر حساب جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ پھر آپ ﷺ اٹھ کر چلے گئے اور آپ نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ یہ ستر ہزار کون سے لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں اس کے متعلق سوچ و بچار شروع کر دی، بعض نے کہا کہ ہماری پیدائش تو حالت شرک میں ہوئی تھی اور ہم بعد میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ہیں (اس لیے یہ ستر ہزار ہم نہیں ہو سکتے) البتہ یہ ہماری اولاد میں سے ہوں گے جو پیدائشی طور پر ہی مسلمان ہیں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو بد فالی نہیں لیں گے، نہ دم جھاڑ کروائیں گے اور نہ داغ لگوائیں گے بلکہ یہ اپنے رب پر بھروسہ کرنے والے ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تم بھی ان میں سے ہو''۔ (۲)

۳۔ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة، ح۸۵۳۔ ۲۔ بخاری، کتاب الطب، باب من لم یرق، ح۵۷۵۲۔

''میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے اور ان کے چہرے بدر کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور ان سب کے دل ایسے ہوں گے جیسے یہ ایک ہی آدمی کا دل ہو (یعنی سب کا دل آپس کی رنجش اور کینہ وغیرہ سے پاک صاف ہوگا)۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس تعداد میں اضافہ کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اس طرح اضافہ کیا کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ مزید ستر ہزار لوگ ہوں گے''۔ (۱)

اوپر مذکور حدیث میں ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جانے والوں کی پہلی خوبی یعنی ''بدفالی نہیں لیں گے'' کا مطلب یہ ہے کہ توہّم اور بدشگونی سے وہ پاک ہوں گے اور دوسری خوبی یعنی ''دم جھاڑ نہ کروائیں گے'' کا مطلب یا تو یہ ہے کہ وہ جائز طریقۂ دم سے بھی استفادہ نہیں کریں گے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر شرعی طور طریقوں پر مبنی دم جھاڑ نہیں کروائیں گے۔ اسی طرح اس حدیث میں تیسری خوبی یہ بیان کی گئی کہ وہ داغ نہ لگوائیں گے۔ داغ لگوانا اہل عرب کے ہاں بعض جسمانی بیماریوں کے لیے ایک طریقہ علاج تھا مگر یہ داغ آگ کے ساتھ لگایا جاتا اور اس سے مریض کو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس لیے بعض صحیح روایات کے مطابق آپ ﷺ نے اس طریقہ علاج کو ضرورت کی وجہ سے جائز تو قرار دیا مگر اس کی اذیت کے پیش نظر اسے پسند نہ کیا۔

دم جھاڑ کی بہت سے صورتیں جائز ہیں اور جائز ذرائع سے استفادہ کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے اگر اس حدیث کے اس جملے کہ ''وہ دم جھاڑ نہ کروائیں گے'' کا مطلب یہ لیا جائے کہ وہ جائز دم جھاڑ بھی نہیں کروائیں گے تو اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا جائے گا کہ دم جھاڑ نہ کروانا افضل ہے اور یہ ان لوگوں کی اللہ پر غیر متزلزل یقین و ایمان کی ایک علامت ہوگی جو دم جھاڑ نہیں کروائیں گے۔ لیکن اگر دم جھاڑ نہ کروانے کا یہ مطلب لیا جائے کہ وہ غیر شرعی طور طریقوں پر مبنی دم جھاڑ نہیں کروائیں گے تو پھر جائز طور طریقوں سے دم کروانا یا نہ کروانا دونوں کی حیثیت مساوی ہوگی اور کسی ایک کو دوسرے پر افضل قرار نہیں دیا جائے گا۔ تاہم دونوں صورتوں میں اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علاج معالجہ توکل کے منافی ہے اور اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر یہی بات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ دوا کھانا اور دم کرنا کروانا بالکل چھوڑ دیتے مگر صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا بلکہ علاج معالجہ کی جسمانی و روحانی تمام تدابیر اختیار کی جاتی رہیں یعنی دوا بھی کھائی جاتی اور دم کرنے کروانے کا عمل بھی کیا جاتا۔ (مزید تفصیل کے لیے ہماری جادو جنات سے متعلقہ کتابیں ملاحظہ فرمائیں)

۱۳)...... بعض لوگوں کے لیے حساب کتاب میں نرمی کی جائے گی

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز بعض لوگوں سے حساب کتاب کرتے وقت اللہ تعالیٰ نرمی کریں گے، یہ کوئی مخصوص قسم کے لوگ نہیں بلکہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہوگا کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کے ساتھ چاہے گا، خصوصی نرمی اور شفقت سے پیش آئے گا۔ ذیل میں اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ صحیح الجامع الصغیر، ج۱، ص ۳۵۰، ح۱۰۶۸۔

۱۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ
''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک مومن آدمی کو اپنے قریب کریں گے اور اس پر اپنا دامنِ رحمت ڈال کر باقی مخلوق سے اسے پردہ میں کرلیں گے اور پوچھیں گے اے بندے! کیا تجھے فلاں گناہ یاد ہے، کیا تجھے فلاں گناہ یاد ہے؟ وہ مومن کہے گا، ہاں! میرے رب یاد ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس سے سارے گناہوں کا اقرار کروالیں گے اور وہ مومن اپنے دل میں کہے گا کہ اب تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ ادھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے:''میں نے تیرے گناہوں پر دنیا میں بھی پردہ ڈالے رکھا اور آج بھی ان پر پردہ ڈال رہا ہوں، چنانچہ اسے اس کی نیکیوں والا نامہ دے دیا جائے گا''۔[1]

۲۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:
''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بندے سے (مختلف) سوال کریں گے حتیٰ کہ پوچھیں گے جب تو نے برائی دیکھی تو اسے کیوں نہ روکا؟ (وہ بندہ کوئی جواب نہیں دے پائے گا)، پھر اللہ تعالیٰ خود اسے جواب سکھلائیں گے اور وہ کہے گا: یا رب! میں نے تیری رحمت کی امید رکھی اور لوگوں سے الگ رہا''۔[2]

۱۴)......نرم حساب کی دعا مانگنی چاہیے

((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا، قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ؟ قَالَ: اَنْ يَنْظُرَ فِيْ كِتَابِهِ فَيَتَجَاوَزَ عَنْهُ اِنَّهُ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعض نمازوں میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا: 'یا اللہ! مجھ سے آسان حساب لینا'۔ تو میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! آسان حساب سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسان حساب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے نامہ اعمال کو دیکھے اور اسے نظر انداز کردے اور جس کے نامہ اعمال پر اس روز بحث شروع ہوگئی، تو اے عائشہ! سمجھو وہ تو ہلاک ہوگیا''۔[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''(قیامت کے روز) جس کا حساب لیا گیا، وہ ہلاک ہوگیا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے اللہ آپ پر فدا کرے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: 'جو شخص دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا گیا، اس سے آسان حساب لیا جائے گا (جس کا مطلب یہ ہے کہ حساب تو نیک لوگوں سے بھی لیا جائے گا تو کیا وہ بھی ہلاک ہوں گے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'یہ (نیک لوگوں کا حساب) تو محض انہیں دکھانا (یا بتانا) ہے، البتہ جس شخص کے حساب پر بحث کی گئی وہ یقیناً ہلاک ہوگیا''۔[4]

۱۔ بخاری، ح۲٤٤۱۔
۲۔ ابن ماجہ، ح٤۰۱۷۔
۳۔ احمد، ح۲۳۰۸۲۔
٤۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب فسوف یحاسب حسابا یسیرا۔

۱۵)......بعض لوگوں کی بعض نیکیاں حساب کتاب کے موقع پرانہیں فائدہ دے جائیں گی

ا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے کسی مسلمان کا خریدا ہوا مال واپس کرلیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے گناہ معاف کردے گا''۔ (۱)

۲۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ساری مخلوق کے سامنے (حساب کتاب کے لیے) الگ کرے گا، اس شخص کے (اعمال کے) ننانوے رجسٹر اس کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے، ان میں سے ہر رجسٹر تاحد نگاہ (ایک روایت کے مطابق: مدینہ سے بصرہ کی مسافت کے برابر) طویل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائیں گے: ''کیا تو اپنے ان گناہوں سے انکار کرتا ہے؟ کہیں میرے فرشتوں نے تجھ پر ظلم تو نہیں کیا؟'' وہ بندہ کہے گا: ''نہیں، یارب!''۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: ''کیا تیرے پاس (ان گناہوں کے لیے) کوئی عذر ہے؟'' وہ بندہ عرض کرے گا: ''نہیں، یارب!''۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: ''اچھا ٹھہرو! ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی ہے، آج تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا''۔ چنانچہ ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالا جائے گا جس میں ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ﴾ لکھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''اپنے وزن کے لیے (ترازو کے پاس) چلا جا''۔ وہ بندہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! ان ننانوے رجسٹروں کے مقابلے میں اس ایک کاغذ کے ٹکڑے سے کیا ہوگا؟''۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے بعد اس کے سارے (گناہوں کے) رجسٹر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا اور (گناہوں کے) ننانوے رجسٹر ہلکے ہو جائیں گے اور وہ کاغذ کا ٹکڑا بھاری ہو جائے گا اور اللہ کے نام سے بھاری تو یقیناً کوئی چیز نہیں ہو سکتی''۔ (۲)

۱۶)......سب سے پہلے امت محمدیہ سے حساب کتاب شروع کیا جائے گا

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: نَحْنُ آخِرُ الْاُمَمِ وَاَوَّلُ مَنْ یُحَاسَبُ یُقَالُ اَیْنَ الْاُمَّةُ الْاُمِّیَّةُ وَنَبِیُّهَا؟ فَنَحْنُ الْآخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ)) (۳)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم آخری امت ہیں، لیکن ہمارا حساب سب سے پہلے ہوگا۔ (روز قیامت) پکارا جائے گا کہ اُمّی نبی کی امت اور ان کا نبی کہاں ہیں؟ پس ہم سب سے آخر میں آنے والے اور سب سے پہلے حساب لیے جانے والے ہیں''۔

۱۔ ابن ماجه، ابواب التجارات، ح۲۱۹۹۔

۲۔ ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی من یموت وھو یشھدان لااله الاالله، ح۲۶۳۹۔

۳۔ ابن ماجه، کتاب الزھد، باب صفة امة محمد ﷺ، ح۴۲۹۰۔

۱۷)......فقیر اور غریب لوگ کا حساب کتاب کر کے انہیں جنت میں امیروں سے پہلے بھیجا جائے گا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم لوگ قیامت کے روز جمع کیے جاؤ گے اور اعلان کیا جائے گا کہ امت محمدیہ کے فقراء اور مساکین کہاں ہیں؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگ کیا عمل کرتے رہے ہو؟ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہمیں مصائب و آلام میں ڈالے رکھا، ہم نے صبر کیا، مال اور حکومت دوسرے لوگوں کو دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، 'تم سچ کہتے ہو'۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فقراء اور مساکین دوسرے لوگوں سے پہلے جنت میں چلے جائیں گے، دولت منداور حکمران سخت حساب کے لیے پیچھے رہ جائیں گے''۔[1]

بعض روایات میں ہے کہ غریب لوگ امیروں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے اور بعض میں ہے پانچ سو سال پہلے جائیں گے[2]۔ ان میں اہل علم نے تطبیق یوں دی ہے کہ چونکہ غربت اور ایمان و عمل میں فرق ہوتا ہے، اس لیے اس فرق کی وجہ سے ان کے جنت میں داخل کیے جانے میں بھی فرق ہوگا۔ جو زیادہ غریب اور نیک صالح ہوگا وہ زیادہ جلدی جنت میں جگہ پائے گا۔

۱۸)......حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں حساب لیا جائے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے روز انسان کے اعمال میں سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے۔ اگر نماز قبول ہوگئی تو وہ بندہ کامیاب و کامران ہوگا اور اگر نماز قبول نہ ہوئی تو وہ ناکام ٹھہرے گا۔ ہاں اگر انسان کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے اس بندے کے نامۂ اعمال میں دیکھو کوئی نفل عبادت ہے؟ (اگر نفل عبادت ہوئی) تو ان نوافل کے ساتھ فرائض کی کمی پوری کی جائے گی، پھر اس انسان کے بقیہ تمام اعمال کا دارومدار اسی (اصول) پر ہو گا''۔[3]

۱۹)......حقوق العباد میں حساب کتاب کی اہمیت

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلٰی أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰی يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ))[4]

۱۔ الترغیب و الترھیب، ح ٥٢٦٤۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة و النار میں بھی اس مفہوم کی ایک روایت ہے۔

۲۔ دیکھیے: سلسلة الاحادیث الصحیحة، ح٨٥٣۔ صحیح الجامع الصغیر، ح٤١٠٤۔

۳۔ ترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء ان اول ما یحاسب به العبد......، ح٤١٣۔ صحیح الجامع الصغیر، ح ٢٠١٦۔

٤۔ مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظلم، ح ٢٥٨٢۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة، ج٤، ص٦٠٦۔

''قیامت کے روز تمہیں حق داروں کے حقوق دینا پڑیں گے حتیٰ کہ سینگ والی بکری سے بے سینگ والی بکری بدلہ لے گی''۔

بکریوں کے بدلہ لینے کا یہ عمل اس لیے کیا جائے گا تا کہ یہ واضح کیا جا سکے کہ اللہ کے ہاں عدل وانصاف کی کتنی اہمیت ہے، ورنہ جانوروں کے باہمی قصاص کا جنت اور جہنم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(لوگو!) متنبہ ہو جاؤ! جس نے کسی ذمی پر ظلم کیا، یا اسے کوئی نقصان پہنچایا، یا اس کی طاقت سے زیادہ اسے تکلیف دی یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز (زبردستی) لی تو قیامت کے روز میں اس ذمی کی طرف سے جھگڑا کروں گا''۔[1]

۲۰)......حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا حساب ہوگا

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ))[2]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا۔''

۲۱)......انسان کو چاہیے کہ حساب کتاب کے لیے ہر وقت تیار رہے

((عَنْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَتَزَيَّنُوْا لِلْعَرَضِ الْاَكْبَرِ وَاِنَّمَا يُخَفَّفُ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا))[3]

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگو! اپنے اعمال کا حساب کرتے رہو، قبل اس سے کہ تمہارا (قیامت) کے روز حساب لیا جائے اور اپنے آپ کو بڑی پیشی کے لیے تیار رکھو کیونکہ جس نے دنیا میں اپنا حساب کر لیا، قیامت کے روز اس کا حساب ہلکا ہوگا''۔

۲۔نامۂ اعمال کا بیان

حساب کتاب اور ترازو میں اعمال تولے جانے کے بعد اہل ایمان کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دے کر یہ خوشخبری سنائی جائے گی کہ تم جنت میں داخلے کے مستحق ہو، جب کہ کافروں، منافقوں اور ان بے عمل مسلمانوں کو جن کے گناہ ان کی نیکیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے اور ان کے ترازو میں گناہوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا، ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دے کر سزا کے لیے جہنم میں جانے کی وعید سنائے جائے گی، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

۱۔ ابو داؤد، کتاب الخراج، باب فی تعشیر اھل الذمة اذا اختلفوا بالتجارہ، ح۳۰۵۲۔

۲۔ بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: ومن یقتل مؤمنا متعمدا ...، ح۶۸۶۴۔

۳۔ ترمذی، ابواب صفة القیامة، باب حدیث الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت، ح۲۴۵۹۔

﴿ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ وَالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴾ [سورة الحاقة: ۱۵ تا۳۷]

''جس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی، اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل بودا ہو جائے گا۔ اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے، اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس دن تم سب سامنے پیش کیے جاؤ گے، تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا، سو جسے اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔ مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔ پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا، بلند و بالا جنت میں۔ جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے، (ان سے کہا جائے گا) کہ مزے سے کھاؤ پیو، اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے۔ لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ تو کہے گا کہ کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے۔ کاش! کہ موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی۔ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا، میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو، پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔ پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے، جکڑ دو۔ بے شک یہ عظمت والے اللہ پر ایمان نہ رکھتا تھا، اور مسکین کو کھلانے پر رغبت نہ دیتا تھا۔ پس آج اس کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے، جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہ کھائے گا''۔

۳۔ حوض کوثر کا بیان

میدانِ حشر میں ہر نبی کو میٹھے پانی کا ایک حوض دیا جائے گا جہاں اس نبی کے امتی آ کر پانی پیئیں گے۔ اس حوض میں جنت کی ایک نہر (نہر کوثر) سے پانی آ رہا ہوگا، اس وجہ سے اسے 'حوض کوثر' کہا جاتا ہے۔ اہل ایمان نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں پانی، پییں گے اور پھر جنت میں داخل ہونے تک انہیں پیاس کی حاجت محسوس نہیں ہوگی جب کہ کافروں، مشرکوں اور بدعتی اور مرتد مسلمانوں کو اس سے محروم کر دیا جائے گا۔ حوض کوثر سے متعلقہ احادیث ذیل میں درج کی جا رہی ہیں:

(۱)...... ((عن سمرة ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاَنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً

وَاِنِّیْ اَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرَهُمْ وَارِدَةً))(۱)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: ''ہر نبی کے لیے ایک حوض ہوگا اور تمام انبیاء آپس میں ایک دوسرے پر اس بات پر فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر پانی پینے والے زیادہ آتے ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ میرے حوض پر آنے والے (میری امت کے لوگ) سب سے زیادہ ہوں گے''۔

(۲)...... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے حوض پر سب سے پہلے وہ لوگ آئیں گے جو فقیر اور مہاجر ہوں گے۔ گردآلود بالوں اور میلے کچیلے کپڑوں والے ہوں گے۔ ناز ونعم میں پلی ہوئی عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھنے والے ہوں گے اور جن کے لیے (امراء اور وزراء کے) دروازے نہیں کھولے جاتے' یہ وہ لوگ ہوں گے''۔(۲)

مراد یہ ہے کہ امیر اہل ایمان کے مقابلہ میں غریب اہل ایمان کو حوض کوثر پر نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں پانی پینے کی سعادت پہلے حاصل ہوگی۔ اور اسی طرح جنت میں جانے میں بھی غریب سبقت لے جائیں گے۔

(۳)...... ''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ حوض کوثر کی چوڑائی کتنی ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: 'مدینہ سے لے کر عمان (یمن کے دارالحکومت) تک'۔ پھر آپ ﷺ سے حوض کے پانی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ حوض کو پانی کیسا ہوگا'؟ تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: 'اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا'۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: 'میرے حوض میں جنت کے دو پرنالوں سے پانی آئے گا، ان میں سے ایک پرنالہ سونے کا ہوگا اور ایک چاندی کا'۔''(۳)

(۴)...... ''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں حوض سے (غیر مستحق اور کافر ومشرک لوگوں کو) اس طرح ہٹاؤں گا جس طرح اونٹوں کا مالک دوسرے اونٹوں کو گھاٹ سے ہٹا دیتا ہے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: 'اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے'؟۔ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: 'ہاں! تم میرے پاس آ ؤ گے تو وضو کی وجہ سے تمہارے ہاتھ، پاؤں اور پیشانیاں چمک رہی ہوں گی۔ یہ صفت تمہارے علاوہ کسی دوسری امت میں نہیں ہوگی'۔''(۴)

(۵)...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حوض

۱۔ ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة الحوض، ح۲٤٤۳۔
۲۔ ترمذی، ایضاً، باب ماجاء فی صفة أوانی الحوض، ح۲٤٤٤۔
۳۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، ح۲۳۰۱۔
٤۔ ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر الحوض، ح۳٤۷۱۔

کوثر پر کھڑا ہوں گا، لوگوں کی ایک جماعت میرے سامنے آئے گی، میں انہیں پہچان لوں گا (کہ یہ میرے امتی ہیں) اتنے میں میرے اور ان کے درمیان ایک شخص نمودار ہوگا (وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوگا)، وہ اس جماعت سے کہے گا، ادھر آؤ۔ میں کہوں گا، انہیں کہاں لے جا رہے ہو؟ وہ شخص (یعنی فرشتہ) کہے گا، جہنم کی طرف، اللہ کی قسم! میں انہیں جہنم کی طرف لے جا رہا ہوں۔ میں پوچھوں گا کہ ان کا جرم کیا ہے؟ تو وہ جواب دے گا کہ آپ کے بعد یہ لوگ اپنی ایڑیوں کے بل (دین اسلام سے) پھر گئے تھے۔ پھر ایک دوسری جماعت میرے سامنے آئے گی حتی کہ میں انہیں بھی پہچان لوں گا (کہ یہ میرے امتی ہیں) اتنے میں میرے اور ان کے درمیان ایک آدمی (یعنی فرشتہ) حائل ہو جائے گا اور انہیں کہے گا، ادھر آؤ۔ میں کہوں گا کہ انہیں تم کہاں لے جانا چاہتے ہو؟ وہ جواب دے گا کہ جہنم کی طرف، اللہ کی قسم! میں انہیں جہنم کی طرف لے کے جا رہا ہوں۔ میں پوچھوں گا کہ ان کا جرم کیا ہے؟ وہ کہے گا کہ یہ لوگ آپ کے بعد الٹے پاؤں (اسلام سے) پھر گئے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ لاوارث اونٹ کی طرح ان میں سے کوئی بھی جہنم سے نہ بچے گا''۔[1]

(۲)...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں حوض پر تمہارا پیش رو (یعنی تم سے پہلے ہی موجود) ہوں گا، تم میں سے بعض لوگ وہاں لائے جائیں گے، پھر مجھ سے دور ہٹا دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا، اے میرے پروردگار! یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ جواب دیا جائے گا کہ آپ انہیں نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی بدعات شروع کر دی تھیں''۔[1]

۴۔ پل صراط کا بیان

اس کے بعد آخری مرحلہ جنت اور جہنم کی طرف جانے کا ہوگا۔ اس مرحلہ پر لوگوں کو ایک پل سے گزارا جائے گا جس کے نیچے جہنم کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے، اور پل کے دوسرے پار جنت ہوگی۔ جو لوگ اس پل کو پار کر لیں گے وہ جنت میں چلے جائیں گے اور جو پار نہیں کر سکیں گے وہ رستے ہی میں اس سے پھسل کر جہنم کی آگ میں جا گریں گے۔ نیک اور باعمل لوگوں کے لیے اس پل سے گزرنا بالکل مشکل نہیں ہوگا، البتہ گناہ گاروں کے لیے ان کے گناہوں کے حساب سے اس پل پر گزرنے میں مشکلات ہوں گی حتی کہ بہت سے لوگ اس پل سے نیچے جہنم میں جا گریں گے۔ جو لوگ دائمی جہنمی ہوں گے وہ تو ہمیشہ پھر اس جہنم ہی میں رہیں گے، البتہ اہل ایمان میں سے جن فاسق و فاجر لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے پل سے نیچے جہنم میں گرایا جائے گا، انہیں ان کی سزا دے کر اس جہنم سے بالآخر نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ پل صراط سے گذرنے کے اس مرحلہ کی طرف قرآن مجید میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

۱۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، ح ٦٥٨٧۔

۲۔ بخاری، ایضاً، ح ٦٥٧٦۔

﴿ وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴾

''تم میں سے ہرایک وہاں (پل صراط پر) وارد ہونے والا ہے، یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی، فیصلہ کن امر ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو تو بچالیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے''۔ [سورۃ مریم: ۷۱،۷۲]

آئندہ سطور میں اس پل صراط کے بارے میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ ((إِنَّ الْجِسْرَ أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرَةِ وَأَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ)) ''پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا''۔[1]

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صراط جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔ تمام نبیوں میں سے میں ہی سب سے پہلے اپنی امت کے ساتھ اسے عبور کروں گا۔ اس روز (اللہ کے حضور) نبیوں کے علاوہ کسی کو کوئی بات کرنے کی مجال نہیں ہوگی اور نبیوں اور رسولوں کی بھی یہ حالت ہوگی کہ ان کی زبان پر بھی صرف یہ کلمہ ہوگا: 'یا اللہ! بچا لے۔ یا اللہ! بچا لے'۔ جہنم میں 'سعدان' (ایک کانٹے دار درخت) کے کانٹوں کی طرح کے کنڈے (ہُک) ہوں گے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے پوچھا) کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: 'ہاں یا رسول اللہ!'۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم کے کنڈے (ہُک) اسی سعدان کے کانٹوں جیسے ہوں گے، البتہ اس بات کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ وہ کتنے بڑے بڑے ہوں گے۔ وہ کنڈے لوگوں کے گناہوں کے مطابق ان کے راستے میں رکاوٹ ڈالیں گے (اور انہیں جہنم میں گرائیں گے)۔ لوگوں میں سے بعض ایسے ہوں گے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے وہیں (جہنم میں) گر جائیں گے اور بعض ایسے ہوں گے جو زخمی ہو جائیں گے، مگر پھر بھی اس پل کو پار کر جائیں گے''۔[2]

۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! یہ پل کیسا ہوگا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہ پھسلنے اور گرنے کی جگہ ہوگی جس میں آنکڑے اور کنڈے ہوں گے، نیز اس میں ایسے کانٹے ہوں گے جیسے نجد کے علاقہ میں ہوتے ہیں اور انہیں 'سعدان' کہا جاتا ہے۔ اس پل سے بعض مومن پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے، بعض بجلی کی سی تیزی سے گزریں گے، بعض ہوا کی سی تیزی سے، بعض پرندے کی سی تیزی سے، بعض تیز رفتار گھوڑوں کی سی تیزی سے اور بعض اونٹوں کی رفتار سے گزریں گے۔ بعض تو عافیت کے ساتھ پل پار کر جائیں گے، جب کہ بعض زخمی ہوں گے لیکن پل صراط پار کرلیں گے لیکن بعض ٹھوکریں کھا کر جہنم میں گر جائیں گے''۔[3]

۱۔ مسلم، كتاب الايمان، باب اثبات معرفة طريق الرؤية، ح۱۸۳۔
۲۔ مسلم، كتاب الايمان، باب معرفة طريق الرؤية، ح۱۸۲۔
۳۔ مسلم، ايضاً، ح ۱۸۳۔

۴۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا اور وہ پل صراط کے دائیں اور بائیں جانب جا کر کھڑے ہو جائیں گے۔تم میں سے پہلا شخص بجلی کی سی تیزی سے پل صراط پار کرے گا۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:'میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون سی چیز بجلی کی رفتار سے گزر سکتی ہے؟'۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے غور نہیں کیا کہ کس طرح بجلی پلک جھپکنے میں جاتی اور آتی ہے۔اس کے بعد کچھ لوگ ہوا کی سی تیزی سے گزریں گے۔اس کے بعد کچھ لوگ پرندے کی رفتار سے گزریں گے، پھر کچھ لوگ آدمی کے دوڑنے کی رفتار سے گزریں گے، اسی طرح باقی لوگ بھی اپنے اپنے اعمال کے مطابق پل صراط سے گزریں گے اور تمہارے نبی پل صراط پر کھڑے ہو کر (اپنی امت کے لیے) دعا کر رہے ہوں گے: ((رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ)) ''میرے رب! میری امت کو بچا لے۔میرے رب! میری امت کو بچا لے''۔حتیٰ کہ نیک اعمال والے لوگ کم ہونے لگیں گے، پھر ایک آدمی آئے گا کہ اس سے چلنا بھی مشکل ہوگا بلکہ وہ اپنے آپ کو پل صراط پر گھسیٹے گا۔پل کے دونوں طرف (امانت اور رحم کے) کنڈے لٹک رہے ہوں گے جس کے بارے میں انہیں حکم ہوگا یہ اسے پکڑ لیں گے (اور جہنم میں گرا دیں گے)۔بعض لوگ زخمی ہو کر پل صراط پار کریں گے اور بعض لوگ ٹھوکریں کھا کر جہنم میں جا گریں گے''۔[1]

۵۔حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے روز سفارش کرنے کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تمہارے لیے سفارش کروں گا۔میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو کہاں تلاش کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے مجھے پل صراط پر دیکھنا۔میں نے عرض کیا: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نہ دیکھ پاؤں تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے میزان کے پاس دیکھنا۔میں نے عرض کیا: اگر وہاں بھی آپ نہ ملے تو کہاں دیکھوں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: پھر مجھے حوض پر دیکھنا۔میں ان تین جگہوں کے علاوہ اور کہیں نہیں جاؤں گا''۔[2]

۶۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (قیامت کے روز پل صراط عبور کرنے کے لیے) ہر انسان کو خواہ مومن ہو یا منافق، نور دیا جائے گا اور سارے لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں گے۔جہنم کے پل پر کنڈے اور کانٹے ہوں گے، وہ کنڈے اور کانٹے ان لوگوں کو پکڑیں گے جنہیں اللہ چاہے گا، منافقوں کا نور (راستے ہی میں) بجھ جائے گا اور اہل ایمان (اپنے نور کی روشنی میں) پل عبور کر لیں گے''۔[3]

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اهل الجنه منزلة فیها، حدیث ۱۹۵۔

۲۔ ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ماجاء فی شان الصراط، ح۲٤۳۳۔

۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اهل الجنة منزلة فیها، ح۱۹۱۔

۵۔ پل صراط کے بعد

پل صراط سے بخیریت گذرنے والے لوگ جنت میں جائیں گے، مگر جنت میں جانے سے پہلے انہیں روک لیا جائے گا تا کہ دنیا میں ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں اگر کوئی کینہ، بغض یا حسد ونفرت کا کوئی عنصر رہا ہوگا تو وہ یہاں ختم کر کے ان کے دلوں کو بالکل صاف کر کے جنت میں بھیجا جائے گا۔ اس بات کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَّ عُيُونٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَٰمٍ اٰمِنِينَ وَ نَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَٰبِلِينَ﴾

''بے شک پرہیز گار جنتی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) سلامتی اور امن کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش وکینہ تھا، ہم سب کچھ نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے''۔ [سورۃ الحجر: ۴۵ تا ۴۷]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث میں اس کی اس طرح منظر کشی کی گئی ہے:

((قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: يُخْلَصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُونَ عَلَىٰ قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُقَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِّنْ بَعْضٍ مَظَالِمَ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ))[۱]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جہنم سے خلاصی حاصل کرنے کے بعد مومنوں کو جنت اور جہنم کے درمیان قنطرہ (پل) پر روک لیا جائے گا اور دنیا میں انہوں نے ایک دوسرے پر جو ظلم اور زیادتیاں کی ہوں گی، اس کا بدلہ چکایا جائے گا، حتی کہ جب وہ مکمل طور پر پاک صاف ہو جائیں گے تب انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی''۔

پل صراط کے مرحلہ کے بعد جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں جا چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ موت کو ایک جانور کی شکل میں لا کر ان کے سامنے ذبح کروا دیں گے اور اعلان کر دیا جائے گا کہ اب نہ اہل جنت کو موت آئے گی اور نہ اہل جہنم کو۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل فرمائیں گے تو موت کو ایک دیوار پر جو اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان واقع ہوگی، لا کر کھڑا کر دیا جائے گا، پھر پکارا جائے گا، اے جنت والو! وہ گھبرائے ہوئے متوجہ ہوں گے۔ پھر پکارا جائے گا: اے جہنم والو! وہ خوشی اور اس امید سے کہ ہماری سفارش ہونے لگی ہے، متوجہ ہوں گے۔ پھر دونوں سے پوچھا جائے گا: ''کیا تم اسے پہچانتے ہو؟'' اہل جنت اور اہل جہنم دونوں جواب دیں گے ہاں! ہم پہچانتے ہیں کہ یہ موت ہے جس کا (دنیا میں) ہم نے سامنا کیا تھا۔ پھر اس موت کو (مینڈھے کی شکل میں) سب کے سامنے دیوار پر لٹایا جائے گا اور ذبح کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد اعلان کیا جائے گا: ''اے جنت والو! تم ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو گے، اب تمہیں موت نہیں آئے گی اور اے جہنم والو! تم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہو گے اور اب تمہیں یہاں موت نہیں آئے گی''[۲]۔

۱۔ بخاری، الرقاق، باب، القصاص یوم القیامۃ، ح۶۵۳۵۔

۲۔ ترمذی، ح۲۵۵۷۔ مثله فی مسلم، ح۲۱۸۸۔

فصل ۷

جنت کا بیان

دنیا میں انسان کوئی اچھا عمل کرے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس عمل پر اس کی تعریف کی جائے اور اسے اس کام کا اچھے سے اچھا صلہ ملے۔ یہ خواہش صرف اچھا کام کرنے والے ہی کی نہیں ہوتی بلکہ ہر سلیم الفطرت اس حقیقت کو سمجھتا اور اس سے اتفاق کرتا ہے کہ اچھائی کرنے والے کے ساتھ بھی اچھائی کی جانی چاہیے اور اسے اچھائی کا بدلہ دیا جانا چاہیے مگر بعض اوقات انسان کو اچھے کاموں کا صلہ دنیا میں نہیں ملتا یا ملتا ہے تو اتنا نہیں ملتا جتنا بظاہر اس کا حق بنتا ہے، خاص کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا تمام تر صلہ اس دنیا میں نہیں ملتا، بلکہ الٹا بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے سے دنیا میں مادی نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔ ہم بیسیوں مرتبہ دیکھتے ہیں کہ حلال روزی کمانے والا، پانچ وقت کی باجماعت نماز پڑھنے والا، سچائی اور امانت و دیانت کے تقاضے پورا کرنے والا کبھی غربت کے ہاتھوں پریشان ہوتا ہے، کبھی لوگوں اور معاشرے سے باتیں اور طعنے سنتا ہے، کبھی غلط لوگوں کے ہاتھوں نقصان اٹھاتا ہے، کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے لیے جینا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ انسانی عقل کہتی ہے کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ایسے بندے کے لیے رزق کے تمام دروازے کھل جائیں، ہر طرح کے وسائل اسے حاصل ہوں، سعادتوں اور رحمتوں کی اس پر ہر دم بارش ہو، اسے کسی طرح کی کوئی مصیبت اور مشقت دیکھنے کی نوبت نہ آئے، لیکن ایسا نہیں ہوتا بلکہ جو جتنا نیک ہوتا ہے اتنا ہی اسے آزمائشوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں مومن کے لیے ہر لمحے پابندیاں اور حد بندیاں ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ دنیا کو مومن کے لیے قید خانہ کہا گیا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ)) [1]۔ ''دنیا مومن آدمی کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت کی طرح ہے''۔

ایک مومن شخص کو اس کے نیک عملوں کا اصل بدلہ قیامت کے روز اللہ کی جناب سے جنت اور اس کی دائمی نعمتوں کی شکل میں ملے گا۔ جنت میں اس کے لیے ہر طرح کی آسائش اور راحت ہوگی۔ اسے ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ طلب کرے گا۔ اچھی رہائش، اچھا لباس، اچھا رزق، جنتی بیویاں اور حوریں، جوانی، خوبصورتی، صحت، طاقت،...... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سب کچھ ہمیشہ کے لیے ہوگا اور اسے بھی ہمیشہ کی زندگی دی جائے گی تا کہ دنیا میں اس نے اللہ کی خاطر جو عبادت اور اطاعت کی، اس کا صحیح صلہ اسے ملے۔ اب جنت میں اس سے عبادت (نماز، روزے وغیرہ) کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنتی صرف اللہ کی تسبیح و تحمید وغیرہ ہی کریں گے اور وہ بھی اس طرح جس طرح سانس لیتے ہیں [2]۔ یعنی جس طرح سانس لینے میں کوئی مشقت نہیں ہوتی، اسی طرح تسبیح و تحمید کرنے میں بھی انہیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

۱۔ ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء ان الدنیا سجن المومن وجنة الکافر، ح ۲۳۲۴۔
۲۔ دیکھیے: مسلم، ح ۷۰۸۳۔

انسانی خواہشات اور اللہ تعالیٰ کا فضلِ کریم

ویسے تو ہر انسان اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق ہزاروں خواہشات رکھتا ہے مگر بنیادی طور پر انسان کی چار ہی بڑی خواہشیں ہوتی ہیں یعنی: ۱۔گھر۔۲۔وسائلِ رزق۔۳۔جنسی خواہشات۔۴۔اور ان تینوں چیزوں سے استفادہ کے لیے صحت، لمبی عمر بلکہ ہمیشگی والی زندگی۔ اور باقی ساری خواہشات انہی چاروں کے گرد گھومتی ہیں۔ دنیا میں تو تمام خواہشات پوری نہیں ہوتیں مگر قیامت کے روز انسان کی یہ خواہشات بڑے احسن انداز میں پوری کی جائیں گی، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی۔قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں یہ چاروں چیزیں اس طرح بیان کی گئی ہیں:

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾

''اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی بشارت دے دو، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیئے جائیں گے اور ہم شکل (رزق) لائے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا۔اور ان کے لیے بیویاں ہیں پاک صاف اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے''۔[سورۃ البقرۃ:۲۵]

اس آیت میں جنتیوں کی رہائش کے لیے جنت کا، رزق کے لیے پھلوں کا، جنسی خواہشات کے لیے جنتی بیویوں کا ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں یہ خوشخبری بھی دی گئی کہ ان جنتوں اور نعمتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اسی طرح اس آیت میں دوسری چیز یہ بیان کی گئی ہے کہ جنت میں انسان کو جو میوہ جات دیئے جائیں گے وہ ظاہری طور پر دنیا کے میوہ جات ہی کی طرح ہوں گے اور وہ بھی شاید اس لیے کہ جنتی کے لیے کوئی چیز اجنبی معلوم نہ ہو، مثلاً اگر کسی شخص نے کبھی کیلا یا سنگترہ نہ کھایا ہو اور اس کے ہاتھ میں یہ پھل دے دیئے جائیں تو ممکن ہے اول تو اسے سمجھ ہی نہ آئے کہ یہ کھانے کیسے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ انہیں چھلکوں سمیت ہی کھانا شروع کر دے اور پھر ندامت کا سامنا کرنا پڑے۔اس لیے جنتی پھل ظاہری طور پر دنیوی پھلوں کی طرح ہوں گے مگر ذائقہ کے اعتبار سے اتنے اعلیٰ ہوں گے کہ دنیوی میوہ جات ان کا کسی طرح بھی مقابلہ نہ کر سکتے ہوں گے۔ایک روایت میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ لَيْسَ فِى الْجَنَّةِ شَىْءٌ يُشْبِهُ مَا فِى الدُّنْيَا اِلَّا الْاَسْمَآءَ))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنت کی چیزیں دنیوی چیزوں کے ساتھ صرف ناموں کی حد تک مشابہت رکھتی ہیں''۔[1]

مطلب یہ ہے کہ ظاہری اعتبار سے یا نام کی حد تک مشابہت ہو سکتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے، مگر دونوں صورتوں میں حقیقت کے اعتبار سے فرق ہوگا۔اور ظاہر ہے جنت کے میوہ جات کا دنیوی میوہ جات آخر کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں!

۱۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة، ۲۱۸۸۔

جنت کی نعمتیں

جنت اور اس کی نعمتوں کے بارے میں ہم صحیح طور پر پورا ادراک نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ چیزیں ہماری نگاہوں سے اوجھل رکھی گئی ہیں، البتہ قرآن مجید اور احادیث میں ہمیں جنت اور اس کی نعمتوں کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے، اس سے ہم ایک ممکنہ حد تک جنت کی شان اور عظمت کا اندازہ کر سکتے ہیں مگر اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ جنت اور اس کی نعمتیں ہمارے ان اندازوں سے بھی کئی گنا بڑھ کر اعلیٰ وارفع ہیں، اس سلسلہ میں ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ فَاقْرَءُوا اِنْ شِئْتُمْ: ﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ﴾ [سورة السجدة: ١٧] [(١)]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اپنے بندوں کے لیے (جنت میں) ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا ہے اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کے بارے میں صحیح تصور پیدا ہوا ہے، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو:

﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ﴾[سورة السجدة: ١٧]

''کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے''۔[(٢)]

جنت کیا ہے؟

عربی زبان میں جنت اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں گھنے اور سایہ دار درخت اتنی کثرت سے ہوں کہ باغ کی زمین چھپ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے جو جنت بنائی ہے، اسے بھی جنت اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں سونے چاندی سے بنے محلات اور قیمتی موتیوں سے بنے خیموں کے علاوہ وسیع وعریض باغات بھی ہوں گے، جن میں ہر طرح کا خوشبودار اور پھل دار پودا ہوگا۔ ان پودوں کے تنے سونے کے ہوں گے، پھر ان پودوں اور درختوں کے بیچ میں سے نہریں بہتی ہوں گی اور ایسے ایسے حسین مناظر ہوں گے کہ باذوق لوگوں نے دنیا میں ایسے حسین مناظر نہ دیکھے ہوں گے، نہ ان کے بارے میں ان کے ذہنوں میں کبھی صحیح تصور پیدا ہوا ہوگا۔

جنت کی نہریں اور چشمے

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں جنت کی نہروں اور چشموں کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

١۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ۔ مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب صفة الجنة۔

٢۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ۔

﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ آسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴾[سورة محمد ١٥]

''اس جنت کی صفت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو لرنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا، اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کے لیے بڑی لذت ہے اور شہد کی نہریں ہیں جو بہت صاف ہے اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔ کیا یہ اس کے مثل ہوسکتا ہے جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے اور جنہیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا''۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : سِیْحَانُ وَجِیْحَانُ وَالْفُرَاتُ وَالنِّیْلُ كُلٌّ مِنْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ))[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیحان، جیحان، فرات اور نیل یہ تمام جنت کی نہریں (دریا) ہیں''۔

جنت کے محلات اور خیمے

جنت میں صرف باغات ہی نہ ہوں گے بلکہ اس میں نہایت عالی شان محلات، کشادہ اور آرام دہ گھر اور قیمتی موتیوں کے بڑے بڑے خول نما خیمے بھی ہوں گے۔ اس سلسلہ میں چند دلائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱)......﴿ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ ﴾ [سورة الزمر: ٢٠]

''ہاں وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بالا خانے ہیں، ان کے اوپر بھی بالا خانے بنے ہوئے ہیں، (یعنی کثیر المنزلہ عمارتیں ہیں) اور ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ رب کا وعدہ ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔

(۲)......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی طرح کی رہائش جنت میں بنا دیتے ہیں''[2]۔

(۳)......اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ ''جس کا بچہ فوت ہوجائے اور وہ اس پر اللہ کی تحمید بیان کرے اور انا للہ پڑھے (یعنی صبر و شکر سے کام لے)، اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بناتے ہیں اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دیتے ہیں''۔[3]

١۔ مسلم، کتاب الجنة، باب ما فی الدنیا من انهار الجنة۔

٢۔ بخاری، کتاب الصلاة، باب من بنی مسجدا۔

٣۔ ترمذی، کتاب الجنائز، باب المصیبة اذا احتسب، ح١٠٢١۔ السلسلة الصحیحة، ح١٤٠٨۔

(٤)......((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ الْأَشْعَرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْخَيْمَةُ دُرَّةٌ مُجَوَّفَةٌ طُوْلُهَا فِي السَّمَآءِ ثَلَاثُوْنَ مِيْلًا فِيْ كُلِّ زَاوِيَةٍ مِنْهَا لِلْمُؤْمِنِ اَهْلٌ لَا يَرَاهُمُ الْآخَرُوْنَ))

''حضرت عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایسا خیمہ بھی ہوگا جو ایک قیمتی موتی کو کھرچ کر بنایا گیا ہوگا۔ اس خیمے کی لمبائی تیس میل ہوگی۔ اس میں جنتی کے اہل خانہ ہوں گے جنہیں کوئی دوسرا نہ دیکھ سکے گا''۔[1]

(٥)......بعض روایات میں ہے کہ ''اس خیمے کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی اور اس میں جنتی کی بیویاں ہوں گی۔ جنتی ان بیویوں کے پاس جائے گا مگر وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں گی''۔[2]

جنت کی بناوٹ

((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مِمَّ خُلِقَ الْخَلْقُ؟ قَالَ: مِنَ الْمَآءِ، قُلْنَا: اَلْجَنَّةُ مَا بِنَاؤُهَا؟ قَالَ: لَبِنَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْاَذْفَرُ وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوْتُ وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ يَدْخُلُهَا يَنْعَمُ وَلَا يَبْأَسُ وَيَخْلُدُ وَلَا يَمُوْتُ وَلَا يَبْلٰى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ))[3]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی سے۔ پھر ہم نے کہا کہ جنت کس چیز سے بنی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اس کی ایک اینٹ سونے کی، ایک چاندی کی، اس کا سیمنٹ تیز خوشبودار کستوری جیسا ہے۔ اس کے سنگریزے قیمتی موتی اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو شخص اس جنت میں داخل ہوگا، وہ عیش کرے گا۔ اسے کبھی تکلیف نہ ہوگی، وہ ہمیشہ زندہ رہے گا، اسے کبھی موت نہ آئے گی۔ جنت والوں کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ان کی جوانی ختم ہوگی''۔

جنت کی وسعت اور کشادگی

قرآن مجید میں جنت کی وسعت اور کشادگی کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

﴿ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [آل عمران: ١٣٣ تا١٣٤]

''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسانی میں، (اور) سختی کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے''۔

١۔ بخاری، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ۔

٢۔ ایضاً، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الواقعة۔ مسلم، باب فی صفة خیام الجنة۔ ٣۔ ترمذی، صفة الجنة، باب ما جاء فی صفة الجنة۔

اسی طرح درج ذیل احادیث سے بھی جنت کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ، وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿ وَظِلٍّ مَمْدُودٍ﴾، وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبُ))[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ سوار شخص اس کے سائے میں سو سال تک سواری کرسکتا ہے، اور اگر تم چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ لو:

﴿ وَظِلٍّ مَمْدُودٍ﴾ [سورة الواقعة: ۳۰] ''اور (اس جنت میں) لمبے لمبے سائے ہوں گے''۔

(پھر آپ ﷺ نے فرمایا:) جنت میں ایک کمان کے برابر جگہ بھی ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع وغروب ہوتا ہے (مراد دنیا اور اس کی چیزیں ہے)''۔

ایک روایت میں ہے:

((إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا))

''جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ سوار شخص اس کے سائے میں سو سال تک سواری کرے تو تب بھی اس کے سائے کو طے نہیں کرسکتا''۔[2]

جنت ایسی قیمتی اور اعلیٰ وارفع جگہ ہے کہ وہاں ایک چھڑی برابر جگہ ملنا بھی بہت بڑی سعادت ہے جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا))[3]

''جنت میں ایک چھڑی (کوڑے/سانٹے) کے برابر جگہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے''۔

مگر اہل جنت کے لیے جنت میں صرف چھوٹی سی جگہ نہیں ہوگی بلکہ وسیع وعریض رقبہ انہیں ملے گا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سب سے ادنیٰ اور سب سے آخر میں جنت میں جانے والے کو اتنا کچھ ملے گا کہ انسان حیران رہ جاتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ درجات پانے والے جنتیوں کو جو کچھ ملا ہے، اس کا کوئی شمار نہیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ۔

۲۔ بخاری، ایضاً۔

۳۔ بخاری، ایضاً۔

''جو شخص جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا، میں اسے پہچانتا ہوں۔ یہ شخص اپنے کولہوں کے بل گھسٹتا ہوا نکلے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ جائے گا اور جنت میں داخل ہوگا تو دیکھے گا کہ لوگوں نے اپنی اپنی جگہیں حاصل کر لی ہیں۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب تم جہنم میں تھے؟ یہ جواب دے گا، ہاں یاد ہے۔ پھر اسے کہا جائے گا کہ تمنا کرو (کہ تمہیں کتنی بڑی جنت چاہیے؟) تو وہ تمنا کرے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ تمہارے لیے تمہاری تمنا کے مطابق جنت دی جائے گی اور دس دنیاؤں کے برابر مزید تمہیں ہم عطا کرتے ہیں۔ وہ کہے گا: یا اللہ! تو بادشاہ حقیقی ہے، کہیں تو مجھ سے مزاح تو نہیں کر رہا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں مزاح نہیں کر رہا، بلکہ میں اس پر قادر ہوں جو تمہیں کہہ رہا ہوں''۔[1]

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا: جنت میں جو سب سے کم تر درجہ والا ہوگا، اسے کیا ملے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سب سے کم تر درجہ والا جنتی وہ ہوگا جو اس وقت جنت میں آئے گا جب تمام اہل جنت کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ تو وہ کہے گا: یا اللہ! میں کہاں جاؤں وہاں تو لوگوں نے اپنی اپنی جگہیں اور حصے وصول کر لیے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: کیا تم اس بات پر راضی ہوتے ہو کہ اگر تمہیں جنت میں اتنی جگہ دے دی جائے جتنی دنیا میں کسی بادشاہ کے پاس ہو سکتی ہے؟ تو وہ کہے گا: ہاں یا رب! میں اس پر راضی ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جا تیرے لیے اتنی بڑی جنت ہے جتنی کسی کی بادشاہت ہو، اور اس سے بھی دس گنا زیادہ تیرے لیے ہے۔ اور تمہیں جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جو تمہارا دل چاہے گا اور جو تمہاری آنکھ پسند کرے گی''۔[2]

جنت کے درجات

انسانوں کی نیکی اور تقویٰ کا معیار ایک جیسا نہیں ہوتا، اس لیے جزا اور بدلہ میں بھی اللہ تعالیٰ فرق رکھیں گے۔ یہ فرق مختلف صورتوں میں سامنے آئے گا۔ ان میں سے ایک صورت جنت کے درجات میں فرق کی ہے۔ کچھ لوگوں کے لیے اعلیٰ درجات کی جنتیں ہوں گی، کچھ کے لیے کم درجات کی، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ جَلَسَ فِيْ اَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا بَيْنَ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَاِنَّهٗ اَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَاَعْلَى الْجَنَّةِ، اُرَاهُ قَالَ: فَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ))

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب آخر اھل النار خروجا۔

۲۔ ایضًا، باب ادنی اھل الجنة منزلة فیھا۔

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے۔ خواہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرے یا اسی جگہ بیٹھا رہے جہاں پیدا ہوا تھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم دوسرے لوگوں کو بھی یہ بشارت نہ دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں سو (۱۰۰) درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے۔ جب بھی تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگو، یہ جنت کا درمیانی اور اعلیٰ حصہ ہے۔ اس کے اوپر اللہ کا عرش ہے اور یہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں''[۱]۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں میں سو سال کی مسافت جتنا فاصلہ ہے''[۲]۔

جنت کے آٹھ دروازے

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ فِيهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ))[۳]

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازے کا نام 'الریان' ہے، اس میں سے صرف روزہ دار ہی جنت میں جائیں گے''۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی راہ میں جوڑا (یعنی دو چیزوں کا) صدقہ کیا، اسے جنت کے ہر دروازے سے آواز دی جائے گی کہ اللہ کے بندے! یہ دروازہ تیرے لیے بہتر ہے۔ نمازی کو باب الصلاۃ سے دعوت دی جائے گی، مجاہدین کو باب الجہاد سے، روزہ داروں کو باب الریان سے، صدقہ کرنے والوں کو باب الصدقہ سے دعوت دی جائے گی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے تمام دروازوں سے دعوت دی جائے گی؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں اور مجھے یقین ہے کہ تمہارا شمار انہی میں ہوگا''۔[۴]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جنت کے ایک دروازے کے دونوں کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ مکرمہ اور ہجر کے درمیان ہے یا جتنا مکہ اور بُصریٰ کے درمیان ہے''۔[۵] (اور یاد رہے کہ ان دونوں مقامات کا باہمی فاصلہ ایک ہزار کلومیٹر سے زیادہ ہے۔)

۱۔ بخاری، کتا ب الجہاد، باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ، ح ۲۷۹۰۔
۲۔ ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ما جاء فی صفۃ درجات الجنۃ۔
۳۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، بَاب صِفَةِ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ۔
٤۔ بخاری، کتاب الصوم، باب الریان للصائمین۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب من جمع الصدقۃ واعمال البر۔
٥ مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اہل الجنۃ منزلۃ فیہا

جنت میں کوئی لغو چیز نہیں ہوگی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿جَنّٰتِ عَدۡنِ ِ الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَہٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ وَعۡدُہٗ مَاۡتِیًّا لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَ لَہُمۡ رِزۡقُہُمۡ فِیۡہَا بُکۡرَۃً وَّ عَشِیًّا تِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ کَانَ تَقِیًّا﴾[سورة مریم: ٦١ تا ٦٣]

''ایسی ہمیشگی والی جنتیں جن کا غائبانہ وعدہ اللہ مہربان نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ وہ لوگ وہاں کوئی لغو بات نہ سنیں گے، صرف سلام ہی سلام سنیں گے، ان کے لیے وہاں صبح وشام ان کا رزق ہوگا۔ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں''۔

جنت میں اہل جنت کو وہ سب ملے گا، جو ان کا دل چاہے گا

جنت چونکہ عیش وعشرت کی جگہ ہوگی، اس لیے جنت میں جانے والوں کو جنت میں ہر وہ نعمت عطا ہوگی جو ان کا دل چاہے گا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا:

﴿ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ اَنۡتُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَہَبٍ وَّ اَکۡوَابٍ ۚ وَ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ وَ اَنۡتُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ وَ تِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡہَا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ لَکُمۡ فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ کَثِیۡرَۃٌ مِّنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ﴾ [سورة الزخرف: ٧٠ تا٧٣]

''تم اور تمہاری بیویاں راضی خوشی جنت میں چلے جاؤ۔ ان (جنتیوں) کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا، ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں، سب وہاں ہوگا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی وہ جنت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو، یہاں تمہارے لیے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے''۔

جنت میں ہر طرح کا اور بغیر حساب رزق دیا جائے گا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَۃَ ہِیَ دَارُ الۡقَرَارِ مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ﴾

''یہ دنیا کی زندگی تو متاع فانی ہے، جب کہ ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی کا ہے۔ جس نے گناہ کیا اسے تو وہی بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا ہے اور جس نے نیکی کی، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور وہ ایمان دار ہو، تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے حساب روزی پائیں گے''۔ [سورة المؤمن: ٣٨ تا ٤٠]

اہل جنت پر نوازشیں

اللہ تعالیٰ اہل جنت پر ان کی خوراک، پوشاک اور رہن سہن ہر لحاظ سے ہر طرح کی نعمت اور نوازش فرمائیں گے اور ان کی سوچ اور توقع سے بڑھ کر ان پر اپنا فضل فرمائیں گے۔ ذیل کی آیات اور احادیث میں اس کا ایک ہلکا سا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ فِي جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَٰبِلِينَ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَٰكِهَةٍ ءَامِنِينَ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَىٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [سورة الدخان: ٥٠ تا٥٦]

''بے شک متقی لوگ امن و امان والی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں۔ باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ اسی طرح ہے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے۔ دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میووں کی فرمائشیں کرتے ہوں گے۔ وہاں وہ موت نہیں چکھیں گے، ماسوائے پہلی موت کے (جو دنیا میں آ چکی)۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ سے بچالیا ہے۔ یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے''۔

﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا وَكَأْسًا دِهَاقًا لَّا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّٰبًا جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا﴾ [سورة النبا: ٣١تا٣٦]

''بے شک پرہیز گاروں ہی کے لیے کامیابی ہے۔ باغات ہیں اور انگور ہیں۔ اور نو جوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں۔ اور چھلکتے ہوئے جام ہیں (شراب طہور کے)۔ وہاں نہ تو وہ بے ہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹی باتیں سنیں گے۔ (ان جنتیوں کو) تیرے رب کی طرف سے (ان کے نیک اعمال کا) یہ بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا''۔

((عن زيد بن ارقمؓ قال قال رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ لَيُعْطَى قُوَّةَ مِائَةِ رَجُلٍ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالشَّهْوَةِ وَالْجِمَاعِ حَاجَةُ أَحَدِهِمْ عِرْقٌ يَفِيضُ مِنْ جِلْدِهِ فَإِذَا بَطْنُهُ قَدْ ضَمُرَ))(1)

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک ہر جنتی کو کھانے پینے اور شہوت و جماع کے لیے سو آدمیوں جتنی قوت دی جائے گی اور اہلِ جنت کی قضائے حاجت بس یہی ہوگی کہ ان کے جسم سے پسینہ نکلے گا اور پیٹ ویسے ہی ہلکا ہو جائے گا جیسے پہلے تھا''۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالَّذِينَ عَلَى إِثْرِهِمْ كَأَشَدِّ كَوْكَبٍ إِضَاءَةً قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ لِكُلِّ امْرِءٍ مِنْهُمْ

١۔ صحيح الجامع الصغير، ح١٦٢٣۔

زَوْجَتَانِ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا يُرَى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَرَاءِ لَحْمِهَا مِنَ الْحُسْنِ يُسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا لَا يَسْقَمُونَ وَلَا يَمْتَخِطُونَ وَلَا يَبْصُقُونَ آنِيَتُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَأَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَوَقُودُ مَجَامِرِهِمُ الْأَلُوَّةُ قَالَ أَبُو الْيَمَانِ يَعْنِي الْعُودَ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ))(۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں جانے والا سب سے پہلا گروہ ایسا ہوگا کہ (اس میں شامل لوگوں کے) چہرے چودہویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور جو گروہ ان کے بعد داخل ہوگا ان کے چہرے سب سے روشن تارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ ان سب (جنتیوں) کے دل ایک ہی آدمی کے دل کی طرح ہوں گے اور ان کے مابین کوئی اختلاف نہ ہوگا اور نہ آپس میں بغض ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے دو بیویاں ہوں گی، اتنی حسین کہ ان کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے اندر سے نظر آ رہا ہوگا۔ جنتی صبح وشام اللہ کی تسبیح کریں گے۔ نہ وہ کبھی بیمار ہوں گے، نہ ان کا ناک بہے گا، اور نہ انہیں تھوک آئے گا۔ ان کے برتن سونے اور چاندی کے ہوں گے، اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگ رہا ہوگا اور ان کا پسینہ کستوری کی خوشبو دے رہا ہوگا''۔

((عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَأْكُلُونَ فِيهَا وَيَشْرَبُونَ وَلَا يَتْفُلُونَ وَلَا يَبُولُونَ وَلَا يَتَغَوَّطُونَ وَلَا يَمْتَخِطُونَ قَالُوا: فَمَا بَالُ الطَّعَامِ؟ قَالَ: جُشَاءٌ وَرَشْحٌ كَرَشْحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ وَالتَّحْمِيدَ كَمَا تُلْهَمُونَ النَّفَسَ))(۲)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنتی لوگ جنت میں کھائے پییں گے مگر نہ تھوکیں گے، نہ پیشاب پاخانہ کی حاجت ہوگی، اور نہ ناک جھاڑنے کی۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ پھر کھانے (کے فاضل مادے) کا کیا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کستوری کی خوشبو جیسے ڈکار اور پسینہ میں نکل جائے گا۔ اور اہل جنت تسبیح اور تحمید اسی طرح کریں گے جس طرح تم لوگ سانس لیتے ہو''۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يُنَادِي مُنَادٍ: إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا أَبَدًا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْأَسُوا أَبَدًا))(۳)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اہل جنت کے لیے) ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ تم ہمیشہ صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہ ہونے پاؤ گے۔ تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہ آئے گی۔ اور تم ہمیشہ جوان رہو گے اور کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا۔ اور تم ہمیشہ ناز ونعم میں رہو گے لہٰذا تم کبھی رنجیدہ وافسردہ نہ ہونا''۔

۱۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، بَاب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ۔ ۲۔ مسلم، کتاب الجنة و صفة نعیمها، ح۷۰۸۳۔

۳۔ مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب فی دوام نعیم اهل الجنة۔

((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰی صُوْرَةِ آدَمَ وَطُوْلُهُ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں جانے والے ہر جنتی کی شکل وصورت (ان کے باپ) آدم علیہ السلام پر ہوگی اوران کا قد ساٹھ ہاتھ (یعنی نوے فٹ) لمبا تھا''(۱)۔

((عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قال: يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِيْنَ اَبْنَاءَ ثَلَاثِيْنَ - اَوْ ثَلَاثٍ وَّ ثَلَاثِيْنَ - سَنَةً))(۲)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنتی جنت میں اس طرح داخل ہوں گے کہ ان کے بال نہیں ہوں گے، نہ داڑھی مونچھ ہوگی۔ آنکھیں سرگیں ہوں گی اور عمر تیس یا تینتیس سال ہوگی''۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ : اَلنَّوْمُ اَخُوْا الْمَوْتِ وَلَا يَنَامُ اَهْلُ الْجَنَّةِ))

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نیند موت کی بہن (یعنی موت کی مانند) ہے اوراہل جنت کونیند کی حاجت نہیں ہوگی''۔(۳)

جنت میں جانے والوں کے دلوں کوحسد وکینہ وغیرہ سے پاک کردیا جائے گا

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَ نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ [سورة الاعراف: ٤٢، ٤٣]

''اور جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک عمل کیے تو ہم کسی کواس کی طاقت سے زیادہ کام نہیں بتاتے، یہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو کچھ ان کے دلوں میں (کینہ) تھا، ہم اس کو دور کردیں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس مقام تک پہنچایا ورنہ ہماری کبھی اس تک رسائی نہ ہوتی اگر اللہ ہم کواس تک نہ پہنچاتا۔ اور واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے۔ اوران سے پکار کر کہا جائے گا کہ اس جنت کے تم وارث بنائے گئے ہو اپنے اعمال کے بدلے''۔

اہل جنت کے ملبوسات

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴾

۱۔ مسلم، کتاب الجنة، باب یدخل الجنة اقوام افئدتهم مثل افئدة الطیر۔

۲۔ ترمذی، کتاب الجنة، باب ما جاء فی سن اهل الجنة۔

۳۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة، ح١٠٨٧۔

''بے شک متقی لوگ امن وامان والی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں۔ باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے''۔[سورۃ الدخان:۵۰تا۵۶]

﴿ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ إِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾ [سورة الكهف:۳۱]

''ان (جنتیوں) کو جنت میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ کے نرم و باریک اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے، وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیا خوب بدلہ ہے اور کس قدر عمدہ آرام گاہ ہے''۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جنت کی نعمتوں میں سے اگر ایک ناخن برابر بھی کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو آسمان و زمین کے مابین جتنی جگہ ہے سب چمک اٹھے۔ اگر کوئی جنتی اپنے کنگن سمیت دنیا کی طرف جھانک لے تو سورج کی روشنی اس طرح ختم ہو جائے جس طرح سورج طلوع ہونے کے بعد ستاروں کی روشنی ختم ہو جاتی ہے''۔(۱)

اہل جنت کے خادم

﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ [سورة الواقعة: ۱۷ تا ۲۰]

''ان (جنتیوں) کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ (لڑکے) ہی رہیں گے، آمدورفت کریں گے۔ آبخورے اور جگ لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی ہوئے شراب سے لبریز ہو، جس سے نہ سر میں درد ہو اور نہ عقل میں فتور آئے۔ اور ایسے میوے لیے جو ان کی پسند کے ہوں اور پرندوں کا گوشت جو انہیں پسند لگتا ہو''۔

﴿ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴾ [سورة الطور:۲٤]

''اور ان کے ارد گرد ان کے نوعمر غلام چل پھر رہے ہوں گے، اور ایسے معلوم ہوں گے جیسا کہ ڈھک (چھپا) کر رکھے گئے موتی ہوں''۔

اہل جنت کی بیویاں اور حوریں

قرآن مجید میں اہل جنت کے لیے پاکیزہ بیویوں اور حسین و جمیل حوروں کا ذکر ملتا ہے۔ بعض اہل علم کے بقول یہ دو طرح کی بیویاں ہوں گی، ایک وہ جنہیں قرآن مجید میں بیویاں ہی کہا گیا ہے اور ایک وہ جنہیں قرآن مجید میں حوریں کہا گیا ہے۔ ان حوروں کے ساتھ بھی چونکہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کی شادی کریں گے، اس لیے یہ بھی اہل جنت کے لیے بیویاں ہی ہوں گی۔

۱۔ ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ما جاء فی صفة اهل الجنة۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ﴾ [سورة الطور: ٢٠]

''اور ہم نے ان کے نکاح گوری چٹی بڑی بڑی آنکھوں والی (حوروں) سے کر دیے ہیں''۔

اسی طرح جو بیویاں دنیا میں ساتھ رہی ہوں گی، وہ جنت میں بھی ساتھ ہوں گی اور انہیں بھی حسین وجمیل، جوان اور پاکیزہ بنا دیا جائے گا۔ گویا انہیں نئے سرے سے پیدا کیا گیا ہو، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا﴾ [سورة الواقعة: ٣٥ تا ٣٨]

''اور ہم نے ان (کی بیویوں) کو خاص طور پر بنایا ہے، اور ہم نے انہیں کنواریاں بنایا، محبت کرنے والیاں اور ہم عمر ہیں''۔

جنتی بیویوں اور حوروں کی خوبصورتی اور جوانی کا بس ہلکا سا اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے، ورنہ اصل صورتحال کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر جنتی عورتوں (حوروں) میں سے کوئی زمین کی طرف جھانکے تو ساری زمین روشن اور معطر ہو جائے اور جنتی عورت کا دوپٹہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے قیمتی ہے''۔[1]

ہر جنتی شخص کو قوت وطاقت بھی کم از کم سو آدمیوں کے برابر دی جائے گی اور جنت میں بیویوں اور حوروں کی بھی ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے کم مقام والے جنتی کو اَسی (٨٠) ہزار خادم اور بہتر (٧٢) بیویاں ملیں گی۔[2]

حوروں کے بیان پر یہ سوال بھی ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ مردوں کو تو حوریں ملیں گی، عورتوں کو کیا ملے گا؟

اس سلسلہ میں واضح رہے کہ شادی شدہ عورتیں تو اپنے خاوندوں کے ساتھ ہوں گی، جب کہ وہ عورتیں جن کی دنیا میں شادی نہ ہوئی یا شادی کے بعد طلاق ہو گئی، انہیں بھی اللہ تعالیٰ مختلف جنتی مردوں کی زوجیت میں دیں گے، حتی کہ کوئی عورت ایسی نہ رہے گی جسے خاوند نہ ملے اور یہ خاوند دنیا میں ایمان واسلام کی حالت میں مر کر جنت میں جانے والے انسانوں ہی میں سے ہوں گے، کوئی اور مخلوق نہ ہوں گے۔ البتہ ایسا نہیں ہوگا کہ ایک عورت کے کئی خاوند ہوں، بلکہ خاوند ایک ہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا؛ اہل جنت کے لیے سب سے بڑی نعمت

جنت میں اہل جنت کو جن نعمتوں اور نوازشوں سے نوازا جائے گا وہ سب اہل ایمان کے لیے باعث صد مسرت کا ذریعہ ہوں گی، مگر ان سب سے بڑھ کر نوازش اور نعمت یہ ہوگی کہ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار کی سعادت سے بہرہ مند فرمائیں گے اور انہیں کہیں گے میں تم سے راضی ہوں۔ اللہ کی یہ رضا سب سے بڑی نعمت ہے جیسا کہ درج ذیل دلائل سے معلوم ہوتا ہے:

١۔ بخاری، کتاب الجهاد، باب الحور العين وصفتهن۔

٢۔ ترمذی، کتاب الجنة، باب ٢٣، ح٢٥٦٢۔ مسند احمد، ج٣، ص٧٦۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ [سورة التوبة: ٧٢]

''ان ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں سے اللہ نے جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات کا جو ان ہمیشگی والی جنتوں میں ہیں، اور اللہ کی رضا مندی (انہیں حاصل ہوگی جو) سب سے بڑی چیز ہے، یہی زبردست کامیابی ہے''۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائیں گے: ''اے اہل جنت!'' جنتی کہیں گے: ''جی ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں تیری جناب میں اور ہر طرح کی سعادت تیرے ہی ہاتھ میں ہے''۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''کیا تم (جنت اور اس کی نعمتوں پر) راضی ہو؟'' وہ کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! بھلا ہم کیوں راضی نہ ہوں گے، آپ نے تو ہمیں سب کچھ عطا کر دیا ہے جو کہ دیگر مخلوق کو عطا نہیں کیا''۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''میں تمہیں اس سے زیادہ بہتر چیز عطا کروں؟'' جنتی کہیں گے: ''یا اللہ! اب مزید بہتر کون سی چیز ہو سکتی ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: ((أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ اَبَدًا))(1)
''میں نے اپنی رضا تمہارے لیے حلال کر دی، اب میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا''۔

جنت پالینا انسان کے لیے سب سے بڑی کامیابی ہے

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [سورة آل عمران: ١٨٥]

''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے، پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا بے شک وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کی جنس ہے''۔

جنت کی کامیابی کے لیے نیک عمل اور اللہ کی رضا کا حصول ضروری ہے

جنت اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، جس پر وہ چاہے اس فضل کا اظہار کرے، مگر اس کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے اس فضل کا اظہار ان پر کرے گا جو نیک نیتی سے اور حتی الممکن حد تک اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں اور اس کی رضا مندی کے لیے اپنا سر تسلیم خم کر دیں۔ ہر مسلمان سے اللہ تعالیٰ کا یہی تقاضا ہے، لہٰذا ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم اس چیز کے پابند ہیں کہ ہم اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس سے جنت جیسے انعام کی امید رکھیں، اور اس کے لیے دعا بھی کرتے رہیں۔ تاکہ ہمارے ان نیک اعمال اور دعا کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی جنت میں جگہ دے دیں۔

١۔ مسلم، کتاب الجنة، باب احلال الرضوان علی اهل الجنة۔

آئندہ سطور میں وہ دلائل ملاحظہ فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت ان لوگوں کو ملے گی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور دینی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔

(۱)...... ﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾

''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں اور جو کوئی منہ پھیر لے، اسے وہ دردناک عذاب (سزا) دے گا''۔ [سورۃ الفتح: ۱۷]

(۲)...... ﴿ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

''اور جس نے بھی نیکی کی، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان دار ہو تو وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے''۔ [سورۃ المومن: ۴۰]

(۳)...... ﴿ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾ [سورۃ النساء: ۱۲۲]

''جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ہم انہیں جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں، وہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟''۔

(٤)...... ((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّاْبٰى؟ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میری ساری امت جنت میں جائے گی، سوائے اس کے جس نے خود ہی انکار کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! (جنت میں جانے سے) انکار کون کرے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ تو جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے گویا (جنت میں جانے سے) انکار کر دیا''۔ (۱)

(۵)...... حضرت عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک روز اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''تین طرح کے لوگ جنت میں جائیں گے:

۱۔ عادل، صادق اور نیکی کی توفیق دیا جانے والا حکمران۔

۲۔ قریبی رشتہ دار اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ مہربانی اور رحم دلی کرنے والا۔

۳۔ پاک دامن اور اہل وعیال والا ہونے کے باوجود کسی سے سوال نہ کرنے والا''۔ (۲)

۱۔ بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ۔

۲۔ مسلم، کتاب الجنة، باب الصفات التی یعرف بها الدنیا اهل الجنة واهل النار۔

اسی طرح مسجد بنانے والا، یتیم کی پرورش کرنے والا، بچیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا، شرمگاہ اور زبان کی حفاظت کرنے والا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، اچھا اخلاق اپنانے والا، تقویٰ اختیار کرنے والا، بیمار کی عیادت کرنے والا، اپنے فرائض پورے کرنے والا، بیماری اور مصیبت پر صبر کرنے والا، والدین کی خدمت کرنے والا، وغیرہ......ان سب لوگوں کے بارے میں بھی ذکر ملتا ہے کہ یہ جنت میں جائیں گے، تاہم یہ عزیمت کی بات ہے کہ کوئی اس طرح کے خیر و بھلائی والے کام اپنی خوشی اور رغبت سے کرے ورنہ انسان کی کوشش عام طور پر یہی ہوتی ہے کہ اپنی خواہشات کی تابعداری کرے اور نیکی اور خیر کے مشکل کاموں سے دور بھاگے۔ اسی لیے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جنت اور جہنم میں لے جانے والے کاموں کے بارے میں اس طرح تمثیل دی کہ

((حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ))[1]

''جنت کے گرد ان چیزوں کی باڑ ہے جو (بالعموم انسان کو) ناپسند لگتی ہیں اور جہنم کے گرد ان چیزوں کی باڑ ہے جو (انسان کو) اچھی لگتی ہیں''۔

......☆......

۱۔ مسلم، کتاب الجنة، باب صفة الجنة۔

فصل ۸:

جہنم کا بیان

قرآن مجید میں ایک مقام پر یہ بات کہی گئی ہے کہ

﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾ [سورة النسآء: ١٤٧]

''اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور باایمان رہو''۔

یعنی اگر انسان دنیا میں اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق نیک سیرت اور خوش اخلاق بن کر زندگی گزارے تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ظلم کریں اور اسے جہنم کی آگ میں سزا دیں، تاہم دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار لوگ ایسے ہیں اور ہمیشہ رہے ہیں جنہیں نصیحت وتلقین اثر نہیں کرتی، اور وہ سرکشی اور بغاوت کی ہر حد پار کرنا اپنی ضرورت بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگ حقوق اللہ کی ادائیگی تو دور کی بات حقوق العباد کی بھی پروا نہیں کرتے اور معاشرے میں بدامنی پھیلاتے اور دوسروں پر دست درازی کرتے ہیں۔ بعض اوقات تو انہیں اپنے کیے کی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے لیکن اکثر اوقات انہیں سزا نہیں ملتی یا ملتی ہے تو اتنی نہیں ملتی جتنی ملنی چاہیے۔ ظاہر ہے اللہ کا قانون اور عذاب کا کوڑا بڑا طاقتور ہے، یہ لوگ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اور یہ عذاب انہیں اگر دنیا میں نہ ملا تو موت کے ساتھ ہی ملنا شروع ہو جائے گا اور پھر روز حشر حساب کتاب کے بعد جہنم کی شکل میں جب تک اللہ چاہے، ملتا رہے گا۔

ا۔ جہنم اور اس کے عذاب

جہنم اللہ کا بنایا ہوا قید خانہ ہے

جہنم کیا ہے؟ اللہ کا بنایا ہوا قید خانہ ہے، بالکل اسی طرح جیسے دنیا میں بااقتدار لوگ اور حکومتیں اپنے زیر اقتدار علاقوں میں امن وامان اور اپنی حکومت وتسلط کو قائم رکھنے اور اپنے باغیوں، سرکشوں اور دیگر مجرموں کو سزا دینے کے لیے قید خانے بناتی ہیں۔ دنیا میں ایسے ظالم لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنے مخالفوں کو ایسے قید خانوں میں ڈالا اور ایسی ایسی سزائیں دیں کہ وہ ضرب الامثال بن گئے، لیکن اللہ تعالیٰ سے ظلم کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہر کام عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق کریں گے۔ چنانچہ مجرموں کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا فیصلہ بھی اس کے عدل کا اظہار ہے اور یہ عذاب اور سزا ایسی سخت ہوگی کہ دنیا میں اتنی سخت سزا کا تصور بھی انسان نہیں کر سکتا۔ اس کا عام سا اندازہ آپ اسی بات سے کر لیں کہ دنیا کی آگ انسان کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے جب کہ جہنم کی آگ اس آگ سے بھی تقریباً ستر (۷۰) گنا زیادہ سخت ہوگی۔ یہی صورتحال دوسرے عذابوں کی ہوگی۔ آئندہ سطور میں ہم اس قید خانے اور اس میں جہنمیوں کو دی جانے والی سزاؤں کے بارے میں

قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ بات کریں گے۔

جہنم میں صرف گنہگار لوگ جائیں گے

جہنم میں وہی لوگ جائیں گے جنھوں نے دنیوی زندگی میں اللہ کے حقوق یا بندوں کے حقوق میں کسی بھی طرح کی کوتاہی کا مظاہرہ کیا ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

(۱)...... ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾[سورة الجن:۲۳]

''جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ (نافرمانی کرنے والے) ہمیشہ رہیں گے''۔

(۲)...... ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

''اور جو برائی لے کر آئیں گے، وہ اوندھے منہ (جہنم کی) آگ میں جھونک دیئے جائیں گے، تم صرف وہی بدلہ دیے جاؤ گے جو (برائی) تم کرتے رہے''۔[سورۃ النمل:۹۰]

(۳)...... ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ [سورة السجدة:۲۰]

''جن لوگوں نے (اللہ کی حکم) عدولی کی، ان کا ٹھکانہ (جہنم کی) آگ ہے۔ جب کبھی وہ اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ اپنے جھٹلانے کے بدلے آگ کا عذاب چکھو''۔

(٤)...... ﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ۙ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ ۢ بَعِيْدٍ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ [سورة قٓ: ۲٤تا۲۹]

''ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو، جو نیک کام سے روکنے والا، حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا، جس نے اللہ کے سوا دوسرا معبود بنالیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا ہمنشین (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا، بس میرے سامنے جھگڑے کی بات مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعید بھیج چکا تھا۔ میرے ہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں''۔

اہل جہنم کو دیئے جانے والے عذاب کی مختلف شکلیں

جہنم میں اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو ہر وہ سزا دیں گے جو اللہ چاہیں گے، اس لیے کہ جہنم اس ذات کی بنائی ہوئی جیل ہے

جو ساری کائنات کی خالق و مالک ہے اور ظاہر ہے ایسی طاقتور ہستی کی سزا بھی بڑی سخت اور اَذیت ناک ہوگی۔ اس کا ہلکا سا اندازہ آپ اس سے لگالیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ

((إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ عَلَى أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ بِالْقُمْقُمِ))(۱)

''قیامت کے روز جہنمیوں میں سے سب سے ہلکا عذاب اس جہنمی کو ہوگا جس کے دونوں پاؤں تلے آگ کے دو اَنگارے رکھ دیئے جائیں گے اور ان کی وجہ سے اس کا دماغ اس طرح جوش مارے گا جس طرح ہنڈیا چولہے پر جوش مارتی ہے!''۔

ایک روایت میں اس طرح بھی بیان ہوا ہے کہ ''جہنمیوں میں سے سب سے ہلکا عذاب اس جہنمی کو ہوگا جسے آگ کی جوتیاں پہنا دی جائیں گی، ان کے تسمے بھی آگ کے ہوں گے اور ان کی وجہ سے اس کا دماغ اس طرح جوش مارے گا جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے اور وہ سمجھے گا کہ اس سے زیادہ عذاب کسی کو نہیں دیا جارہا حالانکہ اسے سب سے ہلکا عذاب دیا جارہا ہوگا!''۔(۲)

قرآن وحدیث میں ہمیں بعض ایسی سخت سزاؤں اور عذابوں کا ذکر ملتا ہے جو اہل جہنم کو اللہ کی طرف سے دی جائیں گی۔ ذیل میں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اہل جہنم کا لباس آگ کا ہوگا

جہنمیوں کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۞ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۞ وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ۞ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾

''پس کافروں کے لیے تو آگ کے کپڑے بیونت کر کاٹے جائیں گے اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گلا دی جائیں گی اور ان کی سزا کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔ یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو!''۔[سورۃ الحج:۱۹ تا ۲۲]

اہل جہنم کا کھانا پینا کانٹے اور گرم کھولتا پانی اور پیپ وغیرہ ہوگا

جہنمیوں کو کھانے کے لیے کانٹے دار درخت اور پینے کے لیے گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی

۱۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار۔مسلم، کتاب الایمان۔

۲۔ مسلم، کتاب صفة الجنة۔

انتڑیاں کٹ جائیں گی۔ اسی طرح انہیں پیپ اور گندا خون پینے کو دیا جائے گا۔ اب اس سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...... ﴿ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴾ [سورة الصافات: ٦٢تا٦٨]

''کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا تھوہر (زقوم) کا درخت؟ جسے ہم نے ظالموں کے لیے سخت آزمائش بنا رکھا ہے۔ بے شک جو درخت جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے، جس کے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں۔ (جہنمی) اسی درخت میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی ملونی ہوگی۔ پھر ان سب کا لوٹنا جہنم کی (آگ کی) طرف ہوگا''۔

(۲)...... ﴿ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴾ [سورة الدخان: ٤٣تا٥٠]

''بے شک زقوم (تھوہر) کا درخت، گنہگار کا کھانا ہے۔ جو مثل تلچھٹ کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے، مثل تیز گرم کھولتے پانی کے۔ (حکم ہوگا کہ) اسے پکڑ لو پھر گھسیٹتے ہوئے بیچ جہنم تک پہنچا دو، پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ۔ (اس سے کہا جائے گا) چکھتا جا تو تو بڑی عزت اور بڑے اکرام والا تھا۔ یہی وہ چیز ہے جس میں تم شک کرتے تھے''۔

(۳)...... ﴿ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴾ [سورة محمد: ١٥]

''ان (جہنمیوں) کو گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جو ان کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا''۔

(٤)...... ﴿ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴾ [سورة صٓ: ٥٥تا٥٧]

''سرکشوں کے لیے بڑی ہی بری جگہ ہے، وہ جہنم ہے جس میں وہ جائیں گے۔ (آہ!) کیا ہی برا بچھونا ہے۔ یہ ہے، پس اسے چکھو، گرم پانی اور پیپ کو! اور یہ کچھ اور اسی شکل کی طرح کی اور چیزیں (ان کی تواضع کے لیے ہوں گی!)''۔

اہل جہنم کے اردگرد آگ ہی آگ ہوگی

جہنم میں ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی، آگ ہی کے لباس جہنمیوں کو پہنائے جائیں گے، آگ ہی کھانے کو دی جائے گی، آگ ہی میں وہ اُلٹائے پلٹائے جائیں گے۔ ان کے اوپر بھی آگ ہوگی اور نیچے بھی آگ ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴾

''انہیں نیچے اوپر سے آگ کے (شعلے مثل) سائبان (کے) ڈھانک رہے ہوں گے۔ یہی (عذاب) ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے، اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو''۔[سورۃ الزمر:۱۶]

﴿ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾

''کاش! یہ کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ کافر آگ کو اپنے چہروں سے ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی''۔[سورۃ الانبیاء:۳۹]

اہل جہنم کو بڑے بڑے طوق اور وزنی زنجیریں ڈالی جائیں گی

جہنمیوں کو ایک سزا یہ دی جائے گی کہ ان کی گردنوں میں بڑے بڑے طوق ڈال دیئے جائیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑ دیئے جائیں گے، اوپر سے لوہے کے گرزوں اور آگ کے تھپیڑوں کے ساتھ ان کی پٹائی کی جائے گی جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

(۱)...... ﴿ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴾ [سورة الدهر: ٤]

''بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے''۔

(۲)...... ﴿ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴾

''جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی، وہ گھسیٹے جائیں گے، کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے''۔[سورۃ غافر:۷۱،۷۲]

(۳)...... ﴿ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴾ [سورة الحاقة: ١٥ تا٣٧]

''لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ تو کہے گا کہ کاش! مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے۔ کاش! موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی۔ میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا، میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو، پھر اسے دوزخ میں ڈال دو پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے، جکڑ دو''۔

اہل جہنم نہایت بری حالت میں رکھے جائیں گے

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِيْمًا

وَّغَسَّاقًا جَزَآءً وِّفَاقًا اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ [سورة النباء:۲۱ تا ۳۰]

''بے شک جہنم گھات (کی جگہ) ہے، سرکشوں کا ٹھکانہ وہی ہے۔ اس میں وہ قرنوں (صدیوں) تک پڑے رہیں گے۔ نہ کبھی اس میں ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، نہ پانی کا۔ سوائے گرم پانی اور (بہتی) پیپ کے۔ (ان کو) پورا پورا بدلہ ملے گا۔ انہیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی۔ اور بے باکی سے ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔ ہم نے ہر ایک چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے۔ اب تم (اپنے کیے کا) مزہ چکھو، ہم تمہارا عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے''۔

اہل جہنم کو جہنم میں نہ موت دی جائے گی اور نہ ان کا عذاب کم کیا جائے گا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ﴾ [سورة فاطر:۳٦]

''اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے، نہ تو ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا، ہم کافروں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں''۔

۲۔ اہل جہنم کی حسرتیں، آرزوئیں اور تمنائیں

اہل جہنم دنیا میں واپس جانے اور نیک عمل کرنے کی بے فائدہ حسرت کریں گے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...... ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ [سورة المومنون:۱۰۳ تا ۱۰۸]

''جن کی ترازو کا پلہ (روزِ قیامت) ہلکا ہو گیا (تو) یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا (اور) جو ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے۔ ان کے چہروں کو آگ لپیٹے مارے گی اور وہ وہاں بدشکل بنے ہوئے ہوں گے۔ (ان سے پوچھا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی، (واقعی) ہم تھے ہی گمراہ۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نجات دے، اگر اب بھی ہم ایسا ہی کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو''۔

(۲)...... ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صٰلِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ

تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ﴾ [سورة فاطر: ۳۷]

''اور وہ لوگ اس (جہنم) میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں (اس سے) نکال لے، ہم اچھے کام کریں گے، برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے۔ (اللہ فرمائیں گے) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا، وہ سمجھ لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا، پس اب مزہ چکھو کہ (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''۔

(۳)...... ﴿وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

''کاش! کہ آپ دیکھتے کہ جب گنہگار لوگ اپنے رب تعالیٰ کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے، کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اب تو ہمیں واپس لوٹا دے، ہم نیک اعمال کریں گے، ہم یقین کرنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب فرما دیتے، لیکن میری یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سے پر کر دوں گا۔ اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو، ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا ہے اور تم اپنے کیے ہوئے اعمال (کی شامت) سے ابدی عذاب کا مزہ چکھو!''۔ [سورة السجدة: ۱۲ تا ۱۴]

اہل جہنم اپنے برے اعمال پر پچھتائیں گے مگر فائدہ کچھ نہ ہوگا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ اِذَآ اُلْقُوْا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَّهِيَ تَفُورُ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيرٌ قَالُوا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيرٍ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيرِ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيرِ﴾ [سورة الملك: ٦ تا ١١]

''اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔ جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔ قریب ہے کہ (ابھی) غصے کے مارے پھٹ جائے، جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا، اس سے جہنم کے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ بے شک آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ (ارشاد ہوگا کہ) تم بہت بڑی گمراہی ہی میں ہو۔ اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔ پس انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ اب یہ دوزخی دفع ہوں''۔

اہل جہنم دنیا میں نیکی کر لینے کی حسرت اور افسوس کریں گے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجِاْیْٓءَ یَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ فَیَوْمَىِٕذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴾ [سورة الفجر: ٢٣تا٢٦]

''اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی، اس دن انسان کی سمجھ میں آئے گا، مگر آج اس کے سمجھنے کا فائدہ کہاں؟! وہ کہے گا کہ کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا۔ پس آج اللہ کے عذابوں جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا، نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی''۔

اہل جہنم جنتیوں سے پانی وغیرہ مانگیں گے مگر انہیں کچھ بھی نہیں دیا جائے گا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴾ [سورة الاعراف: ٥٠،٥١]

''اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو، یا اور ہی کچھ دے دو، (اس میں سے) جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزیں کافروں کے لیے حرام کر دی ہیں، جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو و لعب بنائے رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج ہم (بھی) ان کے نام بھول جائیں گے جیسا کہ وہ اس دن کو بھول گئے اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے''۔

اہل جہنم جہنم میں موت مانگیں گے مگر انہیں موت نہیں دی جائے گی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚۖ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴾

''بے شک گنہگار لوگ عذابِ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے۔ اور یہ پکار پکار کر (جہنم کے 'مالک' نامی داروغے فرشتے سے) کہیں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے۔ وہ (فرشتہ) کہے گا کہ تمہیں تو (ہمیشہ

اسی میں) رہنا ہے۔ (اللہ فرماتے ہیں) ہم تو تمہارے پاس حق لے کر آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے تھے۔ کیا انہوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو یقین مانو کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں۔ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، (یقیناً برابر سن رہے ہیں) بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں''۔ [سورة الزخرف: ۷۴تا۸۰]

اہل جہنم عذاب میں تخفیف کی التجا کریں گے مگر ان کی التجائیں نہیں سنی جائیں گی

﴿وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ [سورة غافر: ۴۹، ۵۰]

''اور (تمام) جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کردے۔ وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول معجزے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے، ہاں کیوں نہیں۔ تو داروغے کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض بے اثر اور بے راہ ہے''۔

۳۔ دائمی اور وقتی جہنمی

علماء وفقہاء کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف رائے ہے کہ آیا جہنم ہمیشہ رہے گی اور کیا اس میں سزا پانے والوں میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ہمیشہ وہاں سزا پاتے رہیں گے؟

جمہور علمائے اہلسنت کی رائے اس مسئلہ میں اثبات میں ہے یعنی جہنم ہمیشہ رہے گی، کبھی فنا نہیں ہوگی اور اس میں بعض لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب دیئے جاتے رہیں گے۔ اہلسنت ہی کے بعض علماء اور ان کے علاوہ کچھ اور اہل علم اس مسئلہ میں دوسری رائے کے بھی قائل ہیں، وہ یہ کہ جنت تو ہمیشہ رہے گی مگر جہنم ہمیشہ نہیں رہے گی، بلکہ ایک وقت ایسا آئے گا جب اللہ کے اس فرمان کے بموجب کہ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے) اور اس اعلان کے مطابق کہ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ (میری رحمت میرے غصہ پر سبقت لے گئی ہے) جہنم فنا کردی جائے گی۔

یہ دونوں آراء قرآن وحدیث کے دلائل اور ان سے مستنبط فہم کی بنیاد پر قائم ہیں۔ جہنم کے فنا ہوجانے سے متعلقہ دلائل کی تفصیلات کے لیے ابن قیم تلمیذ ابن تیمیہؒ کی کتابیں یعنی ''شفاء العلیل'' اور ''حادی الارواح'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ موصوف خود بھی جہنم کے فنا ہونے کے قائل تھے اور اس پر انہوں نے قرآن وحدیث کے علاوہ سلف سے بھی اپنی تائید میں بعض اقوال درج کیے ہیں۔ اردو دان طبقہ اس سلسلہ میں ''سیرت النبی'' (از: شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی) کی اس جلد کا مطالعہ کرسکتا ہے جس میں ندوی صاحب نے منصب نبوت اور عقائد وایمانیات پر بحث کرتے ہوئے جہنم کے فنا ہونے کی رائے دی ہے۔

آئندہ سطور میں ہم اس مسئلہ میں جمہور علمائے اہلسنت کے موقف کے مطابق کچھ بات کریں گے۔

دائمی جہنمی: کافر، مشرک، اعتقادی منافق اور مرتد

جمہور علمائے اہلسنت کے موقف کے مطابق جہنم میں بعض لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سزا دی جائے گی۔ان میں کافر، مشرک، اعتقادی منافق اور اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جانے والے لوگ شامل ہیں۔کافر اسے کہتے ہیں جو اللہ کو یا اللہ کی کسی کتاب کو یا اللہ کے کسی سچے نبی کو نہ مانتا ہو، یا فرشتوں اور آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔اس تعریف کے مطابق یہود ونصاریٰ بھی اسی قسم میں شمار ہوتے ہیں۔جب کہ مشرک اسے کہتے ہیں جو اللہ کو مانتا ہو مگر اللہ کے ساتھ اور معبودوں کی خدائی کا بھی قائل ہو۔

قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر کفار ومشرکین کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور انہیں دیا جانے والا عذاب بھی کبھی ختم نہ کیا جائے گا۔اس سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

۱)......کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

(۱)...... ﴿ فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءً بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴾ [سورة حم السجدة:۲۷،۲۸]

''پس ہم یقیناً ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ (ضرور) ضرور دیں گے۔اللہ کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے جس میں ان کا ہمیشگی کا گھر ہے، (یہ) بدلہ ہے ہماری آیتوں سے انکار کرنے کا''۔

(۲)...... ﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴾

''یقین مانو کہ کافروں کے لیے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی کے مثل اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیے میں دینا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا فدیہ قبول کر لیا جائے، ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے۔یہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس سے نہیں نکل سکیں گے، ان کے لیے تو دائمی عذاب ہیں''۔[سورۃ المآئدۃ:۳۶،۳۷]

۲)......مشرکوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)...... ﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾

''اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے (اللہ) معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا''۔[سورۃ النساء:۱۱۶]

(۲)......﴿ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾

''بے شک جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو حرام کر دیا ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا''۔[سورۃ المائدۃ:۷۲]

(۳)......اسی طرح جو لوگ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائیں وہ بھی چونکہ کافر شمار ہوتے ہیں، اس لیے وہ بھی جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [سورة البقرة:۲۱۷]

''اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ (مرتد ہو) جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں، ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے اور یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے''۔

(۴)......علاوہ ازیں وہ لوگ جو اعتقادی نفاق میں مبتلا ہوں مگر بظاہر انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو، وہ بھی دائمی جہنمی ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [سورة النساء: ۱٤٥، ۱٤٦]

''منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے، ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے۔ ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دیں گے''۔

وقتی سزا پانے والے غیر دائمی جہنمی

گزشتہ سطور میں جن لوگوں کے بارے میں دائمی جہنمی ہونے کی بات کی گئی ہے، ان کے علاوہ ایسے لوگ بے شمار ہوں گے جنہیں ان کے گناہوں کی سزا کے لیے کچھ وقت جہنم میں رکھا جائے گا۔ ان لوگوں کا جہنم میں رہنے کا وقت اور عذاب ان کے گناہوں کے حساب سے کم و بیش کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن اس عذاب اور سزا کے بعد انہیں بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخلے کی اجازت دے دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جسے چاہیں گے جنت میں داخل کریں گے اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ

(فرشتوں کو حکم) فرمائیں گے: دیکھو! جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے، اسے آگ سے نکال لو، چنانچہ جہنم سے بعض لوگ اس حال میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے، تو انہیں نہر حیات میں ڈالا جائے گا اور وہ اس تیزی سے نشو ونما پائیں گے جس تیزی سے بیج سیلاب میں اگتا ہے''۔ (۱)

جہنم سے ہمیشہ پناہ مانگنی چاہیے

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ جہنم میں وہ لوگ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا۔ ایسے لوگوں کو ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کے حساب سے اس جہنم میں طرح طرح کی اذیت ناک سزائیں دی جائیں گی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم اور اس کے اذیت ناک عذابوں سے بچالے اور اپنی جنت میں جگہ دے دے تو پھر ہمیں ان تمام نیک کاموں کی طرف توجہ دینی چاہیے جو اللہ کی رضا کا ذریعہ ہیں اور ہر ایسے کام (گناہ) سے دور بھاگنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک عمل کرنے اور برے عملوں سے دور رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں جہنم سے بچا کر اپنی جنتوں میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین!

(ڈاکٹر مبشر حسین، ادارہ تحقیقات اسلامی،
بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد)

......☆......

۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعة واخراج الموحدین من النار۔
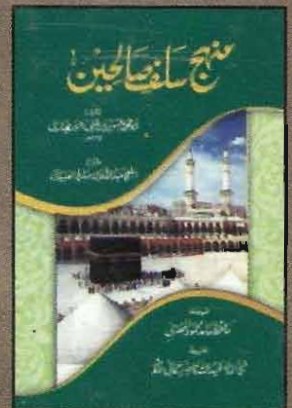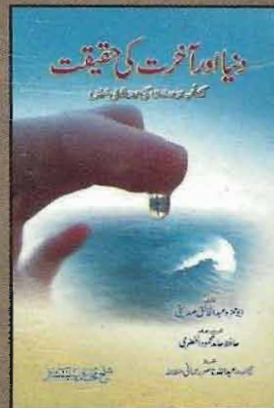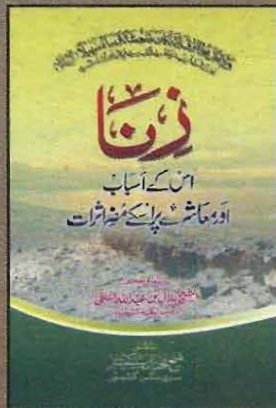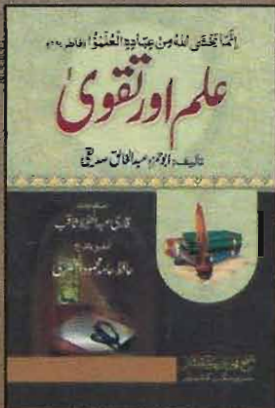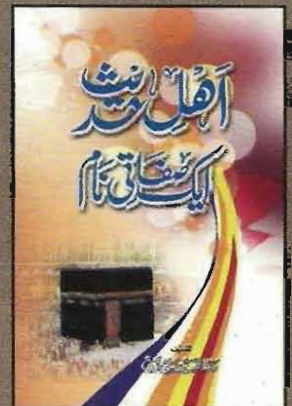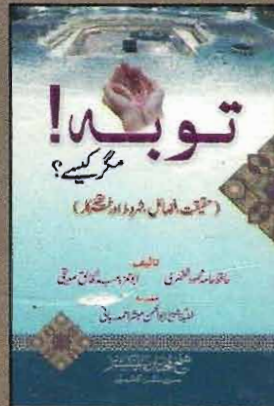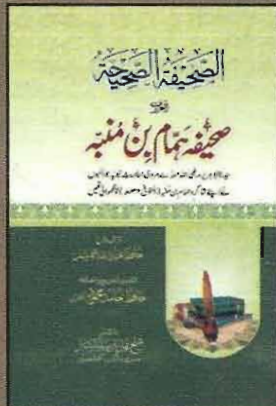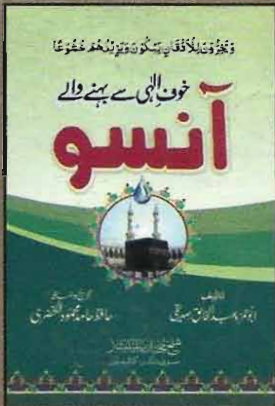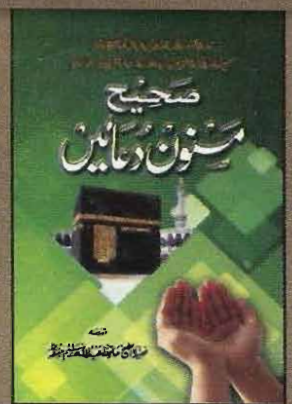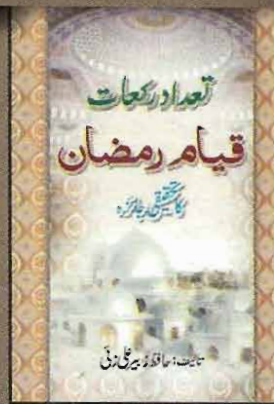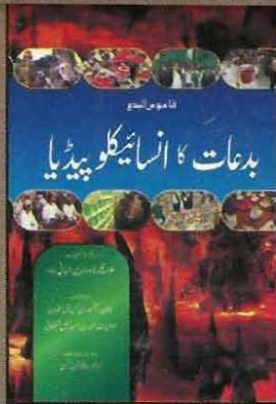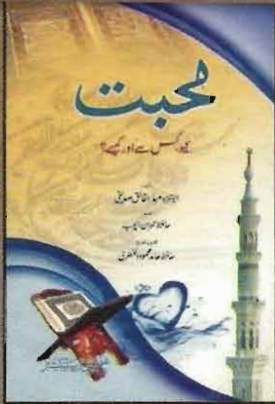
سری نگر، کشمیر

SHAIKH MUKHTAR PUBLICATIONS

Jamia Market, Near Ahle Hadees Masjid
Bemina, Srinagar, Kashmir
Mobile: 9697822095, E-mail: smpbemina@ymail.com

₹ 400/-